تفسیر سورۂ حجرات

شہید محراب
آیت اللہ عبدالحسین دستغیب
قدس سرہٗ

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان

حیدرآباد لطیف آباد یونٹ نمبر 8-C1

تفسیر سورۂ حجرات

شہید محراب حضرت آیت اللہ عبدالحسین دست غیب

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان
پوسٹ بکس ۵۴۲۵ - کراچی - پاکستان

تالیف ----------------- آیت اللہ عبدالحسین دستغیب

ترجمہ ------------------- مولانا محمد حسن جعفری

اصلاح ونظر ------------------ رضا حسین رضوانی

مطبع ------------------------ زمزم پرنٹرز۔ کراچی

طبع اول -------------------------- ۲۰۰۴ء

جملہ حقوق محفوظ ہیں یہ کتاب کلی یا جزوی طور پر اس شرط کے ساتھ فروخت کی جاتی ہے کہ جامعہ ہذا کی پیشگی اجازت کے بغیر یہ موجودہ جلد بندی اور سرورق کے علاوہ کسی بھی شکل تجارت یا کسی اور مقصد کی خاطر نہ تو عاریتاً کرائے پر دی جائے گی اور نہ ہی دوبارہ فروخت کی جائے گی۔ علاوہ ازیں کسی آئندہ خریدار یا بطور عطیہ حاصل کرنے والے پر یہ شرط عائد نہ کرنے کے لئے بھی ایسی ہی پیشگی اجازت ضروری ہے۔

اسلام

''کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟
اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق وصداقت پر رکھی گئی ہے۔
یہ علم کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے عقل و دانش کے متعدد چشمے پھوٹتے ہیں۔
یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے لاتعداد چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔
یہ ایک ایسا بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو روشن کرتا ہے۔
یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو حق وصداقت کے ہر متلاشی کو اطمینان بخشتا ہے۔

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی برترین خوشنودی کی جانب ایک شاندار راستہ اور اپنی عبودیت اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار دیا ہے۔ اس نے اسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل، نا قابل تردید تفوق اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔

اب یہ تمہارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو شان اور عظمت بخشی ہے اسے قائم رکھو۔ اس پر خلوص دل سے عمل کرو۔ اس کے معتقدات سے انصاف کرو۔ اس کے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کرو اور اپنی زندگیوں میں اسے اس کا مناسب مقام دو۔''

(امام علی علیہ السلام)

کچھ اپنے بارے میں

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم موسوی خوئی علیہ الرحمہ کا قائم کردہ یہ بین الاقوامی ادارہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان اب حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی سیستانی دام ظلہ العالی کی سرپرستی میں دنیا بھر میں معتبر اور مستند اسلامی لٹریچر عوام تک پہنچانے میں کوشاں ہے۔ اس ادارے کا مقصد دور حاضر کی روحانی ضروریات کو پورا کرنا، لوگوں کو محکم اسلامی علوم کی طرف متوجہ کرانا اور اس گراں بہا علمی سرمائے کی حفاظت کرنا ہے جو اہلبیت رسولؐ نے ایک مقدس امانت کے طور پر ہمارے سپرد کیا ہے۔

یہ ادارہ اب تک اردو، انگریزی، فرانسیسی، سواحلی، گجراتی اور دیگر زبانوں میں متعدد کتابیں شائع کرچکا ہے جو اپنے مشمولات، اسلوب بیان اور طباعت کی خوبیوں کی بنا پر فردوس کتب میں نمایاں مقام حاصل کرچکی ہیں۔ نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ انسانیت کو صراط مستقیم کی شناخت کرواتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔

اس کے علاوہ جامعہ ہذا تقریباً ۵۰۰ مدارس ومکاتب میں زیر تعلیم بچوں اور جوانوں کو اسلامی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے میں اپنا کردار ادا کررہا ہے۔

دعوت اسلام ایک ایسا کام ہے جس کو فروغ دینے کے لئے ہم سب کو باہمی تعاون کرنا چاہیے۔ ادارہ آپ سب کو اس کار خیر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے تاکہ اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر میں عام کیا جاسکے۔

دعا ہے کہ خداوند منان بحق محمدؐ وآل محمدؐ ہم سب پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

شیخ یوسف علی نفسی

وکیل حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سیستانی دام ظلہ العالی

فہرس

تفسیر سورۂ حجرات

مقدمہ ---------- ۷
نعمت حیات اور آمد رمضان پر حمد باری تعالیٰ ---------- ۱۳
توفیق روزہ اور تلاوت قرآن ---------- ۳۷
محفل پیغمبرؐ کی برکات سے محرومی ---------- ۵۷
ادب رسولؐ کا تقاضہ ---------- ۷۳
پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ دنیا دوستی سے خدا دوستی کا سفر ---------- ۹۷
تحقیق کے بغیر کوئی اقدام نہ کریں ---------- ۱۱۵
جمعہ کی تعطیل کا مقصد ---------- ۱۲۹
خالد کا صورتحال کی تحقیق کے لئے جانا ---------- ۱۴۸
دین مومن کو اپنی جان سے پیارا ہے ---------- ۱۶۸
صیغۂ جمع کی حکمت ---------- ۱۸۰

عذر قبول کرنا واجب ہے ---------- ۱۹۹
حقوق اخوت ---------- ۲۱۸
معاشرہ انسانی ضرورت ہے ---------- ۲۴۰
روز جمعہ اور درود ---------- ۲۵۳
آیت کا شان نزول ---------- ۲۸۶
کسی کے قد وقامت کا مذاق نہ اڑائیں ---------- ۳۰۲
بدگمانی سے ممانعت ---------- ۳۲۱
خدا سے بدگمانی کفر وشرک ہے ---------- ۳۳۸
حقیقی خوشی ناقابل واپسی ہوتی ہے ---------- ۳۵۸
ذات علیؑ ---------- ۳۸۰
آیات انفس وآفاق ---------- ۴۰۸
بدگمانی سے پرہیز کریں ---------- ۴۳۱
حرمت غیبت کے مزید دلائل ---------- ۴۴۹
غیبت مردار خوری کے مترادف ہے ---------- ۴۶۷
قرآن دنیا وآخرت کی بھلائی ہے ---------- ۴۸۰
سب ایک ہی والدین کی اولاد ہیں ---------- ۴۹۸
دریا کنارے بیٹھ کر عمر رواں کو دیکھیں ---------- ۵۱۶
مبداء ومعاد پر ایمان اساس دین ہے ---------- ۵۳۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حضرت خاتم الانبیاءؑ کی تعظیم کے تقاضے

کسی بھی معاشرے کی بقاء کا دار و مدار اس معاشرے کے رہنما پر ہوتا ہے اور رہنما جتنا مؤثر اور محترم ہوگا، معاشرہ بھی اتنا ہی پائیدار اور قابل احترام ہوگا۔ دین اسلام اس لحاظ سے بڑا خوش قسمت ہے کہ اس کے عظیم رہنما خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ کی عظیم ترین شخصیت کی وجہ سے اسلامی معاشرہ قابل احترام ہے۔

در دلِ مسلم مقام مصطفیٰؐ ست
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ ست

عقیدۂ توحید کا تقاضا ہے کہ حضرت خاتم الانبیاءؑ کا ان کے شایان شان احترام کیا جائے کیونکہ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نمائندہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ حجرات کے آغاز میں ادب رسولؐ کے تقاضوں کو بیان فرمایا ہے اور امت اسلامیہ کو حکم دیا ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسولؐ سے کسی طور بھی آگے بڑھنے کی جسارت نہ کریں اور اپنی آواز کو رسول خداؐ کی آواز سے

بلند نہ ہونے دیں۔ رسول اکرمؐ کو خطاب کرتے وقت بھی یہ خیال رکھیں کہ اس سے آپؐ کی عظمت کے تقاضے کسی طور متاثر نہ ہونے پائیں اور آپ کو اس طرح سے نہ بلائیں جس طرح سے وہ ایک دوسرے کو بلاتے اور پکارتے ہیں۔ ہر حال میں پیغمبر اکرمؐ کا ادب ملحوظ رکھیں۔ علاوہ ازیں اگر انہیں پیغمبر اکرمؐ کو گھر سے بالفرض بلانا بھی مقصود ہو تو انہیں صبر کرنا چاہئے یہاں تک کہ آپؐ خود ہی گھر سے برآمد ہوں۔ آپؐ کے گھر کے باہر کھڑے ہو کر آپ کو ہرگز آواز نہ دیں کیونکہ یہ شان رسالت میں سوء ادب کے مترادف ہے۔ چنانچہ سورۂ حجرات کی ابتدا میں ادب پیغمبرؐ کے تقاضوں کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

فاسق کی گفتگو تصدیق مانگتی ہے

کبھی کبھی فتنہ پرور لوگ جھوٹ بول کر معاشرے میں ایک ہیجان پیدا کردیتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے کا امن وسکون غارت ہو جاتا ہے اور محبت و اخوت کی بجائے نفرت وکدورت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر یہی نفرت بڑھتے بڑھتے جنگ کا روپ دھار لیتی ہے اور اس کی چنگاریاں ایک عرصے تک بجھنے کا نام نہیں لیتیں۔ اس طرح کے متعدد واقعات سے ہماری تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہیں۔

سورۂ حجرات کے دوسرے حصے میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ تلقین کی ہے کہ وہ کسی فاسق کی خبر پر آنکھ بند کر کے اعتماد نہ کریں اور کوئی بھی اقدام کرنے سے قبل اس خبر کی تحقیق کرلیا کریں۔ اگر انہوں نے تحقیق نہ کی تو عین ممکن ہے کہ انہیں اپنے اقدام کی وجہ سے شرمندگی اٹھانا پڑے۔

قرآن مجید نے اپنے اس حکیمانہ حکم سے بہت سی جانوں کے اتلاف کو روکا ہے اور ضمناً یہ بھی فرمایا ہے کہ ”امت اسلامیہ کا کام فرمانبرداری ہے، فرمان جاری کرنا نہیں ہے اور مسلمانوں کو خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہنا چاہئے تاکہ انہیں دنیا اور آخرت میں فوز وفلاح نصیب ہو سکے۔“

مسلمانوں میں صلح کرانی چاہئے

سورۂ مبارکہ حجرات کے تیسرے حصے میں بتایا گیا ہے کہ دین مبین اسلام کی نظر میں تمام مسلمان بھائی بھائی اور ایک ہی شجرِ طیب کے پتے اور ایک ہی جسم کے اعضاء اور ایک ہی خانوادے کے افراد ہیں۔ اگر ایک شخص بے چین ہو تو اس کی بے چینی صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہنی چاہئے بلکہ پورے معاشرے کو اس کے درد و الم کا احساس کرنا چاہئے۔ اگر دو افراد یا دو گروہوں میں جھگڑا ہو جائے تو باقی مسلمان ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کا مصداق نہ بنیں بلکہ آگے بڑھ کر فتنے کی آگ کو ٹھنڈا کریں اور تنازعات کا منصفانہ فیصلہ کریں۔ اگر ایک فریق ظلم و زیادتی پر اتر آئے تو امت اسلامیہ کا فرض ہے کہ وہ مظلوم کی حمایت کرے اور ظالم کو ہر قیمت پر لگام دے اور صلح و جنگ میں عدالت اور تقویٰ کے اصولوں کی پاسداری کرے۔

اختلافات سے کیسے دور رہا جائے

اسلامی معاشرے کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں اختلافات کے محرکات کا علم ہونا چاہئے تا کہ اور ان محرکات سے بچا جا سکے۔

اس سلسلے میں سورۂ حجرات کے چوتھے حصے کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ اختلاف کا بنیادی محرک بدگمانی ہے اور پھر اس بدگمانی سے تجسس کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور انسان غیبت کرنے لگ جاتا ہے۔ آخرکار نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک انسان دوسرے کو برے ناموں سے یاد کر کے اس کی توہین کرنے لگتا ہے اور اس طرح سے اپنے آپ کو برتر اور دوسروں کو کمتر سمجھنے لگتا ہے۔

سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے امت کو اختلاف کے ان محرکات سے آگاہ فرمایا ہے اور انہیں ان سے بچنے کی ترغیب دی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ کسی کا مذاق مت اڑاؤ کیونکہ یہ بات عین ممکن ہے کہ جس کا مذاق اڑایا

جارہا ہو وہ دوسرے فریق سے بہتر ہو اور اس کے ساتھ قرآن مجید نے غیبت کرنے کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا اور یوں غیبت کرنے والے کو مردار خور جانوروں کی ٹولی کا ایک فرد گردانا ہے۔

اسلام کسی نسلی تفاخر کی اجازت نہیں دیتا اور اس کا پیغام یہ ہے کہ تمام انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں اور کسی کو قبیلے اور نسل کی بنیاد پر فخر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسلام میں نژاد پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ مختلف قومیں اور قبیلے ان کے لئے تعارف کا ایک ذریعہ ہیں۔ اللہ کی نظر میں محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ اسلام میں نسل اور قبیلہ نہیں بلکہ تقویٰ وجہ احترام ہے۔

اسلام اور ایمان کا فرق

بہت سے افراد کو ایمان و اسلام کی حقیقت کا علم نہیں اور وہ دونوں کو ایک ہی سکے کے دو رُخ سمجھتے ہیں جبکہ اسلام و ایمان میں واضح فرق ہے۔

دین اسلام صرف ظاہری تصدیق یعنی شہادتین کا نام ہے اور جو شخص زبان سے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کہہ دے وہ مسلمان ہے اور دین اسلام اپنی مصالح کی بنا پر اسے پاک اور اس کے نکاح و میراث اور ذبیحہ کو حلال قرار دیتا ہے جبکہ ایمان مذکورہ اقرار کی پابندی کا نام ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر خدادوستی اور خدا سے امید وخوف اور توکل کو ایمان کا لازمہ قرار دیا گیا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کے پانچویں حصے میں اسلام اور ایمان کا باہمی فرق بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دل و جان سے خدا اور اس کے رسول مقبولؐ پر ایمان لائے، اپنے دل سے ''حب دنیا'' اور ہر طرح کے شبہ کو نکال باہر کرے۔ ایمان کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنی جان اور اپنے مال کی پرواہ نہ کرے بلکہ جان ومال سے خدا کی راہ میں جہاد کرے کیونکہ انسان فانی ہے اور اسے بقا تب ہی مل سکتی ہے جب وہ فنا فی اللہ ہو جائے۔

ایمان— احسان الٰہی کا ثمر ہے

صدر اسلام اور بعد کے زمانے میں ایسے بے خبر افراد بھی موجود رہے جو اپنے اسلام لانے کو ایک عظیم تبدیلی قرار دیتے تھے اور رسول اکرمؐ پر اپنے اسلام کا احسان جتلاتے تھے۔

سورۂ مبارکۂ حجرات کے چھٹے حصے میں ایسے افراد کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ غلطی کر رہے ہیں۔ انہیں احسان جتلانے کا کوئی حق نہیں ہے اور انہیں اسلام و ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس نے انہیں ایمان کی ہدایت دی ہے اور ایسے لوگوں کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ اسلام کے زبانی دعوے کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اس کے برعکس خدا کے ہاں ایسے ایمان کی بڑی قدر و قیمت ہے جس کے آثار گفتار و کردار میں نمایاں ہوں اور ایمان کی وجہ سے انسان گناہان کبیرہ سے پرہیز کرے اور نیکی کے کام بجالائے اور ایمان کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ایک احسان سمجھنا چاہئے کہ اس نے مشت خاک کو نور ایمان سے منور کیا ہے اور ایمان کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ خود بہتر جانتا ہے کہ اس جوہر قابل کے لائق افراد کون ہیں اور وہ جنہیں اس جوہر کے قابل سمجھتا ہے وہ انہیں ایمان کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔

بہرنوع یہ سورۂ مبارکہ اگرچہ چھوٹی ہے مگر اس کی تعلیمات اس قدر جامع ہیں کہ فلاح دارین کا ذریعہ بن سکتی ہیں اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی کامیابی کی ضمانت فراہم کرتی ہیں۔

ہم نے ترتیب مضامین کو مدنظر رکھ کر سورۂ مبارکہ حجرات کو چھ عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔

عام فہم تفسیر

اللہ تعالیٰ نے حضرت آیت اللہ عبدالحسین دستغیب قدس سرہٗ کو بیان کی نعمت سے نوازا تھا اور وہ علّمہُ البیان کی عملی تفسیر تھے۔ وہ قرآن مجید کے مشکل مباحث کو بھی انتہائی شگفتہ، سہل اور سلیس انداز میں بیان کرتے تھے تاکہ ہر شخص مطالب سے آشنائی حاصل کرسکے۔ آپ مطالب کی تفہیم کے لئے مشکل حقائق کو داستانوں کے ذریعے سہل بنانے کا فن جانتے تھے۔ سورۂ حجرات کی یہ تفسیر بھی ان کے آسان اسلوب بیان کا بہترین نمونہ ہے۔ اسی سہل انداز کی وجہ سے ان کی تمام کتابوں کو عوام میں بڑی پذیرائی نصیب ہوئی اور ان کی ہر کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں اور یہ سلسلہ انشاء اللہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

یہ کتاب شہید محراب کی باقاعدہ تالیف نہیں ہے۔ یہ ان کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ انہوں نے یہ تقاریر ماہ مبارک رمضان ۱۳۹۶ھ میں ارشاد فرمائی تھیں۔ ہم نے ان کی تقاریر کیسٹ سے نقل کر کے اس طرح مدون کی ہے کہ خطاب، کتاب میں بدل جائے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ باقی کتابوں کی طرح سے شہید محراب کی یہ کتاب بھی قارئین کو پسند آئے گی۔

والسلام

سید محمد ہاشم دستغیب

شیراز۔ ۱۵/شعبان المعظم

۱۳۹۸ھ

نعمت حیات اور آمد رمضان پر حمد باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ نے ہمیں نعمت حیات جس ارزانی سے عطا فرمائی ہے اس پر ہم اس کا شکر بجالاتے ہیں۔ انسان کو نعمت شناسی کا ثبوت دینا چاہئے۔ ایک انسان کے لئے سب سے بڑی نعمت اس کی عمر ہے۔ جب عمر تمام ہو جائے تو پھر انسان کسی بھی نعمت سے مستفید نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے انسان کو یہ بات جان لینا چاہئے کہ تمام نعمتوں کی بنیاد یہی حیات مستعار ہے کیونکہ زندگی ہے تو انسان باقی نعمتوں سے بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے اور جب زندگی کا دفتر بند ہو جاتا ہے تو انسان توبہ و انابت کے ذریعے سے اپنے گناہوں کی تلافی نہیں کرسکتا اور نہ ہی اپنی نیکیوں میں کسی طرح کا اضافہ کرسکتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے ۔

ہر نفس ز انفاس عمرت گوہری است
آن نفس سوی خدایت رہبری است

یعنی تیری زندگی کی ہر سانس ایک گوہر ہے اور وہ سانس خدا کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

یہ سانس جو کہ ہر وقت آمد و رفت کے سلسلے میں مصروف ہے یہ ایک قیمتی گوہر ہے۔ اس سانس کی قدر و قیمت کا علم اس وقت کسی کو نہیں ہے۔ اس کی قدر و

قیمت کا اندازہ موت کے وقت ہوگا جب انسان بڑی بے بسی سے خدا کے حضور عرض کرے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اس وقت کی منظر کشی ان الفاظ سے کی گئی ہے:
حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَ هُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ یہاں تک کہ جب ان میں کسی پر موت وارد ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ خدایا! مجھے ایک بار پھر زندگی عطا کرتا کہ میں نیک عمل کرسکوں۔ (سورۂ مومنون۔ آیت ۹۹)

اور جب کوئی مرنے والا یہ درخواست کرتا ہے تو اسے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ "ہرگز نہیں! تجھ سے قبل کیا کسی کو دوبارہ عمر ملی ہے کہ تجھے عطا کی جائے؟"

آپ اس نعمت حیات کی قدر کریں اور دیکھیں کہ خدا نے آپ کو کتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے۔ آج آپ کو اس نعمت حیات کی وجہ سے ماہ رمضان ایک بار پھر نصیب ہو رہا ہے۔ کچھ دیر کے لئے پچھلے سال کے ماہ رمضان کو تصور میں لائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ پچھلے ماہ رمضان میں آپ کے کچھ رشتہ دار اور دوست زندہ تھے جو آج آپ کے درمیان موجود نہیں ہیں اور وہ آپ کی دنیا کو چھوڑ کر پیوند خاک ہو چکے ہیں۔ اگر آپ غور سے دیکھیں گے تو آپ کو یہ بات ضرور دکھائی دے گی کہ آپ سے کم عمر افراد اس جہان سے رخصت ہو گئے جبکہ اس سال ماہ رمضان میں ہم اور آپ ابھی تک زندہ ہیں اور اس نعمت حیات کے لئے ہمیں کتنی بار اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہنا چاہئے، اس کا تو ہم اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔

اس لئے آپ خدا کا شکر ادا کریں کہ آپ کو نعمت حیات کی وجہ سے ایک مرتبہ پھر ماہ رمضان نصیب ہو گیا اور آپ کو ماہ رمضان کی برکات نصیب ہو رہی ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ آپ اپنے مُردہ بھائیوں کے لئے دعا کریں۔ ماہ رمضان میں مُردوں کے لئے دعائے مغفرت کی تاکید کی گئی ہے اور روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ مرنے والے باقی مہینوں کی بہ نسبت اس مہینے میں زندہ افراد سے دعائے مغفرت کی زیادہ تمنا کرتے ہیں اور وہ زندہ افراد سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ وہ ان کے لئے دعا کریں اور خیرات دیں۔

درود و سلام بہترین ذکر ہے

ماہ رمضان کا بہترین تحفہ محمدؐ اور آل محمدؐ پر درود و سلام بھیجنا ہے۔ ویسے تو ماہ مبارک رمضان کے تمام دنوں میں درود پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے لیکن شب جمعہ اور روز جمعہ درود پڑھنے کی خاص تاکید کی گئی ہے۔ جمعہ کو ایک جگہ بیٹھ کر ایک ہزار مرتبہ درود پڑھیں اور نماز عصر کے بعد ایک سو مرتبہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّلْ فَرَجَھُمْ کا ورد کریں۔ اس سلسلے میں شیخ الطائفہ رئیس المحدثین صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب امالی میں سند متصل سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جمعرات کے دن عصر کے وقت کچھ فرشتے زمین پر نازل ہوتے ہیں جن کے پاس چاندی کے صحیفے اور بہشتی سونے کے قلم ہوتے ہیں اور وہ جمعہ کے دن غروب تک زمین پر رہتے ہیں اور جیسے ہی جمعہ کا سورج غروب ہوتا ہے وہ فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں اور جب کوئی مومن محمدؐ و آل محمدؐ پر درود پڑھتا ہے تو وہ اسے چاندی کے صحیفوں میں لکھ لیتے ہیں۔

سورۂ حجرات کی تفسیر مناسب ہے

ماہ رمضان نزول قرآن کا مہینہ ہے: شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ○ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ (سورۂ بقرہ، آیت۱۸۰) اس مناسبت سے ہم چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر پر کچھ بحث کی جائے اور اس کے لئے جو سورتیں ہمارے پیش نظر تھیں ان میں سے ہم نے سورۂ مبارکۂ حجرات کا انتخاب کیا ہے کیونکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کچھ قرآنی مطالب لوگوں تک پہنچ سکیں اور وہ قرآن کے فیوض و برکات سے مستفید ہوسکیں۔

اس وقت واضح آسمانی وحی قرآن محمدیؐ کی شکل میں موجود ہے۔ ہم اس

سورۂ مبارکہ کی تفسیر سے قبل ماہ رمضان المبارک کی فضیلت کے متعلق کچھ معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں اور آج ماہ مبارک کی پہلی تاریخ ہے اسی لئے ہم رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خطبے سے کچھ اقتباس پیش کر رہے ہیں جو آپ نے ماہ شعبان کے آخری جمعہ میں ارشاد فرمایا تھا۔

مگر ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبے پر ساری بحث کو مرکوز نہیں کریں گے بلکہ اس خطبے کے اہم نکات بیان کر کے سورۂ حجرات کی تفسیر کی طرف رجوع کریں گے اور آنحضرتؐ کے خطبے کے چیدہ چیدہ نکات کو ترتیب وار بیان کریں گے۔

ماہ رمضان المبارک کی اہمیت اور برکات

ابن بابویہ نے سند متصل سے کتاب امالی میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ شعبان کے آخری خطبۂ جمعہ میں فرمایا: **ایھا الناس قد اقبل الیکم شھر اللّٰہ بالرحمۃ والمغفرۃ والبرکۃ** یعنی ''اے مسلمانو! خوشی مناؤ کہ تمہاری طرف خدا کا مہینہ اپنے جلو میں رحمت، مغفرت اور برکت لے کر آرہا ہے۔'' یہ مہینہ برکت لے کر آیا ہے یعنی مقدر میں اضافہ لے کر آیا ہے۔ اس سے بڑھ کر برکت اور اضافہ کیا ہوسکتا ہے کہ اس میں تمہارا ہر سانس تسبیح الٰہی شمار ہوتا ہے۔

اے روزہ دارو! تمہیں مبارک ہو کہ اس ماہ میں **انفاسکم فیہ تسبیح** یعنی تمہارے سانس تسبیح کا درجہ رکھتے ہیں اور اگر گیارہ ماہ میں تم نیند کرو گے تو تمہارا نامۂ اعمال نیند کے وقت بند ہوگا لیکن اس مہینے کی شان یہ ہے کہ **نومکم فیہ عبادۃ** یعنی تمہاری نیند بھی عبادت ہے۔

اس ماہ مبارک میں قرآن مجید کی ایک آیت کی تلاوت کا ثواب دوسرے

مہینوں میں ختم قرآن کے برابر ہے اور اس ماہ مبارک میں دو رکعت واجب نماز کا ثواب ماہ رمضان کے علاوہ ستر مرتبہ کے برابر ہے۔

اس ماہ میں اعضاء حرام سے بچ جاتے ہیں

اس مبارک مہینے میں روح کو تقویت ملتی ہے اور حیوانیت کے جذبات ماند پڑ جاتے ہیں اور اس مہینے میں شیطان کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اس مہینے میں مومن اپنی زبان پر کنٹرول کرتا ہے اور زبان دوزخ کا ایک دروازہ ہے۔ زبان پر کنٹرول کی وجہ سے جہنم کا وہ دروازہ بند ہو جاتا ہے جس کا تعلق زبان سے ہوتا ہے۔

اس مہینے میں مومن اپنی زبان کا خصوصی خیال رکھتا ہے۔ اس لئے وہ کسی کی غیبت نہیں کرتا، چغل خوری نہیں کرتا، لگائی بجھائی نہیں کرتا اور جھوٹ نہیں بولتا۔

دوزخ کے ایک دروازے کا تعلق آنکھوں سے ہے اور یقین کریں کہ وہ دروازہ کل رات سے بند ہو چکا ہے۔ روزہ دار آنکھوں سے خیانت نہیں کرتا اور حرام مناظر کو دیکھنے کی جسارت نہیں کرتا۔ اگر کوئی کل رات تک حرام مناظر دیکھتا رہا تو وہ کل کی بات تھی جو کہ گزر گئی لیکن اب ایسا ہرگز نہیں ہے۔

دوزخ کے ایک دروازے کا تعلق کانوں سے ہے۔ وہ دروازہ بھی کل رات سے بند ہو چکا ہے اور اس سے قبل اگر کسی کے پاؤں کسی ایسی جگہ جاتے تھے جہاں جانا حرام تھا تو وہ پاؤں اب حرام مقام پر نہیں جائیں گے اور دوزخ کا جو دروازہ پاؤں کی وجہ سے کھلتا تھا وہ پاؤں کے صحیح استعمال کی وجہ سے بند ہو چکا ہے۔

اس مہینے کی برکات کو شمار کرنا ناممکن ہے۔ اس کی برکات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام اس مہینے کے چاند کو دیکھ کر اس پر یوں سلام کرتے تھے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا عِیْدَ الْاَوْلِیَاءِ یعنی اے ماہ رمضان! اے دوستانِ خدا کی عید! تجھ پر سلام ہو۔

جس طرح سے نو روز بچوں کی عید ہے اسی طرح سے ماہ رمضان عقل مندوں کی عید ہے۔ حیوانات کی عید شکم پُری ہے اور ان کی طرح سے شکم پرور افراد اس دن کو اپنے لئے عید قرار دیتے ہیں جس دن وہ خوب پیٹ بھریں اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کرسکیں۔ یقیناً ایسے لوگ بچکانہ ذہنیت رکھتے ہیں۔ شکم پروری اور سفلی جذبات کی تسکین کسی حیوان کی عید تو ہوسکتی ہے لیکن کسی عقل مند کی عید نہیں بن سکتی۔ عقل مند کے لئے عید کا دن وہ ہے جس دن اس کی روح قوی ہوتی ہو۔ شکم پروری عقل مند کے لئے عید کا سامان فراہم نہیں کرتی۔

یقین کیجئے کہ آپ جتنا بھی شکم پروری سے کام کیوں نہ لیں، پھر بھی آپ ایک بیل کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ ایک بیل بہرنوع آپ سے زیادہ ہی کھا سکتا ہے اور کھانے پینے کے معاملے میں وہ آپ سے زیادہ ہوشیار ہے۔ اگر کھانے پر ہی دارومدار ہوتا تو ایک بیل انسان سے افضل ہوتا۔ لیکن شکم پری کوئی فضیلت ہرگز نہیں ہے۔ اس لئے ایک انسان کو شکم پری کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرنی چاہئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ صرف کھانا اور کھانے کے لئے جینا حیوانیت کا تقاضا ہے۔ انسان بھی کھاتا ہے لیکن وہ کھانے کے لئے ہرگز نہیں کھاتا وہ زندہ رہنے کے لئے مجبوراً کھاتا ہے جبکہ حیوان مثلاً بیل اور گدھا، کھانے کے لئے کھاتے ہیں۔ ایک انسان اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے کھاتا ہے، پُرخوری کے جذبے کے تحت کھانا نہیں کھاتا، بس انسان اور حیوان میں یہی فرق ہے۔

بیداری اور اپنے آپ کو دریافت کرنے کا مہینہ

دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر آپ اپنی شخصیت کھوتے جارہے ہیں جبکہ ماہ مبارک رمضان اپنے آپ کو دریافت کرنے کا مہینہ ہے۔ آپ اپنی حقیقت کا سراغ لگائیں اور اپنی گمشدہ روح کو تلاش کریں اور یاد رکھیں کہ یہ گوشت پوست آپ کی

سواری ہے۔ یہ گوشت پوست کا جسم آپ کی حقیقت نہیں ہے۔

آپ کی ذات کا تعلق دوسرے گوہر سے ہے۔ عرش کے کنگروں سے آپ لئے آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ آخر ان آوازوں کی حقیقت کب آشکار ہوگی؟

ماہ مبارک رمضان میں آپ اپنی سواری یعنی جسم کے دروازے کو بند کردیتے ہیں جس سے آپ کی حیوانی جبلّتیں کمزور ہوتی ہیں اور روح طاقتور ہوتی ہے اور روح کی طاقت آخرکار اتنی بڑھ جاتی ہے کہ آپ مقام یقین پر فائز ہوکر اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ کہنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ مقام یقین، علم توحید کا مقام ہے۔ انسانی روح رشد کب حاصل کرتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب معنوی اور روحانی جہات قوی ہوں اور جہات حیوانیت کمزور ہوں تو اس وقت روح ارتقائی منازل طے کرتی ہے۔

شکم پُری اور روحانیت میں تضاد ہے

فروع کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا کے حضور انسان اس وقت مبغوض ترین حالت میں ہوتا ہے جب اس کا شکم سیر ہوتا ہے۔

شکم پُری کی وجہ سے انسان روحانیت کی منزل سے گر کر حیوانات کی منزل میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ افراد جنہوں نے اپنی زندگی کا مطمح نظر خورد و نوش کو سمجھ لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں حیوانات سے تشبیہ دی ہے اور ان کے متعلق فرمایا ہے:

يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ○ وہ فائدے حاصل کر رہے ہیں اور اسی طرح کھا رہے ہیں جیسا کہ چوپائے کھاتے ہیں اور دوزخ ان کا ٹھکانہ ہے۔ (سورۂ محمدؐ: آیت ۱۲)

ماہ رمضان کی برکات اتنی زیادہ ہیں کہ میں انہیں گنوانے سے قاصر ہوں۔ بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانو! سجدۂ شکر ادا کرو اور سجدے میں کہو کہ

''خدایا تیرا شکر ہے کہ مجھ پر موت نہیں آئی اور میں ایک بار پھر عید اولیاء کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔''

صلہ رحمی اور رحمت خداوندی

اس بابرکت مہینے میں جو نیک کام سرانجام دیتے ہیں، ان میں سے ایک کام صلہ رحمی ہے۔ رسول رحمتؐ نے اپنے خطبے میں فرمایا: صلوا ارحامکم حتی یصل اللّٰہ رحمتہ الیکم. آپ چاہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت آپ تک پہنچے؟

اور اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو پھر جتنا ممکن ہو صلہ رحمی سے کام لیں اور اپنے سے وابستہ افراد سے بھلائی کریں۔ صلہ رحمی کے کئی طریقے ہیں۔ اگر آپ کا رشتہ دار مفلس ہے اور آپ دولت مند ہیں تو صلہ رحمی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اسے غربت و مفلسی سے نجات دلائیں۔ اپنے غریب رشتہ داروں کو اپنے گھر بلا کر دعوت دیں اور ماں باپ کی وجہ سے آپ کے جتنے بھی رشتہ دار بنتے ہیں ان تمام رشتہ داروں سے بھلائی کریں۔ اس ماہ میں آپ اپنے بھائی، بہن، بھتیجوں اور بھانجوں سے بھلائی کریں اور اسی طرح سے اپنی پھوپھی، پھوپھی زاد، خالہ، خالہ زاد بھائیوں سے صلہ رحمی کریں۔ ماہ رمضان میں صلہ رحمی کو ہرگز فراموش نہ کریں اور اگر آپ نے صلہ رحمی کی تو اللہ کی رحمت بھی آپ تک یقیناً پہنچے گی۔

بے حیائی خاندانی محبت کو ختم کردیتی ہے

مغرب کے بہت سے ترقی یافتہ ممالک میں لوگوں نے اپنی مصروفیات کو اس قدر بڑھا لیا ہے کہ وہاں رشتوں کا احترام اور تقدس ختم ہو چکا ہے۔ وہاں کسی کو پتا نہیں کہ وہ کس کا باپ ہے اور کس کی ماں ہے اور وہ کس کا بھائی یا بہن ہے اور کس کی پھوپھی یا خالہ ہے۔ وہاں ان رشتوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ جن ممالک

میں زنا کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو وہاں رشتوں میں گرمجوشی باقی نہیں رہتی۔

آج سے چند برس پہلے میں نے ایک رسالے میں پڑھا تھا کہ صرف لندن میں ہر سال پانچ ہزار بے پدر بچے پیدا ہوتے ہیں اور حکومت برطانیہ ان کی سرپرستی کرتی ہے۔ یہ خبر آج سے بیس سال پرانی ہے اور آج کل کم و بیش پچاس ہزار بے پدر بچے جنم لیتے ہوں گے۔

ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ بے پدر بچے مستقبل میں کون کون سے کلیدی عہدوں پر فائز ہوتے ہوں گے۔ ممکن ہے کہ وہ کسی شہر کے میئر بن جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ افواج کے سربراہ بن جائیں اور ہمیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جب کوئی حرامزادہ کسی کلیدی منصب پر فائز ہو جائے تو وہ کیا کچھ کام سرانجام دے گا؟

میرے ایک دوست نے مجھ سے بیان کیا کہ یورپ میں جہاں دولت کی فراوانی ہے وہاں بعض لوگ مرتے وقت یہ وصیت کر جاتے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد اتنے لاکھ ڈالر میرے کتوں پر صرف ہونے چاہئیں اور اتنے لاکھ ڈالر میری پالتو بلیوں پر خرچ کیے جائیں۔

میں نے اپنے دوست سے کہا: کیا ان لوگوں کی اولاد نہیں ہوتی اور اگر ان کی اولاد ہوتی ہے تو وہ اتنی خطیر رقم کتوں اور بلیوں پر خرچ کرنے کی وصیت کیوں کرتے ہیں؟

میرے دوست نے جواب میں کہا: ان کی اولاد بھی ہوتی ہے، مگر انہیں اپنی اولاد کے متعلق یہ یقین نہیں ہوتا کہ وہ واقعی ان کے نطفے سے پیدا ہوئے ہیں۔

اہل یورپ کی اس بدنصیبی کو دیکھیں اور پھر آپ اپنی خوش نصیبی کو ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام نے آپ کو رشتہ داروں سے صلہ رحمی کی کس قدر تاکید کی ہے اور اسلام نے یہ پیغام دیا ہے کہ دنیا و آخرت کا نظام صلہ رحمی سے مربوط ہے۔

کے لئے سورۂ فاتحہ کی درخواست کی جائے۔ آپ سے یہ کس نے کہا ہے کہ ایک کلو کھجور لے کر پوری مسجد میں تقسیم کریں یا ایک تھال حلوہ بنا کر پوری مسجد میں بانٹتے پھریں اور پوری جماعت سے اپنے والدین کی مغفرت کے لئے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرائیں۔ آپ کو کچھ تو لحاظ آنا چاہئے جن والدین سے میراث میں آپ نے لاکھوں روپے حاصل کئے ہیں۔ اس دولت میں سے کم از کم آدھی دولت خدا کی راہ میں خرچ کریں اور ان کی مغفرت کے لئے دعا طلب کریں۔

یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جن والدین سے آپ کو لاکھوں، کروڑوں روپے میراث میں ملے ہیں، آپ ان کے لئے دو کلو کھجور بانٹ کر یہ سمجھنے لگیں کہ آپ نے والدین کا حق ادا کر دیا ہے اور اپنی بخشش کا سامان بھی بنالیا ہے۔

جب رسول خداؐ نے افطار کا ثواب بیان کیا تو منبر کے پیچھے سے لوگوں نے کہا: یارسول اللہؐ! ہم افطار کرانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یعنی ہمارے پاس اتنی خوراک نہیں ہے جس سے کسی روزے دار کو پیٹ بھر کر افطار کراسکیں تو آپ نے فرمایا: اتقوا النار ولو تمرۃ. یعنی اگر تم کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر افطار نہیں کراسکتے تو کھجور کے دو دانے کھلا کر ہی افطار کرادو اور اس طرح دوزخ کا ایندھن بننے سے بچ جاؤ۔ خرما کا ایک دانہ خود کھالو اور ایک دانہ اپنے روزہ دار بھائی کو کھلا دو۔

یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کے پاس ایک دانہ خرما سے زیادہ کچھ نہ ہو۔ یہ حکم اس کے لئے ہرگز نہیں ہے جس کے پاس لاکھوں، کروڑوں کی جائیداد ہو اور وہ روزے دار کو ایک دانہ خرما سے افطار کراتا پھرتا ہو۔

مواعظ شیخ شوستری میں ہے کہ ایک بار شیخ علیہ الرحمہ نے نجف اشرف میں دوران خطاب فرمایا: اے لوگو! حلوے کی ایک کڑھائی پکا کر پورے حرم اور پوری جماعت میں پھیرنا ایک مسخرہ بازی ہے اور تمہیں اس مسخرہ بازی کا حکم کس نے دیا ہے؟ اگر تم نے اپنے بزرگوں کو بخشوانا ہے تو پھر کسی بھوکے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ،

کسی مقروض کا قرض ادا کردو یا کسی بے لباس کو لباس پہناؤ اور اپنے مرحومین کی نیابت میں کوئی بھلائی کا کام کرو۔ اگر تم نے بالفرض کسی سے دس ہزار روپے قرض واپس لینا ہے اور تمہارا مقروض قرض ادا کرنے کے قابل نہیں ہے تو پھر قرآن مجید کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دے دو اور اگر وہ کسی بھی طور ادائیگیٔ قرض کے قابل نہ ہو تو پھر رضائے الٰہی کی خاطر اپنا قرض معاف کردو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ اگر مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک اسے مہلت دو اور اگر قرض صدقہ کردو تو تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم علم رکھتے ہو۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۸۰)

اگر تم اپنے والد کی مغفرت چاہتے ہو تو مقروض کو دس ہزار روپے معاف کردو۔ جس والد کی میراث سے تمہیں دس لاکھ روپے ملے ہیں اگر اس کی جائیداد میں سے دس ہزار روپے معاف کردو گے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگر تم نے کسی سے کوئی قرض نہیں لینا تو کسی مقروض کا قرض اپنی جیب سے ادا کردو اور دل کھول کر خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ دیکھنے والی نگاہوں میں تم کسی مدرسے، مسجد یا فقراء کی مدد کر رہے ہو لیکن حقیقت میں تم اپنی مدد کر رہے ہو اور اس ذریعے سے تمہیں حقیقی دولت نصیب ہوگی۔ اس سے تم عالم بالا میں اپنے لئے راستہ بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گے اور اپنے لئے جنت کا دروازہ کھلوانے کی صلاحیت پیدا کرلو گے۔

ایک کنجوس اپنے علاوہ کسی دوسرے کے لئے کوئی مشکلات پیدا نہیں کرتا بلکہ ہاتھ روک کر اپنے لئے جنت کا دروازہ بند کرتا ہے اور دولت کے انبار جمع کر کے اپنی گردن میں آتش دوزخ کا طوق ڈالتا ہے جو شخص دنیا میں سخاوت کرتا ہے مرنے کے بعد بھی اس کی سخاوت کے آثار نمایاں ہوتے رہتے ہیں۔

اونٹ واقعی نحر ہو چکا تھا۔

اہل قبیلہ نے کہا: کوئی بات نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حاتم مر گیا ہے اور اس نے مرنے کے بعد تمہارے اونٹ کو اس لئے نحر کیا ہے کہ وہ تمہیں سخاوت کا درس دینا چاہتا تھا اور وہ خواہش رکھتا تھا کہ تم اپنی قوم کی مہمان نوازی کرو۔

بہرنوع اونٹ کا گوشت پکایا گیا اور پورے اہل قبیلہ نے سیر ہو کر کھایا اور صبح ہوتے ہی یہ قبیلہ طے سے روانہ ہوگیا۔ دوران سفر انہوں نے دیکھا کہ طے سے ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا ان کی طرف آ رہا ہے۔ جب وہ نوجوان اہل قبیلہ کے پاس پہنچا تو اس نے آواز دے کر کہا: تم میں سے ابوالخیری کون ہے؟ ابوالخیری نے اپنا تعارف کرایا اور پھر پوچھا کہ تم کون ہو اور تمہیں مجھ سے کیا کام ہے؟

نوجوان نے کہا: میں حاتم طائی کا بیٹا ہوں۔ میرے والد چند روز قبل وفات پا چکے ہیں۔ آج رات انہوں نے مجھ سے خواب میں کہا: بیٹا! مہمان آئے تھے، میرے پاس ضیافت کے لئے کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے مہمانوں کے سردار ابوالخیری کے اونٹ کو نحر کردیا ہے تاکہ لوگوں کو دعوت دی جاسکے۔ تم میرا گھوڑا ابوالخیری کے پاس لے جانا اور اس اونٹ کے بدلے میں میرا گھوڑا اس کے حوالے کردینا اور میری طرف سے معذرت بھی کرنا۔ یہ کہہ کر نوجوان نے وہ گھوڑا ابوالخیری کے حوالے کیا حالانکہ وہ گھوڑا اونٹ سے کئی گنا زیادہ قیمتی تھا۔

حاتم کی سخاوت کا ایک اور واقعہ

حاتم بڑا سخی، مہمان دوست اور مہمان نواز تھا۔ خود خواہی اور خود پرستی سے کوسوں دور رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک گھوڑا تھا جسے وہ بہت عزیز رکھتا تھا۔ ایک رات جبکہ وہ سویا ہوا تھا تو اس کے کانوں میں اس کے قبیلے والوں کے رونے کی آواز آئی۔ آواز سن کر وہ بیدار ہوگیا۔ اس نے رونے کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ

بھوک کی وجہ سے ان کے بچے بلبلا رہے ہیں۔ حاتم نے یہ سنتے ہی اپنا عزیز گھوڑا اسی وقت ذبح کیا اور اس کا گوشت پورے قبیلے میں تقسیم کر دیا اور اپنے لئے ایک ذرہ برابر گوشت بھی نہ رکھا۔ چنانچہ مرنے کے بعد بھی اس کا دسترخوان بچھا رہا۔

شاہ طہماسپ کی بعد از مرگ سخاوت

کتاب درمنثور کے مؤلف شیخ علی اپنے دور کے مسلّم مجتہد اور عظیم القدر عالم دین تھے۔ وہ اصفہان میں رہتے تھے۔ انہیں حج بیت اللہ کا بے حد شوق تھا لیکن ان کے پاس زاد راہ نہیں تھا۔ اس سلسلے کی داستان انہوں نے خود اپنے قلم سے یوں تحریر فرمائی ہے:

میرے پاس حج بیت اللہ کے لئے زاد راہ نہیں تھا۔ میں نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ اپنی لائبریری کی کتابیں فروخت کر کے شرف زیارت حاصل کروں گا۔ یہ سوچ کر میں نے پہلے دن کچھ کتابیں خفیہ طور پر فروخت کیں۔

دوسرے دن کسی نے میرے دروازے پر دستک دی۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ شاہ عباس کا ملازم خاص، خواجہ التفات میرے دروازے پر کھڑا تھا۔

اس نے مجھ سے کہا: کیا آپ کا نام شیخ علی ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں! میں ہی شیخ علی ہوں۔

اس نے کہا: آپ اپنی کتابیں فروخت کرنا چاہتے ہیں؟

میں اس کی زبانی یہ بات سن کر بڑا حیران ہوا کیونکہ میں نے ایک معتمد شخص کے علاوہ کسی کو اس بات کی خبر نہیں کی تھی۔

میں نے اس سے کہا: میں اس وقت تک آپ کے سوال کا کوئی جواب نہیں دوں گا جب تک آپ مجھے یہ نہ بتائیں گے کہ آپ نے یہ خبر کس سے سنی ہے؟

اس نے کہا: جناب! بات یہ ہے کہ میں شاہ طہماسپ کی صاحبزادی خانم

زینب کا غلام ہوں اور ان کے اخراجات کا ناظر ہوں۔ آج علی الصبح زینب بیگم نے مجھے طلب کر کے فرمایا کہ معلوم کرو کہ اصفہان میں شیخ زین الدین کی نسل میں سے کوئی شیخ علی نامی شخص بھی ہیں؟

میں نے کہا: جی ہاں! مگر آپ کو ان سے کیا کام ہے؟

بیگم زینب نے فرمایا: آج رات جبکہ میں سوئی ہوئی تھی تو میں نے خواب میں اپنے والد شاہ طہماسپ کو دیکھا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹی زینب بیگم! کیا شاہ عباس کا تمام خاندان مر چکا ہے؟ حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ اس شہر کا ایک عظیم الشان عالم دین شیخ علی کتابیں بیچنے پر مجبور ہو چکا ہے۔ تو کیا تم سب لوگ مر چکے ہو؟ چنانچہ بیگم صاحبہ نے مجھے تحقیق احوال کیلئے تمہارے پاس روانہ کیا ہے۔

میں نے کہا: جی ہاں! میں ہی شیخ علی ہوں۔ میں حج کا ارادہ رکھتا ہوں مگر میرے پاس زاد راہ نہیں ہے، اسی لئے میں نے کتابوں کو بیچنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ سن کر خواجہ التفات واپس چلا گیا اور بیگم صاحبہ کو حالات کی خبر دی۔ بیگم صاحبہ نے کچھ قیمتی جواہرات بھیجے اور کہلا بھیجا کہ آپ کتابوں کی بجائے انہیں فروخت کریں، اس سے جو رقم حاصل ہو اس سے اپنا قرض بھی ادا کریں اور حج کی سعادت بھی حاصل کریں۔

اہل خیر شفاعت کریں گے

اہل جود و سخا مرنے کے بعد بھی اہل جود و سخا ہی رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ عالم برزخ میں ہوتے ہیں مگر ان کا فیض اس جہان تک بھی پہنچتا رہتا ہے اور ان کے فیوض کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

آپ نے سنا ہوگا کہ مومن شفاعت کرے گا مگر مومن کون ہے؟

ایسا مومن شفاعت کرے گا جو اللہ، رسولؐ، آخرت اور ہادیان دین پر ایمان رکھتا ہوگا، عمل صالح بجالاتا ہوگا اور اس کے ساتھ سخاوت کرنے والا ہوگا۔

آپ کا کیا خیال ہے کہ جو شخص بینکوں میں کروڑوں روپے جمع کراتا ہو اور مستحقین کو دو وقت کی روٹی دینے پر بھی آمادہ نہ ہو تو ایسا شخص کجا اور شفاعت کجا؟

جس شخص نے اپنی گردن کے لئے دوزخ کے آتشیں طوق تیار کرا رکھے ہوں بھلا ایسا شخص دوسروں کو کیا خاک نجات دلائے گا؟

روزہ آخرت کی بھوک پیاس یاد دلاتا ہے

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطبے میں فرمایا: **واذکروا بحوعکم و عطشکم جوع یوم القیامة وعطشه** اور اپنی بھوک پیاس کے ذریعے سے آخرت کی بھوک پیاس کو یاد کرو۔

خدا کا شکر ہے کہ ماہ رمضان آہستہ آہستہ گرمیوں میں آرہا ہے۔ روزے کا ویسے تو خدا کے ہاں ایک ثواب ہے لیکن گرمیوں کے روزے کی بات کچھ اور ہے۔ روایات میں ہے کہ روزہ دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔ پہلی خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی قیامت کے دن اس وقت نصیب ہوگی جب ساقی کوثر کے ہاتھوں سے جام کوثر نوش کرے گا۔ (**للصائم فرحتان فرحة عند فطره و فرحة یوم القیامة** سفینۃ البحار، ج۲، ص۶۴)

اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام **الشکور** ہے جس کے معنی قدردان کے ہیں۔ تو خدا ہمارا قدردان ہے۔ جب کوئی بندہ اور خاص طور پر نوخیز نوجوان جس پر نئے سرے سے تکلیف شرعی واجب ہوئی ہو، چنانچہ جب ایسا صاحب ایمان شدید گرمیوں کے ایام میں سولہ گھنٹے کا روزہ رکھتا ہے اور بھوک و پیاس کی شدت کے باوجود صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کھانے پینے سے پرہیز کرتا ہے تو قدردان خدا اس کے عمل کی کتنی قدردانی کرے گا؟ اس کا اندازہ کرنا ہمارے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔

حجاج اور روزے دار چرواہا

بیان کیا جاتا ہے کہ حجاج بن یوسف یمن کا حاکم مقرر ہوا تو عنان حکومت سنبھالنے کے لئے پورے شاہی جاہ و جلال کے ساتھ یمن روانہ ہوا۔ وہ جہاں بھی پڑاؤ ڈالتا تو آن واحد میں اس کے لئے عالیشان خیمے لگ جاتے اور باورچی مختلف انواع و اقسام کے کھانے پکانے میں مصروف ہو جاتے۔ الغرض حجاج کا قافلہ پورے شاہی طمطراق سے چل رہا تھا کہ دوپہر ہوگئی۔ ایک جگہ انہوں نے پڑاؤ ڈالا۔ حجاج کے لئے خیمے نصب ہوگئے اور وہ خیمے میں جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد اس کے لئے دسترخوان بچھایا گیا جہاں انواع و اقسام کے کھانے چنے گئے۔

حجاج کھانے کے لئے اٹھا تو اس نے دیکھا کہ ایک جوان بھیڑیں چرانے میں مصروف تھا اور گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے اس نے اپنا سر ایک بھیڑ کے پیٹ کے نیچے چھپایا ہوا تھا جبکہ اس کے باقی بدن پر شدید دھوپ چمک رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر حجاج کو اس پر ترس آیا اور غلاموں کو حکم دیا کہ اس چرواہے کو اس کی خدمت میں حاضر کیا جائے۔

نوکر چرواہے کے پاس گئے اور اس سے کہا: تمہیں امیر یاد کر رہا ہے۔

چرواہے نے کہا: میں ایک غریب آدمی ہوں، مجھے امیر سے کیا کام ہے؟ تم مجھے میرے حال پر رہنے دو۔

مگر حجاج کے نوکروں نے کہا: ہم تجھے ہر قیمت پر امیر کے پاس لے جائیں گے کیونکہ یہ امیر کا حکم ہے۔

بہرنوع ''حکم حاکم، مرگ مفاجات'' کے تحت اس بے چارے کو زبردستی حجاج کے پاس لے گئے۔

حجاج نے اس سے کہا: میں نے تجھے شدید گرمی میں دیکھا تو مجھے تجھ پر

ترس آ گیا۔ میں نے تجھے اس لئے یہاں بلایا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو کچھ دیر یہاں خیمے کے سائے میں آرام کرلے۔

چرواہے نے کہا: جناب! میں یہاں خیمے میں آرام نہیں کرسکتا۔

حجاج نے کہا: اس کی کیا وجہ ہے؟

چرواہے نے کہا: جناب! مجھے ان بھیڑوں کے چرانے اور حفاظت کی اجرت ملتی ہے۔ یہ بھیڑیں جو آپ دیکھ رہے ہیں، میری ذاتی نہین ہیں۔ میں تو مزدور ہوں، اسی لئے میں خیمے میں آرام نہیں کرسکتا۔ آپ مجھے جانے دیں تاکہ میں اپنی بھیڑوں کو چرا سکوں۔

حجاج نے کہا: اچھا! آرام نہ کرو کچھ دیر بیٹھ جاؤ اور ہمارے دسترخوان پر کھانا کھالو۔

چرواہے نے کہا: جناب! میں نے کسی جگہ وعدہ کیا ہوا ہے اسی لئے میں یہاں کھانے سے معذور ہوں۔

حجاج نے کہا: بھلا اس دسترخوان سے بہتر اور کس کا دسترخوان ہوسکتا ہے؟

چرواہے نے کہا: جی ہاں! جہاں میں نے وعدہ کیا ہے وہاں کا دسترخوان یہاں کے دسترخوان سے بہتر ہے۔

حجاج نے کہا: پھر بتاؤ تم کس کے مہمان ہو اور تم نے کس سے وعدہ کیا ہے؟

چرواہے نے کہا: آج میں پروردگار عالم کا مہمان ہوں۔ میں روزے سے ہوں اور روزہ دار اللہ کا مہمان ہوتا ہے۔

جواب دینے والا اگرچہ ایک بیابانی چرواہا ہے مگر وہ خدا کی معرفت سے مالا مال ہے اور خدا پر دل کی گہرائیوں سے یقین رکھتا ہے اسی وجہ سے وہ تپتے ہوئے گرم دنوں میں بھی روزہ رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں خدا کا مہمان ہوں اور میں نے خدا کے دسترخوان پر افطار کرنا ہے۔ اس نے اپنے جواب سے حجاج کو لاجواب کردیا۔

حجاج نے کہا: آج گرمی بہت زیادہ ہے، آج افطار کر لے اور اس کے بدلے کل روزہ رکھ لینا۔

چرواہے نے کہا: اچھی بات ہے۔ میں آپ کا فرمان تسلیم کر لیتا ہوں لیکن آپ مجھے یہ ضمانت دیں کہ میں کل تک زندہ بھی رہوں گا۔

ایسا شخص یقیناً حقیقی مومن اور حقیقی عالم ہے۔ اس کے مقابلے میں حجاج جہل مجسم ہے جبکہ وہ سراپا علم و ایمان ہے۔ جب حجاج سے اور کوئی جواب نہ بن سکا تو اس نے کہا: ان فضول باتوں کو رہنے دے۔ ایسی لذیذ اور طیب غذا تجھے اور کہاں نصیب ہوگی تو خوامخواہ کیوں اپنی روزی کو لات مار رہا ہے۔

چرواہے نے کہا: اَاَنتَ جَعَلتَهٗ طَیِّبًا؟ کیا اس غذا کو تو نے طیب بنایا ہے؟ اے امیر! اچھی طرح سے سن لے، اگر تیرے ایک دانت میں درد ہو تو انواع و اقسام کی یہ غذائیں کیسے کھائی جا سکتی ہیں۔ اگر خدا کی طرف سے صحت ہو تو پھر جَو کی خشک روٹی بھی اچھی محسوس ہوتی ہے اور اگر صحت نہ ہو تو ہر طرح کے مرغ و ماہی بھی بے کار دکھائی دیتے ہیں۔ (کتاب مستطرف)

دعا کے لئے ہاتھ بلند کریں

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خطبے میں فرماتے ہیں: وارفعوا ایدیکم بالدعاء فی اوقات صلواتکم فانھا افضل الساعات اقسم اللّٰہ بعزتہ ان لا یعذب المصلین والساجدین. یعنی اوقات نماز میں دعا کے لئے ہاتھ بلند کرو کیونکہ وہ افضل گھڑیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت کی قسم کھا کر کہا ہے کہ وہ نماز گزاروں اور سجدہ کرنے والوں کو عذاب نہیں دے گا۔

اس مہینے کی برکت بزبانِ پیغمبر اکرمؐ یہ ہے: یلبیھم اذ نادوہ و یجیبھم اذا دعوہ یعنی جب روزہ دار خدا کو پکارتے ہیں تو وہ انہیں لبیک کہتا ہے

اور جب وہ اس سے دعا مانگتے ہیں تو وہ ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ جب بھی روزہ دار نماز کے بعد ہاتھ بلند کر کے ''یااللہ'' کہتا ہے تو قدرت کی طرف سے لبیک کی صدا آتی ہے اور جب وہ کوئی حاجت طلب کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

آیئے بارگاہ رب العزت میں دعا کریں کہ اے پروردگارا جن گناہوں کی وجہ سے انسان دنیا سے بھوکا پیاسا رخصت ہوتا ہے اور جن گناہوں کی وجہ سے انسان قیامت کے دن بھوکا پیاسا رہے گا ہمارے ان تمام گناہوں کو معاف فرما اور جن گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں بھوک و پیاس کا اتنا عذاب ملتا ہے کہ دوزخی جہنم کے آب حمیم پینے پر راضی ہو جائیں گے ہمارے ان گناہوں کو معاف فرما۔

خدایا! تجھے ماہ رمضان کی حرمت کی قسم! ہمیں حوض کوثر سے سیراب فرما اور جو گناہ حوض کوثر پر وارد ہونے سے ہمارے لئے حجاب بن رہے ہوں ان سب پر قلم عفو پھیر کر ہمیں ان سے پاک کردے کہ یہ مہینہ پاک کرنے والا مہینہ ہے۔

مناجات سحر کو بھی فراموش نہ کریں اور تنہائی کے لمحوں میں اپنا دردِ دل خدا سے بیان کریں اور اپنی مشکلات خدا کے حضور پیش کریں اور بارگاہ احدیت میں نالہ و فریاد کریں کہ وہ آپ کو ابلیسی پنجے سے محفوظ رکھے اور اس رحیم و رحمٰن خدا سے التماس کریں کہ وہ آپ کو شیطان مردود کے تمام وسوسوں سے محفوظ رکھے۔ اے پناہ طلب کرنے والوں کو پناہ دینے والے! ہمیں ابلیسی جال سے اپنی پناہ میں رکھ۔

یقین کیجئے جب آپ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا اتنا کرم کرے گا کہ اس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈک محسوس کریں گی۔

روزہ کی پیاس سے امام حسینؑ کی پیاس کو یاد کریں

جب آپ کو روزے کی بھوک اور پیاس ستائے تو مظلوم کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب و انصار کی بھوک و پیاس یاد کریں۔

روزہ سولہ یا سترہ گھنٹے سے زیادہ کا نہیں ہوتا اور آپ روزہ رکھ کر بھی اکثر

وقت سائے میں بسر کرتے ہیں اس کے باوجود بھی آپ کو بھوک و پیاس ستاتی ہے۔ ہماری جانیں قربان امام حسینؑ اور ان کے اصحاب و انصار پر جو روز عاشور چلچلاتی دھوپ میں تھے، ہوا انتہائی گرم تھی، اصحاب حسینؑ کو صرف سورج کی گرمی کا ہی سامنا نہیں تھا بلکہ انہوں نے فولادی زرہیں پہنی ہوئی تھیں اور سر پر لوہے کے خود رکھے ہوئے تھے۔ جیسے جیسے دن کی گرمی بڑھتی گئی ان کے جسم پر سجا اسلحہ بھی گرم ہوتا گیا۔ اس کے علاوہ انہیں حرب وضرب کا بھی سامنا تھا اور حرب وضرب سے بھی مزید گرمی اور تپش پیدا ہوتی ہے اسی لئے ہم ان کی پیاس کا اندازہ کرنے سے قاصر ہیں۔ یہاں میں حضرت علی اکبرؑ کی پیاس کے حوالے سے ان کا جملہ دہرانا چاہتا ہوں۔

کتب مقاتل میں مرقوم ہے کہ جب علی اکبرؑ نے ایک سو بیس یا اس سے کچھ زیادہ دشمنوں کو قتل کیا تو پیاس کی وجہ سے میدان میں ٹھہر نہ سکے اور امام حسینؑ کی خدمت میں آ کر عرض کیا: **یاابت العطش قدقتلنی وثقل الحدید اجهدنی.** یعنی باباجان! پیاس مجھے مارے دے رہی ہے اور لوہے کے وزن نے مجھے تھکا دیا ہے۔

ممکن ہے کہ آپ یہ سوال کریں کہ کیا علی اکبرؑ کو معلوم نہ تھا کہ ان کے باباؑ کے پاس پانی نہیں ہے اور جب وہ جانتے تھے تو انہوں نے اپنی پیاس کا ذکر ان سے کیوں کیا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ علی اکبرؑ کو معلوم تھا کہ ان کے والد کے پاس پانی نہیں ہے اور انہوں نے اپنی پیاس کا شکوہ شاید اسی بنا پر کیا ہو کہ ممکن ہے امام عالی مقامؑ بطور اعجاز انہیں پانی پلوا دیں اور ادھر امام حسینؑ کربلا میں اپنی اعجازی حیثیت دکھانے کے لئے نہیں آئے تھے۔ امام حسینؑ نے اپنی زبان اپنے جوان بیٹے کے منہ میں رکھی اور فرمایا: بیٹا! خود دیکھ لو میری زبان تمہاری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے اور میں تم سے بھی زیادہ پیاسا ہوں۔

پھر آپ نے علی اکبرؑ سے فرمایا: میدان میں جاؤ، تمہارے دادا تمہیں اپنے ہاتھوں سے سیراب کریں گے۔

توفیق روزہ اور تلاوت قرآن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○ یَا اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ○ یَا اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَهۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمٰلُکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ○

کل میں نے خطبہ شعبانیہ سے چند باتیں آپ کے سامنے عرض کی تھیں۔ اس خطبے میں سرکار رسالتؐ فرماتے ہیں: **واسئلوا اللّٰه ربکم بنیات صادقة وقلوب طاهرة ان یوفقکم لصیامه وتلاوة کتابه** یعنی سچی نیت اور پاکیزہ دل کے ساتھ اپنے رب سے سوال کرو کہ وہ تمہیں اس مہینے میں روزہ رکھنے اور تلاوت قرآن کی توفیق عطا کرے۔ مقصد یہ ہے کہ تلاوت قرآن صرف زبان کی حد تک ہی محدود نہ ہو بلکہ تمہارا دل تلاوت قرآن کا خواہش مند ہو۔ دل کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ آپ اپنے دلی مقاصد کے حصول کے لئے کتنے اخلاص سے دعا مانگتے ہیں؟ جس طرح آپ اپنی دنیا کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعا مانگتے ہیں اس ماہ میں دل کی گہرائیوں سے خدا سے سوال کریں کہ اے پروردگار! تیرا مہینہ آ گیا، اس مہینے میں مجھے بیماری سے بچائے رکھنا تا کہ میں اس مہینے کے تمام روزے رکھ سکوں۔ اور خدایا! اس مہینے میں مجھے قرآن پڑھنے کی توفیق مرحمت فرما۔

ہمارے بعض ائمہ اس مہینے میں قرآن مجید کے چالیس ختم کیا کرتے تھے اور آپ حضرات میں سے جو لوگ قرآن مجید پڑھے ہوئے نہیں ہیں میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ سورۂ قل ھو اللّٰہ اوراس کے علاوہ انہیں جو بھی سورتیں یاد ہوں ان کی بکثرت تلاوت کریں تاکہ تلاوت قرآن سے محروم نہ رہیں۔

سورۂ حجرات کے تین عظیم مطالب

سورۂ مبارکہ حجرات اٹھارہ آیات پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتدائی پانچ آیات میں خدا و رسولؐ کے ادب کے تقاضوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کی آیات میں اجتماعی و معاشرتی امور کے متعلق گفتگو کی گئی ہے اور مومنین کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا ہے کہ ان کا باہمی طرز عمل کیسا ہونا چاہئے۔ اس کے بعد تیسری بحث میں ذاتی اور شخصی فضائل پر گفتگو کی گئی ہے۔

ہماری پہلی بحث خدا و رسولؐ کے ادب کے تقاضوں کے متعلق ہوگی۔

کسی کو مولا سے آگے بڑھنے کا حق نہیں

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا خالق ہے: اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ○ اور رسول اسی خالق کا نمائندہ ہے۔ کسی بھی نمائندے کی عزت و عظمت کا دارو مدار اس کے بھیجنے والی شخصیت پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی ملک اہم شمار ہوتا ہو تو اس کے سفیر کو بھی دنیا کے ممالک میں اتنی ہی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ سے بڑھ کر کسی کی حیثیت نہیں ہے۔ وہ خالق کل ہے اور رسولؐ اسی خالق کل کا نمائندہ ہے۔ اسی لئے کسی کو بھی خدا اور اس کے نمائندے پر حق تقدم حاصل نہیں ہے اور اس مقام پر عقل یہ فیصلہ کرتی ہے کہ غلام کجا اور آقا و مولا اور اس کے نمائندے پر تقدم کجا؟

چنانچہ رب العالمین کا ارشاد ہے: یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ

يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یعنی اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے نہ بڑھو۔

مقصد آیت یہ ہے کہ مومنین کو چاہئے کہ خدا و رسولؐ کے حکم سے تجاوز نہ کریں اور انہیں ہمیشہ حکم خدا اور حکم رسولؐ کی پیروی کرنی چاہئے۔ ان سے سبقت نہیں کرنی چاہئے۔ اور تقدم کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ایک شخص حکم خدا کے خلاف کوئی بات کہے تو اس سے کہا جائے کہ یہ بات حرام ہے اور وہ اس کے جواب میں یہ کہے کہ یہ میں بھی جانتا ہوں مگر مجھے بھی اختیار حاصل ہے۔

اور جب ایسے شخص سے یہ کہا جائے کہ خدا نے اس امر کو حرام کیا ہے تو وہ یہ کہے کہ ان باتوں کو چھوڑیں، اگر خدا نے حرام کیا ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، مگر میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔ یقیناً ایسا شخص اپنی مرضی کو خدا کے حکم سے برتر سمجھتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی پیروی کریں اور اسے خدا و رسولؐ کی پیروی نہ کرنی پڑے۔

رسول اکرمؐ کے بعد کچھ مسلمانوں نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ حضرت علیؑ کو اقتدار حکومت سے دور رکھا جائے اور حکومت حضرت ابوبکر کے سپرد کی جائے کیونکہ حضرت علیؑ ابھی جوان ہیں اور انہوں نے بہت سے قبائل عرب کے بزرگوں کو غزوات میں قتل کیا ہے اسی لئے عرب کے تمام قبائل ان سے ناراض ہیں اور اگر حضرت علیؑ کو اقتدار سونپا گیا تو حکومت اسلامی کے لئے مشکلات پیدا ہوجائیں گی جبکہ حضرت ابوبکر عمر رسیدہ ہیں اور انہوں نے آج تک کسی بھی جنگ میں کسی کافر کو قتل بھی نہیں کیا ہے چنانچہ انہیں مسند خلافت پر فائز کردیا جائے۔

یقیناً ایسی سوچ کے حامل افراد اپنی رائے کو خدا و رسولؐ کی رائے سے بہتر سمجھتے تھے اور ان کی نظر میں غدیر خم کے اعلان نبوی کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ایسے افراد بزعم خویش اپنے آپ کو نبی اکرمؐ سے بھی زیادہ اسلام کا خیر خواہ سمجھتے تھے۔

تین احکام میں تبدیلی

فاضل قوشجی ایک زبردست عالم تھے اور ان کا تعلق مسلک اہلسنت سے تھا۔ انہوں نے شرح تجرید میں لکھا کہ حضرت عمر نے کہا: تین چیزیں جو کہ زمانۂ پیغمبرؐ میں موجود تھیں، میں انہیں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ یہ تین چیزیں نہیں ہونی چاہئیں۔ (۱) متعۃ النساء جو کہ زمانۂ پیغمبرؐ میں حلال تھا میں اسے حرام کرتا ہوں (۲) متعۃ الحج (۳) اذان میں حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَل کہنا۔

تمام مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ جملہ عہد رسالتؐ میں جزو اذان تھا اور حضرت ابوبکر کے عہد حکومت میں بھی یہ جملہ اذان میں موجود تھا۔ حضرت عمر نے اس جملے کو یہ کہہ کر بند کرادیا کہ جب تک نماز کو خَیْرُ الْعَمَل کہا جاتا رہے گا اس وقت تک کوئی شخص جہاد پر نہیں جائے گا۔

اذان فجر میں ایک اور بدعت

علمائے اہلسنت لکھتے ہیں کہ نماز فجر کے وقت حضرت عمر سوئے ہوئے تھے۔ مؤذن انہیں جگانے آیا تو اس نے آواز دی۔ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم یعنی نماز نیند سے بہتر ہے۔ یہ جملہ سن کر حضرت عمر بیدار ہوئے اور انہیں یہ جملہ اتنا پسند آیا کہ انہوں نے مؤذن سے کہا کہ وہ آئندہ اذان فجر میں یہ جملہ کہا کرے۔ چنانچہ اہلسنت نے اس جملے کو رائج کیا ہے اور قابل افسوس بات یہ ہے کہ عہد نبوی کے جملے حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَل کو چھوڑ دیا گیا اور خلیفہ کے پسندیدہ جملے کو اذان میں داخل کردیا گیا۔ یہ سب کچھ خدا و رسولؐ پر سبقت کرنے کے ضمن میں شامل ہے۔

وہابیت کا سرچشمہ

ہم یہ عرض کرنے پر مجبور ہیں کہ ابن تیمیہ اور اس کے پیروکار وہابی جو کہ

اس وقت مملکت حجاز پر قابض ہیں وہ ان بدعات کو جزو دین سمجھتے ہیں اور اس کے علاوہ بعض جائز افعال کو حرام قرار دیتے ہیں اور زیارت قبر اور مس قبر اور میت پر رونے کو حرام جانتے ہیں اور جب ان سے ان کے خود ساختہ مسائل کی سند دریافت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایسا ہی کہا تھا۔ جبکہ حضرت عمر پر خدا و رسولؐ کی اطاعت واجب تھی۔ وہ خود صاحب اطاعت نہیں تھے اور ان کے پیروکار یہ چاہتے ہیں کہ انہیں خدا و رسولؐ پر سبقت دی جائے۔

ایک خود ساختہ حدیث

حضرت عمر کے نظریے کو سند جواز دینے کے لئے ایک حدیث تراشی گئی اور لطف یہ ہے کہ جب یہی روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ کے سامنے پڑھی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر اسے رد کردیا کہ یہ فرمان پیغمبرؐ نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث قرآن مجید کی آیت سے مطابقت نہیں رکھتی۔

خود ساختہ روایت یہ ہے: **ان المیت لیعذب ببکاء اهله**. یعنی افراد خانہ کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔

اور یہی روایت پڑھ کر شیعوں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ شیعہ امام حسین علیہ السلام پر روتے ہیں اور ان کے غم میں سینہ کوبی کرتے ہیں جبکہ پیغمبر اکرمؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اس روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت پیغمبر اکرمؐ سے ثابت ہی نہیں ہے اور تاریخ اسلام میں گریہ و بکا سے منع کرنے والے پہلے شخص حضرت عمر تھے۔

علامہ سید عبدالحسین امینی نے کتب اہلسنت کے حوالے سے اپنی ضخیم کتاب الغدیر میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے مدینے میں اپنی زوجہ رقیہ دختر پیغمبرؐ یا دختر بی بی خدیجہ پر بے تحاشا تشدد کیا جس کی وجہ سے ان کا انتقال ہوگیا۔ جب

تدفین کے لئے ان کا جنازہ جنت البقیع میں لایا گیا تو بنی ہاشم کی خواتین جن میں حضرت فاطمہ زہراؑ بھی شامل تھیں ان کی میت پر گریہ و بکا کرنے لگیں۔ حضرت عمر خواتین کے گریہ و بکا کو برداشت نہ کرسکے اور تازیانہ لے کر عورتوں کو مارنے لگے اور ان سے کہنے لگے کہ گریہ نہ کرو۔

جب رسول خداؐ نے حضرت عمر کا رویہ ملاحظہ کیا تو آپ نے ان کے ہاتھ کو پکڑ کر فرمایا: رہنے دو! انہیں کچھ نہ کہو۔

حضرت عمر نے کہا: انہیں گریہ نہیں کرنا چاہئے۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد علامہ امینی لکھتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ اس وقت جناب سیدہؑ کو بھی تازیانہ لگا تھا یا نہیں۔ اگر خدانخواستہ انہیں بھی تازیانہ لگا تھا تو وہ پہلا تازیانہ تھا۔ اس کے بعد دوسرا تازیانہ قنفذ نے مارا تھا۔

الغرض خدا و رسولؐ کے احکام سے سبقت کرنے کی تاریخ میں بہت سی مثالیں موجود ہیں اور اس سبقت کا تازہ ترین مظاہرہ یہ ہے کہ یہ لوگ روضۂ رسولؐ کو بوسہ دینے کی اجازت نہیں دیتے اور جو مسلمان روضہ مبارک کو بوسہ دے تو اس پر بے پناہ تشدد کرتے ہیں۔

ہم اس طرز تفکر کے حامل افراد سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ آخر آپ کے پاس ان مسائل کی سند کیا ہے؟

فرمان الٰہی ہے: لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ○ اے مسلمانو! خدا و رسولؐ سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔

کہنے کو باتیں تو بہت زیادہ ہیں لیکن جو چیز ہم سے تعلق رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا و رسولؐ پر تقدم سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی فیصلے اور رائے کے متعلق خدا و رسولؐ کے فیصلے سے تجاوز کرے اور ان کے فیصلے کے سامنے اپنا نظریہ اور خیال قائم کرے اور اپنی رائے کو خدا و رسولؐ کی رائے پر ترجیح دے۔

اپنی خواہش کو اولیت دینا

خدا اور رسولؐ پر تقدم کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ انسان خدا اور رسولؐ کے فرمان کے مقابلے میں اپنی خواہش کو اولیت دے اور رضائے الٰہی و رضائے رسولؐ کے سامنے اپنی خواہش نفسانی کو ترجیح دے۔ اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

آپ اسے یوں سمجھئے کہ ماہ رمضان ہے اور موسم گرم ہے اور اٹھارہ گھنٹے کا روزہ رکھنے پر نفس آمادہ نہیں ہے اور ہمارا نفس اٹھارہ گھنٹوں کے لئے سگریٹ اور چائے سے محروم رہنا برداشت نہیں کرتا اور ہمارا نفس امارہ ہم سے یہ کہتا ہے کہ کھاؤ پیو تم سے زیادہ صحت مند افراد روزہ نہیں رکھ رہے جبکہ تم نہایت کمزور ہو۔ جبکہ رضائے الٰہی اس میں مضمر ہے کہ آپ روزہ رکھیں اور روحانیت پیدا کریں اور ہر شہر میں ایسے مسلمان موجود ہیں جو کسی عذر شرعی کے بغیر روزہ نہیں رکھتے اور اپنے کھانے پینے کی خواہش کو خدا اور رسولؐ کے حکم پر ترجیح دیتے ہیں۔

نماز کا وقت ہے اس وقت ایک شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے کام کرنا ہے۔ اس سے پوچھیں کہ کیا نماز کام نہیں ہے؟ کسی بھی معاملے میں اپنی خواہش کو خدا اور رسولؐ کی خواہش پر ترجیح نہ دیں اور اگر آپ نے اپنی خواہش کو ترجیح دی تو نقصان اٹھائیں گے۔ ہر معاملے میں رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھیں اور جب آپ کی رضا اور خدا کی رضا میں تضاد پایا جائے تو اپنی رضا کو پس پشت ڈال دیں اور رضائے الٰہی کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

جب دو آدمی محو گفتگو ہوں تو انہیں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ کس طرح کی گفتگو میں رضائے الٰہی مضمر ہے اور کس طرح کی گفتگو میں غضب الٰہی پوشیدہ ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی شخص آپ کو ایک طمانچہ رسید کرتا ہے تو دیکھیں کہ اس وقت نفس کی رضا کیا ہے اور خدا کی رضا کیا ہے؟ خدا کی رضا اس میں ہے کہ آپ اسے معاف

کردیں اور نفس کی رضا اس میں ہے کہ اسے دس طمانچے رسید کیے جائیں۔ اب آپ نے اپنے عمل سے ثابت کرنا ہے کہ آپ کو خدا کی رضا مطلوب ہے یا اپنے نفس کی رضا منظور ہے اور آپ کیلئے یہ گھڑی امتحان کی گھڑی ہے کہ آپ اس میں اپنے آپ کو خدا و رسولؐ سے مقدم رکھتے ہیں یا ان کے احکام کی پیروی کرتے ہیں؟

حرص، شہوت اور غضب کے وقت ہر شخص کا امتحان ہوتا ہے کہ کیا وہ خدا کی اطاعت کرتا ہے یا اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ نفس اور شیطان انسان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنا دین تباہ کر کے اپنے آپ کو خدا و رسولؐ کے فرمان کے آگے لے آئے اور اس کے برعکس دین و ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو پس پشت ڈال دے اور خدا و رسولؐ کی اطاعت کو مقدم رکھے۔ اسی طرح سے بعض اوقات نفس یہ کہتا ہے کہ اپنے مخاطب کو دو چار سنا ہی ڈالو اور خدا و رسولؐ کہتے ہیں کہ خاموش رہو۔ ان حالات میں انسان کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ خدا کی اطاعت کرتا ہے یا اپنے نفس کو اہمیت دیتے ہوئے ان کی نافرمانی کرتا ہے؟

جدائی کے بعد رازداری

جب دو دوستوں میں بعض وجوہات کی بنا پر اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں تو اس وقت نفس کہتا ہے کہ تم اس کے جتنے بھی راز جانتے ہو وہ سب کے سب لوگوں کے سامنے کہہ ڈالو اور اسے خوب رسوا کرو، جبکہ خدا و رسولؐ یہ کہتے ہیں کہ تم دونوں ایک عرصے تک ایک دوسرے کے قریبی رفیق رہے ہو لہٰذا تمہیں صبر، امانت اور وفائے عہد کا ثبوت فراہم کرنا چاہئے۔

بحارالانوار کی سولہویں جلد میں ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: **المجالس بالامانة.** یعنی مجالس امانت ہیں۔

لہٰذا تمہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے دوست کا راز فاش کرو۔ اگرچہ

تمہاری باہمی رفاقت ختم ہو جائے یا تمہاری کاروباری رفاقت ختم ہو جائے پھر بھی تمہیں اپنے دوست کے راز فاش کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

خدا اور اس کا رسولؐ کہتے ہیں کہ دوست کا راز فاش نہ کرو جبکہ نفس اور خواہشات کا تقاضا ہے کہ تم راز فاش کردو۔

اسی طرح اگر آپ ایک نازیبا جملہ سنتے ہیں تو نفس کہتا ہے کہ کیا تم اتنے کمزور ہو چکے ہو کہ تمہیں نازیبا باتیں سننی پڑ رہی ہیں، تم اس کا دل کھول کر جواب دو اور اس کا ناطقہ بند کردو۔ جبکہ قرآن مجید فرماتا ہے: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَo وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَo یقیناً ان اہل ایمان نے نجات حاصل کی جو اپنی نماز خشوع سے ادا کرتے ہیں اور جو لغو و بیہودہ باتوں سے منہ موڑتے ہیں۔ (سورۂ مومنون۔ آیت ۱ و ۲)

اسی لئے آپ کو چاہئے کہ ان تمام امور میں خدا اور رسولؐ کی اتباع کریں، پیغمبر اسلامؐ کو اپنا رہنما مانیں اور ان کے پیچھے چلیں۔ آپ رسول خداؐ کی امت بنیں شیطان مردود کی امت بننے کی کوشش نہ کریں۔ آپ اپنے نفس امارہ اور خواہشات کے پیروکار نہ بنیں اور خدا اور رسولؐ کو پس پشت نہ ڈالیں۔

خدا سننے والا اور جاننے والا ہے

ارشاد خداوندی ہے کہ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی خدا سے ڈرتے رہو۔ خدا کو حاضر و ناظر سمجھو اور اگر تم نے خدا کے احکام کی مخالفت کی تو دنیا و آخرت میں نقصان اٹھاؤ گے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ یقیناً خدا سننے اور جاننے والا ہے۔

آپ کے پاس کان ہیں، اس لئے آپ آوازیں سن لیتے ہیں۔ بھلا جس ذات پاک نے ان کانوں کو پیدا کیا ہے وہ کچھ نہیں سنتا اور عجیب بات ہے کہ آپ

ایک مشت خاک ہو کر تو اچھا خاصا علم رکھے ہوئے ہیں اور جس خدا نے آپ کو اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے وہ نہیں جانتا؟

اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کی طرف انسان کو متوجہ کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں ارشاد فرمایا: اَلاَ یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ یعنی تو کیا جس نے پیدا کیا ہے وہ نہیں جانتا؟

خدا آپ کے بدن کے ذرات اور آپ کے دل کی گہرائیوں اور آپ کے دل میں اٹھنے والے خیالات تک کو جانتا ہے۔

اپنی آواز کو رسولؐ کی آواز سے بلند نہ کریں

اس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے ادب کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۝ یعنی اے ایمان والو! خبردار اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔

بعض بے ادب اور بے تربیت عرب رسول خداؐ کی محفل میں بلند آواز سے بولا کرتے تھے اور اکثر اوقات ان کی آوازیں رسول خداؐ کی آواز پر بلند ہو جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ طرز گفتگو پسند نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ادب مصطفیؐ سے روشناس کرایا۔

اے انسان! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شناس بن۔ بزرگ شناس بن۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک عام انسان نہیں ہیں۔ ان کا قلب مبارک رب العالمین کی وحی کا مقام ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نور خدا ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رسول خدا ہے، خدا بلند و برتر ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسی بلند و برتر ذات کا نمائندہ ہے۔

وَلاَ تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ. خبردار! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مجلس روحانیت کی مجلس ہے وہاں جا کر آرام وسکون سے بیٹھو اور

ان کے ساتھ بلندآواز میں گفتگو نہ کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے بلند آواز میں گفتگو کرنے کے عادی ہو۔

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارے تمام عمل اکارت ہو جائیں گے۔ لہٰذا تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ ایسا کر کے اپنے اعمال کو تباہ و برباد مت کرنا اور جو بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک کرے گا اور جو بھی ان کو اذیت دے گا تو اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور اسے اس کا علم تک نہیں ہوگا۔

اَدب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

بزرگان دین کا فرمان ہے کہ اگرچہ یہ آیت ظاہری طور پر مجلس محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے دکھائی دیتی ہے لیکن اس کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ادب مصطفیٰؐ کی تمام سرحدوں کی جامع ہے۔

یہ آیت قبر مصطفیٰؐ کو بھی شامل ہے اور جب خدا آپ کو مدینہ طیبہ لے جائے تو مسجد نبوی میں آپؐ کے سرہانے کھڑے ہو کر بلند آواز سے آقائے نامدار کو صدا مت دیں اور ویسے بھی مسجد میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ مسجد خانۂ خدا ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض آپ گھر میں بلند آواز سے باتیں کرتے ہیں تو مسجد میں ایسا نہ کریں۔ آخر آپ کے گھر اور خدا کے گھر میں کچھ فرق تو ہونا ہی چاہئے اور اگر خدانخواستہ آپ اپنے گھر کو گندا رکھنے کے عادی ہیں تو مسجد میں اس عادت کو مت اپنائیں کیونکہ وہ آپ کا گھر ہے اور یہ خدا کا گھر ہے۔

جو شخص مسجد میں چیخ چیخ کر باتیں کرتا ہو تو اس نے درحقیقت اپنے خدا کو ہی نہیں پہچانا اور ایسے شخص کا شعور نامکمل ہے۔ مسجد میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ جھگڑا کرنے کی تو بات ہی جدا ہے۔

قبر مصطفیؐ پر بلند آواز سے صدا دینا جیسا کہ ایک دوسرے کو صدا دی جاتی ہے بالکل غلط ہے اور جب میں لوگوں کو امام علی رضا علیہ السلام کی قبر مطہر کے پاس چیختے چلاتے ہوئے دیکھتا ہوں تو مجھے شدید صدمہ ہوتا ہے۔ لوگوں کی اس چیخ و پکار کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو شاید یہ اندازہ نہیں ہے کہ وہ کس کی بارگاہ میں کھڑے ہیں اور یوں دکھائی دیتا ہے کہ انہیں یہ پتا ہی نہیں ہے کہ وہ حضرت رضاؑ کے حضور میں کھڑے ہیں۔ آقا و مولا کے سامنے یہ بے ادبی اچھی نہیں لگتی۔ یقیناً ہمیں ادب کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے اور یہی تقوے کی علامت ہے۔

ادب تقویٰ کی علامت ہے

بعد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰیO بیشک جو لوگ رسول اللہؐ کے سامنے اپنی آواز کو دھیما رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ نے تقویٰ کے لئے امتحان لے لیا ہے۔

اگر زبان، آنکھ اور کان سے گزر کر تقویٰ دل میں قرار پکڑ چکا ہے تو اس کا اظہار ادب و تواضع کی علامات سے ہونا چاہئے۔ بات یہ ہے کہ زبان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں سے ادب و تواضع کا اظہار اس وقت ہی ہوگا جب دل میں تقویٰ جاگزیں ہوگا لیکن جس دل میں حب دنیا اور خواہشات کے علاوہ اور کچھ بھی موجود نہ ہو تو وہاں ادب و تواضع کا پیدا ہونا ناممکن ہے اور اگر دل خبردار ہو تو وہ "اَمْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی" کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے اور اس سے ادب پیدا ہوتا ہے۔ اگر دل تقویٰ سے لبریز ہوگا تو انسان امام اور حق اور خدا و رسولؐ اور دین اور احکام دین کا ادب کرے گا اور ادب کی وجہ سے اپنے زانو خاک آلود کرے گا اور خاک نشینی کو عیب تصور نہیں کرے گا اور جب ایسا شخص کسی امر کے متعلق سنے گا کہ یہ خدا کا حکم

ہے تو فوراً اس کے سامنے سر تسلیم خم کردے گا اور قرآن مجید اور محمدؐ و آل محمدؐ کی عظمت کا ادراک کرتے ہوئے ان کا ادب کرے گا۔

امام علی رضاؑ سے مروی ہے: من زارالحسين عارفا بحقه كمن زار الله فى عرشه. یعنی جس نے حسینؑ کے حق کا عارف بن کر ان کی زیارت کی تو گویا اس نے خدا کے عرش پر خدا کی زیارت کی۔ (کامل الزیارات، باب ۵۹)

صرف زیارت کافی نہیں بلکہ "عارفا بحقه" ہونا بھی ضروری ہے۔ آیئے دیکھیں کہ امام حسین علیہ السلام کے حق کی معرفت سے کیا مراد ہے؟

مقصد یہ ہے کہ وہ امام حسینؑ کو واجب الاطاعت امام سمجھے۔ انہیں خدا کی حجت اور اس کا نمائندہ سمجھے اور انہیں خدا کی طرف سے واجب الاطاعت سمجھے۔

خدا کی بزرگی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اسی طرح سے اس کے نمائندے کی عظمت بھی لامحدود ہے۔ خدا زندہ ہے اس پر موت طاری نہیں ہوگی۔ امام علی رضا علیہ السلام کا بدن اگرچہ آسودۂ خاک ہے لیکن ان کی روح تمام جہانوں کو محیط ہے۔ ہر جگہ پر ان کی روح مطہر موجود ہے۔ آپ روح کلی الٰہی ہیں۔

زیارت قبور کے لئے جانے کی کیا ضرورت ہے؟

ہماری یہ گفتگو سننے کے بعد ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ جب امامؑ کی روح ہر جگہ موجود ہے تو پھر امامؑ کی قبر کی زیارت کے لئے جانے کی کیا ضرورت ہے؟

اس سوال کے جواب کے لئے میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ سورج ہر جگہ چمکتا ہے، خاک پر چمکتا ہے، پتھروں پر بھی چمکتا ہے، پانی پر بھی چمکتا ہے اور اگر کہیں شیشہ پڑا ہوا ہو تو سورج اس پر بھی چمکتا ہے۔ اب آپ خود فیصلہ کر کے بتائیں کہ سورج تو ہر جگہ پر چمک رہا ہے لیکن اس کی روشنی اور چمک کہاں زیادہ ہوگی؟ واضح ہے کہ جہاں شیشہ ہوگا وہاں سورج کی چمک دمک باقی

مقامات کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ ہوگی۔

بس اس مثال سے سمجھ لیجئے کہ روئے زمین خاکستر ہے، شورہ زار ہے، خاک ہے، پتھر ہے، پانی ہے، سفید ہے، سیاہ ہے اور ہر جگہ روح امام چمک رہی ہے اور ہر جگہ کو دیکھ رہی ہے لیکن جس قطعہ زمین میں امام کا بدن مدفون ہے وہ جگہ شیشہ ہے وہاں امام کے فیوضات کی روشنی باقی تمام مقامات سے زیادہ ہے۔

یقین فرمائیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام ہر جگہ ہیں اور اس وقت آپ ہماری اس مجلس کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ جب آپ انہیں سلام کرتے ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں لیکن مشہد مقدس میں حرم مطہر میں ان کے فیض کی بات ہی جداگانہ ہے۔ وہاں امام کے فیوضات کی چمک بہت زیادہ ہے اور آپ کا مرقد منور رحمتوں اور برکتوں کا مقام ہے اس کا قیاس دوسرے مقامات سے نہیں کیا جاسکتا۔

آپ سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ آپ ہماری آج کی معروضات کو یاد رکھیئے گا اور رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰ کے حرم کے تقاضوں کو ہمیشہ مدنظر رکھ کر بلند آواز سے صدائیں مت دیجئے گا۔

وہ افراد جو خدا و رسولؐ کو ہر جگہ اپنے آگے رکھتے ہیں تو وہ خدا کے نمائندوں کے حضور بلند آواز سے باتیں نہیں کرتے اور وہ پورے ادب اور خشوع و خضوع کا خیال رکھتے ہیں اور ان کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں تقویٰ موجود ہے۔ ان لوگوں کے تمام امور متاخر ہوتے ہیں اور رسول خداؐ کو مقدم مانتے ہیں۔

جس پر آگ اثر نہ کرتی تھی

تذکرہ ابن جوزی اور کتاب فضائل السادات میں مالک بن دینار یا کسی اور شخص سے مروی ہے کہ اس نے کہا میں ایک مرتبہ لوہاروں کے بازار سے گزر رہا

تھا۔ میں نے ایک دکان پر یہ منظر دیکھا کہ ایک لوہار کی بھٹی خوب تپی ہوئی تھی اور اس نے لوہے کا ٹکڑا اس میں ڈالا اور جب وہ خوب اچھی طرح سے تپ کر سرخ ہوگیا تو اس نے اپنے ہاتھ سے ہی اس ٹکڑے کو بھٹی سے نکال کر کوٹنا شروع کردیا۔

یہ دیکھ کر میرے تعجب کی حد نہ رہی کہ یہ کیسا شخص ہے جو تپتے ہوئے لوہے کو کسی اوزار کے بغیر اپنے خالی ہاتھوں سے اٹھا لیتا ہے اور اس کا ہاتھ بھی نہیں جلتا؟ میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ اس شخص سے اس چیز کا راز ضرور معلوم کروں گا۔ چنانچہ میں نے اس سے ملاقات کی اور اس سے اس کا سبب پوچھا۔ پہلے تو اس نے کافی ٹال مٹول سے کام لیا اور آخر میں اس نے یہ داستان سنائی:

آج سے چند برس قبل قحط سالی پیدا ہوئی تھی اور لوگوں کے پاس غلہ ختم ہوگیا تھا اور اگر کسی کے پاس غلہ تھا بھی تو اس نے وہ چھپا دیا تھا۔ اس قحط کی وجہ سے لوگ سخت پریشان تھے اور ہر شخص دو وقت کی روٹیوں کا خواہش مند دکھائی دیتا تھا۔ مگر ان سخت حالات میں میرے پاس گندم کی ایک اچھی خاصی مقدار موجود تھی اور میں قحط سے محفوظ تھا۔

ایک دن میرے پاس ایک علویہ خاتون آئی اور کہا کہ میں اور میرے بچے بھوکے ہیں۔ آپ کچھ گندم مجھے قرض کے طور پر دے دیں، اور جب خدا توفیق عنایت کرے گا تو میں آپ کا قرض چکا دوں گی۔

قرض کے لئے آنے والی خاتون انتہائی حسین و جمیل تھی، اسے دیکھ کر میرے اندر کا شیطان جاگ اٹھا اور میں نے اس سے فعل حرام کا مطالبہ کیا۔ اس نے میرا مطالبہ ٹھکرا دیا اور واپس چلی گئی۔ دوسرے دن وہ بیچاری پھر میرے پاس آئی اور اپنی اور اپنے بچوں کی بھوک کا حال سنایا اور کچھ گندم کا مطالبہ کیا۔ میں نے دوسرے دن بھی اس سے فعل حرام کا مطالبہ کیا۔ وہ بیچاری چلی گئی۔ تیسرے دن وہ پھر میرے پاس آئی اور کہا کہ بھوک کی وجہ سے میرے بچوں کی حالت بگڑتی جا رہی ہے۔ لہذا

مجھے کچھ گندم قرض دیدو۔ میں نے تیسرے دن بھی اس سے فعل حرام کا مطالبہ کیا۔

آخرکار بھوک سے مجبور ہو کر اس نے کہا: ٹھیک ہے میں تیرا مطالبہ پورا کرتی ہوں لیکن کوئی خلوت کی جگہ تلاش کرو۔ میں آبرومند عورت ہوں کسی کو میرے گناہ کا پتا نہ چلے۔

میں اسے ایک علیحدہ مکان میں لے آیا جہاں کسی کے آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ لرزنے لگی۔ میں نے اس سے پوچھا: کیوں کیا ہوا! تو اس قدر کیوں لرز رہی ہے؟

اس نے کہا: تو نے میرا مطالبہ پورا نہیں کیا۔ میں نے تجھ سے ایسی جگہ کا کہا تھا جہاں دیکھنے والا کوئی نہ ہو۔

میں نے کہا: تم مطمئن رہو یہاں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

وہ رو کر کہنے لگی: تم مجھے رسوا کرنے پر تُل چکے ہو، یہاں خدا موجود ہے اس کے علاوہ تمہارے اور میرے اعمال لکھنے والے کراماً کاتبین بھی موجود ہیں۔

جب میں نے اس خاتون کی یہ بات سنی تو میں خوف خدا سے لرز اٹھا اور اپنی خواہشات نفسانی پر ٹھوکر ماری اور اس عفت مآب خاتون سے رو رو کر معافی مانگی اور میں نے گندم اور چاول کی ایک خاصی مقدار اس کے حوالے کی۔

علویہ نے مجھے دعا دی اور کہا کہ تو نے مجھے آگ سے بچا لیا، خدا تجھے دنیا و آخرت کی آگ سے محفوظ رکھے۔

جس دن سے اس خاتون نے مجھے دعا دی ہے، اس دن سے آگ میرے وجود پر اثر نہیں کرتی اور میں کسی اوزار کے بغیر تپتے ہوئے لوہے کو ہاتھ میں پکڑ لیتا ہوں۔

آپ نے یہ حکایت سنی یہ سب کچھ "لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" کے تقاضوں پر عمل کرنے کا ثمر ہے۔ اگر وہ لوہار خدا و رسولؐ کو پس پشت

ڈالتا تو دنیا و آخرت میں رسوا ہو جاتا لیکن اس نے خدا و رسولؐ کو اپنے آگے رکھا اور اپنے آپ کو گمراہی کے کنوئیں میں گرنے سے بچالیا تو خدا نے اس پر دنیا و آخرت کی آگ حرام کردی۔

ایک علویہ کے ساتھ بھلائی اور دنیا و آخرت کی سعادت

کتاب فضائل السادات میں مالک بن دینار یا عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ میں حج مستحب پر جانے کا آرزومند تھا۔ میں نے ایک عرصے تک پیسہ پیسہ جوڑا اور جب اس قابل ہوا کہ اس رقم سے سواری خرید کرسکوں اور زاد راہ بھی رکھ سکوں تو میں کوفہ آیا اور یہاں کسی امین قافلے کی روانگی کا انتظار کرنے لگ گیا۔

ایک دن میں ہوا خوری کے لئے شہر سے باہر گیا اور ایک ویران مقام سے میرا گزر ہوا جہاں میں نے ایک باپردہ خاتون کو دیکھا۔ اس نے مردہ مرغی وہاں سے اٹھا کر اپنی چادر میں چھپائی اور اپنے گھر کو چل دی۔ کچھ فاصلہ رکھ کر میں بھی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ بالآخر وہ شہر میں داخل ہوئی۔ وہ چلتے چلتے ایک دروازے پر پہنچی۔ جیسے ہی اس نے دروازے پر دستک دی کچھ چھوٹے بچے دروازے پر آئے اور اس سے چمٹ گئے اور کہنے لگے: اماں! آپ ہمارے کھانے کے لئے کچھ لائی ہیں؟

اس خاتون نے بچوں کو پیار کیا اور کہا: ہاں! میں تمہارے لئے مرغی لائی ہوں۔ بس ابھی پکا کے تمہیں دیتی ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا اور میں سیدھا اس کے دروازے پر گیا اور کہا: بی بی! میں کافی دیر سے آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ میں نے آپ کو مردہ مرغی اٹھاتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یہ مردار ہے اور اسلام میں مردار کھانا حرام ہے؟

یہ سن کر اس خاتون نے کہا: شیخ! یہ تمہارے لئے یقیناً حرام ہے لیکن

میرے اور میرے بچوں کے لئے حلال ہے کیونکہ ہمارے گھر میں کئی روز سے فاقہ ہے۔ ایک ہمسائے نے اپنے گھر میں گوشت پکایا، اس کی خوشبو سے میرے بچے مزید بے تاب ہوگئے۔ میں مردہ مرغی ویرانے سے اس لئے اٹھا کر لائی ہوں کہ اپنے بچوں کی جان بچا سکوں۔

میں نے اس خاتون سے اس کا قوم قبیلہ دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ اس کا تعلق حضرت علیؑ کی اولاد میں سے ہے اور وہ سیدہ ہے۔

سیدہ کی غریبی اور مفلسی کا یہ منظر دیکھ کر میں لرز اٹھا۔ اس وقت میرے پاس دس ہزار درہم موجود تھے۔ میں نے وہ سب کے سب بی بی کے حوالے کئے اور خود سرائے میں واپس چلا آیا۔

میری زندگی کا کل سرمایہ بھی وہی رقم تھی۔ میں نے کوفہ میں سقائی کا کام شروع کیا اور حج پر نہ جاسکا اور جب ایام حج ختم ہوئے اور حاجی اپنے اپنے گھروں کو واپس آئے تو میں ان کے استقبال کے لئے گیا اور انہیں حج کی مبارک دی۔

آنے والے حاجیوں نے کہا: آپ نے بڑی جلدی کی جبکہ عرفات و منیٰ میں ہم نے آپ کو دیکھا تھا۔

میں نے کہا: نہیں آپ کو مغالطہ ہوا ہے میں اس بار حج پر نہیں گیا تھا۔

اس قافلے میں سے ایک شخص جو کہ سب سے پیچھے تھا آ کر مجھ سے ملا اور کہا: مالک! تم اپنی یہ امانت مجھ سے سنبھالو۔

میں نے کہا: بھئی کیسی امانت اور کس کی امانت؟

اس نے کہا: ایک دن ہم منیٰ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص ہمارے خیمے میں آیا اور کہا کہ کیا تم اہل کوفہ ہو؟

ہم نے کہا: جی ہاں! ہم اہل کوفہ ہیں۔

پھر اس نے رقم سے بھری ہوئی ایک تھیلی ہمارے حوالے کی اور کہا کہ

اس میں دس ہزار درہم ہیں۔ تم یہ تھیلی مالک بن دینار کو جا کر دینا اور اس سے کہنا کہ یہ تیری امانت ہے اسے قبول کر۔

میں نے اس شخص سے کہا: جناب! میں نے کسی کے پاس کوئی امانت نہیں رکھی تھی اور میں نے کسی سے کچھ بھی نہیں لینا۔

مگر آنے والے حاجی نے کہا: جناب! جس شخص نے ہمیں یہ تھیلی سپرد کی تھی، اس نے آپ کا ہی نام لیا تھا۔ لہٰذا آپ یہ تھیلی ہم سے وصول کرلیں۔

مالک کہتے ہیں کہ میں نے چاروناچار وہ تھیلی لی اور اسے کھول کر دیکھا تو اس میں دس ہزار درہم تھے۔ رات ہوئی اور میں سوگیا تو خواب میں مجھے یہ آواز سنائی دی: ''یہ تیری دنیا کا حصہ ہے اور تیری آخرت کا حصہ بھی محفوظ ہے۔''

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ہمیشہ خدا و رسولؐ کو اپنے آگے رکھیں اور خود ان کے پیچھے چلیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کی دنیا بھی بہتر ہوجائے گی اور آخرت بھی سنور جائے گی۔

خبردار! خدا اور رسولؐ کی طرف پشت نہ کریں اور اپنے قول و فعل میں ان سے سبقت نہ کریں اور خدا و رسولؐ کے ادب کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھیں اور یاد رکھیں کہ تواضع اور خاکساری انسان کو خاک سے اٹھا کر ثریا تک پہنچاتی ہے۔

حضرت ابوالفضل العباسؑ ادب کا کامل نمونہ تھے

حضرت عباس علمدارؑ اگرچہ امام حسینؑ کے بھائی تھے مگر آپ ادب امام کا کامل ترین نمونہ تھے۔ آپ جانتے تھے جناب حسینؑ امام ہیں اور آپ یہ بھی جانتے تھے کہ امام اور غیر امام کا بڑا فرق ہے۔ اس لئے آپ امام حسینؑ کو کبھی بھائی کہہ کر خطاب نہیں کرتے تھے۔ آپ جب بھی امام حسینؑ سے گفتگو کرتے تو انہیں ''سیدی و مولائی'' میرے آقا و سردار، کہہ کر خطاب کرتے تھے اور آپ مظلوم کربلا کا اتنا ادب

کرتے تھے کہ ادب کی وجہ سے کبھی ان کے سامنے نہ بیٹھتے تھے۔ جب شب عاشور ہوئی تو آپ پوری رات خیام کے اردگرد پہرہ دیتے رہے تاکہ رسول زادیوں کو اطمینان رہے کہ حسینؑ تنہا نہیں ہیں ان کا عباسؑ جیسا فدائی موجود ہے۔

اے مسلمانو! تمہیں بھی چاہئے کہ امامؑ کا ادب کرو، خدا اور رسولؐ کے ادب کے تقاضوں کو پورا کرو، قرآن کا ادب کرو، احکام خداوندی کا ادب کرو اور علماء و سادات کا احترام کرو۔ امام حسینؑ کے اصحاب وفا کی بلند ترین چوٹیوں پر فائز تھے اس کے باوجود فکر مند تھے کہ ان کے آقا و مولا ان سے راضی بھی ہیں یا نہیں ہیں؟

حضرت عباسؑ، حضرت علی اکبرؑ اور دوسرے ہاشمی جوان اور امام حسینؑ کے تمام اصحاب آپ کی اجازت کے بغیر ایک قدم تک نہیں اٹھاتے تھے اور آپ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شخص میدان جہاد میں نہیں گیا حالانکہ میدان کارزار گرم تھا۔ اصحاب حسینی کے پاس ہتھیار بھی موجود تھے لیکن جب تک امام حسینؑ نے انہیں اجازت نہ دی اس وقت تک کسی بھی صحابی نے میدان میں قدم نہیں رکھا۔

شیعیان حیدر کرارؑ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ بھی امامؑ کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کریں اور جب بھی کوئی کام کریں تو پہلے یہ دیکھیں کہ کیا آپ کے امامؑ آپ کے اس کام پر راضی ہیں یا نہیں؟

حضرت عباسؑ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے آقا و مولا! بچوں کی پیاس نے مجھے بے چین کردیا ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں نہر علقمہ سے کچھ پانی لاؤں؟ الغرض اجازت ملی۔ آپ نے مشک کندھے پر ڈالی اور لشکر کے سامنے آئے اور ان سے فرمایا: اے لوگو! میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ اب حسینؑ کا کوئی صحابی باقی نہیں رہا اور اس وقت خیام میں کچھ مستورات اور بچے باقی رہ گئے ہیں۔ "وھن مع ذلک عطاش قد احرق الظما قلوبھم" اور وہ سب کے سب پیاسے ہیں۔ پیاس نے ان کے دلوں کو جلا دیا ہے۔

محفلِ پیغمبرؐ کی برکات سے محرومی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ○ یعنی بے شک جو لوگ رسول اللہؐ کے سامنے اپنی آواز کو دھیما رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے تقویٰ کے لئے آزمایا ہے اور انہیں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

کل میں نے ادب رسولؐ سے متعلق یہ آیت آپ کے سامنے پیش کی تھی:
یَا اَیُّہَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ○ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔

کیونکہ اصول یہ ہے کہ جو شخص مرتبہ میں بلند و بالا ہوتا ہے وہ بلند آواز سے گفتگو کرتا ہے اور دوسروں کی باتیں اس کی آواز کی گونج میں دب جاتی ہیں۔ اسی لئے تمہیں اپنی قدر وقمت خود پہچاننی چاہئے۔ تم لوگ رسولؐ سے ہزاروں گنا ہیچ ہو، تم مطیع ہو اور رسولؐ تمہارے مطاع ہیں۔ تم مقتدی ہو اور رسولؐ تمہارے مقتدا ہیں۔ رسولؐ رب العالمین کا نمائندہ ہے اسی لئے تمہیں گفتگو کے وقت ان کے ادب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا چاہئے اور ان کے سامنے بلند آواز سے گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔

وَلَا تَجۡہَرُوۡا لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ○ اور ان سے اس

طرح بلند آواز میں بات بھی نہ کرنا جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

بزرگ شناسی کا ثبوت دو اور بزرگ شناسی تمہارے مؤدب ہونے کی دلیل ہوگی اور گفتگو کے وقت یہ سوچ کر گفتگو کرو کہ تم کس شخصیت سے مخاطب ہو رہے ہو۔ اپنی قدر کو خود پہچانو اور خیال رکھنا کہیں تمہاری آواز رسولؐ کی آواز سے بلند نہ ہونے پائے ورنہ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا: اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ○ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔

مقصد یہ ہے کہ اگر تم نے ادب پیغمبرؐ کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا تو بہتر اور اگر تم نے بے ادبی کی تو اس سے ہمارے پیغمبرؐ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ تمہارے اپنے تمام عمل ضائع اور برباد ہو جائیں گے۔

محفل پیغمبرؐ کی برکات سے محرومی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم نے اپنی آوازوں کو پیغمبر اکرمؐ کی آواز سے بلند کیا تو تمہارے عمل "حبط" یعنی ضائع ہو جائیں گے۔ حبط اعمال کے دو مفہوم ہیں جیسا کہ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں لکھا۔ اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی محفل اور مجالست جیسے نیک عمل کو برباد کر بیٹھو گے۔

خدا کے نمائندے کی محفل میں شرکت اور وہاں گفتگو کرنا ایک بڑا اعزاز ہے اور آپ حضرات یہ جانتے ہیں کہ ایک عالم کی مجلس میں بیٹھنا کتنی بڑی عبادت ہے۔ احادیث میں ہے کہ عالم کی مجلس میں شریک ہونا بارہ ہزار ختم قرآن سے افضل ہے اور جب ایک عالم کی صحبت کا اتنا شرف ہے تو رسول مقبولؐ جو کہ صرف عالم ہی نہیں بلکہ اصل علم ہیں اور تمام انبیاء و مرسلین اور علماء و صدیقین جن کے خرمن علم کے خوشہ چیں ہیں تو ان کی مجلس میں شریک ہونا کتنی بڑی عبادت ہوگی اور اگر کوئی شخص اپنی نالائقی اور بے ادبی کی وجہ سے اتنے بڑے ثواب کو گنوا دے تو اس کی بدنصیبی کا

تصور کرنا بھی محال ہے اور اگر کوئی اپنی بدنصیبی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نمائندے کو بے ادبی کی وجہ سے ناراض کر دے تو اس پر کفر کا اطلاق ہوگا اور ایسا شخص دنیا و آخرت کی لعنت کا مستحق قرار پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا کہ محفل پیغمبرؐ کے کچھ آداب ہیں اور اگر تم نے ان آداب کی پروا نہ کی تو تمہارا عمل باطل ہو جائے گا اور تم محفل نبوی کی برکات سے محروم ہو جاؤ گے اور اگر کسی نے آنحضرتؐ کو اذیت پہنچائی تو وہ کافر بن جائے گا اور اپنے تمام اعمال کو ضائع کر دے گا۔

ارتداد حبط اعمال کا باعث ہے

بعض مفسرین نے ایک دوسرے احتمال کا ذکر کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تمام اعمال کا حبط ہونا ہے۔ دیکھیں کہ ایسا کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے دوسرے تمام اعمال تباہ و برباد ہو جاتے ہیں؟ ہم ان چیزوں کا ادراک اپنی ناقص عقل سے نہیں کر سکتے۔ جو کچھ قرآن مجید نے فرمایا ہے ہمیں وہ قبول کرنا چاہئے۔

قرآن مجید نے وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ چند اعمال ایسے بھی ہیں جن کی وجہ سے انسان کے تمام نیک عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔

ان میں سے ایک عمل ارتداد ہے۔ خدا نہ کرے اگر کوئی شخص تیس برس تک نمازیں پڑھے، روزے رکھے، حج کرے اور پھر اس کے پاس دولت کی بڑی مقدار آ جائے اور وہ سیر و سیاحت کے لئے کسی غیر مسلم ملک میں چلا جائے، وہاں کچھ دن قیام کرے اور وہاں کی فسق و فجور اور بے دینی کی محافل میں شرکت کرے اور پھر اس بے دینی سے متاثر ہو کر یہ کہنے لگے کہ ہم پورے تیس برس تک پاگل تھے اور اس پاگل پن کی وجہ سے ہم نے گرمیوں میں روزے رکھے تھے اور اسی پاگل پن کی وجہ سے ہم نے اپنے آپ کو شراب اور جوئے سے محروم رکھا تھا۔ پاگل پن کی وجہ سے ہی ہم نے حج کیا اور ہزاروں روپے عربوں کو کھلا کر واپس آ گئے۔

میری طرح سے آپ تمام حضرات بھی اس شخص کے متعلق یہی فیصلہ کریں گے کہ ایسے شخص کے تمام سابقہ اعمال ضائع ہو گئے اور اگر وہ اس حالت میں مر جائے تو اس کے نامہ اعمال میں دو رکعت نماز کا ثواب بھی موجود نہیں ہوگا اور ایسے شخص کے متعلق ہر شخص یہ فیصلہ کرے گا کہ اس نے اپنے خرمن عمل کو اپنے ہاتھوں سے نذر آتش کیا ہے اور ایسے شخص کی مثال اس گائے جیسی ہوگی جو پہلے کچھ دودھ دے، پھر لات مار کر دودھ کا برتن بھی توڑ ڈالے۔ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو وہ ابدی عذاب کا مستحق بن جائے گا۔ اس کے لئے نجات کا راستہ بند ہو جائے گا اور اس کے تمام سابقہ نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ یعنی جو بھی اپنے دین سے پلٹ جائے اور کفر کی حالت میں مر جائے تو اس کے تمام اعمال برباد ہو جائیں گے اور وہ جہنمی ہوگا اور وہیں ہمیشہ رہے گا۔

ایسے شخص کے عمل درحقیقت خدا نے ضائع نہیں کئے بلکہ اس نے اپنے عمل خود ضائع کئے ہیں۔ جو شخص کافر بن کر یہ کہے کہ میں پاگل تھا اور پاگل پن کی وجہ سے نمازیں پڑھی تھیں تو بھلا ایسے شخص کی نماز باقی رہے گی اور جو کہے کہ میں بے وقوف تھا اسی لئے حج پر گیا تھا تو ایسے شخص کو حج کیا فائدہ دے گا۔ جو کوئی اسلام کے بعد کافر اور ایمان کے بعد مرتد ہو جائے تو اس کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔

پیغمبرؐ کو اذیت دینے سے عمل ضائع ہو جاتے ہیں

کفر و ارتداد کے بعد جو عمل تمام نیک اعمال کو ضائع و برباد کرتا ہے وہ عمل پیغمبر خداؐ کو اذیت پہنچانا ہے اور اذیت رسولؐ دائرہ کفر میں شامل ہے۔ قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ اعلان کیا ہے کہ جو لوگ پیغمبر اکرمؐ کو اذیت دیتے ہیں اور انہیں مشقت میں ڈالتے ہیں، ان کے تمام اعمال باطل ہیں۔ جو شخص اپنے قول و فعل

سے پیغمبر اکرمؐ کو اذیت پہنچاتا ہے تو وہ شخص عملی طور پر ان کی رسالت کا انکاری ہے اور خود اس کا عمل اس بات کا شاہد ہے کہ وہ آنحضرتؐ کو بحیثیت رسولؐ تسلیم نہیں کرتا۔ لہٰذا ایسے شخص کے تمام اعمال خودبخود ضائع ہو جائیں گے۔

ان دو گناہوں یعنی کفر و ارتداد اور اذیت پیغمبر اکرمؐ کے علاوہ باقی گناہ، دوسرے نیک اعمال کو ضائع کرنے کا سبب نہیں بنتے۔ اگرچہ وہ اپنے مقام پر گناہ رہیں گے، مگر ان گناہوں کے باوجود نیکیاں اپنے مقام پر قائم رہیں گی اور اس طرح سے کچھ ایسی نیکیاں بھی ہیں جو گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ اگر ایک شخص اپنی والدہ کو اذیت دے تو اس کے کارخیر کے اثرات تو ختم ہو جائیں گے لیکن اس کی نماز اور روزہ ختم نہیں ہوں گے۔

قرآن مجید نے واضح اعلان کرتے ہوئے کہا ہے: فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ. جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اپنی نیکی کو دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی، وہ اپنی برائی کو دیکھے گا۔ (سورۂ زلزال: آخری آیت)

امام حسن مجتبیٰؑ کی شہادت کے بعد جب بی بی عائشہ نے انہیں حجرۂ پیغمبرؐ میں دفن کرنے کی مخالفت کی تو امام حسینؑ نے ان سے فرمایا تھا کہ جب حضرت ابوبکر کی وفات ہوئی اور حضرت عمر انہیں دفن کرنے کے لئے روضۂ پیغمبرؐ میں آئے تو انہوں نے روضۂ پیغمبرؐ میں کدال کی آواز پیدا کر کے رسول خداؐ کی بے ادبی کی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: "لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" یعنی اے ایمان والو! رسولؐ کی آواز پر تم اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔

اس وقت آپ نے حضرت عمر کے ہاتھ سے کدال لے لی تھی اور خود اپنے باپ کی قبر کھودنے لگ گئی تھیں۔ اس کے بعد حضرت عمر نے روضۂ رسولؐ میں دفن ہونے کی وصیت کی تو آپ نے ان کے لئے بھی روضہ رسولؐ میں کدال چلانے کی

اجازت دی تھی جبکہ ان دونوں کا مرتبہ ایسا نہیں تھا کہ ان کی وجہ سے روضۂ رسولؐ میں کدالوں کی آوازیں بلند کی جاتیں۔ (اصول کافی، تفسیر درمنثور، جلد۵، ص۸۰)

ہمیں ان پر تعجب ہوتا ہے جو روضۂ رسولؐ میں شیخین کے دفن ہونے کو ان کی فضیلت قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا روضۂ رسولؐ میں دفن ہونا فضیحت تو ہوسکتا ہے، فضیلت نہیں بن سکتا۔ ان لوگوں نے روضۂ رسولؐ میں دفن کی وصیت کر کے بے ادبی کا ارتکاب کیا تھا۔

اس کے بعد قرآن فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ○

دل اور اعضاء وجوارح کا تقویٰ

کبھی تقویٰ اعضاء و جوارح کا ہوتا ہے جسے اصطلاح میں ''تقویٰ جوارحی'' کہا جاتا ہے اور کبھی تقویٰ دل میں مرکوز ہوتا ہے اور یہ واضح سی بات ہے کہ دل کے تقویٰ کو بڑی اہمیت حاصل ہے جبکہ اعضاء و جوارح کا تقویٰ عارضی ہوتا ہے اور ہمیشہ معرض خطر میں رہتا ہے اور قلبی تقویٰ کے مقابلے میں اس کی قدر و قیمت بھی کم ہوتی ہے۔

ظاہری تقویٰ کو یوں سمجھیں کہ ایک بچے کو اس کے والدین سمجھاتے ہیں کہ ماہ رمضان کے روزے واجب ہیں اور اگر تم نے روزہ نہ رکھا تو تمہیں ایک روزے کے بدلے ساٹھ روزے رکھنے پڑیں گے اور اگر تم نے جان بوجھ کر لوگوں کے سامنے کچھ کھایا پیا تو پہلی مرتبہ تمہیں حکومت کی طرف سے بیس اور دوسری مرتبہ پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور اگر تم تیسری یا چوتھی مرتبہ ماہ رمضان میں سرعام کھاتے پیتے پکڑے گئے تو تمہیں سزائے موت دے دی جائے گی۔

مجھے معلوم نہیں ہے کہ یہ سزائیں دی بھی جاتی ہیں یا نہیں۔ والدین اپنے

بچے کو سمجھاتے ہیں کہ دیکھو روزہ رکھو اور روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے خدا دوزخ میں ڈال دے گا۔ چنانچہ بچہ اپنے والدین کی یہ باتیں سن کر روزے رکھنے لگ جاتا ہے۔

اسی طرح سے کسی نے کسی سے سن لیا کہ تارک الصلوٰۃ کافر ہو کر مرتا ہے اور اسے محمدؐ و آل محمدؐ کی شفاعت بھی نصیب نہیں ہوگی بلکہ وہ جہنم میں جائے گا کیونکہ سورۂ مدثر میں اہل جنت اور اہل جہنم کا ایک مکالمہ کچھ اس طرح سے بیان ہوا ہے کہ اہل جنت، اہل جہنم سے پوچھیں گے: **مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ○ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ○** یعنی تمہیں کس چیز نے سقر میں ڈالا ہے؟ وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ الغرض کسی نوجوان نے یہ باتیں منبر سے سن لیں یا اپنے والدین سے سن لیں تو وہ نماز پڑھنے لگ گیا۔ اس طرح کا تقویٰ اعضاء کا تقویٰ ہے۔

اور دل کا تقویٰ یہ ہے کہ اس میں فہم و فراست پیدا ہو جائے۔ یعنی خدا شناسی کا شعور پیدا ہو جائے، انسان شناسی کا شعور پیدا ہو جائے اور چند سالوں میں خدا کے فضل و کرم سے اس کا دل نور ایمان سے منور ہو جائے اور اس کے دل میں عظمت خدا جاگزیں ہو جائے تو یہ دل کا تقویٰ ہے اور جب کسی کے قلب میں عظمت الٰہی جاگزیں ہو جاتی ہے تو اس کی کیفیت کو قرآن مجید نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے: **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ○** یعنی مومن تو بس وہی ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز اٹھیں۔ (سورۂ انفال: آیت۲)

ایسے ہی صاحبان تقویٰ کے متعلق ارشاد ہے: **تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ○** یعنی آیاتِ قرآنی سے خوف خدا رکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (سورۂ زمر: آیت۲۳)

بلی جیسی احتیاط لیکن...!

قلبی اور جوارحی تقوے کے مفہوم کو سمجھانے کے لئے میں ایک مثال سے کام لینا چاہتا ہوں۔ بعض حضرات ایسے پائے جاتے ہیں جو ظاہری طور پر بلی کی

طرح سے بڑے پارسا دکھائی دیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بارش کے وقت بلی دیواروں کے ساتھ چلتی رہتی ہے تاکہ بارش کے چھینٹے اسے تر نہ کریں اور اگر بارش کے چھینٹے اس پر پڑ جائیں تو بڑی پریشان ہو جاتی ہے۔ وہ بلی جو بارش میں بھیگنے سے اتنی احتیاط برتتی رہتی ہے، کبھی اس کا دوسرا روپ بھی دیکھیں۔ اگر بلی دیکھتی ہے کہ حوض میں مچھلی تیر رہی ہے تو اسی محتاط بلی کو اپنی تمام احتیاط بھول جاتی ہے اور فوراً پانی میں جست لگا کر مچھلی کو پکڑ لیتی ہے۔

کتاب عدۃ الداعی میں رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے کہ ''قیامت کے دن میری امت کا ایک گروہ پیش کیا جائے گا۔ ان کے اعمال زیادہ ہوں گے جن کی چمک دمک مصری کپڑے کی سی ہوگی۔ **یؤمر بھم الی النار** اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں دوزخ میں ڈالنے کا حکم ہوگا۔''

صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! کیا وہ نماز پڑھتے ہوں گے؟

آپؐ نے فرمایا: جی ہاں! وہ تارک الصلوٰۃ نہیں ہوں گے۔

صحابہ نے پوچھا: کیا وہ روزہ رکھتے ہوں گے؟

آپؐ نے فرمایا: جی ہاں! وہ روزہ دار ہوں گے۔

صحابہ نے پوچھا: تو ان کے لئے دوزخ کا حکم کیوں صادر کیا گیا؟

آپؐ نے فرمایا: **اذا لاح لھم شیء من الدنیا وثبوا علیہ** یعنی ''اس پابند صوم وصلوٰۃ گروہ کا قصور یہ ہوگا کہ وہ حرام مال دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑتے تھے۔'' یہاں لفظ ''واثبۃ'' کے معنی ٹوٹ پڑنے کے ہیں۔ گویا یہ نماز و روزہ کے پابند افراد مال حرام پر یوں ٹوٹ پڑتے ہیں جیسا کہ بلی مچھلی پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ مثلاً اگر کسی کا والد فوت ہوجائے تو وہ والد کی تمام جائیداد پر قبضہ جما لیتا ہے اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اس جائیداد میں تمہارے بھائی بہنوں کا بھی حصہ ہے تو وہ کہتا ہے کہ ان باتوں کو رہنے دو۔ یقیناً ایسے افراد دل کے تقویٰ سے محروم ہیں۔

دل کے تقویٰ کے لئے عظمت آفرینش پر غور کریں

آپ آسمان کو دیکھیں تو آپ کو لاکھوں کی تعداد میں چھوٹے بڑے ستارے دکھائی دیں گے۔ ہمیں یہ جو کہکشاں نظر آتی ہے اس میں لاکھوں سورج اور چاند ہیں۔ اس کہکشاں کے علاوہ اور بھی کئی کہکشائیں ہیں جو ہم سے لاکھوں کروڑوں نوری سال کے فاصلے پر ہیں اور وہ کہکشائیں خالی آنکھ سے نظر نہیں آتیں، انہیں خصوصی دور بینوں سے دیکھنا پڑتا ہے اور اسی دوسری کہکشاں میں ہیئت دانوں نے ایک عظیم ستارے کو دریافت کیا ہے جس کا قطر سولہ سو ملین ہے اور وہ ستارہ اتنا بڑا ہے کہ اگر وہ ہمارے نظام شمسی میں چلا آئے تو آسمان کا چھٹا حصہ ١/٦ اسی سے بھر جائے اور ہیئت دان کہتے ہیں کہ اگر یہ ستارہ ہمارے نظام شمسی میں آجائے تو اس کی روشنی اتنی ہوگی کہ کرۂ ارض پر کبھی رات نہیں آئے گی۔

میں نے یہ بات بطور نمونہ کہی ہے۔ ورنہ خداوند عالم کی تخلیق کے راز تلاش کرنے میں ابھی تک دنیا لگی ہوئی ہے اور ابھی تک انسان پوری کائنات کے بہت ہی تھوڑے سے حصے کو دریافت کرسکا ہے۔ خداوند عالم نے اتنے بڑے سیارے اور ستارے اور لاکھوں نظام شمسی تشکیل دیئے ہیں اور اس کی حکمت کے کیا ہی کہنے کہ تمام کرّے اس کے ارادے سے ہر وقت حرکت کر رہے ہیں۔ آپ آسمانی کروں کی بجائے صرف اپنی زمین کی حرکت پر ہی نظر کریں تو بھی آپ عظمت خداوندی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اور اس وقت آپ کو دعا کے ان جملوں کی وسعت کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہوسکے گا: "یا من نفذ کل شیء امرہ" یعنی اے وہ ذات جس کا فرمان ہر چیز میں جاری وساری ہے۔

اتنے بڑے بڑے کرّے اپنی مقرر کردہ حرکت سے ایک انچ بھی کبھی پیچھے نہیں ہوئے۔ کرۂ آفتاب کتنا بڑا ہے اس کی حرکت اتنی منظم ہے کہ کبھی ایک منٹ کا

بھی فرق نہیں پڑا کائنات کے تمام اجرام و اجسام تکوینی طور پر مطیع خدا ہیں۔

اس مجلس میں اس وقت ایسے کئی افراد موجود ہیں جن کی عمر ساٹھ سال یا اس سے زیادہ ہے۔ میں اپنے ان دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ کو اس زمین پر آئے ہوئے ساٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور ویسے بھی ساٹھ سال کا عرصہ اتنا کم بھی نہیں ہوتا۔ یہ نصف صدی سے زیادہ ہے۔ آپ حضرات بتائیں کہ ان ساٹھ سالوں میں آپ نے کبھی سورج کی حرکت کو بے ترتیب ہوتے ہوئے پایا اور روز و شب کے مقررہ سلسلے کو کبھی ادھر اُدھر ہوتے ہوئے دیکھا؟

بہار ہمیشہ اپنے وقت پر آتی ہے۔ سردی گرمی ہمیشہ اپنے وقت پر آتی ہے۔ اگر اللہ آپ کو ساٹھ ہزار سال کی عمر بھی دے دے تو بھی آپ اس نظام میں کوئی فرق محسوس نہیں کریں گے۔ **اللّٰہ اکبر تبارک اللّٰہ احسن الخالقین ذلک تقدیر العزیز العلیم**

مچھر اور ہاتھی دونوں کا خالق ایک ہے

آپ مچھر کو دیکھیں اس کا وجود بالکل چھوٹا سا ہے اور اپنی خلقت میں یہ ہاتھی سے مشابہ ہے۔ ہاتھی جیسی سونڈ قدرت نے اسے بھی عطا کی ہے۔

جب کبھی رات کے وقت یہ آپ کو ستاتا ہے تو آپ نے اس کی اذیت محسوس کر کے **اللّٰہ اکبر** کہا ہے اور یہ سوچا ہے کہ اس کا نیش کسی آری کی طرح سے کتنا تیز ہے اور اس نے کتنی جلدی سے آپ کے جسم میں سوراخ کرلیا ہے؟ اور کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ اس کی قوت سامعہ کتنی تیز ہے؟

ابھی آپ ہاتھ اٹھانے کا ارادہ کر رہے ہوتے ہیں کہ یہ اُڑ جاتا ہے۔ جب آپ کا دماغ آپ کے ہاتھ کو اٹھنے کا پیغام دے رہا ہوتا ہے تو اس پیغام کی آواز آپ کے کانوں تک تو کبھی نہیں آئی لیکن آپ کے دماغ کی ریڈیائی لہروں کو

یہ مچھر کسی راڈار کی طرح سے اخذ کرتا ہے۔

ہاتھی کے پَر نہیں ہیں مگر مچھر کے پَر بھی ہیں اور وہ اُڑ بھی سکتا ہے۔غور فرمائیں کہ ایک جہاز کو اڑانے کے لئے کئی انجنوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر مچھر ایک ننھی سی جان ہے اور وہ اڑ بھی رہا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اڑنے کے لئے جس انجن کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس میں موجود ہے۔

غرضیکہ جب آپ تخلیق خداوندی پر غور کریں گے تو آپ کے ذہن میں عظمت خداوندی کے نقوش بیٹھتے جائیں گے اور آپ کا دل معرفت خدا سے آشنائی حاصل کرتا جائے گا اور جب آپ کے ذہن میں رب العالمین کی عظمت کا تصور پیدا ہو جائے گا تو اس وقت آپ کے ذہن میں رحمۃ اللعالمینؐ کی عظمت کا بھی ایک تصور ضرور قائم ہوگا کیونکہ آپؐ عالم وجود کے فرد اول ہیں اور تمام موجودات کے لئے فیوضات الٰہی کے پہچاننے کا واسطہ ہیں اور تمام عالم آپؐ کے رشحاتِ فیض کا ایک معمولی حصہ ہیں۔آپ رب العالمین کے نمائندے ہیں۔غرضیکہ آپ کے ذہن میں رب العالمین کی عظمت کا جتنا تصور ہوگا اسی کی مناسبت سے آپ کے ذہن میں رحمۃ اللعالمینؐ کی عظمت کا تصور قائم ہوگا۔

منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جب بھی رسول خداؐ کا نام نامی لیتے تو ان کا سر مبارک ادب سے جھک کر زانو تک آ جاتا تھا۔

بزرگان دین وضو کے بغیر نام محمدؐ لینا پسند نہیں کرتے تھے۔اسم محمدؐ کو وضو کے بغیر مس کرنا حرام ہے اور اس اسم مبارک کی ہر طرح کی ہتک کرنا ناجائز ہے۔ البتہ اس مقام پر ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اس اسم کا احترام اس وقت واجب ہے جب اس سے حضور اکرمؐ کی ذات والا صفات مراد ہو اور اگر اس نام سے کوئی دوسرا شخص مقصود ہو تو پھر اس کے یہ احکام نہیں ہیں۔

آثار محمدؐ بھی قابل احترام ہیں

جتنا رسول خداؐ محترم ہیں، آپ کی نسبت سے آپ کے آثار بھی اتنے ہی متبرک ہیں۔ اسی لئے اگر آپ کسی شخص کو سادات کی بے ادبی کرتے ہوئے پائیں تو جان لیں کہ اس نے رسول خداؐ کے مقام کو نہیں پہچانا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کاشف الغطاء کے پاس کہیں سے شرعی رقم آئی تو انہوں نے وہ رقم مدرسے کے طلباء میں تقسیم کے لئے بھیج دی۔ پھر جب وہ نماز پڑھانے آئے اور انہوں نے پہلی نماز ختم کی تو مسجد میں ایک زود رنج سید صاحب تشریف لائے اور سیدھے شیخ کاشف الغطاء کے پاس جاکر کہنے لگے کہ میرا حصہ مجھے دے دیں۔ شیخ مرحوم نے فرمایا: محترم! آپ دیر سے تشریف لائے ہیں اور ہمارے پاس جو کچھ تھا ہم نے اسے نماز سے پہلے ہی تقسیم کردیا ہے۔ اب ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا سید صاحب بہت زود رنج طبیعت کے مالک تھے۔ انہوں نے زور سے شیخ کے منہ پر تھوکا۔ آپ جانتے ہیں کہ عربوں میں کسی کے منہ پر تھوکنا تذلیل کا آخری درجہ ہے اور اسے قتل سے بھی بدتر سمجھا جاتا ہے۔ اب آپ حضرات شیخ کاشف الغطاء کے قلبی تقویٰ کو ملاحظہ فرمائیں:

انہوں نے سید کی پھینکی ہوئی تھوک اپنے ہاتھ سے پورے چہرے پر ملی اور کہا: میں اس کے ذریعے سے حضرت سیدہؑ کے حضور سرخرو ہو کر جاؤں گا۔ شیخ نے حضرت زہراؑ کی عظمت کو مدنظر رکھ کر سید صاحب کو کچھ نہ کہا اور اس کی گستاخی معاف کر کے اس کی دادی کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کی۔

بھائیو! جب تک عظمت خدا ذہن میں موجود نہ ہو اس وقت تک عظمت محمدؐ اور عظمت زہراؑ ذہن میں نہیں آ سکتی۔ احترام سادات تو بہت دور کی بات ہے۔

الغرض شیخ مرحوم نے صرف غصہ ضبط ہی نہ کیا بلکہ آپ نمازیوں کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہا: آپ میں سے جو افراد میری داڑھی کا احترام کرتے ہیں میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری جھولی میں کچھ نہ کچھ ڈالیں۔

جب لوگوں نے شیخ محترم کو جھولی پھیلائے ہوئے دیکھا تو انہوں نے چند ہی لمحوں میں اچھی خاصی رقم جمع کر کے شیخ کے حوالے کردی۔ پھر شیخ نے وہ رقم اس سید زادے کے سپرد کی اور اس کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور کہا کہ خدارا! مجھے معاف کر دینا اور میری غفلت سے درگزر کرنا۔

آپ نے دیکھا کہ شیخ مرحوم نے کس طرح اپنے عمل سے قلبی تقویٰ کا ثبوت دیا۔ چونکہ ان کا دل عظمت الٰہی سے آشنا تھا اسی لئے وہ اللہ کے رسولؐ کی عظمت سے بھی واقف تھے۔ جو دل خدا و رسولؐ کی عظمت سے واقف ہوگا وہ حکم قرآن کے سامنے سرخم کردے گا اور اگر قلبی تقویٰ نہ ہو تو پھر نہ تو قرآن کا احترام ہوگا اور نہ ہی اولاد رسولؐ کا اور نہ ہی رسولؐ سے منسوب اشیاء کا کوئی احترام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی یعنی یقیناً جو لوگ رسول خداؐ کے پاس اپنی آوازوں کو دھیما رکھتے ہیں یہ وہی ہیں جن کے دلوں کا اللہ نے تقویٰ کے لئے امتحان لے لیا ہے۔

اس آیت کو مدنظر رکھ کر جو لوگ رسول خداؐ کے احترام و حیاء کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسجد نبوی میں آہستہ اور دھیمی آواز سے باتیں کریں تو ان کے دلوں کا تقویٰ کے لئے امتحان ہو چکا ہے اور اس کے برعکس مسجد نبوی میں بلند آوازیں نکالنا قلبی تقویٰ سے محرومی کی دلیل ہے۔

ہمیں نہایت افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہاں پر مامور پولیس کے افراد اتنے بے ادب ہیں کہ روضۂ رسولؐ کی طرف پشت کر کے کھڑے رہتے ہیں۔ یقیناً

ان کا یہ طرز عمل حبیب خداؐ کے حضور میں بے ادبی ہے، یہ لوگ دل کے تقویٰ سے بے بہرہ ہیں، ان لوگوں کو مقام مصطفیٰؐ کا کوئی علم نہیں ہے، یہ تو اپنی جگہ پر رہے ان کے شیخ کو بھی مقام مصطفیٰؐ کا کوئی علم نہیں تھا۔

میں یہ بات کر کے کسی مذہب پر تہمت تراشی نہیں کر رہا بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس مذہب کے اصل بانی ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم حرانی المعروف بہ ابن تیمیہ نے واضح الفاظ میں یہ کہا تھا کہ ''قبر محمدؐ کی سرزمین میں اور باقی سرزمین میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

اس کو یہ علم نہیں تھا کہ اس مقام کی نسبت کس شخصیت کی طرف ہے۔ اگر اسے عظمت خدا کا پتا ہوتا تو وہ خدا کے نمائندے کی عظمت کو بھی ضرور تسلیم کرتا۔ جو لوگ روضہ رسولؐ کی طرف پشت لگا کر کھڑے ہوتے ہیں، مسجد نبوی میں بیٹھ کر روضہء مطہر کی طرف پاؤں دراز کر کے بیٹھتے ہیں جن کی نظر میں زیارت رسولؐ کی کوئی اہمیت نہیں ہے ایسے لوگ مقام محمدؐ عربی سے ناآشنا ہیں اور یہ لوگ تقویٰ قلب سے محروم ہیں۔ دعا ہے کہ خدا نے آپ شیعیان آل محمدؑ کو جو تقویٰ قلب عطا کیا ہے اس میں ہمیشہ اضافہ کرتا رہے۔

شرح صدر معرفت کا دیباچہ ہے

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے ان ہی لوگوں کے دلوں کا امتحان لیا ہے۔

''امتحان'' آزمائش کو کہا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے آزمالیا ہے اور اِمْتَحَنَ کا دوسرا معنی وسعت اور انشرح کا ہے تو اس کا دوسرا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ نے ان لوگوں کے سینوں کو کھول دیا ہے اور انہیں شرح صدر کی نعمت سے سرفراز کیا ہے اور شرح صدر کی وجہ سے ان کے دلوں کی تنگی

ختم ہوچکی ہے اور وہ بزرگ شناس بن چکے ہیں۔

دوستو! بات یہ ہے کہ جب تک انسان میں خود بزرگی اور عظمت کا پہلو موجود نہ ہو وہ اس وقت تک بزرگ شناس نہیں بن سکتا۔ ایک دس سال کے بچے کو کسی سلطان کی عزت کا کیا علم ہوسکتا ہے؟ اور جب تک وہ خود بڑا نہ ہو اور اس میں ایک طرح کی عظمت پیدا نہ ہو اس وقت تک وہ کسی کی عظمت سے بے خبر رہے گا۔

جب تک کوئی شخص خوش نویسی کی تعلیم حاصل نہ کرے اس وقت تک وہ کسی خوش نویس کی عظمت اور محنت کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح بے علم شخص کسی عالم کو پہچان نہیں سکتا۔ عالم کو پہچاننے کے لئے بھی علم کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح رب العالمین کی عظمت کی پہچان کے لئے قلب و نظر کی عظمت کا ہونا ضروری ہے۔ ذہنی طور پر بے مایہ شخص سے عظمت رب العالمین کی توقع رکھنا عبث ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے اس مثال پر توجہ فرمائیں: جب آپ چھوٹے بچے تھے تو اس وقت آپ چار آنے لے کر بھی خوش ہو جاتے تھے اور جا کر اس سے ٹافیاں وغیرہ خریدتے تھے۔ اس کے بعد آپ ذرا بڑے ہوئے تو آپ نے چار پانچ ہزار کا مطالبہ شروع کر دیا اور جب مزید بڑے ہوئے تو آپ نے دس لاکھ بیس لاکھ مانگنا شروع کر دیئے۔

آخر یہ فرق کیوں ہے؟ چند سال قبل آپ چار آنے یا ایک روپے کو بڑی دولت سمجھتے تھے، پھر آپ چار پانچ ہزار روپے پر آگئے اور پھر ترقی کرتے ہوئے بات لاکھوں تک جا پہنچی۔ بات یہ ہے کہ آپ جتنے چھوٹے تھے آپ کی خواہشات بھی اتنی ہی چھوٹی تھیں اور آپ جتنے بڑے ہوتے گئے آپ کی خواہشات بھی بڑھتی گئیں اس لئے بات لاکھوں کروڑوں تک جا پہنچی۔

اور اگر اب بھی بات پوری طرح سے واضح نہیں ہوئی تو پھر ملا نصیر الدین کا لطیفہ سنیئے: ایک دن ملا نصیر الدین نے دوستوں سے کہا: خدا کا شکر

ہے کہ جوانی اور بڑھاپا میرے لئے برابر ہیں، بڑھاپے کی وجہ سے میری قوت میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

دوستوں نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جوانی جوانی ہے اور بڑھاپا سراپا کمزوری ہے۔

ملا نے جواب دیا: ہمارے گھر میں ایک بھاری پتھر رکھا ہے جسے میں جوانی میں بھی نہیں اٹھا سکتا تھا اور اب بڑھاپے میں بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اس لئے میں نے جوانی اور بڑھاپے میں کوئی فرق محسوس نہیں کیا۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کے بچپن اور جوانی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ آپ بچپنے میں چار اینٹوں کی دکان بنا لیتے ہیں اور اگر کسی بچے نے اسے لات ماری تو اس کے گلے پڑ گئے کہ تو ہماری دکان خراب کر رہا ہے۔ چار پانچ برس کی عمر میں تو چار اینٹیں اس کی دکان کے لئے کافی تھیں اور اب جب وہ جوان ہو چکا ہے تو چار کا عدد ویسے کا ویسے اس کے ساتھ ہے۔ اب اس نے دکان اور مکان بنوانا ہے تو بھی اسے چار کی ضرورت ہے مگر چار لاکھ اینٹوں کی۔

ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ عقل جتنی کامل ہوتی جائے گی اتنی ضروریات بڑھتی جائیں گی اور اتنا ہی فکر میں اضافہ ہوگا۔ بچپنا رشد وفکر کی کوتاہی کا نام ہے۔ خدا کرے کہ انسان کو یہاں رہتے ہوئے عقل آجائے، اسے اس ضرورت کا احساس ہوجائے کہ خدا اسے ایسا گھر دے جو خراب و تباہ نہ ہو، ایسا گھر دے جہاں سے اسے کوئی نکال نہ سکے، ایسا گھر دے جو زوال پذیر نہ ہو اور جب تک انسان کو اس حقیقت کا ادراک نہ ہو اس وقت تک وہ ذہنی طور پر نوے سال کا بچہ ہی رہے گا۔

ادب رسولؐ کا تقاضا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُ ہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ○ یعنی بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان کی اکثریت کچھ نہیں سمجھتی ہے۔

جو لوگ آپؐ کو حجروں کے پیچھے سے کھڑے ہو کر پکارتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ان کا عذر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی اکثریت بے شعور ہے۔ ان کے پاس فہم انسانی موجود نہیں ہے اور ابھی تک انہوں نے حیوانی سرحد سے باہر قدم نہیں رکھا۔ ان کے پاس کلیات کے ادراک کی صلاحیت نہیں ہے۔ ابھی تک وہ نہ تو خدا کو پہچان سکے ہیں اور نہ ہی اس کے بھیجے ہوئے رسولؐ کو پہچان پائے ہیں۔ وہ مقام نبوت و رسالت و وحی سے بالکل نابلد ہیں۔ مقام نبوت کی عظمت کو سمجھنے کے لئے انسان کا عظیم ہونا لازمی ہے اور جب تک انسان کا ذہن کھلا نہ ہو اس وقت تک عظمت رسالت کا اندازہ ہی نہیں کرسکتا اور جب کسی انسان میں عظمت آجائے گی تو پھر اسے پتا چلے گا کہ مقام نبوت کتنا عظیم ہے اور اس وقت اسے معلوم ہوگا کہ نبوت وحی الٰہی کے حصول کی استعداد اور عالم اعلیٰ کے ساتھ ارتباط کا نام ہے۔

خدا منصب نبوت کے لئے ہر شخص کا انتخاب نہیں کرتا۔ خدا اس کا انتخاب کرتا ہے جو عصمت، پاکیزگی، تقویٰ اور طہارت ذاتی میں اپنے دور کے تمام انسانوں

سے ممتاز ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ اَنَّھُم صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ○ یعنی اگر یہ لوگ اتنا صبر کر لیتے کہ آپ نکل کر باہر آجاتے تو یہ ان کے حق میں زیادہ بہتر ہوتا۔

اگر یہ بے ادب صحرائی عرب جلد بازی نہ کرتے اور آپ کو بلانے کی بجائے آپ کے نکلنے کا انتظار کر لیتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور جب آپ باہر تشریف لے آتے تو اس وقت اپنی حاجات آپ کے سامنے پیش کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ اگر وہ آپ کے ادب کے تقاضوں کا خیال رکھتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ احترام محمدؐ، ادب محمدؐ، مقام نبوت کے ادب کا فائدہ خود مسلمان کو ہی پہنچتا ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے مقصد تک پہنچ جاتا ہے اور اسے اس کی مراد ملتی ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص بھی ادب پیغمبر کرے، خدا اس کے ایمان کو محکم کرتا ہے اور اس کے قلبی تعلق اور دوستی کو زیادہ کرتا ہے اور اجر وثواب میں اضافہ کرتا ہے۔ ایک آدھ گھنٹے تک اگر صبر کر لیتے تو انہیں اس انتظار کا بڑا ثواب ملتا۔ قدرت نے نادان عربوں کو سمجھایا کہ جلد بازی کو چھوڑنے میں تمہارے لئے سعادت ورحمت کا راز مضمر ہے۔

اب ہم لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ کے معنی آپ کی خدمت میں بیان کریں گے۔

پیغمبر اسلامؐ پر نصاریٰ کی تہمتیں

اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی دشمنی اکثر نصاریٰ کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور ان میں سے بہت سے عیسائیوں نے پیغمبر اسلامؐ کے خلاف کتابیں لکھیں جن میں آپ کی ذات والا صفات پر رکیک حملے کیے گئے۔

کچھ سال پہلے یورپ سے ایک کتاب شائع ہوئی جس کا فارسی میں ترجمہ

''عذر تقصیر بہ پیش گاہ محمدؐ'' کے نام سے شائع ہوا اور ایک دوسری کتاب ''محمدؐ، پیغمبری کہ باید از نو شناخت'' کے نام سے شائع ہوئی۔ ان دونوں کتابوں میں پیغمبر اکرمؐ کے خلاف تہمتیں تراشی گئیں۔ ان میں سے ایک تہمت یہ تھی کہ پیغمبر اکرمؐ نام و نمود اور شہرت و ریاست کے طلبگار تھے، وہ غضب کے اناپسند تھے اور انہوں نے اپنی انا پرستی کا اظہار قرآن کی بہت سی آیات میں کیا ہے۔ سورۂ حجرات کی پہلی پانچ آیات میں انہوں نے اپنی انا پرستی کا ثبوت فراہم کیا، اپنی تعظیم و تجلیل کے لئے لوگوں کو مجبور کیا اور اپنے پیروکاروں سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ کسی بھی معاملے میں ان سے سبقت نہ کریں، اپنی آواز کو ان کی آواز سے ہرگز بلند نہ کریں اور ہر وقت ان کے حفظ مراتب کو ملحوظ رکھیں۔ ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمدؐ اپنے آپ کو ہر وقت محترم اور معظم دیکھنے کے خواہش مند تھے اور ان کی خواہش کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی امت کو حکم دیا کہ وہ جب بھی ان کا نام لیں یا سنیں تو ان پر درود و سلام بھیجیں۔

مذکورہ احکام مسلمانوں کے فائدے کے لئے ہیں

ان تمام ہفوات کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ یعنی اس میں خود مسلمانوں کی بہتری مضمر ہے۔

اے مسلمانو! یاد رکھو کہ قرآن مجید کے تمام احکام میں مکلف افراد کے ظاہری و باطنی فوائد پوشیدہ ہیں۔ قرآن کا ہر حکم مسلمانوں کی بھلائی کے لئے ہے جو چیز مسلمانوں کے لئے مفید تھی قرآن نے اس کا حکم دیا، اس میں کسی کے ذاتی فائدے کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا۔ اللہ کی لعنت ہو ان لوگوں پر جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے ان احکام کا حکم صادر کیا تھا۔

نبی اکرمؐ کی زندگی زہد کا کامل نمونہ ہے

ذاتی منفعت کسے کہتے ہیں؟ سیدھی سی بات ہے کہ ذاتی منفعت دولت و سلطنت کے حصول کو کہا جاتا ہے لیکن تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ رسول خداؐ نے کوئی عالی شان محلات تعمیر نہیں کئے تھے اور اگر آپ چاہتے تو سونے چاندی کی اینٹوں کا محل بھی تعمیر کر سکتے تھے۔ رسول اکرمؐ کی زندگی پر اعتراض کرنے والے ہمیں بتائیں کہ آپ کتنی جائیداد بنا کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے اور وفات کے وقت آپ کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کتنی تھی؟

آپ نے ازواج کے لئے کچھ کمرے بنائے تھے جو کہ کچی مٹی اور گارے سے تعمیر ہوئے تھے اور جن کی چھتوں پر کھجور کے شہتیر چڑھے ہوئے تھے۔ آپ کا بستر کیسا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ آپ نے سونے کے لئے ریت بچھائی ہوئی تھی اور کبھی اس پر کھجور کے پتوں کی کھردری چٹائی ڈال دیتے تھے۔ آپ کا سرہانہ بکری کی کھال کا تھا جس میں کپاس کی بجائے لیف خرما بھری ہوئی تھی اور آپ کا لحاف چودہ میٹر کپڑے کا تھان کی شکل میں تھا اور اس کا آدھا حصہ آپ گدے کے طور پر استعمال کرتے تھے اور آدھے حصے کو لحاف کی طور پر استعمال کرتے تھے۔

آپ کی زندگی کے آخری سالوں میں آپ کی ازواج نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا کہ اب رسول خداؐ بوڑھے ہو چکے ہیں، جسم اطہر کا گوشت کم ہو گیا ہے اور آپ کی ہڈیاں نمایاں ہو چکی ہیں لہٰذا اس لحاف کے چار تہہ بنائی جائیں تاکہ آپ اچھی طرح آرام کر سکیں اور پوری نیند لے سکیں۔ چنانچہ آپ کی ایک زوجہ نے اس کپڑے کی چار تہیں بنا دیں۔ جب آنحضرتؐ اس پر سوئے تو آپ کو کچھ زیادہ آرام محسوس ہوا اور آپ خلاف عادت کچھ دیر سے اٹھے اور اٹھتے ہی فرمایا: ہمارے گدے کی زیادہ تہیں کس نے بنائیں تھیں؟

آپ کی ایک زوجہ نے کہا: یارسول اللہؐ! میں نے بنائی تھیں، کیونکہ آپ کا بدن مبارک کمزور ہو چکا ہے۔ میں چاہتی تھی کہ نرم گدے پر آپ آرام کریں۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا: تم نے ایسا کر کے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ آج میں آرام دہ گدے پر لیٹا تو میری آنکھ دیر سے کھلی۔ مجھے اپنے لئے ہلکا پھلکا گدا چاہئے۔

پیغمبر اسلامؐ سادہ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ آپ قیمتی لباس پہننے کے بھی عادی نہیں تھے۔ ایک بار گرمیوں کے دنوں میں جب آپ چارپائی سے اٹھے تو بان کے نشان جسم اطہر پر ثبت تھے۔ یہ دیکھ کر ایک صحابی رونے لگ گیا اور کہا: یارسول اللہؐ! آپ تو تمام شاہوں کے شہنشاہ ہیں، مگر آپ یہ کیسی کھردری زندگی بسر کر رہے ہیں؟

حضرت محمد مصطفیؐ اس طرح کے بے جا الزامات سے بہت ہی بلند و بالا ہیں۔ آپ دولت پرست نہیں تھے اور آپ کو شہرت و جاہ سے بھی کوئی واسطہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ الزامات لگانے والوں پر لعنت کرے۔ کہاں محمد مصطفیؐ اور کہاں شہرت طلبی اور جاہ پسندی کے جذبات!

آپ کی نشست کا انداز

آنحضرتؐ ایک دن خاک پر غلاموں کے انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں سے ایک دولت مند خاتون کا گزر ہوا۔

یاد رکھیں خاک پر بیٹھنا آپ کو بہت پسند تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ میں خاک نشینی کو آخری لمحات تک نہیں چھوڑوں گا۔ (خاک نشینی میں جو روحانیت اور لذت پوشیدہ ہے اسے صرف خاک نشین اشخاص ہی جانتے ہیں)۔ الغرض اس خاتون نے دیکھا کہ آپ خاک پر بیٹھے کچھ کھانے میں مصروف ہیں۔ روایات کے مطابق آپ اس وقت خرما یا روٹی کا ٹکڑا تناول فرما رہے تھے۔

جب اس خاتون نے خاکساری کا یہ منظر دیکھا تو کہنے لگی: حلست جلسة العبید یعنی آپ آقا ہو کر غلاموں کی طرح سے بیٹھے ہوئے ہیں اور اگر کوئی اس حالت میں آپ کو دیکھ لے تو وہ آپ کو پہچان نہیں سکے گا۔

آپ نے فرمایا: ومن اعبد منی یعنی مجھ سے بڑھ کر اور کوئی کیا غلام ہوسکتا ہے۔ میں بادشاہوں کے بادشاہ، تمام جہانوں کے پروردگار کا غلام ہوں۔

اس خاتون نے کہا: آپ کو خدا کا واسطہ جو غذا آپ تناول کر رہے ہیں اس میں سے کچھ مجھے بھی کھلائیں۔

آپ نے کچھ کھجوریں اور روٹی کا ٹکڑا اسے دے دیا۔

خاتون نے کہا: یارسول اللہؐ! مجھے یہ غذا نہیں چاہئے آپ جس غذا کو منہ میں چبا رہے ہیں، مجھے وہ چاہئے۔

آپ نے اپنے منہ کے اندر کا چبایا ہوا لقمہ اسے دے دیا۔ اس خاتون نے آپ کے چبائے ہوئے لقمے کو بڑی خوشی سے نگل لیا۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: اس دن کے بعد جب تک وہ عورت زندہ رہی آنحضرتؐ کے لقمے کی برکت سے کبھی بیمار نہ ہوئی۔ (حلیۃ الابرار بحرانی، جلد اول، صفحہ ۱۱۷)

کیا رسول خداؐ شہرت کے طلبگار تھے۔ آپ جب بھی مجلس میں تشریف لاتے تو آپ کبھی صدر مجلس میں نہیں بیٹھتے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی مجلس کا انداز ہی ایسا تھا کہ اس میں کسی کے صدر نشین ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی مجلس دائرے کے انداز میں ہوتی تھی اور جب آپ مجلس میں تشریف لاتے تو جہاں جگہ خالی ہوتی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔

اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ باہر سے آنے والا شخص جب مدینے میں داخل ہوتا اور لوگوں سے رسول خداؐ کے متعلق پوچھتا تو اسے بتایا جاتا کہ آپ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ پھر جب نو وارد مسجد میں داخل ہوتا تو آپ کی مجلس کے

مساویانہ انداز کو دیکھ کر پہچان نہیں سکتا تھا کہ ان میں محمد مصطفیٰؐ کون ہیں؟ نووارد کو مجبور ہو کر یہ پوچھنا پڑتا تھا کہ اس محفل میں محمد مصطفیٰؐ کون ہیں؟ رسول خداؐ فرماتے تھے کہ میں ہی محمدؐ ہوں۔ (بحارالانوار، جلد۶)

آپ ہمیشہ سلام میں پہل کرتے تھے

کیا حضرت محمد مصطفیٰؐ دنیا کے جاہ و جلال کے طالب تھے۔ بھلا ایسی ذات جاہ و جلال کی طلبگار کیسے ہوسکتی ہے جس کا یہ فرمان ہو: خمس لا ادعھن حتی الممات: الا کل علی الخضیض مع العبید و رکوب الحمار موکفاً و حلب العنز بیدی و لبس الصوف والتسلیم علی الصبیان لیکون سنة من بعدی یعنی پانچ عادات کو میں مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا: (۱) غلاموں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانا (۲) بغیر کاٹھی کے گدھے پر سوار ہونا (۳) اپنے ہاتھوں سے بھیڑ بکری دوہنا (۴) اون کا جھوٹا موٹا لباس پہننا (۵) بچوں پر سلام کرنا تا کہ یہ میرے بعد سنت قرار پائے۔ (حلیۃ الابرار بحرانی، جلد۱، صفحہ۱۳۱)

آپ اتنے پروقار اور سادہ تھے کہ کسی سے سلام کی توقع نہیں کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ سلام میں پہل کرتے تھے اور اگر کسی شخص کو دور سے آتا ہوا دیکھتے اور ابھی تک اس نے سلام نہ کیا ہوتا تو آپ اسے سلام کرتے تھے۔

بعض مسلمانوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ آپ پر سلام میں پہل کریں اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ اس خواہش کی تکمیل کے لئے دیوار کے پیچھے کھڑے ہو جاتے تاکہ جیسے ہی آپ نمودار ہوں گے آپ کو سلام کریں گے، مگر ان کے سلام سے پہلے آپ فرماتے: دیوار کے پیچھے چھپنے والے، "سلامٌ علیکم."

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں زندگی کے آخری مرحلے تک سلام میں پہل کرنے کی عادت کو نہیں چھوڑوں گا۔

سلام میں پہل کرنا تکبر کا علاج ہے۔ آپ ہمیشہ سلام میں پہل کیا کریں اور اپنے سے چھوٹوں کو سلام کریں اور جب آپ گھر میں داخل ہوں تو اپنی بیوی بچوں کو سلام کریں۔ بیوی آئے تو سلام کریں، بچے آئیں تو انہیں سلام کریں اور یہ کبھی نہ سوچیں کہ میں اس گھر کا مالک ہوں، میں چھوٹوں کو سلام کیوں کروں؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ○ جب آپ اپنے گھروں میں داخل ہوں تو اپنے نفسوں پر سلام کریں۔ (سورۂ نور، آیت ۶۱)

سلام میں پہل کرنا انسانی تکلیفوں کا علاج ہے اور سلام میں پہل کرنا تواضع کی دلیل ہے اور جہاں تواضع آجائے وہاں سے تکبر رخصت ہو جاتا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کی روش تھی کہ آپ ہمیشہ سلام میں پہل کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو یہ حکم دیا تھا: وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے سلامٌ علیکم" کہیں۔ تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم قرار دے لی ہے۔ (سورۂ انعام: آیت ۵۴)

حضور اکرمؐ کا جذبۂ تواضع صرف خاک نشینی اور سلام کی پہل تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ آپ پیدل چلنے والے افراد کو اپنی سواری پر اپنے ساتھ بٹھانے میں بھی کوئی عیب تصور نہیں کرتے تھے۔

پیدل افراد کو اپنے ساتھ سوار کرنا

آپ کسی پیدل شخص کے ساتھ سوار ہو کر سفر کرنے کو معیوب جانتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "میں کسی کو ہم ردیف بنانے کی عادت کو مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا۔"

کسی پیادہ شخص کے ساتھ کوئی سوار سواری پر جارہا ہو تو وہ انتہائی برا لگتا ہے۔ الحمدللہ اب گدھے گھوڑے پر سفر کرنے کا زمانہ بیت گیا۔ اس سے پہلے ہوتا یہ تھا کہ مالک گھوڑے یا گدھے پر سوار ہوتا تھا اور غلام بے چارہ پیچھے پیچھے پیدل چل رہا ہوتا تھا۔ یہ انسانیت کی کتنی بڑی تذلیل ہے کہ ایک شخص سوار ہو اور دوسرا شخص پیدل چل رہا ہو۔

حضرت رسول اکرمؐ انتہائی شفیق تھے، آپ نے ایسا کبھی نہیں کیا کہ خود سواری پر سوار ہوں اور دوسروں کو پیچھے چلنے کے لئے کہیں۔ آنحضرتؐ نے سواری کے لئے ایک طرح کا جانور بھی مخصوص نہیں تھا، آپ کبھی گدھے پر سوار ہوتے تھے اور کبھی خچر پر سوار ہوتے تھے اور اگر کبھی گھوڑا ہاتھ آیا تو اس پر سوار ہو جاتے تھے اور کبھی اونٹ پر سواری کرتے تھے۔ اگر جانور پر زین اور پالان ہوتا تو بہتر ورنہ زین اور پالان کے بغیر بھی جانوروں کی سواری میں کوئی عیب خیال نہیں کرتے تھے۔ آپ رکاب اور لگام کے بغیر بھی سواری کر لیتے۔ کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی رسی کو گلے میں ڈالتے اور بطور لگام ہاتھ میں لے کر خدا کا نام لے کر سوار ہو جاتے تھے۔ دوران سفر اگر کسی کو پیدل چلتے ہوئے پاتے تو اسے اپنے ساتھ سوار کر لیتے تھے۔ اگر کوئی بچہ یا ضعیف ہوتا تو آپ سواری کو روک لیتے تھے اور اسے اپنے ہاتھوں سے سوار کرتے۔ اگر کوئی جوان ہوتا تو وہ خود ہی آپ کے پیچھے سوار ہو جاتا تھا۔

کتاب حیات الحیوان کے مؤلف نے ۳۴ افراد کے نام گنوائے ہیں جنہوں نے یہ سعادت حاصل کی تھی۔ ان افراد میں آپ کے چچا کے فرزند فضل بن عباس بھی شامل تھے۔ حج کے موقع پر جب رسول خداؐ عرفات سے منیٰ کی طرف جا رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ فضل دھوپ میں سفر کر رہے ہیں۔ انہیں دھوپ میں چلتا دیکھ کر آپ سے برداشت نہ ہوا اور اپنے پیچھے سوار کر لیا اور اس سفر میں آپ نے انہیں وعظ و نصیحت بھی فرمائی۔

(آپ کا وہ موعظہ بڑا مشہور ہے جو خف اللّٰہ تجدہ امامک ۔ الخ سے شروع ہوتا ہے)۔ اس روایت کے ضمن میں یہ بھی مذکور ہے کہ دوران سفر فضل نے ایک اجنبی عورت کو گھور کر دیکھا تو آپ نے اس کا چہرہ موڑ دیا تا کہ نظر بد کے گناہ سے محفوظ رہ سکے۔ بہرنوع پیغمبر اکرمؐ یہ برداشت نہیں کرتے تھے کہ آپ سواری پر سوار ہوں اور کوئی دوسرا ان کے ساتھ پیدل سفر کر رہا ہو۔ آپ نے کسی سے یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ میں جا رہا ہوں تم میرے پیچھے چلے آنا۔

پیغمبر اکرمؐ کی شفاف زندگی پر اعتراض کرنے والے ہمیں بتائیں کہ انہوں نے یہ کہاں سے معلوم کیا کہ آپ جاہ و جلال کے طالب تھے؟ کیا انہوں نے آنحضرتؐ کی خوراک کے انداز سے یہ اندازہ کیا، یا انہوں نے آپ کے بیٹھنے کے انداز سے یہ اندازہ کیا یا انہوں نے آپ کی سواری کے انداز سے یہ اندازہ کیا؟

آپ طعام کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے

غذا اور خوراک کو بھی آپ کی نظر میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی۔ انس نے نو سال تک آپ کی خدمت کی۔ وہ آپ کی خوراک آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ چنانچہ انس کا بیان ہے کہ ایک رات آنحضرتؐ کے کھانے کے لئے دودھ کی کچھ مقدار میرے پاس موجود تھی اور آپ نے رات کے کھانے میں اسی دودھ کو پینا تھا اور سحری بھی اسی دودھ سے کرنا تھی۔ سورج غروب ہوا، رات ہوگئی اور آپ تشریف نہ لائے۔ جب آپ کے آنے میں دیر ہوگئی تو میں نے سمجھا کہ ممکن ہے کہ آپ کسی صحابی کے گھر تشریف لے گئے ہوں اور آپ نے وہاں کھانا بھی کھالیا ہو۔ یہ سوچ کر میں نے آپ کا دودھ پی لیا۔

کچھ دیر بعد آپ اپنے بیت الشرف میں تشریف لائے اور کچھ دیر خاموش ہو کر بیٹھے رہے اور مجھ سے ایک حرف تک نہ کہا۔ پھر آپ اٹھ کر سونے کے لئے

چلے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد میں مسجد میں گیا اور ایک صحابی سے پوچھا کہ رسول خداؐ آج رات کس صحابی کے گھر تشریف لے گئے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ آپؐ کہیں نہیں گئے تھے، نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں بیٹھے رہے۔

میں نے پوچھا: آپ اتنی دیر تک کیوں بیٹھے رہے؟

انہوں نے بتایا: لوگوں نے آپ سے کچھ مسائل دریافت کئے تھے، اسی لئے آپ زیادہ دیر تک بیٹھے رہے۔

یہ سن کر مجھے سخت افسوس ہوا کہ آپؐ نے آج رات کچھ کھایا نہ پیا۔ میں شرمندگی کے جذبات لے کر آپ کے بیت الشرف میں گیا، مگر آپ نے مجھ سے یہ نہ کہا کہ میرا رات کا کھانا کہاں رکھا ہے؟ میں اپنے دل میں اتنی شرمندگی محسوس کر رہا تھا کہ میں چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔

بہرنوع وہ رات تو جیسے تیسے گزر گئی۔ سحری کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ آپؐ نے مجھ سے سحری طلب کی تو میں کیا جواب دوں گا اور میں سوچ کر پسینہ پسینہ ہوتا جا رہا تھا کہ آج کی سحر نہ جانے میرے لئے کتنی ذلت لے کر نمودار ہوگی؟

جب سحری کا وقت ہوا تو پیغمبر اکرمؐ اٹھے، آپ نے اپنے منہ سے سحری کا نام تک نہ لیا۔ آپ نے نماز تہجد ادا کی اور جب اذان فجر ہوئی تو آپ گھر سے اٹھ کر مسجد چلے گئے اور کچھ کھائے پیئے بغیر آپ نے روزہ رکھ لیا مگر آپ نے مجھ سے سحری لانے کے لئے ایک جملہ تک نہ کہا۔ (سفینۃ البحار، جلد۱، صفحہ ۴۱۵)

انس کی سب سے بڑی خواہش

انس نے نو سال تک آنحضرتؐ کی غلامی کا شرف حاصل کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب خواجۂ کائناتؐ مدینہ تشریف لائے تھے، تو اہل مدینہ خوشی میں مختلف قسم کے تحفے تحائف لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے تحائف اور نذرانے آپ کی خدمت میں پیش کئے۔

انس کی والدہ نے جب لوگوں کو تحائف پیش کرتے ہوئے دیکھا تو اس نے سوچا کہ میں ایک بوڑھی عورت ہوں، میرے پاس کوئی قیمتی تحفہ موجود نہیں ہے۔ مگر میں تحفہ پیش نہ کر کے شرمندہ بھی نہیں ہونا چاہتی۔

پھر اچانک انہوں نے ایک اہم فیصلہ کیا اور اپنے بیٹے انس کو پکڑا اور انہیں لے کر حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یارسول اللہ! مدینے کے مالدار لوگوں نے آپ کو تحائف اور نذرانے پیش کئے ہیں۔ میں ایک بوڑھی عورت ہوں اور آپ کے شایان شان میرے پاس کوئی تحفہ نہیں ہے۔ بس یہی ایک بیٹا میری کل کائنات ہے اور میں اسے آپ کی غلامی میں دیتی ہوں۔ آپ قبول فرمائیں، یہ آپ کی خدمت کرے گا۔

رسول خداؐ نے بڑھیا کا تحفہ قبول کیا اور پورے نو برس تک انس اس گھر کا صرف غلام ہی نہیں بلکہ بیٹا بن کر آنحضرتؐ کے پاس رہا اور جب اسے آپ کے پاس رہتے ہوئے نو سال پورے ہوئے تو اس نے آپ سے رخصت ہونے کی اجازت طلب کی اور کہا کہ اب مجھے رخصت دیں، میں جوان ہو چکا ہوں، کوئی نہ کوئی کاروبار کرنا چاہتا ہوں۔

پیغمبر اکرمؐ نے انہیں جانے کی اجازت دے دی اور جب وہ روانہ ہونے لگے تو آپ نے فرمایا: انس! تم نے نو سال تک ہمارے گھر میں تکلیفیں برداشت کیں، اب جا رہے ہو، تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک مجھ سے بیان کرو، میں تمہاری حاجت پوری کروں گا۔

میں یہاں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب اسلام عرب کے بڑے حصے پر غالب آچکا تھا اور عملی طور پر پیغمبر اکرمؐ اس وقت پورے عرب کے سلطان تھے۔ آپ نے بڑی فراخ دلی سے انس کو پیشکش کی کہ وہ جو بھی چاہے فرمائش کرے اور آپ اس کی فرمائش کو پورا کریں گے۔

اگر انس رسول اکرمؐ سے ایک قطعہ اراضی مانگتے تو یقیناً رسول خداؐ انہیں وہ بھی عطا کر دیتے مگر رسول خداؐ کے پاس نو برس رہنے کے بعد انس بھی کافی سیانے ہوگئے تھے۔ اب وہ کشمکش میں پڑ گئے کہ حضور اکرمؐ سے کیا مانگیں اور کیا نہ مانگیں۔ آخرکار انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپ مجھے ایک دن رات کی مہلت دیں اس دوران میں سوچ لوں کہ مجھے آپ سے کیا مانگنا چاہئے اور کیا نہیں مانگنا چاہئے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اچھا جاؤ کل صبح تک اچھی طرح سے سوچ سمجھ لو۔

دوستو! انس اس لئے گومگو کا شکار ہوگئے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ دین و دنیا کا سلطان ہے۔ اب اتنے بڑے سلطان سے کیا مانگا جائے؟ بہرنوع انس گھر میں آئے سارا دن سوچتے رہے کہ آنحضرتؐ سے کچھ دنیاوی سامان ہی طلب کرلوں۔ مثلاً ان سے بکریوں کے ایک سو ریوڑ مانگ لوں۔ یا ان سے اونٹوں کا ایک گلہ ہی طلب کرلوں..... مگر پھر ذہن میں سوچتے کہ دین و دنیا کے سلطان کے سامنے اس سوال کی کوئی اہمیت نہیں ہے، یہ تمام چیزیں فانی ہیں۔ پھر سوچتے کہ کیا میں آنحضرتؐ سے تخت حکومت طلب کروں، مگر معاً ذہن میں یہ خیال آتا کہ یہ غلطی کبھی نہ کرنا کیونکہ تخت حکومت اور تختۂ تابوت کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ سوچ کر ان کا ذہن تھک گیا کہ آخر مانگوں تو کیا مانگوں؟ پھر انہوں نے سوچا کہ مجھے آنحضرتؐ سے نعمات آخرت کا سوال کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے سوچا کہ مجھے جنت مانگنی چاہئے یا کوثر طلب کرنی چاہئے...؟

ایک طویل سوچ بچار کے بعد ان کے ذہن نے یہ فیصلہ کیا کہ دین و دنیا کے سلطان سے بس ایک ہی چیز مانگنی چاہئے اور انہوں نے اپنی مطلوبہ چیز کو ذہن میں متعین کرلیا۔ انہوں نے اپنے ذہن میں فیصلہ کیا کہ آنحضرتؐ سے بس ایک ہی چیز مانگوں گا اور ان سے جنت میں ہمسائیگی اور ہمراہی کا سوال کروں گا۔

رسول مقبولؐ کی ہمراہی ایک بہت بڑا اعزاز ہے اور کائنات میں اس جیسا کوئی اعزاز موجود ہی نہیں ہے کہ کوئی شخص رسول خداؐ کا ہمراہی بنے۔ آپ تمام حضرات زیارت عاشورا میں کتنے اخلاص کے ساتھ گڑگڑا کر یہ دعا مانگتے ہیں کہ **ان یجعلنی معکم فی الدنیا والاخرۃ**. یعنی میری خدا سے درخواست ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں مجھے آپؑ کی ہم نشینی نصیب فرمائے۔

''معیت روحانی'' کی تشریح ہم نے اپنی کتاب ''قلب سلیم'' کے آخری حصے میں بیان کی ہے۔ زیارت میں آپ حضرات جب بلند ترین درجے کا سوال کرتے ہیں تو ان الفاظ سے کرتے ہیں: **وان یبلغنی المقام المحمود الذی لکم عنداللّٰہ**. یعنی اللہ تعالیٰ مجھے اس مقام محمود پر فائز کرے جو آپ کو خدا کے ہاں پہلے سے ہی حاصل ہے۔

زیارت عاشورا پڑھنے والے دوستو! آپ کو جو بھی حاجت مطلوب ہو تو آپ اس کے حصول کے لئے زیارت عاشورا پڑھیں، انشاءاللہ آپ کی حاجت پوری ہوگی لیکن یہ یاد رکھیں کہ زیارت عاشورا کا مقام ان جزوی مطالب سے کہیں بلند و بالا ہے۔ اس کے سامنے دنیاوی حاجات کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

خدا سے مقام محمود طلب کریں

خدارا ذرا سوچیں کہ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ زیارت عاشورا کے ذریعے سے مجھ جیسا نالائق بھی خدا سے مقام محمود کا سوال کرے، کیا میں مقام محمود تک رسائی پانے کے قابل بھی ہوں اور اس کے ساتھ یہ بھی سوچیں کہ مقام محمود کہاں ہے؟

عرصۂ محشر میں ایک جگہ ہوگی جسے مقام محمود کہا جائے گا۔ وہاں نور سے بنا ہوا ایک منبر ہوگا جس کی ہزار سیڑھیاں ہوں گی اور اس منبر کی آخری اور بلند ترین

سیڑھی پر حضرت خاتم الانبیاءؐ تشریف فرما ہوں گے۔ ان سے نچلی سیڑھی پر اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالبؑ تشریف فرما ہوں گے۔ پھر دوسری سیڑھیوں پر انبیاءؑ اور ائمہؑ حسب مراتب تشریف فرما ہوں گے اور انبیاءؑ و مرسلین کے بعد وہ مخلص مومن وہاں موجود ہوں گے جنہوں نے ''معیت روحانی'' کے مراتب طے کئے ہوں گے اور آل محمدؐ کی طہارت سے فیض حاصل کر کے روحانی طہارت حاصل کی ہوگی۔ اس مقام محمود کے منبر کے خطیب حضرت رسول خداؐ ہوں گے۔ آپ اسی آخری سیڑھی پر کھڑے ہوں گے، خدا کی حمد بجالائیں گے، اس کی ثناء کریں گے اور خطبہ ارشاد فرمائیں گے۔

روایات میں ہے کہ آنحضرتؐ اللہ تعالیٰ کی ایسی ثناء کریں گے کہ آپ سے پہلے کسی نے خدا کی ایسی ثناء نہیں کی ہوگی۔ (توحید، شیخ صدوق)

اس مقام پر آ کر میرے فہم و ادراک کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں کہ وہ کیسا منبر ہوگا جہاں سید العالمین اور جملہ انبیاءؑ و ائمہؑ و مومنین تشریف فرما ہوں گے اور رسول رحمتؐ کے خطبے میں کیا لذت ہوگی؟ یہی وجہ ہے کہ زیارت عاشورا میں آپ دعا مانگ کر خدا سے التماس کرتے ہیں کہ خدایا! تجھے حسینؑ کا واسطہ جس کا ناحق خون بہایا گیا۔ تجھے تیرے اس حسینؑ کا واسطہ جو کہ ''ثاراللہ'' ہے یعنی جس کے خون کا انتقام تو نے لینا ہے، مجھے مقام محمود تک رسائی عطا فرما۔ محمود یعنی ''جس کی تعریف و ثناء کی جائے'' تو وہ مقام واقعتاً اس قابل ہوگا کہ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے اور وہاں مومنین کو اس قدر روحانی سکون نصیب ہوگا جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

جی ہاں! وہاں مومنین کو اتنا روحانی سکون محسوس ہوگا کہ انہیں پھر کسی چیز کی طلب ہی باقی نہیں رہے گی اور اگر جنت کی حوریں بھی انہیں پیغام بھیجیں کہ اے مومنو! جلدی سے جنت میں آ جاؤ، ہم آپ کی عاشق ہیں اور ہم مدت سے آپ کی راہ تک رہی ہیں تو مومنین یہ جواب دیں گے کہ ہمیں تمہاری بہ نسبت حضرت محمدؐ کا منبر عزیز ہے، ہم ان کے منبر کو چھوڑ کر تمہارے پاس کیا کرنے کے لئے آئیں؟

اسی مفہوم کی ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن حضرت امام حسین علیہ السلام عرش الٰہی کے سائے میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے زائرین اور شیعوں کو آپ کے پاس جمع کرے گا اور انہیں اپنی رحمت سے اس قدر سرفراز کرے گا جس کی توصیف خدا کے علاوہ اور کوئی بیان نہیں کرسکتا۔ اسی اثناء میں حوران جنت انہیں پیغام بھیجیں گی کہ جلد جنت میں آجاؤ، ہمیں تمہارا اشتیاق ہے، ہم تمہارے لئے سراپا انتظار ہیں۔

مومنین جواب میں کہیں گے: **سوف نجیئکم ان شاء اللّٰہ** یعنی خدا نے چاہا تو ہم بعد میں تمہارے پاس آجائیں گے۔

اس وقت ہم حسینؑ کی ہمسائیگی نہیں چھوڑنا چاہتے اور حسینؑ کی زیارت کو ہم تمہاری ملاقات پر ترجیح دیتے ہیں۔ (بحارالانوار، جلد ۱۱، ص ۲۶۳۔ باب جوامع **ماورد من الفضل فی زیارۃ الحسینؑ**)

الغرض یہ ایسے امور ہیں جنہیں محسوس کیا جاسکتا ہے لیکن زبان سے ان کی کیفیت کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ جو افراد زیارت عاشورا پڑھتے ہیں وہ بڑے اخلاص سے آل محمدؐ سے یہ درخواست کرتے ہیں "**ان یبلغنی معکم— ان یبلغنی المقام المحمود**" کہ اللہ مجھے محمد مصطفیٰؐ، علی مرتضیٰ، حسن مجتبیٰ اور حسین شہید کربلا علیہم السلام کی رفاقت نصیب فرمائے۔

آمدم بر سر مطلب۔ انس بڑا دانا ہوچکے تھے۔ ساری رات سوچتا رہا کہ رحمۃ للعالمین سے کیا مانگا جائے اور کیا نہ مانگا جائے۔ نو سال کی خدمت کا بدلہ کیا ہونا چاہئے؟ بہرنوع صبح ہوئی اور انس رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

رسول خداؐ نے دریافت فرمایا: تم نے اپنی حاجت کے متعلق سوچا؟

انس نے کہا: جی ہاں! یارسول اللہؐ، میں نے خوب سوچ سمجھ لیا ہے۔

آپ نے فرمایا: بولو! میں تمہیں کیا عطا کروں؟

انس نے کہا: یارسول اللہؐ! میری بس یہی خواہش ہے کہ آخرت میں مجھے آپ کی رفاقت نصیب ہو۔

انس نے بعینہ اسی خواہش کا اظہار کیا جس کا اظہار آپ زیارت عاشورا میں کرتے ہیں کہ خدا آپ کو محمدؐ وآل محمدؐ کی رفاقت نصیب کرے۔ اسی طرح سے انس کی خواہش بھی تھی کہ اسے رسول خداؐ کی رفاقت نصیب ہو۔ تو آپ جانتے ہیں کہ رسول خداؐ نے انس کو کیا جواب دیا تھا؟

سجدہ سے قرب رحمانی حاصل کرو

عزیزان محترم! آپ نے ذرا غور فرمایا کہ انس نے کتنا بڑا سوال کیا؟

بات یہ ہے کہ مبدا تو فیاض تھا مگر اس کے افاضہ کے لئے بھی ظرف قابل کی ضرورت تھی کیونکہ صلاحیت اور قابلیت کے بغیر حبیب خداؐ کی رفاقت بڑی مشکل ہے اور اگر ظرف قابل نہ ہو تو استفادہ ناممکن ہے۔ خدانخواستہ اگر کسی گدھے کو خلعت شاہی پہنا دی جائے اور اسے تخت پر بٹھا کر اس کے سامنے زعفران بھی رکھ دی جائے، پھر بھی اس میں آدمیت پیدا نہیں ہوگی۔

اور یہاں انس نے بھی اپنی حیثیت سے کہیں بڑا مطالبہ کردیا اور اس نے سلطان عالمؐ کی ہم نشینی کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت رسول خداؐ نے اس کے ساتھ رفاقت کا وعدہ تو نہ کیا البتہ اسے ایسے راستے کی راہ نمائی ضرور فرمائی جس پر چل کر وہ رفاقت مصطفیؐ کی صلاحیت پیدا کرسکتا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا: اعنی بکثرۃ السجود یعنی زیادہ سجدے کرکے میری مدد کرو۔

سجدے کی حقیقت کیا ہے؟ سجدہ ماسوئے اللہ کی طرف پشت کرنے کا نام ہے اور تمام مخلوقات سے منقطع ہو کر خالق سے لو لگانے کا دوسرا نام ہے اور سجدہ جتنا طویل ہو اتنا ہی فائدہ مند ہے اور حالت سجدہ میں انسان خدا سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (وسائل الشیعہ کتاب الصلوٰۃ)

اور اگر سجدہ میں رونا نصیب ہو جائے تو پھر اس کے کیا ہی کہنے اور سجدے میں ہو سکے تو لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنتَ سُبحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ کی آیت کریمہ کو سو مرتبہ، دو سو مرتبہ اور اگر ہو سکے تو ہزار مرتبہ پڑھیں۔

امام سجاد علیہ السلام کے متعلق منقول ہے کہ آپ سجدے میں ہزار مرتبہ لاَاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ حَقًّا حَقًّا. لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ اِیْمَانًا وَّ تَصْدِیْقًا پڑھتے تھے۔ جب آپ کوہ مدینہ کے نشیب میں سنگریزوں پر سجدہ کرتے تو راوی کے بقول "جب آپ سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو وہ سنگریزے آپ کے پسینے سے تر ہوتے تھے۔" (منتہی الآمال، شیخ عباس قمی)

سخت گرمی میں خدا جانے آپ گھنٹہ سجدہ کرتے تھے یا دو گھنٹے سجدہ کرتے تھے، وہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ روحانیت کے طلبگار ہیں تو آپ ایسے عمل بھی بجالائیں جن کی وجہ سے آپ مادیت سے دور ہو کر روحانیت کے قریب ہوسکیں اور اس کے بغیر اگر بالفرض تمہیں نبی اکرمؐ کی رفاقت میسر بھی آجائے تو بھی آپ استفادہ نہ کرسکیں گے اور یاد رکھیں "ان یجعلنی معکم" کا مقام زحمت اٹھائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

انس کی روایت جیسی ایک اور روایت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپ مجھے ایسا عمل بتائیں جس کی وجہ سے خدا مجھ سے محبت رکھے، لوگ بھی مجھ سے محبت کریں، جس سے میرا رزق وسیع ہو، میرا جسم تندرست رہے، میری عمر دراز ہو اور قیامت کے دن خدا مجھے آپ کے ساتھ محشور فرمائے۔

رسول خداؐ نے فرمایا: تو نے چھ حاجتیں طلب کی ہیں اور ان کے لئے چھ چیزوں کی ضرورت ہے۔ (۱) اگر تو چاہتا ہے کہ خدا تجھ سے محبت کرے تو اس سے ڈر

اور گناہوں سے پرہیز کر (۲) اگر تو چاہتا ہے کہ لوگ تجھ سے محبت کریں تو لوگوں سے بھلائی کر اور جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہے اس کی طمع نہ کر اور ان کی دولت کی طرف لالچ کی نظر سے نہ دیکھ (۳) اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا رزق وسیع ہو تو پھر زکوٰۃ ادا کر (۴) اگر تو چاہتا ہے کہ تجھے جسمانی صحت نصیب ہو تو صدقہ دے (۵) گر تو چاہتا ہے کہ تجھے طویل عمر ملے تو صلہ رحمی کر (۶) اگر تو چاہتا ہے کہ خدا قیامت کے دن تجھے میرے ساتھ محشور کرے تو خدا کے حضور طویل سجدے کر۔ (سفینۃ البحار، جلد اول، ص ۵۹۹)

خلاصہ یہ ہے کہ گناہوں کے ہوتے ہوئے حضرت محمد مصطفیٰؐ کی رفاقت کو طلب کرنا ایک خیال خام ہے کیونکہ گناہ دوزخ کا راستہ ہیں اور گناہ شیاطین اور فراعنہ کی رفاقت کا سبب ہیں۔

رفاقت مصطفیٰؐ کے حصول کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں کہ انسان اطاعت و بندگی کے راستے پر چلے کیونکہ یہی راستہ جنت کا راستہ ہے اور بزرگوں کے قرب کے حصول کا ذریعہ ہے۔ عبادت کی دنیا میں سجدہ کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور قرب روحانی کے حصول کے لئے سجدہ انتہائی مؤثر ہے اور قرآن مجید اور روایات میں اس کی بہت زیادہ تاکید وارد ہے۔

آل محمدؐ کی احادیث میں سجدے کے جو خواص بیان کئے گئے ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ سجدہ — اوابین (توبہ کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں) کا طریقہ ہے۔

۲۔ سجدہ — ابلیس کو انتہائی گراں محسوس ہونے والا عمل ہے۔

۳۔ سجدہ کرنے سے گناہ یوں جھڑ جاتے ہیں جیسا کہ موسم خزاں کی تیز ہوا سے درخت کے سوکھے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

۴۔ سجدہ — خدا سے قریب ترین کیفیت کا نام ہے۔

۵۔ سجدہ — خدا کے حضور بشر کی بندگی اور خضوع کی انتہا ہے۔

نابردہ رنج گنج میسر نمی شود
مزد آن گرفت جان برادر کہ کارکرد

یعنی تکلیف اٹھائے بغیر خزانہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ مزدوری ہمیشہ کام کرنے والے کو ہی ملا کرتی ہے۔

خمس میں بھی مسلمانوں کا فائدہ ہے

شریعت کے تمام احکام مسلمانوں کے فائدے کے لئے ہیں۔ اس میں بانیِ شریعت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی شخصی اور ذاتی فائدہ مضمر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ خمس میں بھی آقائے نامدار کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے۔

خدا ایسے لوگوں پر لعنت کرے جو یہ سمجھتے ہیں کہ محمد مصطفیٰؐ نے خمس واجب کر کے قیامت تک اپنی نسل کو معاشی طور پر بے نیاز کر دیا ہے اور انہوں نے اپنی تبلیغ کی اجرت خمس کی شکل میں مسلمانوں پر واجب کر دی ہے۔

یقیناً یہ ان لوگوں کا غلط خیال ہے۔ خمس سے بھی مسلمانوں کی فلاح مطلوب ہے۔ خمس اس لئے واجب کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے مال کے ساتھ ان کے دل بھی پاک ہو جائیں اور اولادِ مصطفیٰؐ کی وجہ سے مسلمانوں کا مصطفیٰؐ سے زیادہ سے زیادہ رابطہ پیدا ہو سکے۔ خدا کے لئے یہ تصور کبھی نہ کریں کہ اللہ نے سیٹھوں کے ہاتھ میں آلِ محمدؐ کا رزق رکھ دیا ہے۔

بحرین کا رہنے والا ایک شخص اپنے جواہرات کا خمس لے کر مدینے آیا اور جب وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے دل میں سوچا کہ میں بڑا کام کر کے آیا ہوں اور امامؑ کی مدد کے لئے اچھی خاصی رقم لے آیا ہوں۔ امامؑ اس

کی دلی کیفیت کو بھانپ گئے اور آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ سامنے ایک برتن رکھا ہے ذرا وہ اٹھا کر یہاں لاؤ۔

غلام وہ برتن اٹھا کر امامؑ کے پاس لایا۔ اس برتن میں سنگریزے پڑے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک دعا پڑھی، پھر آپ نے وہ برتن اس تاجر کے سامنے پلٹ دیا۔ برتن پلٹنے کی دیر تھی کہ اس سے اتنے دینار اور اشرفیاں برآمد ہوئیں کہ اس سے تاجر اور غلام کے درمیان بہت بڑا ڈھیر بن گیا اور ڈھیر کی وجہ سے تاجر کو غلام اور غلام کو تاجر دکھائی نہیں دیتا تھا۔

پھر امام علیہ السلام نے تاجر سے فرمایا: ہمیں تیرے خمس کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ تو یہ خیال کر رہا ہے کہ تو نے ایک عظیم کام کیا ہے اور اس ذریعے سے تو نے ہماری ضرورتوں کو پورا کیا ہے۔ یاد رکھ ہم تمہارا خمس اس لئے لیتے ہیں تا کہ تم پاک و پاکیزہ بن سکو۔ (مدینۃ المعاجز بحرانی، صفحہ ۴۰۶)

اے انسان! تجھے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کل جب قیامت کے دن منادی ندا کرے گا کہ جس کا حضرت محمدؐ پر کوئی حق ہو وہ کھڑا ہو جائے تو اس دن تجھے اس خمس کی قدر و قیمت کا پتا چلے گا اور اس وقت ہر شخص یہ آرزو کرے گا کہ کاش حضرت محمدؐ میرے لئے کہہ دیں کہ اس کا بھی حق میرے ذمے ہے۔

قیامت کا دن انتہائی سخت ہوگا۔ قرآن مجید نے اس کی سختی بیان کرتے ہوئے یوما کان شرہ مستطیرا اور عبوسا قمطریرا کے الفاظ سے اسے یاد کیا۔ یعنی اس دن کی سختی ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی اور وہ سخت ہولناک دن ہوگا۔ چنانچہ ایسے ہی کٹھن ترین لمحات میں جب تجھے یہ آواز سنائی دے گی کہ جس کا محمدؐ پر کوئی حق واجب الادا ہو تو وہ اٹھ کر اپنا حق لے لے۔ تو جب لوگ اس ندا کو سنیں گے تو منادی سے کہیں گے: محمدؐ کا تمام مخلوقات پر حق ہے لیکن ذرا یہ تو بتاؤ کہ مخلوقات کا محمدؐ پر کیا حق ہو سکتا ہے؟

اس وقت منادی یہ کہے گا: جس نے دنیا میں رہ کر اولاد مصطفیؐ پر احسان کیا ہو، ان کا قرض ادا کیا ہو، ان کا احترام کیا ہو، ان کی حاجت روائی کی ہو یا ان کی داد رسی کی ہو تو وہ کھڑا ہو جائے۔ حضرت محمد مصطفیؐ اسے اس کا بدلہ دینا چاہتے ہیں۔ (فضائل السادات)

خمس ادا کرنے والے بھائیو! اس دن آپ کو یہ الفاظ سن کر کتنی لذت محسوس ہوگی اور آپ کو کتنی بڑی سعادت نصیب ہوگی۔ یہ تمام احکام صرف آپ کی فلاح اور صلاح کے لئے ہیں یہاں تک کہ مستحبات بھی آپ کے فائدے کے لئے ہیں۔ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی زیارت اور عزاداری میں شیعوں کے لئے دنیا و آخرت کا فائدہ ہے۔

زیارت کا دنیاوی فائدہ یہ ہے کہ عمر لمبی ہوتی ہے اور رزق وسیع ہوتا ہے اور حاجات پوری ہوتی ہیں۔ یہ فوائد روایات میں مذکور ہیں اور تجربہ بھی اس کی صداقت کی گواہی دیتا ہے۔ آخرت میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے بخشش نصیب ہوگی، گناہ معاف ہوں گے اور رسول خداؐ کی شفاعت اور ہمسائیگی نصیب ہوگی۔

ائمہ ہدیٰؑ کی زیارت کا ثواب

کتاب کامل الزیارات میں منقول ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے امام حسینؑ اور اپنے اہلبیتؑ کے دوسرے افراد کی مختلف مقامات پر شہید ہونے کی خبر دی تھی۔

اپنے نانا کی زبانی یہ خبر سن کر حضرت امام حسینؑ نے عرض کیا: نانا جان! ذرا یہ تو بتایئے کہ جب ہماری قبریں ایک دوسرے سے اتنی دور ہوں گی تو ہماری قبروں کی زیارت کرنے کے لئے کون آئے گا؟

رسول خداؐ نے فرمایا: میری امت کے کچھ گروہ زیارت کے لئے آئیں گے جن کا مقصد مجھ سے بھلائی کرنا ہوگا اور ان لوگوں کا مجھ پر حق ہے اسی لئے میں

قیامت کے دن ان کی دستگیری کروں گا اور ان کو بازو سے پکڑ کر قیامت کے شدائد سے نجات دلاؤں گا اور اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں جگہ عنایت فرمائے گا۔

اسی کتاب کے باب فضل کربلا میں حضرت ام ایمن سے ایک حدیث مروی ہے اور یہی حدیث حضرت زینب کبریٰؑ نے گیارہ محرم کے دن امام سجّادؑ کے سامنے بیان کی تھی کہ رسول خداؐ نے فرمایا: **و ینصبون علماً و رسماً لقبر الحسینؑ لا یدرس اثرہ ولا یعفورسمہٗ علی کرور اللیالی والایام و لیجتھدن ائمۃ الکفر و اشیاع الضلالۃ فی محوہ و تطمیسہ فلا یزداد اثرہ الا ظھوراً و امرہ الاعلواً**۔ یعنی (حسینؑ کے ماننے والے) قبر حسینؑ پر علامت اور قبہ بنائیں گے جس کا نشان باقی رہے گا اور جس کی عمارت کبھی بوسیدہ نہ ہوگی۔ کفر کے پیشوا اور گمراہی کے پیروکار اس کو مٹانے کی پوری کوششیں کریں گے مگر ان کی تمام کوششوں کے باوجود اس کا اثر مزید ظاہر ہوگا اور اس کا امر روز بروز ترقی کرے گا۔

اس حدیث میں رسول خداؐ نے آنے والے وقت کی پیشین گوئی فرمائی۔ بنی عباس کے دور حکومت میں بالعموم اور متوکل کے دور میں بالخصوص قبر امام حسینؑ کو منہدم کرنے کی بہت کوششیں کی گئیں، مگر ان کی تمام تر کوششوں کو خدا نے رائیگاں کر دیا اور قبر حسینؑ آج بھی آباد ہے اور اس پر ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

شیخ شوستری اپنی کتاب ''خصائص'' میں لکھتے ہیں: امام مظلوم کے روضۂ مطہر کی شان و شوکت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ بیت اللہ اور دوسرے مقامات مقدسہ کی تعمیر کا کام مکمل ہو جاتا ہے جبکہ امام مظلوم کے حرم اور ان کے صحن کی تعمیر و تزئین کا کام کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ جس سال متوکل نے روضۂ امام حسینؑ کو مٹانے کی کوشش کی تھی اسی سال دوبارہ آپ کا روضہ سلاطین بنی عباس نے تعمیر کرایا اور اس کے بعد سلاطین نے ہر دور میں روضے کی تزئین و توسیع اور آئینہ کاری کا کام کیا۔ جب میری عمر پانچ برس کی تھی تو میں نے حرم مطہر کی توسیع

وتزئین کا کام ہوتے ہوئے دیکھا تھا اور آج میری عمر ساٹھ برس سے تجاوز کر رہی ہے، پھر بھی میں آپ کے روضے کی تعمیر وتزئین کا کام ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور مجھے اس عرصے میں ایک دن بھی ایسا یاد نہیں آتا جس میں حرم مطہر کی توسیع وتعمیر کا کام نہ ہوا ہو۔

خصائص کے مترجم مرحوم شہرستانی لکھتے ہیں: حقیر نے اپنی آنکھوں سے نیا قبہ بنتے ہوئے دیکھا اور سرِاطہر کی جانب سے صحن کی توسیع اور ایوان ناصری اور سرداب صحن اور سنگ مرمر کے فرش اور دیواروں کی کاشی اور رواق کی تجدید کا مشاہدہ کیا۔

حقیر ۱۳۶۰ھ میں نجف اشرف میں قیام پذیر تھا تو اس دوران میں نے دیکھا کہ حرم مطہر کی توسیع ہو رہی تھی اور حرم کی دیواروں پر سنگ مرمر لگایا جا رہا تھا اور پھر جب میں ۱۳۹۷ھ میں دوبارہ کربلا گیا تو میں نے حرمِ مطہر کے ہر صحن کو ازسرنو تعمیر ہوتے ہوئے دیکھا۔

حضرت ام ایمنؓ کی حدیث میں رسول خداؐ سے منقول ہے: ملائکہ نورانی قلم لے کر قبر حسینؑ کے زائرین کی پیشانی پر یہ عبارت لکھتے ہیں: ھذا زائر الحسینؑ یعنی یہ حسین کا زائر ہے۔ قیامت کے دن اس تحریر سے اتنا نور برآمد ہوگا جو اہل محشر کی آنکھوں کو خیرہ کر دے گا اور اس نور سے زائر حسینؑ پہچانا جائے گا۔

پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ
دنیا دوستی سے خدا دوستی کا سفر

آج ہم وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌO کے ضمن میں دو اہم مطالب بیان کریں گے۔ ایک اہم مطلب تو ہم اپنی کل کی گفتگو میں بیان کر چکے ہیں اور دوسرے مطالب کو بیان کرنے سے قبل سابقہ مطلب کا اعادہ ضروری ہے تاکہ بات متصل ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ نے وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ کے ضمن میں مسلمانوں کو بتایا ہے کہ احترام رسولؐ کے متعلق جملہ تعلیمات یعنی رسول اکرمؐ کو بزرگ و برتر سمجھنا، ادب رسولؐ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کی مجلس میں اپنی آواز بلند نہ کرنا، ان کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا نہ کرنا، رسول اکرمؐ سے سبقت نہ کرنا، غرضیکہ یہ تمام احکام خود مسلمانوں کی بھلائی کے لئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا حضرت محمد مصطفیٰؐ جاہ و جلال اور شہرت و ریاست کے خواہش مند تھے؟ ایسے شخص پر خدا کی لعنت ہو جو یہ خیال کرتا ہو کہ نبی و امام حب دنیا میں گرفتار تھے جبکہ ہمارا ایمان یہ ہے کہ جس میں ذرہ برابر بھی حب دنیا موجود ہو وہ شخص کبھی بھی نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی کا کام لوگوں کو آخرت کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ اگر وہ خود حب دنیا میں گرفتار ہو تو لوگوں کو آخرت کی طرف کس طرح متوجہ

کرے گا۔ اس کی تعلیمات کی وجہ سے لوگوں کی حب دنیا میں اضافہ ہوگا۔

آپ حضرات دعائے ندبہ میں پڑھتے ہیں: بعد ان شرطت علیهم الزهد فی درجات هذه الدنیا الدنیة و زخرفها و زبرجها و شرطوالک ذلک یعنی تو نے ان سے یہ اقرار لیا تھا کہ وہ اس ذلیل وحقیر دنیا کی زیب و زینت کو اہمیت نہ دیں گے اور انہوں نے تجھ سے ایسا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

معلوم ہوا کہ ہادیان دین کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ دنیا کو اہمیت نہ دیتے ہوں اور اگر ہادیان دین دنیا طلب بن جائیں تو وہ لوگوں کو حب دنیا سے نجات کیسے دلا سکیں گے۔ اس طرح ان کی مثال اس طبیب کی سی ہوگی جو خود تو مریض ہو اور دوسروں کا علاج کر رہا ہو۔ نبی و امام روحانی طبیب ہوتے ہیں اور ان کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو حب دنیا سے نکال کر حب خدا و آخرت کی منزل پر لے جائیں۔ مقصد یہ ہے کہ ان تمام احکام میں مسلمانوں کی بہتری پوشیدہ ہے۔

درود —— قرب خدا کا ذریعہ

اگر آپ حضرت محمد مصطفیؐ کا احترام کریں گے تو اس سے آپ کو ہی فائدہ نصیب ہوگا۔ آپ کے ثواب میں اضافہ ہوگا اور آپ کی معرفت اور ایمان محکم ہوں گے۔ جب آپ حضرت محمد مصطفیؐ پر درود بھیجتے ہیں تو اس کا فائدہ بھی آپ کو ہی ملتا ہے ورنہ آنحضرتؐ آپ کے درود کے محتاج تھوڑا ہی ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ. يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○ یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے رسول اکرمؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور ان پر سلام کرو جیسا کہ سلام کرنے کا حق ہے۔ (سورۂ احزاب: آیت ۵۶)

مومنین کرام! آپ بھی ملائکہ کے دوش بدوش ہو کر حبیب خداؐ پر درود

بھیجیں۔ ملائکہ منازل قرب کے حصول کے لئے نبی کریمؐ پر درود بھیجتے ہیں اور اگر آپ بھی قرب خدا میں اضافہ کے خواہش مند ہیں تو آپ بھی حضور اکرمؐ پر درود بھیجیں۔ آپ جتنی بھی درود بھیجیں گے اس سے آپ کے گناہ ختم ہوں گے۔ حضرت حق سے آپ کی دوری کم ہوگی اور آپ کو حضرت حق سے قربت نصیب ہوگی۔ آپ حضرات اگرچہ ظاہری طور پر تو نبی کریمؐ پر درود پڑھتے ہیں لیکن اس کا فائدہ آپ کو ہی پہنچتا ہے۔

اسی لئے نبی اکرمؐ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا میں اس پر دس بار درود بھیجوں گا۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ درود شریف کا فائدہ بھی آپ کے لئے ہے۔ اسی طرح سے قرآنی احکام آپ کے فائدے کے لئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں کہا گیا: **ان تصبروا خیر لکم** یعنی اگر تم صبر کرو گے تو وہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اور **ان تصوموا خیر لکم** یعنی تم روزے رکھو گے تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔

اجر رسالت میں بھی مومنین کا فائدہ ہے

رسول اکرمؐ کے اقرباء کی مودت اجر رسالت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: **قُلْ لاَ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى** یعنی اے رسولؐ! آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے رسالت کی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ میرے قرابتداروں سے مودت کرو۔

اجر رسالت کیا ہے؟ اجر رسالت — ذریت رسول اکرمؐ سے مودت کرنے کا نام ہے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ حکم سادات کے فائدے کے لئے ہے اور رسول خداؐ کی نسبت سے انہیں ایک مقام دلانا مقصود ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس حکم میں بھی خود مسلمانوں کا

فائدہ ہے کیونکہ اولاد پیغمبرؐ کی دوستی اور مودت عالم وجود کے سلطان محمد مصطفیؐ سے ایک گونا قرابت کا سبب ہے۔ جی ہاں! سادات سے دوستی اس ذات والا صفات سے قربت کا ذریعہ ہے جس کے اختیار میں تمام عالم ہستی ہے، جو ذات خالق کا پہلا شاہکار ہے، جو ذات تمام ممکنات کی علت غائی ہے، جس ذات سے حساب قیامت وابستہ ہے اور جس کے دائرۂ اختیار میں جنت و دوزخ ہے۔ سلطان کائنات کا قرب ہمیں جبھی حاصل ہوگا جب ہم ان کی اولاد سے دوستی کریں گے۔ اسی لئے آل محمدؐ کی مودت کا فائدہ رسول اکرمؐ کو نہیں پہنچتا بلکہ اس میں ہمارا ہی فائدہ مضمر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سورۂ فاطر میں ہمیں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں: قُلْ مَا سَئَلْتُكُمْ مِنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ. یعنی یہ جو ہم نے تم سے کہا ہے کہ پیغمبرؐ کے قرابتداروں سے مودت کرو تو اس میں پیغمبرؐ اور ان کے خاندان کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم نے جو تم سے ذوی القربیٰ کی مودت طلب کی ہے فَهُوَ لَكُمْ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔

اگر آپ سادات سے دوستی کریں گے اور ان کا احترام کریں گے تو آپ کو ان کے جدنامدار کی قربت حاصل ہوگی اور سادات کا احترام کرنے اور نہ کرنے سے رسول اکرمؐ پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ البتہ ان کی محبت و احترام سے آپ کو رسول اکرمؐ کی قربت ضرور حاصل ہو جائے گی۔

روزہ روحانی ترقی کا سبب ہے

جاہل کہتے ہیں کہ خدا کو بھلا ہماری نماز اور روزے کی کیا ضرورت ہے؟ جی ہاں! یہ سچ ہے کہ خدا کو تیری نماز و روزے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ تجھے اس کی ضرورت ہے۔ نماز پڑھ کر تو اپنی خدمت کرتا ہے کیونکہ نماز کی وجہ سے تو حدِ حیوانی سے ایک بالشت بلند ہو جاتا ہے اور نماز کے ذریعے سے تو خورد و نوش، سفلی جذبات، غضب، جہالت اور ظلمت کی حدود سے باہر نکل آتا ہے۔

ع حیوان خبر ندارد ز نشان آدمیت

ماہ رمضان کے دنوں میں تو مشقت اٹھاتا ہے اور اس سے تجھے عالم بالا میں ملائکہ کی صف کی قربت حاصل ہوتی ہے اور جب تو مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرتا ہے تو تو صف بستہ ملائکہ کی شباہت اختیار کرتا ہے۔ کیا یہ کچھ کم ترقی ہے؟

روزہ تجھے روحانی ترقی سے ہمکنار کرتا ہے اور اس کا فائدہ تجھے ہی پہنچتا ہے۔ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ. یعنی روزہ رکھنا تیرے لئے بھلائی کا سبب ہے۔ روزے سے روحانیت کے جذبہ کو تقویت ملتی ہے۔ روزے سے ایمان کامل ہوتا ہے اور پروردگار تک جانے کا راستا روزے سے ہی ملتا ہے۔ روزے سے حیوانی جہات میں کمی واقع ہوتی ہے۔ مناجات کے ذریعے انسان قرب الٰہی کی منزلیں طے کرتا ہے۔ مناجات سحر میں وہ لذت پنہاں ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

روزے کی وجہ سے آپ صف صابرین کے فرد بن جاتے ہیں۔ اس کے باوجود جو لوگ کسی عذر شرعی کے بغیر روزہ نہیں رکھتے ایسے افراد دو پاؤں رکھنے والے جانور ہیں۔ یہ لوگ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہے ہیں اور ان کے نفس نے ان کی ذلت پر مہر تصدیق ثبت کر رکھی ہے۔ ماہ رمضان کا روزہ نہ رکھنے والے افراد گویا اپنی تذلیل کا اعلان کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ لوگ زبان حال سے پکار پکار کر بتا رہے ہیں کہ ہم اتنے ذلیل اور کمزور ہیں کہ ہمارا بس ہمارے اپنے شکم پر بھی نہیں چلتا۔ یقیناً یہ ذلت کا اظہار ہے۔

جبکہ روزہ رکھنے والے حضرات اپنی عزت آشکار کر کے یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ ہم اپنے شکم کے غلام نہیں ہیں، ہمیں اپنے آپ پر اتنا تصرف کامل ہے کہ ہم اٹھارہ گھنٹے تک کچھ کھائے پیئے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں۔ اسی کو روحانیت کہتے ہیں کیونکہ روحانیت اپنے نفس امارہ پر قابو پانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

اسلام نے زکوٰۃ دینے کا حکم صادر کیا ہے۔ ظاہری طور پر زکوٰۃ کسی مفلس شخص کو دی جاتی ہے جبکہ اس کا فائدہ خود ہمیں پہنچتا ہے۔ ظاہری طور پر زکوٰۃ سے دولت ہاتھ سے جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے لیکن باطنی طور پر اس کے

عوض ہاتھوں اور قلب میں نور آرہا ہوتا ہے۔ آپ کسی کو زکوٰۃ میں ایک روپیہ دیتے ہیں لیکن حقیقت میں آپ اس کے بدلے ہزار گنا نور حاصل کرتے ہیں۔

جب آپ اپنے ہاتھ سے کسی نادار کو کچھ عطا کرتے ہیں تو آپ اپنے ہاتھ سے دوزخ کے لپکتے ہوئے شعلوں کو بجھا رہے ہوتے ہیں۔ جو لوگ بخل کرتے ہیں وہ گویا اپنی پھونکوں سے شعلوں کو تیز کر رہے ہوتے ہیں اور اپنے لئے دوزخ کا طوق تیار کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرما رہا ہے: **سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** o یعنی اُنہوں نے جس دولت کی کنجوسی کی تھی، اُنہیں قیامت کے دن اسی کا طوق پہنایا جائے گا۔

اس لئے سائل کے ہاتھ کو بوسہ دینا مستحب ہے۔ (یہاں سائل سے پیشہ ور بھکاری مراد نہیں ہیں)۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام کے متعلق منقول ہے کہ جب آپ خدا کی راہ میں کچھ عطا کرتے تو اس کے بعد آپ اپنے ہاتھ کا بوسہ لیا کرتے تھے۔ جب آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپؑ نے فرمایا کہ کیا تو نے قرآن مجید میں یہ نہیں پڑھا: ..... **وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ**..... یعنی اللہ صدقات لیتا ہے اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ گویا میرا یہ ہاتھ اللہ کے ہاتھ سے مس ہوا ہے۔

بھلا اس سے بڑھ کر زکوٰۃ و صدقات کا شرف اور کیا ہوسکتا ہے؟ گویا دینے والا خدا کے ہاتھ کو مس کر کے متبرک ہو جاتا ہے۔ (لئالی الاخبار)

سائل کا ہاتھ بھی بوسے کے قابل ہے اور آپ کا ہاتھ بھی بوسے کے قابل ہے۔ اگر آپ کنجوسی کرتے ہیں تو آپ کا ہاتھ کاٹ دینے کے قابل ہے۔ آپ بخل کر کے اپنے لئے آتش دوزخ میں اضافہ کر رہے ہیں اور جو شخص خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ اپنے آپ سے دوزخ کے شعلوں کو دور کرتا ہے کیونکہ روایت میں یہ لفظ وارد ہوئے ہیں: **الصدقة جنة من النار**. یعنی صدقہ آتش دوزخ سے بچانے والی ڈھال ہے۔

انفاق سے سخاوت پیدا ہوتی ہے

انفاق فی سبیل اللہ سے سخاوت جیسی عظیم صفت پیدا ہوتی ہے۔ جب تک انسان میں صفت کرم موجود نہ ہو اس وقت تک وہ حقیقی دولتمندوں تک پہنچ نہیں سکتا۔

آپ تو اصلِ کرم اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالبؑ سے اتصال کے خواہش مند ہیں تو بتایئے کنجوسی کر کے آپ حضرت علیؑ کے سامنے جاسکیں گے؟ عجیب بات ہے کہ آپ بخیل ہوتے ہوئے حضرت علیؑ تک جانے کا راستہ تلاش کرنے مین لگے ہوئے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ آپ کو حضرت علیؑ کے قریب کردے گا اور اس کا نفع آپ کو ہی حاصل ہوگا۔ آپ خدا کی راہ میں خرچ کر کے اپنے اوپر ہی خرچ کر رہے ہوتے ہیں اور اس سے آپ کائنات کے کریم گھرانے سے قریب ہوتے ہیں اور پھر کریم گھرانے کے ذریعے سے آپ اکرم الاکرمین خدا تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ جب تک خود آپ میں صفت کرم پیدا نہ ہوگی اس وقت تک آپ خدا کے کرم سے محروم رہیں گے اور جب تک انسان میں صفات کمالیہ کا عکس موجود نہ ہو تو وہ اس کے منبع تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ بخیل جنت سے دور ہے، خدا سے دور ہے، محمدؐ و آل محمدؑ سے دور ہے۔

اے مسلمانو! احکام الٰہی کی قدر و قیمت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ جتنے بھی خدا کے احکام ہیں ان کا فائدہ انسان کو ہی پہنچتا ہے اور اسلام نے جس چیز کو بھی حرام کیا ہے اس میں انسان کا نقصان مضمر ہے اور اسلام کی شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ نقصان سے محفوظ رہیں۔ کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے:

گر جملہ کائنات کافر گردند　　　بردامن کبریا لیش ننشیند گرد

یعنی اگر تمام کائنات کفر اختیار کرلے پھر بھی خدا کے دامن کبریائی پر کوئی گرد نہیں پڑے گی۔

صبر روحانی ارتقاء اور ثواب بے حساب کا ذریعہ ہے

آپ حضرات اسلامی احکام میں سے صبر کو ہی دیکھ لیں کہ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اس کا حکم دیا گیا۔ کہیں صَابِرُوْا کہیں اِصْبِرُوْ اور کہیں اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَo کے الفاظ سے اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ یاد رکھیں صبر بھی آپ کے فائدے کی چیز ہے اس کا فائدہ آپ کو پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بھی اس کا اجر عطا کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اگر تم نے صبر کیا تو یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہوگا۔

صبر کا پہلا فائدہ خود آپ کے جسم کو پہنچتا ہے کیونکہ آپ کا جسم سکون و آرام محسوس کرتا ہے جبکہ بے صبری سے اعصاب کی بے آرامی پیدا ہوتی ہے۔

آپ بیمار ہوتے ہیں تو آپ کسی پر احسان نہیں کرتے، اس لئے کہ آخرت میں آپ کو اس بیماری کے عوض کچھ نہیں ملے گا لیکن اگر آپ نے بیماری میں صبر اختیار کیا تو ایک تو آپ کے جسم کو تسکین فراہم ہوگی اور دوسرے انعام کے طور پر آپ کے ساتھ جنت کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صابرین کے لئے جنت کا ایک دروازہ مخصوص کردیا ہے۔ ہر عمل کے اجر کا کوئی نہ کوئی ثواب مقرر ہے مگر صبر کیلئے خدا نے ثواب کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ. یعنی صبر کرنے والوں کو بغیر حساب اجر دیا جائے گا۔ (سورۂ زمر آیت ۱۴)

صبر آپ کے درد کی دوا ہے۔ اگر آپ صبر کریں گے تو خدا آپ کو بے حساب اجر دے گا اور صبر کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ جب آپ خدانخواستہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو اسے دیکھیں جس کی مصیبت آپ سے بھی زیادہ ہو اور جب آپ کو اپنے سے زیادہ کوئی مصیبت زدہ دکھائی دے تو اپنی مصیبت کو ہیچ سمجھ کر

الحمدللہ کہیں۔ اس بات کو میں ایک مثال سے سمجھانا چاہتا ہوں:

مثلاً آپ کا ذاتی گھر نہیں ہے اس لئے آپ کرائے کے مکان میں رہ رہے ہیں اور کرایہ داری کی وجہ سے آپ پریشان بھی رہتے ہیں تو آپ اس شخص پر نگاہ ڈالیں جس کے پاس کرائے کا مکان بھی نہیں ہے، جو سڑکوں اور پارکوں کے کنارے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ جب آپ اسے دیکھیں گے تو آپ کو اپنی حالت بہتر دکھائی دے گی۔

صبر و سکون کے حصول کے لئے اپنے سے پست شخص کی طرف دیکھیں، اپنے سے بہتر شخص کی طرف مت دیکھیں۔ مثلاً اگر آپ کرایہ دار ہو کر اس شخص کو دیکھیں جو آپ سے کئی گنا بہتر زندگی بسر کرتا ہو اور اس کے پاس مکان اور ذاتی گاڑی کے علاوہ کئی فالتو مکانات بھی ہوں تو یقیناً آپ کی مصیبت دوگنی ہو جائے گی۔

اس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ رب العالمین نے جتنے بھی احکام نازل کئے ہیں وہ سب کے سب مکلفین کے لئے لطف و رحمت ہیں اور ان میں مکلفین کے فوائد و مصالح پوشیدہ ہیں۔ خدائی احکام مکلفین کو زحمت و مشقت میں ڈالنے کے لئے فرض نہیں کئے گئے۔ یاد رکھیں صرف حضرت محمد مصطفیٰؐ کے جاہ و جلال کے اظہار کے لئے خدا نے کسی کو زحمت میں نہیں ڈالا۔

رسول اکرمؐ پر مومنین کے حقوق

اسلام نے یک طرفہ طور پر کسی پر حق واجب نہیں کیا بلکہ اجتماعی اور معاشرتی حقوق دو طرفہ ہیں۔ یعنی اگر اسلام کسی پر کسی کے حق کو واجب قرار دیتا ہے تو اس کے حق کو بھی دوسرے پر واجب قرار دیتا ہے۔ حقوق اجتماعی طرفین کی طرف سے ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک طرف سے یہ حکم دیا ہے کہ رسول اکرمؐ کا

ادب و احترام کریں کیونکہ ان کی تعظیم واجب ہے۔ اگر تم نے تعظیم کے تقاضوں پر عمل نہ کیا تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ تم اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو۔ خدا نے جہاں مومنین کو ادب مصطفیٰؐ کے اتنے تقاضوں کی تعلیم دی ہے وہیں اپنے حبیبؐ کو بھی یہ حکم دیا ہے: وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ○ یعنی جن اہل ایمان نے آپ کی پیروی کی آپ تواضع و عاجزی کے ساتھ ان کے لئے اپنے بازو جھکا دیں۔ (سورۂ شعراء: آیت ۲۱۵)

اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اے رسولؐ! آپ اہل ایمان سے تواضع اور انکساری کے ساتھ پیش آئیں۔ اللہ نے امت کو جہاں حضور اکرمؐ کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا ہے وہیں آنحضرتؐ کو بھی امت کے لئے تواضع و فروتنی کا حکم دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مسافر بھی آپ کے پاس آ کر یہ کہتا کہ یارسول اللہؐ! آپ سے مجھے فلاں کام ہے، آپ میرا یہ کام کر دیں تو یہ سن کر آنحضرتؐ فوراً اُٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑتے تھے۔ جب کوئی مسلمان وفات پا جاتا تو آپ اس کے جنازے کی مشایعت کرتے تھے اور بیماروں کی عیادت کے لئے ان کے گھروں کو جاتے تھے۔

مومنین کو سلام کریں

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اکرمؐ کو حکم دیا: وَ اِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءً بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○ یعنی اور جب آپؐ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپؐ انہیں سَلٰمٌ عَلَیْکُم کہیں۔ آپؐ کے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم قرار دے لی ہے کہ ان میں سے جو بھی از روئے جہالت برائی کرے اور اس کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو خدا بہت زیادہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ انعام: آیت ۵۴)

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ بے حد خوش ہوئے اور مسجد میں تشریف لائے۔ مسجد میں ایسے اصحاب بھی رہتے تھے جن کے پاس پہننے کے لئے کپڑے بھی پورے نہیں ہوتے تھے۔ آپ ان کے درمیان ان کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے اور فرمایا: میں خدا کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے میری امت میں ایسے افراد بھی پیدا کئے ہیں جن کے لئے مجھے سلام کرنے کا حکم دیا ہے۔

پھر آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: مجھے خدا کی طرف سے تمہیں سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے تمہارے ادب کا حکم ملا ہے۔

سادات کو امت کے حقوق کا خیال کرنا چاہیئے

حقوق دو طرفہ ہیں، یک طرفہ نہیں۔ اس نکتے کو مزید واضح کرنے کے لئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ سادات کو دوست رکھیں، ان کا احترام کریں اور اگر وہ ضرورت مند ہوں تو ان کی ضرورت پوری کریں۔

یہ بات آپ نے بار بار سنی ہے مگر میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہاں بھی معاملہ یک طرفہ نہیں ہے۔ جس طرح سے امت کو سادات کے احترام کی وصیت کی گئی ہے اسی طرح سے سادات کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ وہ بھی اپنے نانا کی امت سے ادب و احترام سے پیش آئیں۔

سادات کو غرور نہیں کرنا چاہئے کہ میں سید ہوں، میں آقازادہ ہوں اور مسلمانوں پر میرا ادب واجب ہے۔ سادات کو ہمیشہ یہ نکتہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ پر اللہ تعالیٰ نے امت کے ساتھ تواضع سے پیش آنا واجب کیا تھا۔ جس طرح سے امت پر سادات کا احترام واجب ہے اسی طرح سے سادات پر بھی امت کے لئے تواضع و انکساری واجب ہے۔

سادات کرام! آپ خوب غور سے سن لیں کہ آپ کو اس امت کی

قدردانی کرنی چاہئے کہ وہ آپ کے جدنامدار کی وجہ سے آپ سے محبت کرتی ہے۔ آپ بھی ان سے محبت کریں کیونکہ انہوں نے آپ کے نانا کے دین کو قبول کیا ہے۔ یہ لوگ آپ کے جدامجدؐ سے بڑی محبت وعقیدت رکھتے ہیں اور آپ کے جد کے دین پر عمل کرتے ہیں۔ لہذا آپ بھی ان سے محبت کریں۔ آپ ذاتی اغراض کو پس پشت ڈال کر ان سے محبت کریں۔ آخر انہوں نے بھی تو اپنے ذاتی اغراض پس پشت ڈال کر آپ سے محبت کی ہے۔

بحارالانوار کی جلد ششم میں منقول ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنے مرض الموت میں منبر پر بیٹھ کر اولاد عبدالمطلب کو مخاطب کر کے فرمایا: خبردار! کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے دن میری امت عمل لے کر آئے اور تم اعمال کے بغیر آجاؤ۔ ایسا کام مجھ سے نہ ہو سکے گا، اپنے آپ کو اولاد رسولؐ کہنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا، میں اس سے بڑھ کر تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ (پھر آپ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کو مخاطب کر کے فرمایا) **یافاطمة اعملی ولا تغترّی**۔ یعنی اے فاطمہؑ! نیک عمل کرو، آخرت کا زادِراہ فراہم کرو، اس دھوکے میں نہ رہنا کہ میں دخترِ محمدؐ ہوں۔

پھر آپ نے سرِ منبر فرمایا: میرے بعد غلط آرزوؤں اور خواہشوں میں نہ پڑجانا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے مبعوث برسالت کیا ہے، عمل صالح اور رحمت خدا کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔

اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ تم روزہ، نماز اور انفاق فی سبیل اللہ اور واجبات کی ادائیگی اور عمل کے بغیر جنت میں چلے جاؤ گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ **وانی لو عصیت لهویت**۔ یعنی اگر میں (محمدؐ) بھی خدا کی نافرمانی کروں تو میں بھی اپنے مقام سے گر جاؤں گا۔ میرے متعلق بھی یہ خیال نہ کرنا کہ محمدؐ تو محمدؐ ہے، وہ نبی اور بانی شریعت ہے، اگر وہ گناہ کرے تو کوئی عیب نہیں۔

آج بعض سادات یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ میں تو سید ہوں، میں تو

دوزخ میں نہیں جاؤں گا۔ بعض بے خبر کہتے ہیں کہ سید دوزخ میں نہیں جائیں گے، اگر وہ گناہگار ہوں گے تو وہ "زمھریر" میں جائیں گے۔ خدا جانے لوگوں نے یہ باتیں کہاں سے سن رکھی ہیں؟ ان کا خیال ہے کہ زمھریر کوئی بہتر جگہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ایک روایت میں مذکور ہے: دوزخ کے سامنے ایک جگہ زمھریر ہوگی، وہاں اتنی سردی ہوگی کہ خدا کی پناہ! جن لوگوں کو اس میں ڈالا جائے گا وہ سردی کی شدت کی وجہ سے دوزخ جانے کی آرزو کریں گے۔

آپ نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ زمھریر کوئی صحت افزا مقام ہے؟ خدا کے حضور سید، شیخ، عوام وخواص، جاہل و طالب علم اور مُلّا میں کوئی فرق نہیں ہے۔

سادات کو زیادہ پرہیزگار ہونا چاہئے

سادات کو دوسرے لوگوں کی بہ نسبت گناہوں سے زیادہ پرہیز کرنا چاہئے۔ اگر سید گناہ کرے تو اس کی سزا بھی دوگنی ہے۔

کتاب وافی میں ہے کہ **للمحسن منا اجران و للمسئی منا عذابان**.

یعنی ہمارے نیکوکار کے لئے دو اجر ہیں اور ہمارے گناہگار کے لئے دو عذاب ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ اگر اولادِ پیغمبرؐ نیکی کرے تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر برائی کا ارتکاب کرے تو اسے دو عذاب دیئے جائیں گے۔ ایک عذاب گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے اور دوسرا عذاب اس نسب شریف کی ہتک کی وجہ سے دیا جائے گا۔

سادات کی مستورات کو تنبیہ

اے زن سیدہ! تم بے حجاب باہر نکلتی ہو اور پھر کہتی ہو کہ میں سیدہ ہوں۔ قیامت کے دن تمہیں دوہرے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایک سزا تو اس گناہ بے حجابی کی ملے گی اور دوسری سزا حضرت فاطمہ زہراؑ کی آبرو کو داغدار کرنے کی وجہ سے

ملے گی، تیرا تعلق اولادِ علیؑ سے ہے، تجھے معلوم ہے کہ تو نے بے حجاب ہو کر کتنا بڑا نقصان کیا ہے؟ تو نے بے حجابی کی وجہ سے اپنے نانا کے دین کی توہین کی ہے، تجھے جو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ سیدہ ہے، کیا اولادِ رسولؐ کا یہی کردار ہے؟

کسی بھی شخص کے لئے بیرونی دشمن اتنا خطرناک نہیں ہوتا جتنا کہ اندرونی دشمن خطرناک ہوتا ہے۔ تو اپنے آپ کو علیؑ و بتولؑ کی اولاد کہلاتی ہے اور دین خدا کی توہین کرتی ہے تو اندرونی دشمن ہے۔ لہٰذا تجھے بیرونی دشمن کی بہ نسبت زیادہ سزا ملنی چاہئے۔

سادات کو صالحین کی صف اول میں ہونا چاہئے تا کہ دوسرے ان کی اقتدا کریں۔ اولادِ پیغمبرؐ کو دوسروں کی بہ نسبت شریعت پر زیادہ عمل کرنا چاہئے۔

سادات کی خواتین کو عفت وعصمت میں اپنی دادی فاطمہ زہراؑ کی پیروی کرنی چاہئے تا کہ انہیں دیکھ کر دوسری عورتیں بھی شریعت کے تقاضوں کو اپنائیں۔ یہ ایک دردِ دل ہے کہنے کو بہت سی باتیں ہیں مگر میں صرف اسی پر ہی اکتفا کر رہا ہوں۔

میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں

شریعت میں جہاں بھی حق کی بات کی گئی ہے تو طرفین کے حقوق کی بات کی گئی ہے۔ اسلام میں یک طرفہ حقوق کا کوئی تصور نہیں ہے اور میاں بیوی کے حقوق کی بھی یہی نوعیت ہے۔ ارشاد باری ہے: اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ۝ یعنی مرد، عورتوں کے حاکم اور نگران ہیں۔ (سورۂ نساء: آیت ۳۴)

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کو جنسی تسکین سے محروم نہ رکھے۔ اگر عورت اس حال میں سو جائے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو تو صبح ہونے تک فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اور جب تک شوہر، عورت سے ناراض ہے اس وقت تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس کے دیگر نیک

اعمال بھی قبول نہیں ہوتے۔ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر سنتی روزہ نہ رکھے، اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر مستحب خیرات نہ دے اور اسے ہر کام میں شوہر کی رضامندی کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

اسلام نے جس طرح سے عورتوں پر مردوں کے حقوق واجب کئے ہیں اسی طرح سے مردوں پر عورتوں کے حقوق بھی فرض کئے گئے ہیں۔ عورت کا اپنے شوہر پر پہلا حق یہ ہے کہ شوہر اسے نان نفقہ اور لباس و رہائش فراہم کرے۔ یہ تمام ذمہ داری مردوں کے کندھوں پر عائد کی گئی ہے۔

ایک شخص سے کہا گیا کہ تم شادی کرلو۔ اس نے یہ بات قبول نہ کی اور جب اس سے زیادہ اصرار کیا گیا تو وہ رونے لگا۔ رشتہ داروں نے کہا: بھائی! اگر آپ کو شادی نہیں کرنی تو نہ کرو اس میں بھلا آپ کو رونے کی کیا ضرورت ہے؟

اس شخص نے کہا: بات یہ ہے کہ میں نے ابھی تک شادی اس لئے نہیں کی کہ صرف اپنا ہی بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں، میں خود ابھی تک دوزخ سے بچنے کی تگ و دو میں مصروف ہوں، میرے پاس اعمال کا اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ میں پل صراط سے گزر سکوں، دوزخ سے نجات حاصل کرسکوں۔ میں نے اگر اس حال میں شادی کرلی تو بیوی کی نجات کی ذمہ داری بھی مجھ پر عائد ہوجائے گی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا٥ یعنی اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔ (سورۂ تحریم: آیت ٦) اور مجھ غریب میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ خود بھی آتش دوزخ سے بچوں اور اپنی بیوی بچوں کو بھی بچاسکوں۔ اسی لئے اپنی عاجزی کو دیکھ کر مجھے رونا آ گیا۔

میرے دوستو! آپ نے صرف اپنے آپ کو ہی دوزخ سے نہیں بچانا بلکہ آپ نے اپنی بیوی کا بھی ہاتھ پکڑنا ہے اور اسے بھی دوزخ سے بچانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مردوں کو عورتوں کے متعلق حکم دیا: وَعَاشِرُوْ

هُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ○ اور عورتوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ (سورۂ نساء: آیت۱۹)

نیک برتاؤ کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں پر خواہ مخواہ اعتراض نہ کرو۔ ان شوہروں پر افسوس ہے جو اپنی بیویوں پر بے جا اعتراض کرتے ہیں اور ان سے بداخلاقی سے پیش آتے ہیں اور انہیں مار پیٹ کرتے ہیں۔ اسلام نے شوہر کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ بیوی سے گھر کے کام جبراً کرا سکے۔ شوہر بیوی کو یہ حکم نہیں دے سکتا کہ وہ اٹھ کر گھر کے صحن میں جھاڑو پھیر دے۔

البتہ اسلام نے عورتوں سے رضاکارانہ طور پر یہ توقع کی: جهاد المرأة حسن التبعل. یعنی عورت کا جہاد اچھی شوہرداری کرنا ہے۔ عورتوں کو گھروں میں صاف ستھرا رہنا چاہئے اور اپنے شوہر کے لئے انہیں آرائش کرنی چاہئے اور دل کھول کر شوہر کی خدمت کرنی چاہئے اور اپنے بچے کو اجرت کے بغیر دودھ پلانا چاہئے۔ یہ عظیم ثواب ہے اور بچے کو دودھ پلانے کا اجر غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔

اسلام نے دوسری طرف مردوں کو یہ پیغام دیا کہ دیکھو! تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم اپنی بیوی کو مجبور کرو کہ وہ تمہارے بچے کو دودھ پلائے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے یہ پیغام دیا: وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. صاحب اولاد (شوہر) کا فرض ہے کہ ماؤں کی روٹی اور کپڑے کا مناسب طریقے سے انتظام کرے۔ (سورۂ بقرہ: آیت۲۳۳)

آپ عورت کو مجبور کر کے اپنے بچے کو دودھ نہیں پلوا سکتے۔ اگر عورت دودھ پلانے کے بدلے میں کچھ رقم طلب کرے تو یہ اس کا شرعی حق ہے۔ بچے کے والد کو چاہئے کہ وہ رقم ادا کرے۔

اسلام نے جہاں عورت کو اس قدر حقوق دیئے ہیں وہاں اس سے رضاکارانہ طور پر توقع بھی کی ہے کہ خدا کی رضا کے لئے اپنے بچے کو دودھ پلائے اس کی کسی سے اجرت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور تجھے اس خدا

کا شکر ادا کرنا چاہئے جس نے تجھے بچہ دیا اور اس کا دودھ بھی تجھے عطا کیا۔

رسول خداؐ نے مردوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: **علیکم بالضعیفین النساء و ما ملکت ایمانکم.** یعنی میں تمہیں دو کمزور طبقات کے حقوق کی وصیت کرتا ہوں۔ تمہیں عورتوں اور غلاموں کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔

عورت کے حقوق کے لئے رسول خداؐ اور امیرالمومنینؑ نے اپنی اپنی وصیت میں سفارش کی ہے کہ عورت نسبتاً کمزور ہے، مرد کو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔ بیوی کی غلطی پر اسے زدوکوب نہ کرے اور اگر عورت ناراض ہو کر زبان چلانے لگے تو بھی مرد کو اپنے بڑے پن کا ثبوت دیتے ہوئے معاف کردینا چاہئے۔ بہرنوع مرد و عورت کے رویوں میں کچھ فرق نظر آنا چاہئے۔

والدین اور اولاد کے حقوق بھی دوطرفہ ہیں

والد کے حقوق کی بڑی سفارش کی گئی ہے اور اولاد کو اپنے والد کے ادب و اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور جہاں اولاد کو والد کے ادب کا حکم دیا گیا ہے وہاں والد پر بھی کچھ ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ حدیث میں یہ جملے موجود ہیں: **وارحموا صغارکم** یعنی اپنے بچوں پر رحم کرو۔ مطلب یہ کہ ایسا کام نہ کرو جس کی وجہ سے آپ کے بچے زحمت میں پڑجائیں۔

اولاد کی تربیت، ادب اور ان کی ضرورتوں کا پورا کرنا اور ان کی شادی کرنا والد کی ذمہ داری ہے۔ اولاد کے حقوق کسی طور بھی والدین کے حقوق سے کم نہیں ہیں۔ زن و شوہر کے حقوق بھی اسی طرح سے ہیں۔ جتنے حقوق مرد کے عورت پر فرض کئے گئے ہیں کم وبیش اس کے برابر عورت کے حقوق بھی مرد پر فرض کئے گئے ہیں۔ اسی لئے ہر ایک کو اپنے وظیفہ پر عمل کرنا چاہئے اور اگر کسی نے اپنی ذمہ داری کو ادا نہ کیا تو خدا کے ہاں جوابدہ ہوگا۔ اس وقت کیا حال ہوگا جب صاحبان حقوق کسی شخص کو گھیرے ہوئے ہوں گے۔

ہر شخص کے حقوق ادا کریں

امام سجاد علیہ السلام دعائے ابوحمزہ ثمالی میں فرماتے ہیں: ومن ایدی الخصماء غدا من یخلصنی یعنی کل مدعیوں کے ہاتھوں سے مجھے کون نجات دلائے گا؟

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ○ یعنی قیامت کے دن انسان اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے فرار کرے گا۔

قیامت کے دن جب شوہر، بیوی کو دیکھے گا تو اس سے دوڑ پڑے گا۔

اے مسلمانو! قیامت کا دن بڑا سخت ہے۔ اس دن باپ، بیٹے کو دیکھ کر بھاگے گا اور بیٹا، باپ کو دیکھ کر فرار کرے گا۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر کیوں بھاگ رہے ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حقوق کی وجہ سے ایسا ہوگا۔ جب بچہ اپنے والد کو دیکھے گا تو دوڑ پڑے گا کہ مبادا اس کا باپ اسے پکڑ لے اور اس سے کہے کہ یاد کرو کہ دنیا میں رہ کر تم نے میرے کتنے حقوق ضائع کئے تھے؟ شوہر بیوی کو دیکھ کر بھاگے گا کہ کہیں وہ عورت یہ نہ کہہ دے کہ تم نے میرے حقوق پورے نہیں کئے تھے۔ لوگ صاحبان حق سے بچنے کے لئے ایک دوسرے سے دور بھاگ رہے ہوں گے لیکن یہ بھی ان کی خام خیالی ہوگی۔

حضرت علی علیہ السلام دعائے کمیل میں فرماتے ہیں: وَلَا یُمْکِنُ الْفِرَارُ مِنْ حُکُوْمَتِکَ. یعنی اے پروردگار! تیری حکومت سے فرار کرنا ممکن نہیں ہے۔

محشر میں بھاگ کر کوئی کہاں تک جائے گا۔ آخرکار خدا کے سامنے ہر شخص کو پیش ہونا ہوگا اور اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہوگا۔

تحقیق کے بغیر کوئی اقدام نہ کریں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○ یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اِنۡ جَآءَ کُمۡ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوۡا اَنۡ تُصِیۡبُوۡا قَوۡمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِیۡنَ○ یعنی اے ایمان والو! اگر فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم تک ناواقفیت میں پہنچ جاؤ اور اس کے بعد تمہیں اپنے اقدام پر شرمندہ ہونا پڑے۔

سورۂ حجرات کی ابتدائی آیات میں خدا اور رسولؐ کے ادب کی تعلیم دی گئی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم عمومی تکالیف اور مسلمانوں کی معاشرتی ذمہ داریوں کے حوالے سے بحث کریں گے۔ اگر مسلمان ان تعلیمات پر عمل کریں تو دنیا و آخرت کی نجات و سعادت ان کا مقدر بن سکتی ہے اور اگر مسلمان ان پر عمل نہ کریں تو ان کی اجتماعی زندگی برباد اور آخرت ضائع ہو جائے گی۔

اس آیت میں ایک عمومی حکم دیا گیا ہے جس کا ہماری روزمرہ کی زندگی سے گہرا ربط ہے اور وہ حکم یہ ہے کہ اے مسلمانو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس پر آنکھ بند کر کے فوراً بھروسا کرتے ہوئے جھگڑا شروع نہ کرو۔ کہیں حقیقت واضح ہونے کے بعد تمہیں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اس مفہوم کو واضح کرنے کیلئے میں یہاں ایک مثال بیان کرنا چاہتا ہوں' مثلاً کسی شخص نے آپ سے کہا کہ جس وقت آپ گھر میں موجود نہ تھے تو

اس وقت میں نے ایک اجنبی کو آپ کے گھر میں جاتے ہوئے دیکھا۔

اب عقل اور شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس خبر کی اچھی طرح سے تحقیق کریں اور تحقیق کئے بغیر کوئی اقدام نہ کریں۔ عین ممکن ہے کہ کہنے والے نے بھی سچ کہا ہو لیکن اس نے جسے اجنبی سمجھا وہ آپ کا برادر نسبتی ہو اور اپنی بہن سے ملنے کے لئے گیا ہو۔ مگر کیونکہ خبر دینے والا اسے پہچانتا نہیں تھا اسی لئے اس نے اسے اجنبی سے تعبیر کر کے آپ کی نگاہوں میں دنیا کو تاریک کردیا۔ اگر خدانخواستہ آپ نے جلد بازی سے کام لیا اور بیوی کو زدو کوب کیا تو بات عدالت تک چلی جائے گی اور آپ کی بیوی آپ سے طلاق لے لے گی۔ یوں آپ کا ہنستا بستا گھر آن واحد میں تباہ و برباد ہو جائے گا۔

علماء سے دوری کی وجہ

کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ لوگ علماء کی محفل میں شریک ہونے سے کیوں کتراتے ہیں اور مساجد ویران کیوں ہورہی ہیں؟

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی عالم دین سے ناراض تھا اور اس نے آپ کو دیکھا کہ آپ روزانہ مسجد میں جاتے ہیں اور مذکورہ عالم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ اس شخص نے اپنے ذاتی غصے کا اظہار آپ سے اس طرح سے کیا کہ جناب! آپ روزانہ فلاں مسجد میں کیوں جاتے ہیں؟

آپ کہیں گے کہ میں وہاں نماز پڑھنے کے لئے جاتا ہوں اور نماز کے علاوہ وہاں کے عالم دین سے مسائل کا استفادہ بھی کرتا ہوں۔

اب وہ شخص آپ سے کچھ اس طرح کے کلمات کہے گا' جناب! آپ وہاں نہ جایا کریں۔ اس عالم کے متعلق تو عوام میں بڑی بڑی داستانیں مشہور ہیں۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ اتنے دانا ہو کر بھی اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔

اب آپ نے اس سے یہ پوچھنے کی زحمت تک گوارا نہ کی کہ آخر اس میں کون سی قباحت پائی جاتی ہے؟ اس کی طرف سے یہ بات کہنے کی دیر تھی کہ آپ نے مسجد اور جماعت کو ترک کر دیا۔

اگر مزید تحقیق کرتے تو ممکن ہے کہ حالات کچھ اس طرح سے دکھائی دیتے کہ شکوہ کرنے والے نے اس عالم دین سے کچھ رقم ادھار مانگی ہو اور اس نے نہ دی ہو، جس کی وجہ سے وہ اس سے ناراض ہو گیا ہو اور اس پر ناروا الزامات لگانے پر تل چکا ہو۔

ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ جہاں تھوڑا سا اختلاف پیدا ہوا، ہم نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا اور پھر جائز و ناجاز الزامات عائد کرنے لگ گئے اور اختلاف نے دشمنی کا رنگ اختیار کر لیا۔ اس پورے واقعے میں جو غلطی ہم سے سرزد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم آنکھیں بند کر کے لوگوں کی باتوں کو مان لیتے ہیں اور تحقیق کرنے کی زحمت نہیں کرتے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا۔ یعنی اے ایمان والو! جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کیا کرو۔

تحقیق کے بغیر کسی قوم یا گروہ پر حملہ نہ کرنا ورنہ بعد میں پچھتانا پڑے گا۔

بھائیو! اگر کوئی شخص تمہاری بیوی کے متعلق کچھ کہے تو پہلے تحقیق کر لو۔

بہنو! اگر کوئی عورت یا مرد تمہارے شوہر کے متعلق نازیبا باتیں بتائے تو تم اس پر اعتماد نہ کرو اور شوہر سے جھگڑنے سے پہلے تحقیق کر لیا کرو۔

اگر آپ بھی کسی مسلمان کے متعلق ناروا باتیں سنیں تو پہلے اس کی تحقیق کر لیا کریں کیونکہ عین ممکن ہے کہ کہنے والے نے یہ باتیں اپنے حسد اور بغض کی وجہ سے کہی ہوں یا اسے کوئی مغالطہ ہوا ہو۔

ولید فاسق اور بنی مصطلق

اس آیت کی شان نزول کے تحت مفسرین نے ولید فاسق کا واقعہ لکھا ہے۔

ہجرت کے نویں سال جب اسلام جزیرۃ العرب میں اتنا پھیل چکا تھا کہ قبائل کے وفود مدینہ آ کر اسلام قبول کرنے لگے تھے۔ ان وفود میں بنی مصطلق کا ایک وفد بھی شامل تھا جس کی قیادت ان کے سردار حارث بن ضرار خزاعی کر رہے تھے۔ وہ رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور عرض کی: یارسول اللہؐ! اب میں اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں گا اور ان سے زکوٰۃ جمع کروں گا۔ آپ فلاں وقت اپنا کوئی نہ کوئی نمائندہ روانہ کر کے مجھ سے زکوٰۃ وصول کر لیجئے گا۔

حارث رسول خداؐ کے ہاں سے روانہ ہو کر اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ خدا کے فضل سے ان کے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا اور نماز روزے کے پابند ہوگئے۔ پھر حارث نے پورے قبیلے سے زکوٰۃ وصول کی۔ زکوٰۃ جمع کرنے کے بعد وہ آنحضرتؐ کے کسی نمائندے کا انتظار کرنے لگے۔ کافی دنوں تک ان کے پاس کوئی بھی شخص زکوٰۃ کی وصولی کے لئے نہ گیا تو حارث نے سوچا کہ رسول خداؐ کا کوئی نمائندہ ہم سے زکوٰۃ کی جمع آوری کے لئے نہیں آیا اس لئے ہمیں خود ہی زکوٰۃ وہاں پہنچانی چاہئے۔

اس خیال کے بعد حارث نے اپنی قوم کے کچھ افراد کو ساتھ لیا اور زکوٰۃ کا مال اٹھا کر مدینے کی طرف چل پڑے۔ راستے کی طوائف الملوکی سے بچنے کے لئے انہوں نے اپنے ہتھیار بھی ساتھ لے لئے۔

ادھر سے حارث مدینے کی طرف چلے اور دوسری جانب حضرت رسول خداؐ نے ولید بن عقبہ کو عامل زکوٰۃ مقرر کر کے بنی مصطلق کی جانب روانہ کیا۔

واضح رہے کہ ولید بن عقبہ ماں کی طرف سے حضرت عثمانؓ کا بھائی تھا۔

ولید بن عقبہ اپنے ساتھ چند افراد کو لے کر مدینے سے بنی مصطلق کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں اس نے خود انہیں آتے ہوئے دیکھا۔ مورخین کے بیان کے مطابق ولید نے بنی مصطلق کا ایک جرم کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے اسے ہر وقت ان کے انتقام کا خدشہ لگا رہتا تھا۔

الغرض انہیں آتا ہوا دیکھ کر ولید سیدھا مدینے آیا اور اپنے ذہن میں اس قبیلے کو ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد کرنے کا ایک منصوبہ بنایا۔ اس نے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ غلط بیانی کی: انهم ارتدوا عن الاسلام و امتنعوا الزكوٰة و ارادوا قتلی. یعنی وہ لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ہے اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔

ولید نے رسول خداؐ کے سامنے تین جھوٹ بولے۔ (۱) وہ قبیلہ اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گیا (۲) انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ہے (۳) اور جب میں نے شدت سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا تو وہ میرے قتل کے درپے ہو گئے۔

اس سفید جھوٹ سے ولید کا مقصد یہ تھا کہ رسول خداؐ ان پر لشکر کشی کا حکم صادر فرمائیں گے اور یوں بنی مصطلق تباہ و برباد ہو جائیں گے مگر حبیب خداؐ وحی الٰہی کے بغیر لبوں کو بھی جنبش دینے کے عادی نہیں تھے۔ ولید کے کہنے سننے پر کچھ اور مسلمانوں نے بھی رسول خداؐ سے بنی مصطلق کے خلاف لشکر کشی کی سفارش کی۔ ابھی حبیب خداؐ نے لشکر روانہ نہیں کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا۔۔۔ یعنی اے ایمان والو! جب تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

حضرت عثمانؓ اور ولید

حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ حکومت میں اس ولید فاسق کو بصرہ کا گورنر

مقرر کیا تھا اور حضرت عثمان کا یہ اقدام ان کی اقرباء پروری کا ایک نمونہ تھا۔ ورنہ جسے قرآن مجید نے لفظ فاسق سے تعبیر کیا ہو تو وہ کسی طور پر بھی مسلمانوں کی حکومت کا اہل نہیں ہوسکتا۔ ولید کی گورنری حضرت عثمان کے دامن پر بدترین داغ ہے جسے کسی بھی تاویل سے دھونا ممکن نہیں ہے۔

بہرنوع ولید حاکم بصرہ بن کر وہاں گیا تو اس نے وہاں بھی فسق و فجور کا بازار گرم کیا۔ اس کے فسق و فجور کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ ایک رات عیاشی کرتا رہا اور اس نے بہت زیادہ شراب چڑھالی۔ جیسے ہی اذان فجر ہوئی اور اسے نماز جماعت کے لئے لایا گیا تو اس نے نماز فجر کی دو رکعت کی بجائے چار رکعات پڑھائیں اور جب اس نے سلام پھیرا تو مقتدیوں سے کہا: اگر یہ تھوڑی محسوس ہوں تو کچھ اور رکعات بھی پڑھا دوں۔

لوگوں نے آوازیں دیں اور کہا: تو نماز میں بھول گیا ہے۔

اس نے کہا: ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آج میں نے کچھ زیادہ پی لی ہے، مجھے تمہاری دلجوئی مقصود ہے ورنہ میں تو سات آٹھ رکعات پڑھنا چاہتا تھا۔

پھر اس نے مسجد میں قے کی تو اس کے منہ سے شراب نکلی۔ لوگوں نے ولید کے متعلق حضرت عثمان پر اعتراض کئے اور کہا کہ یہ کیسا مسلمانوں کا گورنر ہے جو شراب کے نشے میں دھت ہو کر دو رکعت کی بجائے چار رکعات نماز پڑھتا ہے اور یہ صرف حضرت عثمان کی اقرباء پروری ہے کہ اس جیسا فاسق بھی مسلمانوں کے ایک صوبے کا حاکم ہے۔ بعد میں اسے معزول کردیا گیا اور بڑی مشکل سے حضرت علیؑ نے اس پر شراب نوشی کی حد جاری کی۔

بہرنوع میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ ولید فاسق تھا۔ فاسق ظاہری طور پر مسلمان ہی کہلاتا ہے، لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی پڑھتا ہے، نماز بھی پڑھ ہی لیتا ہے... مگر اسے گناہوں سے نفرت محسوس نہیں ہوتی، اسے خونریزی سے نفرت نہیں

ہوتی۔ غرضیکہ وہ کسی بھی طرح کے گناہ سے نفرت محسوس نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس اسلام تو ہوتا ہے لیکن ایمان نہیں ہوتا۔

خدا نے چاہا تو اسی سورۂ مبارکہ کی آخری آیات کے سلسلے میں ہم ایمان اور اسلام کی تفصیلی بحث کریں گے۔ قرآن مجید کی آیت ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا۔ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو تم اس کی تحقیق کرلیا کرو۔

آپ نے اس نکتے کی طرف توجہ فرمائی کہ آیت کا روئے سخن مومنین کی جانب ہے اور اس میں "تعليق حكم مشعر عليت" ہے۔ مقصد یہ ہے کہ چونکہ تم صاحبان ایمان ہو لہٰذا تمہیں ضرور تحقیق کرنی چاہئے۔ آیت کے لب و لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق کرنا اہل ایمان کا شیوہ ہے اور مومن کا ہر عمل اس کے ایمان کے تقاضوں کا مظہر ہوتا ہے۔

چنانچہ حکم ہو رہا ہے کہ اے مومنو! خدا پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہر کسی کی بات کو سچا تسلیم نہ کرو۔ اگر فاسق تمہیں کوئی خبر سنائے تو اسے حرف آخر تصور نہ کرو۔ فَتَبَيَّنُوْا یعنی جلدی نہ کرو پہلے تحقیق کرو۔ ممکن ہے کہ واقعات کا اندازہ نہ ہو جو وہ آپ سے کہہ رہا ہے اور یہ امکان بھی ہے کہ وہ اپنی کسی دشمنی کا حساب آپ سے چکانا چاہتا ہو جیسا کہ ولید نے کیا تھا جبکہ بنی مصطلق کے چیدہ چیدہ افراد زکوٰۃ لے کر مدینے ہی آ رہے تھے اور اِدھر اس فاسق ولید نے ان کے متعلق یہ خبر دی کہ بنی مصطلق نے اسلام کو خیرباد کہہ دیا ہے اور زکوٰۃ دینے پر آمادہ نہیں ہیں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ اس کا مقصد بنی مصطلق سے سابقہ دشمنی کا حساب چکانا تھا۔

اے مسلمانو! میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہر فاسق کی بات نہ سنیں اور اگر اس کی باتیں سننی بھی پڑ جائیں تو ان باتوں پر عمل کرنے سے پہلے واقعات کی

تحقیق کرلیا کریں ورنہ ورنہ تمہیں اپنے کئے پر پچھتانا پڑے گا۔ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَافَعَلْتُمْ نَادِمِیْنَ○

چغل خوری کی وجہ سے کئی علماء شہید ہوئے

ہمارا تاریخی مطالعہ اور تجزیہ اس بات کا شاہد ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی اس آیت پر عمل نہ کیا تو انہیں بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا اور فاسقوں کی لگائی بجھائی کی وجہ سے کئی گھرانوں کی روشنیاں گل ہوئیں اور کئی خاندان تباہ و برباد ہوئے۔

مجھے یہ کہنے کا حق ہے کہ اس کی وجہ سے کئی قابل احترام جانیں ایک حاسد دشمن کی وجہ سے ختم ہوئیں۔ حاسدین کے حسد نے حضرت محمد بن مکی فقیہ روزگار کو شہید کرایا جنہیں شہید اول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حاسدین کی لگائی بجھائی کی وجہ سے حضرت قاضی نور اللہ شوستری کو ہندوستان میں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ انہیں شہید ثالث کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے علاوہ بھی ہزاروں افراد اور خاندان اس کی بھینٹ چڑھے اور کئی بزرگان دین کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

منصور دوانیقی اور چغل خور

منصور عباسی، بنی عباس کے سلسلے کا دوسرا خلیفہ تھا۔ اس کے دور اقتدار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک مخالف نے امام عالی مقامؑ کی ایک جھوٹی مہر بنوائی اور اپنی طرف سے مختلف افراد کی طرف خطوط لکھے جس میں اس نے لکھا تھا کہ تم خراسان جاؤ اور خروج کی تیاری کرو۔

پھر اس شخص نے معلّی بن خنیس جو کہ امامؑ کے ناظم مالیات تھے، ان کی طرف سے بہت سی رقم کی وصولی کی جھوٹی رسیدیں بھی تیار کیں۔ یہ سب کچھ کرنے

کے بعد وہ منصور کے پاس آیا اور اس کے سامنے امام جعفر صادقؑ کے جعلی خطوط اور معلّٰی بن خنیس کے دستخطوں کی جعلی کاپی پیش کی اور کہا: امام جعفر صادقؑ خروج کا ارادہ رکھتے ہیں اور وہ اس سلسلے میں کافی رقم بھی جمع کر چکے ہیں اور میں آپ کا خیرخواہ ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ عنان حکومت آپ کے ہاتھ سے نکل جائے۔

جب منصور نے وہ خطوط اور رسیدیں دیکھیں تو اسے امامؑ پر بہت غصہ آیا اور اس نے آپ کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ جب آپ منصور کے دربار میں پہنچے تو اس نے پہلے تو آپ کا بڑا احترام کیا، پھر تلخ لہجے میں بولا: **تريد ان تلحدني في حكومتي**. یعنی آپ میری حکومت میں خلل ڈالنا چاہتے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: ہرگز نہیں! میں نے ایسا کوئی اقدام نہیں کیا۔

منصور نے کہا: میرے پاس اس بات کا گواہ موجود ہے کہ آپ میرے خلاف خروج کرنے کے خواہش مند ہیں۔

بحارالانوار کی روایت کے مطابق امامؑ نے فرمایا: اب تو میری عمر بھی حکومت کرنے کی نہیں رہی۔ (اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی) میں نے تو جوانی میں ایسا کبھی نہ سوچا۔ اب بڑھاپے میں بھلا ایسا کیوں کروں گا؟ جو کچھ آپ نے سنا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے۔

منصور نے کہا: میرے پاس آپ کے خطوط اور آپ کے ناظم مالیات کی رسیدیں موجود ہیں اس کے باوجود بھی آپ حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ خطوط اور رسیدیں مجھے دکھائی جائیں۔

چنانچہ وہ خطوط اور رسیدیں امامؑ کے پاس لائی گئیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ سب خطوط اور رسیدیں جعلی ہیں، یہ میرا خط نہیں ہے اور یہ معلّٰی بن خنیس کے دستخط بھی نہیں ہیں۔ جس نے یہ لگائی بجھائی کی ہے آپ اسے میرے سامنے پیش کریں۔

منصور نے اس شخص کو لانے کا حکم دیا، تھوڑی دیر میں وہ شخص دربار میں حاضر ہوگیا۔ امامؑ نے فرمایا: کیا تو اپنی صداقت کے اظہار کے لئے قسم کھائے گا؟

اس نے کہا: جی ہاں! میں اپنی صداقت کے لئے قسم کھانے کو تیار ہوں۔

اس کی یہ بات سن کر منصور جی ہی جی میں خوش ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ بس اس کے قسم کھانے کی دیر ہے، پھر میں امام جعفر صادقؑ کو قتل کردوں گا اور ان کے قتل سے میرے دل میں چبھا ہوا ایک کانٹا نکل جائے گا۔

چغل خور آگے بڑھا اور اس نے ان الفاظ سے قسم کھانی شروع کی: **واللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم الطالب الغالب۔**

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان الفاظ سے قسم مت کھاؤ۔ اگر تم سچے ہو تو میرے بتائے ہوئے الفاظ سے قسم کھاؤ۔

چغل خور نے کہا: آپ جن الفاظ سے بھی قسم اٹھوانا چاہیں میں تیار ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ان الفاظ سے قسم اٹھاؤ: **برئت من حول اللہ وقوتہ ان لم یفعل جعفر کذا**۔ یعنی ''اگر جعفرؑ نے ایسا نہ کیا ہو تو میں خدا کی قوت و طاقت سے نکل جاؤں۔''

چغل خور نے اس قسم کے ابھی ابتدائی لفظ ہی منہ سے نکالے تھے کہ وہ چڑیا کی طرح سے زمین پر گرا اور تڑپنے لگا اور اس پر سکرات طاری ہوگئی۔

منصور نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ اس بدبخت کو اٹھا کر باہر پھینک دو تاکہ میرے آگے نہ گرے۔ ملازمین نے اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دروازے سے باہر پھینک دیا جہاں چند ہی لمحات میں وہ جہنم واصل ہوگیا۔ یہ منظر دیکھ کر منصور نے امام جعفر صادقؑ سے بہت زیادہ معذرت کی اور آپ سے پوچھا کہ آپ نے اس کی قسم کے الفاظ تبدیل کیوں کرائے؟

آپؑ نے فرمایا: بات یہ ہے کہ جب وہ **لا الہ الا ھو** کہہ کر قسم کھانا چاہتا

تھا تو میں نے محسوس کیا کہ اگر چہ وہ جھوٹی قسم کھا رہا ہے پھر بھی اپنی قسم کا آغاز کلمۂ توحید سے کر رہا ہے اور خدا کو کلمۂ توحید بہت پسند ہے اسی لئے یہ ممکن ہے کہ اس پر اس وقت عذاب نازل نہ ہو اور اگر اس پر عذاب نازل نہ ہوا تو اس کا جھوٹ اور میری صداقت ظاہر نہ ہوسکے گی۔ اسی لئے میں نے اس سے قسم کے الفاظ تبدیل کرائے اور اس سے یہ کہلوایا کہ ''اگر جعفر صادقؑ نے میرے بیان کے مطابق کام نہ کیا ہو تو میں خدا کی قوت و طاقت سے باہر ہو جاؤں۔'' یہی وجہ ہے کہ اس نے میرے الفاظ کے مطابق قسم اٹھائی تو اس پر فوراً خدا کا عذاب نازل ہوگیا۔

اس واقعے سے لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی عظمت واضح ہوتی ہے اور امام عالی مقامؑ کے فرمان کے مطابق اگر وہ جھوٹا، فتنہ پرور، چغل خور بھی لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے جھوٹی قسم کا آغاز کرتا تو بھی اس سے وقتی طور پر خدا کا عذاب ٹل جاتا اور کلمۂ توحید کی عظمت کی وجہ سے خدا کو رحم آجاتا۔

آپ حضرات خدا کی بارگاہ میں کہیں: خدایا! تجھے لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے اتنا پیار ہے کہ اگر چغل خور ملعون بھی کہہ دیتا تو بھی تو اس پر رحم کرتا۔ خدایا! ہم یہاں مرد و عورتیں جمع ہیں اور بوڑھے اور جوان جمع ہیں۔ اے پروردگارا ہم سب کے سب لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے والے ہیں۔ ہم اپنی زبان اور حال و قال سے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ کی گواہی دیتے ہیں۔ تجھے لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی عظمت کا واسطہ ہم سب پر رحم فرما۔

جب آپ کسی قبرستان میں سے گزریں تو لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ذریعے سے سلام کریں اور یہ الفاظ کہیں: اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِ لاَ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مِنْ اَھْلِ لاَ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ یَا لاَ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ بِحَقِّ لاَ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اِغْفِرْ لِمَنْ قَالَ لاَ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ یعنی لاَاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے والوں کی طرف سے لاَاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ والوں پر سلام ہو۔ اے لاَاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ! تجھے لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا واسطہ، لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھنے والوں کو معاف فرما۔

بارالٰہا! آج شب جمعہ ہے۔ تجھے لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں کہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ پڑھنے والوں کے تمام گناہ معاف فرما۔ اے پروردگار! ہم نے روایات میں پڑھا ہے کہ کلمہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ عرش اور سات آسمانوں سے بھی زیادہ وزنی ہے۔ تجھے اس کلمے کی عظمت کا واسطہ ہمیں لاَاِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کہنے والوں میں سے قرار دے اور ہمیں لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ زندگی میں نصیب ہو اور موت کے وقت بھی منہ سے لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ ہی نکلے۔

چو در جانم نماند زان لقاء ہوش
تو در جانم مکن نامت فراموش
چہ جان من رسد در نزع برلب
فرو مگزار ، دستم گیر یارب

روایت میں ہے کہ مَنْ کَانَ اٰخِرِ کَلِمَتُہٗ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃ یعنی دنیا سے رخصت ہوتے وقت جس کا آخری جملہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔ اس روایت کو شہید ثانی نے شرح لمعہ میں رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے۔

مجھے اور آپ کو معلوم نہیں ہے کہ مرتے وقت ہماری زبان پر آخری کلمہ کیا ہوگا اور ہمیں کچھ علم نہیں کہ موت کے وقت ہم کہاں ہوں گے۔ کسی ہسپتال میں ہوں گے یا گھر کے کسی کونے میں ہوں گے۔ ہر شخص کو اپنے انجام اور موت کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ یہ ماہ رمضان ہے اور اجابت دعا کا مہینہ ہے۔

آیئے! دعا مانگیں کہ اے خدا! تجھے اس ماہ مبارک کی حرمت کا واسطہ ہمارا انجام بخیر فرما اور ہماری زندگی کی بہترین ساعتوں کو زندگی کی آخری ساعت قرار دے۔ ہمیں اپنی یاد کے ساتھ اس دنیا سے اٹھانا اور موت کے وقت ہماری زبان کھلی رکھنا تاکہ جب ہم اس دنیا سے جارہے ہوں تو ہماری زبان پر کلمہ لاَاِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ جاری ہو۔

ولی العصرؑ کے عشق کے ساتھ دنیا سے روانگی

میرے ایک دوست بتاتے تھے کہ آج سے پچاس برس قبل ان کے ایک مرحوم بھائی کو اٹھارہ برس کی عمر میں زیارت جامعہ کبیرہ اور درود طوسی زبانی یاد تھا اور وہ ہمیشہ ان دونوں کا ورد کیا کرتا تھا۔

انہوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ ان کا بھائی شدید بیمار ہوا اور دو ماہ تک بیمار رہا۔ بیماری نے اسے اتنا کمزور کردیا تھا کہ وہ ہل جل بھی نہیں سکتا تھا یہاں تک کہ موت کی کشمکش میں پہنچ گیا۔ وہ اس حالت میں بھی زیارت جامعہ اور درود طوسی زبانی پڑھ رہا تھا اور جب وہ صاحب العصر والزمانؑ کے نام پر پہنچا تو خدا جانے اس میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی کہ وہ اپنے بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

مجھے معلوم نہیں کہ شوق عشق میں کتنی قوت ہے۔ البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہ شوق مُردے کو زندہ کر دیتا ہے۔ اندازہ کیجئے کہ اس جوان کو امام صاحب العصرؑ سے کتنا عشق تھا کہ اس نے جیسے ہی امام صاحب العصرؑ کا نام لیا تو اس کی تمام نقاہت دور ہوگئی اور ادب امامؑ کے لئے کھڑا ہوگیا۔

اس کے بعد اس نے کہا: اے آقا و مولا! بسم اللہ میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی اس نوجوان کی روح عالم بالا میں پرواز کرگئی۔

اپنے حال پر گریہ کریں

ان راتوں کی مناجات میں آپ یہ پڑھتے ہیں: **ابکی لخروج نفسی.** یعنی میں اپنی موت کی ساعت کو مدنظر رکھ کر روتا ہوں۔ یاد رکھیں! آپ سے جتنا ہوسکے اپنے آپ کو رولیں کیونکہ آپ کے مرنے کے بعد آپ کو کوئی نہیں روئے گا۔ اگر آپ کی بیوی زندہ ہے تو وہ روئے گی اور کہے گی کہ میرا سرتاج چلا گیا۔ اگر آپ کی بیٹی ہے تو وہ کہے گی کہ میری عزت چلی گئی اور آپ کا کوئی بیٹا یہ کہہ کر روئے گا کہ ہماری روزی فراہم کرنے والا اس دنیا سے چلا گیا۔ ہر رونے والا اپنے مفادات

کے منقطع ہونے کی وجہ سے روئے گا۔ آپ کو کوئی بھی نہیں روئے گا۔ آپ کے متعلق کسی کو یہ فکر نہیں ہوگی کہ اس کے ساتھ قبر میں کیا گزر رہی ہوگی اور نکیرین کے جواب میں اس نے کیا کہا ہوگا؟

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: **اللّٰہ اللّٰہ فی اعزالانفس الیکم**، یعنی تمہیں خدا کا واسطہ! جو جان تمہیں سب سے زیادہ پیاری ہے اس کی مدد کرو۔ مطلب یہ کہ اے لوگو! تم اپنے لئے رولو، کوشش کر کے اپنی مدد آپ کرو۔

اجتماعی دعا زیادہ موثر ہوتی ہے۔ وسائل الشیعہ میں امام صادقؑ سے منقول ہے کہ اگر چالیس افراد مل کر خدا سے کوئی دعا کریں تو ان کی دعا ضرور قبول ہوگی۔

خدایا! ہم سب مل کر تجھ سے دعا کرتے ہیں اور اگر تو نے ہماری یہ دعا قبول کرلی تو ہم سمجھیں گے کہ ہمیں سب کچھ مل گیا اور اگر تو نے ہماری یہ دعا رد کردی تو ہم اپنے آپ کو محروم سمجھیں گے اور ہماری دعا بس یہی ہے کہ ہمیں حالت ایمان پر موت دینا۔ **اسئلک الامن والایمان بک والتصدیق بنبیک والعافیة من جمیع البلاء** یعنی میں تجھ سے امن و ایمان اور تیرے نبیؐ کی تصدیق اور تمام بلیات سے عافیت کی دعا کرتا ہوں۔

خدایا! آج شب جمعہ ہے۔ آج رحمت کی رات ہے۔ تجھے اس شب رحمت کا واسطہ اس پورے مجمع کو دوزخ سے آزاد کردے کہ "تو ماہ رمضان کی ہر شب جمعہ کو چھ لاکھ افراد کو دوزخ سے نجات عطا کرتا ہے۔" (بحارالانوار، جلد۲۰)

وقت آخر جب امام حسینؑ اپنے مقتل میں تن تنہا بیٹھے ہوئے تھے تو بارگاہ الٰہی میں یہ مناجات کر رہے تھے: **مالی رب سواک ولا معبود لی غیرک** یعنی تیرے علاوہ میرا کوئی رب نہیں ہے اور تیرے علاوہ میرا کوئی معبود نہیں ہے۔

پیارے حسینؑ! ہماری جانیں آپ پر نثار، اس وقت آپ کو اتنے زخم لگے ہوئے تھے، پیاس کی شدت تھی، اصحاب و اعزاء کی موت کا دل پر زخم تھا لیکن اس وقت بھی آپ کو صرف خدا ہی یاد تھا۔ ہم سب آپ پر قربان جائیں۔

جمعہ کی تعطیل کا مقصد

آج جمعہ ہے اور اسلام کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہفتے میں ایک دن تعطیل کرنی چاہیئے اور اس دن کاروبار نہیں کرنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں ایک روایت ان الفاظ سے وارد ہے: اف لکل رحل مسلم لا یفرغ نفسه لدینه یوم الحمعة یعنی اس مسلمان پر افسوس ہے جو اپنے دین کیلئے جمعہ کے دن کی تعطیل نہ کر سکے۔

کاروبار کے لئے چھ دن بہت ہیں۔ ایک دن اپنے دین کے لئے نکالیں اور اس دن کسی عالم دین کے پاس جائیں اور اپنے عقائد اور احکامِ دین کی اصلاح کریں۔ اس دن احکام خداوندی کو توجہ سے سنیں اور خدا کے حلال وحرام کو یاد رکھیں۔

جمعہ کے دن مسجد میں آئیں اور نماز جمعہ پڑھیں۔ نماز جمعہ صرف عمومی عبادت ہی نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے دو خطبے بھی ہوتے ہیں جن کی بڑی اہمیت و فضیلت ہے۔ ان خطبوں کے ذریعے باصلاحیت خطیب مومنین کو توحید وعقائد کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اُن کی پوری ہفتے کی سیاسی و اجتماعی ضروریات کا تذکرہ کرتا ہے۔

ہمیں یہ بات انتہائی دکھ سے کہنی پڑتی ہے کہ نماز جمعہ کے فیوض سے شیعہ بھی محروم ہیں اور سنی بھی محروم ہیں۔ آج کل جس طرح کا جمعہ شیعہ و سنی پڑھ رہے ہیں یہ حقیقی جمعہ نہیں ہے۔ نماز جمعہ کے حوالے سے جس چیز کی اشد ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ خطیب اپنے خطبات سے لوگوں میں اتحاد و اتفاق پیدا

کرے اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرے۔

لوگ ہفتے کے چھ دن خدا سے غافل رہتے ہیں۔ جب وہ نماز جمعہ کے لئے آئیں تو خطیب کا کام یہ ہے کہ انہیں اس امر کی طرف متوجہ کرے کہ صرف دنیا ہی سب کچھ نہیں اور انسان کو اپنی تگ و دو صرف دنیا تک محدود نہیں رکھنی بلکہ موت کے بعد بھی ایک دنیا ہے انسان کو اس کے آباد کرنے کی بھی فکر کرنی چاہیئے۔

بازار بصرہ میں حضرت علیؑ کا فرمان

امیرالمومنین علیہ السلام ایک مرتبہ بصرہ کے بازار میں تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں لوگوں کو خرید و فروخت اور قسمیں کھاتے ہوئے دیکھا تو آپ ان کی اس حالت کو دیکھ کر رو پڑے اور فرمایا: اذ کنتم مالنہار تحلفون و باللیل علی فراشکم تنامون فمتی تجھزون الزاد لیوم المعاد یعنی تم سارا دن قسمیں اٹھاتے رہتے ہو اور رات کو اپنے بستروں پر سو جاتے ہو۔ تم روز آخرت کا زاد راہ کب جمع کرو گے۔ (اختصاص، شیخ مفید)

تم حیات بعد الموت کا سامان کب جمع کرو گے؟ یہاں کی زندگی تو پچاس ساٹھ سال سے زیادہ نہیں ہے اس کے باوجود تمہارے تمام تر فکر و عمل کا محور یہی دنیا ہے۔ تم اس دنیا کی فکر کیوں نہیں کرتے جہاں کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

بازار میں ایک شخص نے مولا علیؑ کی اس فریاد کو سن کر کہا: یا علیؑ! ہم کیا کریں، ہم زندگی کے عذاب میں گرفتار ہیں اس کے لئے ہمیں رزق و روزی تلاش کرنا پڑتی ہے۔

حضرت علیؑ نے اس شخص کو جو جواب دیا اس کا ماحصل یہ ہے: معاش دنیا کے حصول اور زاد آخرت کے حصول کا آپس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ رزق و روزی تلاش نہ کرو۔ میرا پیغام یہ ہے کہ رزق تلاش کرو مگر جہاں

تک اس کی حد ہے اس حد تک تلاش کرو، زیادہ حرص نہ کرو اور حصول دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی فکر بھی کرو۔ تمہیں کار خیر سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے، جنازے کی مشایعت، مریض کی عیادت، مومن کی حاجت روائی، مقروض کا قرض ادا کرنے کے لئے جانا چاہئے جبکہ تم چاہتے ہو کہ زیادہ سے زیادہ حرص کر کے دنیا کو جمع کیا جائے۔ اس سلسلے میں تم معذور نہیں ہو۔

ہمیشہ خدا کو یاد کریں اور شکر بجالائیں

انسان کو چاہئے کہ جب وہ دسترخوان پر بیٹھے اور روٹی پر نظر پڑے تو خدا کی حمد بجالائے کہ اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں کتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے، تو نے ہمیں رزق عطا کیا اور ہمیں عافیت و سلامتی کی نعمت بخشی۔

افسوس ہے ان لوگوں پر جن کے دسترخوان پر شراب کی بوتل ہوتی ہے۔ ایسے دسترخوان پر اگرچہ آپ شراب نہ بھی پئیں تب بھی بیٹھنا حرام ہے۔ ایسے دسترخوان پر کھانا کھانا تو دور کی بات ہے بیٹھنا بھی حرام ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ جہاں دسترخوان پر خدا کی بے شمار نعمتیں ہوں وہاں ایک بوتل میں پیشاب سے بھی زیادہ نجس چیز موجود ہو۔

خدارا! اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ یہ شکر کا انداز ہے یا کفران نعمت کا انداز ہے؟ کبھی آپ نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا کی کہ گندم کو کس نے پیدا کیا اور آپ کے ہاتھ تک پہنچنے کے لئے اسے کتنے مراحل سے گزرنا پڑا؟

بقول شیخ سعدیؒ

ابر و باد و خورشید و فلک در کارند — تا تو نانی بکف آری و بغفلت نخوری

همه از بهر تو سرگشته فرمانبردار — شرط انصاف نباشد که تو فرمان نبری

یعنی بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں

تاکہ تو روٹی ہاتھ میں لے سکے اور غفلت سے نہ کھائے۔ تمام چیزیں تیرے لئے سرگشتہ اور پریشان ہیں۔ اگر تو نے فرمانبرداری نہ کی تو یہ شرط انصاف سے بعید ہوگا۔

فرمانبرداری تو بہت دور کا مسئلہ ہے، تجھ پر خدا کی لعنت ہو، تو معصیت بھی کرتا ہے اور اپنے دسترخوان پر شراب کی بوتل رکھتا ہے۔

لقمہ کی ابتدا میں بسم اللہ اور کھانے کے آخر میں الحمدللہ کہنا چاہئے۔

میرا مقصد یہ ہے کہ ایک جمعے سے دوسرے جمعے تک مسلمانوں کو بیدار کرنا چاہئے اور انہیں نعمات پروردگار کے شکر کی ترغیب دینی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی مصیبت یا اپنی مرضی کے خلاف کوئی واقعہ پیش آئے تو آپ تمام نعمات خداوندی کو فراموش کر بیٹھیں۔

جس وقت خطیب جمعہ کا خطبہ دے رہا ہو تو اس وقت باہمی گفتگو کرنا حرام ہے۔ تمام نمازیوں پر واجب ہے کہ وہ خاموشی سے جمعہ کا خطبہ سنیں۔ امام علیہ السلام کا فرمان ہے: جس وقت خطیب لوگوں کو خدا کی طرف متوجہ کر رہا ہوتا ہے اور لوگ غور سے سن رہے ہوتے ہیں، وہ وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔

خطبۂ جمعہ میں تقویٰ پر زور دینا چاہئے

تمام فقہاء خطبہ جمعہ کے متعلق متفق ہیں کہ اس کی شرائط میں سے اہم شرط تقویٰ کا حکم دینا ہے۔ خطیب کو چاہئے کہ لوگوں کو تقویٰ اور حساب روز جزا کی طرف متوجہ کرے اور انہیں یہ بات سمجھائے کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔

ہوسکتا ہے کہ آپ کہیں کہ سامعین مسلمان ہیں بت پرست نہیں ہیں۔ یہ درست ہے کہ سامعین مسلمان ہیں مشرک اور بت پرست نہیں ہیں مگر یاد رکھیں کہ شرک کی دو قسمیں ہیں: (۱) شرک جلی (۲) شرک خفی۔

شرک جلی تو بت پرستی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور اپنی خواہشات کی

پیروی کرنے کو اللہ تعالیٰ نے شرک خفی قرار دیا ہے۔ اگر آپ اپنی خواہشات کی پیروی کریں گے تو یہ طرزِ عمل تقویٰ کے خلاف ہوگا۔ ہر کام میں خدا کی رضامندی کو پیش نظر رکھیں۔

دوستی اور دشمنی میں بھی تقویٰ کے تقاضوں پر عمل کریں

تقویٰ کی ایک شاخ ایسی بھی ہے جس کی طرف مسلمانوں نے پشت کر رکھی ہے اور اس کی طرف اصلاً متوجہ نہیں ہیں اور اس کو چھوڑنے کی وجہ سے مسلمان ذلت و خواری میں مبتلا ہیں اور وہ ہے محبت اور بغض کے لئے تقویٰ کو مدنظر رکھنا۔

ہمارے خدا، ہمارے رب، ہمارے مالک، ہمارے رازق، ہمارے پروردگار نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے باہمی رابطے کا ذریعہ تمہارا دین ہے۔ ولایت اور قیامت کے اقرار کے ساتھ جو بھی شخص لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کہتا ہے تو وہ خواہ مشرق میں رہتا ہو یا مغرب میں، دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ آپ تمام مسلمان ایک ہیں، ایک دوسرے کے غمخوار بن کر رہیں اور دنیا و آخرت کے جملہ امور میں ایک دوسرے کے مددگار بن کر رہیں۔

ایک مومن دوسرے مسلمان کے لئے ایک دیوار کی طرح سے ہے۔ کبھی آپ حضرات نے دیوار دیکھی ہے؟ اینٹوں کے مجموعے کو دیوار کہتے ہیں۔ دیوار میں اینٹیں ایک ترتیب سے جڑی ہوئی ہوتی ہیں اور ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے، اس کی تقویت کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی لئے مومنین کو اتفاق اور اتحاد رکھنا چاہیے۔ انہیں دین اور ایمانی رفاقت کے لئے اپنی وحدت کا ثبوت دینا چاہیے۔

بغض کے لئے بھی تقویٰ کو معیار بنائیں اور جو شخص خدا و رسولؐ کا دشمن ہو، آپ بھی اسے دشمن قرار دیں۔ چنانچہ خدا، قرآن اور عقل کا یہی فیصلہ ہے لیکن آج کے مسلمانوں کا طرزِ عمل اس سے بالکل متضاد ہے۔

میری دوستی صرف اسی سے ہوگی جو میری خواہشات کا احترام کرتا ہو اور میری خواہش کے مطابق عمل کرتا ہو۔ میری دوستی کا تعلق صرف اسی سے ہوگا جو مجھے کسی نہ کسی شکل میں مفاد پہنچائے۔ اگرچہ وہ فاسق ہے تو بے شک ہوتا رہے، اگر وہ کافر ہے تو میری بلا سے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔

اس کے برعکس جو میری خواہشات کا احترام نہیں کرتا اور جو مجھے کسی طرح کا مفاد نہیں پہنچاتا وہ میرا دشمن ہے۔ اگرچہ وہ مومن بھی کیوں نہ ہو۔ جو بندۂ خدا تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہوا تو اسے قرض نہیں دیا جائے گا اور جس نے میری خواہش کا احترام نہ کیا میں اس سے دشمنی رکھوں گا۔ جبکہ حکم شریعت اس کے بالکل برعکس ہے۔

اسلام یہ کہتا ہے کہ اگرچہ اس نے آپ کی خواہش کا احترام نہیں کیا مگر وہ مومن ہے، مولا علیؑ کا شیعہ ہے اور نماز گزار ہے، اسی لئے تجھے اس سے ضرور دوستی کرنی چاہئے۔ اگرچہ اس سے آپ کو مالی مفاد حاصل ہو یا نہ ہو۔ دوستی اور دشمنی کے لئے اپنی ذات کو میزان نہ بنائیں، خدا کی رضا کو مدنظر رکھیں۔ مسلمان کے ساتھ دشمنی حرام ہے اور آداب و رسوم کی بناپر کسی مسلمان سے دشمنی رکھنا ناجائز ہے۔ البتہ اگر آپ ناراض ہونا چاہتے ہیں تو کسی کے گناہ کو دیکھ کر ناراضگی کا اظہار کریں۔ مثلاً آپ کسی شادی کی تقریب میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط دیکھیں تو آپ کو ناراض ہونا چاہئے۔ زیب و زینت کر کے آخر عورتیں، مردوں کے اجتماع میں کیوں شریک ہوتی ہیں جبکہ یہ بڑا گناہ ہے۔ اس حال زار کو دیکھ کر رونا چاہئے، اس پر خوشی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے، یہ نہیں کہنا چاہئے کہ اس دعوت میں مجھے مدعو کیوں نہیں کیا گیا؟

اے مسلمانو یاد رکھو! تمہیں گناہ سے نفرت کرنی چاہئے اور اپنی خواہشات کے عدم احترام پر کسی سے دشمنی نہیں رکھنی چاہئے۔

ہم نے ان باتوں کو اپنی کتاب ''قلب سلیم'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ آداب و رسوم کی خلاف ورزی کی وجہ سے کسی سے دشمنی نہیں رکھنی

چاہئے اور اپنی خواہشات اور نفس کے تقاضوں کی وجہ سے کسی سے بغض رکھنا ناجائز اور حرام ہے۔

اصول کافی میں ہے کہ مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی سے ناراض رہے۔ اگر تین دن سے زیادہ ناراضگی طول کھینچ لے تو دونوں دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔

جبکہ ہم دیکھ اور سن رہے ہیں کہ بعض افراد ایک ہفتہ یا ایک ماہ تک ایک دوسرے سے کلام تک نہیں کرتے اور بغض کی وجہ سے ایک دوسرے کے گھر نہیں جاتے اور نوبت یہاں تک آ پہنچتی ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھنا تک گوارا نہیں کرتے۔ یقیناً یہ طرزِ عمل تقویٰ کے خلاف ہے اور حرام ہے۔

لوگوں میں مصالحت کرانا واجب ہے

سورۂ انفال کی پہلی آیت میں ارشاد باری ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ۝ یعنی اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور آپس میں صلح صفائی کرایا کرو۔

کیا آپ کو یاد ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں کتنی بار ترک صلاح کا گناہ کیا ہے، کیا کبھی آپ نے ترک صلاح کے گناہ کی خدا کے حضور توبہ بھی کی ہے۔

اپنے نفس اور ہوا و ہوس کی وجہ سے لوگوں پر ناراض ہونا حرام ہے۔ اس کے بعد ناراض افراد کو آپس میں منانا واجب ہے۔ اگر بالفرض آپ اصلاح نہیں کرسکتے تو کم از کم لگائی بجھائی کے ذریعے سے دشمنی کی آگ کو تیز تو نہ کریں۔ کم از کم ایسا تو نہ کریں کہ جن دو افراد میں ایک دوسرے سے دشمنی ہے ان میں سے ایک کی باتیں دوسرے کو تو نہ سنائیں۔

اگر میاں بیوی میں ناچاقی پائی جاتی ہے اور آپ اپنے خاندان کے بزرگ ہیں تو آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ آپ ان میں صلح کرائیں۔ یہاں ہم یہ بھی

عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ صلح کرانا صرف خاندان کے بزرگ کی ہی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ ہر اس فرد کی ذمہ داری ہے جس کو ناچاقی کا علم ہو۔

قرآن مجید کہہ رہا ہے: وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ یعنی ایک دوسرے کے درمیان صلح قائم کراؤ۔ لفظ اَصْلِحُوْا فعل امر حاضر کا صیغہ ہے اور امر ظاہری طور پر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ ایک اور مقام پر قرآن مجید میں ہے: فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ۔ اگر دو افراد ایک دوسرے پر ناراض ہو کر غلطی کا ارتکاب کر چکے ہیں تو آپ اس غلطی میں شرکت نہ کریں۔ فوراً آگے بڑھ کر ناراض بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیں۔

رمضان المبارک کی اکیسویں شب کو امیرالمومنین علیہ السلام نے تحریری طور پر ایک وصیت فرمائی جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں: اوصیکما و ولدی واھلی ومن بلغه کتابی بتقوی الله و نظم امرکم و صلاح ذات بینکم فانی سمعت جد کما صلی الله علیه وآله وسلم یقول صلاح ذات البین افضل من عامة الصلاة والصیام. یعنی میں تم دونوں (حسنؑ و حسینؑ) کو، اپنی تمام اولاد کو، اپنے کنبے کو اور جن جن تک میرا یہ نوشتہ پہنچے سب کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا، اپنے معاملات درست رکھنا اور آپس کے تعلقات سلجھائے رکھنا۔ میں نے تمہارے نانا رسول اللہؐ کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کی کشیدگیوں کو مٹانا عام نماز روزے سے افضل ہے۔ (کافی، نہج البلاغہ، مکتوب ۴۷)

حضرت علیؑ نے اپنی اولاد اور تمام شیعوں کو یہ وصیت کی ہے کہ وہ ہر مقام پر خدا کے تقویٰ کو مدنظر رکھیں۔ لہٰذا میرے عزیز بھائیو! آپ اپنی خواہشات پر عمل نہ کریں اور ذاتی مفادات کی وجہ سے کسی پر غصہ نہ کریں۔ ہر وقت رضائے الٰہی پر نظر رکھیں، خدا کے لئے معاف کر دیں۔ قرآن مجید کہہ رہا ہے کہ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا یعنی معاف کر دو اور درگزر کرو۔ اس کے ساتھ آپ نے فرمایا کہ لوگوں میں صلح صفائی کراؤ اور تم سے جتنا

ممکن ہو لوگوں کے باہمی تعلقات کو سلجھاؤ کیونکہ رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ باہمی کشیدگیوں کو مٹانا عام نماز روزے سے افضل ہے۔ اگر آپ روٹھے ہوئے میاں بیوی کے درمیان صلح کرادیں تو آپ کا یہ عمل آپ کی نمازوں سے بھی افضل ہوگا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: واجبات کے بعد باہمی کشیدگیوں کو ختم کرانے سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔

اگر اس کام کے لئے آپ کو کچھ رقم خرچ کرنی پڑے تو بھی بجا ہے۔ جھوٹ انتہائی قابل نفرت چیز ہے لیکن صلح کرانے کے لئے اگر جھوٹ بھی بولا جائے تو بھی اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ آپ صلح کرائیں اگرچہ اس کے لئے آپ کو جھوٹ بھی بولنا پڑے اور رقم خرچ کرنی پڑے اور اس کے لئے آپ کو مہمانی دینی پڑے تو بھی صلح ضرور کرائیں اور یاد رکھیں کہ آپ کا یہ عمل آپ کی زندگی کا بہترین عمل قرار پائے گا۔ ایسے مواقع پر جھوٹ بھی خدا کے ہاں سچ لکھا جاتا ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ میاں بیوی کے درمیان صلح کرانے کی بڑی اہمیت ہے۔

امیرالمومنینؑ نے میاں بیوی کی ناچاقی دور کی

بحارالانوار میں مذکور ہے کہ سخت گرمیوں کے دن تھے اور عراق میں تو ویسے ہی گرمی زیادہ پڑتی ہے۔ عین دوپہر کا وقت تھا، گرمی کی شدت تھی، حضرت علی علیہ السلام اپنے گھر سے نکلے اور باہر دیوار کے سائے میں آئے لیکن دیوار کا سایہ بھی آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا۔ گرمی کی وجہ سے آپ پسینے میں شرابور تھے۔

آپ کے ایک صحابی کا وہاں سے گزر ہوا تو اس نے آپ سے عرض کی: یاامیرالمومنینؑ! یہ آرام کا وقت ہے، آپ گھر جا کر کچھ دیر آرام کریں، آپ اتنی شدید گرمی میں گھر سے نکل کر کوچہ میں کیوں آئے؟

آپ نے فرمایا: میں اس لئے یہاں آیا ہوں تاکہ کسی مظلوم کی مدد کرسکوں

یا دو افراد کے درمیان صلح کراسکوں۔

اسی وقت ایک عورت روتی پیٹتی آئی اور کہا: یاامیرالمومنینؑ! میری مدد کریں۔

آپ نے دریافت فرمایا: کیا معاملہ ہے؟

عورت نے کہا: میرے شوہر نے مجھے مار پیٹ کر گھر سے باہر نکال دیا ہے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ مجھے دوبارہ گھر میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دے گا اور شوہر کے گھر کے علاوہ میرے پاس رہنے کے لئے کوئی گھر نہیں ہے۔

عورت کی فریاد سن کر آپ اٹھے اور اس سے فرمایا: تیرا گھر کہاں ہے؟

عورت نے اپنے گھر کا پتا بتایا۔ اس کا گھر کافی دور تھا۔ (مجھے معلوم نہیں کہ اس کا گھر کتنے میل دور تھا)۔ حضرتؑ آگے چلے اور فریادی عورت آپ کے پیچھے چلتی ہوئی آئی۔ آخر ایک طویل سفر کرنے کے بعد آپ اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے اور اس کے شوہر کو بلایا۔ روایت کافی طویل ہے اس لئے میں وہ روایت پیش نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ نے دونوں میں صلح صفائی کرادی اور مرد کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی سے مہر و محبت سے پیش آئے۔

آپ سے بھی جتنا ہوسکے لوگوں کے درمیان صلح و صفائی کرایا کریں۔

ماہ رمضان کی برکات سے محروم افراد

ماہ رمضان میں اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہوتی ہے اور خاص طور پر شب ہائے قدر میں خدا کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی مگر اس کے باوجود تین قسم کے افراد ایسے بھی ہیں جو اس بے پایاں رحمت سے محروم رہتے ہیں۔

پہلا فرد وہ شراب خور ہے جو توبہ نہ کرے۔ دوسرا فرد والدین کا نافرمان ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں کوئی بھی والدین کا نافرمان نہیں ہوگا۔ آخر ایسا بدبخت کون ہے جو اپنے والدین کا نافرمان کہلانا پسند کرتا ہے۔ اگر آپ حضرات

والدین کے نافرمان کہلانا پسند نہیں کرتے تو اس روایت کو توجہ سے سنیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص والدین کی زندگی میں ان کے ساتھ احسان کا رویہ اپناتا ہے اور والدین بھی زندگی میں اس سے راضی ہوتے ہیں لیکن والدین کی موت کے بعد وہ شخص والدین کا نافرمان شمار کیا جاتا ہے۔

لوگوں نے امامؑ سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟

امامؑ نے فرمایا: جو بیٹا ماں باپ کے مرنے کے بعد انہیں یاد نہ کرے تو والدین اس کے رویے کی شکایت کرتے ہیں۔ آپ کو اپنے مُردہ والدین کی فکر کرنی چاہئے۔ ان سے جو نمازیں قضا ہوئی ہیں وہ ادا کریں، ان سے جو روزے رہ گئے ہیں انہیں پورا کریں۔ اگر آپ خود روزے اور نماز ادا کرنے سے قاصر ہیں تو اجارہ پر نماز پڑھوائیں، روزے رکھوائیں اور آپ کے والدین نے جو قرض دینا ہے اسے ادا کریں، آپ کے والدین نے جن رشتہ داروں کو ستایا تھا ان رشتہ داروں کے پاس جاکر ان کے رویے کی معافی طلب کریں، اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لئے نیکی کرنا نہ بھولیں اور اگر آپ سے ان کے لئے زیادہ نیکی ممکن نہیں ہے تو کم از کم آپ ان کے لئے دعا تو مانگ ہی سکتے ہیں اور یہ الفاظ ادا کرسکتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَارْحَمْهُمَا یعنی اے پروردگارا میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی مغفرت فرما اور ان دونوں پر رحم فرما۔ بہتر یہ ہے کہ ان الفاظ سے اپنے والدین کے لئے دعا کریں: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِیْ صَغِيْرًا اِجْزِهِمَا بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَ بِالسَّيِّئَاتِ غُفْرَانًا یعنی اے پروردگارا میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی مغفرت فرما اور ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپنے میں میری پرورش کی تھی۔ انہیں احسان کے بدلے احسان اور برائی کے بدلے میں جزائے خیر عطا فرما۔

ماہ رمضان کی وسیع رحمتوں سے محروم ہونے والا تیسرا فرد وہ ہے جس کے

دل میں مومنین کے خلاف کینہ اور بغض ہو لہٰذا اگر آپ کے دل میں کسی رشتہ دار یا رشتہ داروں کے علاوہ کسی مومن کا بغض اور کینہ موجود ہے تو خدارا اسے اپنے دل سے دور کریں، ان کے لئے ہدیہ لے جائیں اور ان سے اپنے رویے کی معذرت کریں تاکہ خداوند عالم آپ کے گناہوں کی تلافی کرے۔

حدیث شریف میں ہے کہ دو ناراض افراد میں سے جو شخص صلح کے لئے پہل کرتا ہے وہ جلد جنت میں جائے گا۔ اس لئے آپ پہلے تو اپنے دل سے ناراضگی دور کریں اور دوسرے فریق سے صلح کریں۔ اس کے علاوہ اگر آپ کو کسی ایسے دو افراد کا علم ہو جو آپس میں ناراض ہوں تو کچھ دولت خرچ کر کے ان میں صلح کرائیں۔

مال امامؑ برائے مصالحت شیعیان

راہنمائے حجاج ابوحنیفہ (امام ابوحنیفہ کے علاوہ یہ ایک اور شخص تھے) کا بیان ہے کہ ایک میراث کی وجہ سے بازار کوفہ میں میرے اور میرے داماد کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ ہمارے نزاع کا تعلق اس کی بیٹی کی میراث سے تھا۔

حضرت مفضل جو کہ کشاف حقائق امام جعفر صادقؑ کے نائب خاص تھے، وہ تشریف لائے اور ہم سے ہمارے تنازعہ کا سبب دریافت کیا۔ پھر ہمیں اپنے گھر لے گئے اور ہم سے پوچھا کہ ہمارا مطالبہ کتنی رقم کا ہے؟ جب ہمارے درمیان چار سو درہم پر مصلحت طے ہوگئی تو حضرت مفضل گھر کے اندر گئے اور چار سو درہم لے کر آئے اور انہوں نے وہ رقم ہمارے سپرد کی اور کہا کہ اب تم دونوں ایک دوسرے کے چہرے کا بوسہ لو اور مصالحت کرلو۔ اس کے بعد انہوں نے صلح نامہ تحریر کیا۔

مومنین کرام! مفضل کے کردار کو سامنے رکھیں۔ اگر آپ کبھی یہ محسوس کریں کہ دو مومنوں کی لڑائی کی وجہ مال دنیا ہے تو خدا کے لئے آپ اپنا ہاتھ اپنی جیب میں لے جائیں۔ اس کی واقعتاً بڑی قدر و قیمت ہے اور یہ انفاق فی سبیل اللہ

کی بہترین شکل ہے۔

پھر حضرت مفضل نے کہا: جو رقم میں نے تمہاری مصالحت کے لئے خرچ کی ہے یہ رقم میری ذاتی نہیں تھی۔ اس رقم کا تعلق مال امامؑ سے ہے اور امامؑ نے مجھے ہدایت کی تھی کہ یہ رقم شیعوں کی مصالحت کے لئے تمہارے پاس ہونی چاہئے اور آپ نے مجھ سے یہ الفاظ فرمائے تھے: **اذا رایت بین اثنین من شیعتنا منازعة فافتدها من مالی**. یعنی جب تم ہمارے دو شیعوں کے درمیان کوئی تنازعہ دیکھو تو میرے مال کے ذریعے سے ان میں مصالحت کراؤ۔ (سفینۃ البحار، جلد۲، ص۴۰)

امام زمانہؑ کا ظہور اصلاح کیلئے ہوگا

آپ میں سے جو افراد امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کے آرزو مند ہیں تو میں انہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ امام زمانہؑ کا کام اصلاح ہے۔ اگر آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ کو اصلاح سے محبت ہے اور آپ اگر اس دعوے میں سچے ہیں تو اس کی صداقت کا اپنے عمل سے ثبوت کیوں نہیں دیتے؟

امام زمانہؑ کا جیسے ہی ظہور ہوگا تو پوری دنیا میں صلح کا راج ہوگا اور تمام لوگ عباد الصالحین بن جائیں گے۔ جو شخص صلح و صفائی کو پسند کرتا ہے تو وہ اس زمانے کا آرزو مند ہے اور جو شخص صلح و صفائی کو پسند نہیں کرتا اگرچہ وہ دعائے ندبہ بھی کیوں نہ پڑھتا ہو پھر بھی وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ آپ نے یہ کون سی روش اپنائی ہوئی ہے کہ ایک طرف سے دعائے ندبہ میں فریاد کر کے یہ کہتے ہیں کہ ''وہ آسمانی مصلح کہاں ہے جو ان منافقتوں اور تفرقہ اندازیوں کو ختم کرے گا'' اور دوسری طرف سے اپنے عمل پر نظر نہیں کرتے اور یہ نہیں دیکھتے کہ آپ کا اپنا طرز عمل کیسا ہے اور آپ اس دعا کو پڑھ کر بھی اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنے دوستوں سے روٹھے ہوئے ہیں اور ان سے مصالحت نہیں کرتے بلکہ عدالتوں کے چکر میں ہیں؟

ایک شخص بتا رہا تھا کہ عدالتوں میں زیادہ تر مقدمات میاں بیوی کے جھگڑوں کے ہیں۔ عورت اگر باایمان ہے اور مصلح عالم امام مہدیؑ کو اپنے زمانے کا امام مانتی ہے تو وہ اپنے شوہر سے صلح کیوں نہیں کرلیتی اور شوہر کے خلاف عدالت کا دروازہ کیوں کھٹکھٹاتی ہے؟ پرانے زمانے کی عورتیں نہ جانے کہاں چلی گئیں؟ ہمیں یاد ہے کہ بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ ''عورت سیاہ چادر کے ساتھ آتی ہے اور سفید کفن کے ساتھ دنیا سے جاتی ہے۔'' پرانے زمانے کی عورتیں اپنے شوہروں کا بہت زیادہ ادب و احترام کیا کرتی تھیں۔ بہرنوع وہ پرانے زمانے کی باتیں اب ماضی کے دھندلکوں میں چھپ گئی ہیں۔

ایک اخبار میں میں نے یہ خبر پڑھی ہے کہ ایک عائلی عدالت میں ایک عورت نے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا اور کہا کہ میرے شوہر نے مجھے جو کار خرید کر دی ہے وہ فلاں کمپنی کے فلاں ماڈل کی کار ہے جبکہ آج کل وہ ماڈل متروک ہو چکا ہے اور میں نے شوہر سے نئے ماڈل کی گاڑی کا تقاضا کیا تو اس نے کہا کہ میں اس ماڈل کو خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا لہٰذا مجھے ایسے شوہر سے طلاق دلوائی جائے۔ میں ایسے چیڑ قناتی شوہر کے ساتھ مزید گزارا نہیں کرسکتی۔

ہمیں سب سے پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہئے اس کے بعد کہنا چاہئے کہ ''اے پروردگار! ہمارے اس آقا کا ظہور فرما جو پوری دنیا میں صلح کو رواج دے۔''

جی ہاں! جب امام زمانہؑ ظہور کریں گے تو ان کے دور اقتدار میں ہر طرف صلح ہی صلح دکھائی دے گی۔ اس زمانے میں کسی ہاتھ میں کسی کے مارنے کے لئے پتھر نہیں ہوگا، اس وقت انسان کی عقول میں پیش رفت ہوگی، ایمان میں اضافہ ہوگا، پورا معاشرہ تقویٰ سے معمور دکھائی دے گا، اس دور میں خواہشات کی پیروی نہیں ہوگی۔ سچ یہ ہے کہ امام زمانہؑ کے دور میں زندگی کا اپنا ہی ایک منفرد انداز ہوگا۔ اگر زندگی کا لطف ہے تو اسی زندگی میں ہے، ورنہ ہماری یہ زندگی کیا زندگی

ہے؟ ہمارے دور کی زندگی اس قدر بے مزہ ہو چکی ہے کہ لوگ خودکشی پر آمادہ دکھائی دیتے ہیں اور محبت و الفت کا یہاں نام و نشان تک دکھائی نہیں دیتا۔

میں نے ایک رسالے میں پڑھا تھا کہ بعض ممالک میں بوڑھوں کو کوئی نہیں پوچھتا اور جب کوئی شخص بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کے خاندان والے اس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ اسی لئے ان ممالک میں ''اولڈ ہاؤس'' بنائے جاتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی بوڑھا شخص یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کا خاندان اسے بوجھ تصور کر رہا ہے تو وہ اپنے گھر کو چھوڑ کر ''اولڈ ہاؤس'' پہنچ جاتا ہے۔ مضمون نگار نے مزید لکھا کہ دنیا میں جہاں اتنا خون سفید ہو گیا ہے وہاں اسلامی ممالک میں ہمیں بزرگوں کا ادب و احترام دکھائی دیتا ہے اور بزرگوں کا یہ احترام اسلامی تعلیمات کا مرہون منت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اب اسلامی ممالک میں بھی ایسے افراد پیدا ہو چکے ہیں جو بزرگوں کے اس ادب و احترام کو بھی ختم کرنا چاہتے ہیں اور کافرانہ نظریات کو اسلامی معاشرے میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ بہرنوع اس کے باوجود ہم ناامید نہیں ہیں، ہمیں اصلاح اور بہتری کی امید ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ معاشرے میں اصلاح کا دور دورہ ہو تا کہ حضرت ولی العصر عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کے لئے راستہ ہموار ہو سکے اور ہمارا معاشرہ ''مصلح کل'' کی مدد کے لائق بن سکے اور امام زمانہؑ کی امداد کے قابل ہو سکے۔

امام زمانہؑ کی مدد کا کیا یہی مقصد ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں میں تلوار اور نیزہ لے لیں؟ تلوار اور نیزے کے وقت تلوار اور نیزہ بھی اٹھایا جائے گا لیکن فی الوقت ایسا نہیں ہے۔ اس وقت آپ صلح اور مصالحت کے ذریعے اپنے امام کی مدد کر سکتے ہیں۔ اپنے دل و دماغ سے غصہ اور ناراضگی کو نکال کر پہلے پہل اپنی اصلاح کریں، پھر اپنی اولاد اور اپنے ہمسایوں میں صلح و صفائی کو رواج دیں اور اس صلح و صفائی سے بندۂ صالح بن جائیں اور اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کریں کہ خدا کے صالح بندے

ہی امامؑ کے مددگار ہوں گے، حرص و ہوا کے بندے امامؑ کے ناصر نہیں ہوں گے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَO یعنی تورات کے بعد ہم نے زبور میں یہ بات لکھ دی ہے کہ ہمارے صالح بندے ہی زمین کے وارث ہوں گے۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۱۰۵)

باہمی ناراضگی اور جھگڑے "فساد" کے ضمن میں شامل ہیں۔ یہی جھگڑے بعض اوقات خونریزی کا سبب بن جاتے ہیں اور یوں فساد پھیل جاتا ہے جبکہ قرآن مجید میں ہے: فَاذْكُرُوْا اٰلَاءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَO یعنی اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور فسادی بن کر زمین میں نہ چلو۔ (سورۂ اعراف: آیت ۷۴)

فساد، جھگڑے اور تنازعہ کا دوسرا نام ہے اور صلاح یاد خدا میں مضمر ہے۔ آپ سے جہاں تک ممکن ہو اہل صلاح بنیں۔ خدارا ایک کی باتیں سن کر دوسرے کو نہ بتائیں اور آتش فتنہ کو ہوا دینے سے پرہیز کریں۔ دنیا و آخرت کی کامیابی "صلح و صلاح" میں ہے اور دنیا و آخرت کی تباہی خواہشات کی پیروی میں پوشیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ شمس میں گیارہ قسمیں اٹھانے کے بعد ارشاد فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَاO وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَاO یعنی اس نے نجات پائی جس نے نفس کو پاک کیا اور وہ ناکام ہوا جس نے اسے تباہ کیا۔ (سورۂ شمس: آیات ۹و۱۰)

اپنے نفس کے تقاضوں سے آگے قدم رکھیں، پھر دیکھیں کہ آپ کا رحمٰن و رحیم خدا آپ سے کیا سلوک کرتا ہے۔

اگر لذت ترک لذت بدانی   دگر لذت نفس، لذت نخوانی

یعنی اگر تجھے ترکِ لذتِ نفس کی لذت کا علم ہوجائے تو پھر تو لذتِ نفس کو کبھی لذت نہیں کہے گا۔

اگر آپ اپنی خواہشات کو ٹھوکر ماریں گے تو اس سے آپ کی آبرو میں

اضافہ ہوگا۔ یہ کبھی نہ کہیں کہ خواہشات کے تقاضوں کو چھوڑنا برا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ابلیس لعین تیرے سینے میں وسوسے پیدا کر کے تجھے خواہشات کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔

عزت کا مالک خدا ہے اور جو بھی خدا کے لئے کام کرے وہ صاحب عزت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ○ یعنی اور اللہ کے لئے عزت ہے اور اس کے رسولؐ کے لئے اور مومنین کے لئے عزت ہے۔ (سورۂ منافقین: آیت ۸)

جس وقت کوئی شخص نفس امارہ کو چھوڑ کر خدا کی طرف رخ کرتا ہے تو وہ لمحہ اس کی عزت، شرف اور سعادت کا لمحہ ہوتا ہے اور جب کوئی شخص نفس امارہ کے دام میں پھنستا ہے تو وہ لحات اس کی ذلت، پستی اور بدبختی کے لحات ہوتے ہیں۔ اس مقصد کو مزید واضح کرنے کے لئے میں قرآنی داستان کے ایک حصے سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔

پھاڑ کھانے والے بھیڑیئے یا چمکتے ہوئے ستارے

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے بچپن میں خواب میں یہ منظر دیکھا کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔ روایات میں ہے کہ اسی رات حضرت یوسفؑ کی خالہ نے بھی خواب میں دیکھا کہ گیارہ خونی بھیڑیوں نے حضرت یوسفؑ پر حملہ کردیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ چنانچہ دونوں خواب پورے ہوئے۔ حضرت یوسفؑ کے گیارہ بھائیوں نے بیابان میں ان پر چھریوں سے حملہ کیا اور آخرکار انہیں ایک کنوئیں میں ڈالدیا۔

بھیڑیے والے خواب کی تعبیر تو یہاں تک پوری ہوگئی مگر حضرت یوسفؑ نے خواب میں بھائیوں کو بھیڑیوں کے روپ میں نہیں دیکھا تھا، آپ نے انہیں

گیارہ روشن ستاروں کی شکل میں اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

حضرت یوسفؑ کے بھائی تو وہی گیارہ تھے۔ وہ کبھی بھیڑیے دکھائی دیئے اور کبھی روشن ستارے دکھائی دیئے۔ اس فرق کی وجہ کیا تھی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ حالت گناہ میں وہ بھیڑیے کے روپ میں دکھائی دیئے۔ وہ نبی زادے ہو کر بھی بھیڑیے کی شکل میں دکھائی دیتے تھے۔ اگر آپ گناہ کرتے ہیں تو آپ بھی خون آشام بھیڑیے ہی ہوتے ہیں۔ آپ کی حقیقی شکل انتہائی تاریک اور ہیبتناک ہوجاتی ہے اور جب آپ گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خلوص دل سے استغفر اللہ کہہ کر اپنی اصلاح کرتے ہیں اور جن پر آپ نے ظلم کیا ہوتا ہے ان کے دروازے پر جا کر ان سے معافی مانگتے ہیں تو آپ کی شکل وصورت کی ہیبت ناکی کافور ہوجاتی ہے پھر آپ درندے نہیں رہتے۔ آپ روشن ستارے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کے گیارہ بھائی جب تک گناہگار تھے اس وقت تک بھیڑیے تھے اور جب چند سال گزر گئے اور اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور شرمندگی کی حالت میں حضرت یوسفؑ سے اپنی غلطیوں کی معافی طلب کی اور حضرت یوسفؑ نے بھی لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ۝ "آج تم پر کوئی الزام نہیں ہے، خدا تمہیں معاف فرمائے" (سورہَ یوسف- آیت۹۲) کہہ کر انہیں معاف کیا اور اس کے بعد انہوں نے سجدہ ادا کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گیارہ خون آشام بھیڑیے گیارہ روشن ستاروں میں بدل گئے۔[۱]

۱۔ گیارہ بھائیوں کی روایت میں تامل ہے کیونکہ حضرت یوسفؑ پر ظلم کرنے والے بھائیوں کی تعداد دس تھی۔ گیارہواں بھائی بنیامین تھا جو کہ گھر میں والد کے پاس موجود تھا اس نے ظلم میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا جبکہ حضرت یوسفؑ کے سامنے بنیامین سمیت گیارہ بھائیوں نے سجدہ کیا تھا۔ بنیامین کو کسی طور پر بھی بھیڑیوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ (مترجم)

توبہ سے استفادہ کریں

توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ ابھی تک توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ آپ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ آپ اپنی اس حالت کے ساتھ قبر میں مت جائیں۔ توبہ کی وجہ سے آپ کی شخصیت میں نمایاں تبدیلی آسکتی ہے۔ تاریکی روشنی سے بدل سکتی ہے۔ حیوانیت انسانیت سے بدل سکتی ہے۔ آگ کا الاؤ گلستان کا روپ دھار سکتا ہے۔

یاد رکھیں! اگر خدانخواستہ آپ گناہوں سمیت قبر میں داخل ہوئے تو آپ کی قبر آتش فشاں بن جائے گی اور اگر آپ توبہ کر کے دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کی قبر جنت کا باغیچہ ہوگی۔

حضرت یوسفؑ خود نبی تھے اور نبی کے فرزند تھے اور ان میں ایک خدائی صفت موجود تھی۔ خدا کی صفات میں سے ایک صفت عذر قبول کرنا ہے۔ حضرت یوسفؑ میں بھی یہ خدائی صفت پائی جاتی تھی اسی لئے انہوں نے اپنے بھائیوں کی معذرت کو قبول کیا۔

اے مسلمانو! خدا آپ کے عذر قبول کرے گا اپنے خدا سے رو رو کر کہو: خدایا! میں نادان اور غافل تھا اور ہوا و ہوس کا اسیر تھا۔

خالد کا صورتحال کی تحقیق کیلئے جانا

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِیْنَ○ وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ کے شانِ نزول کے متعلق یہ بتایا جاچکا ہے کہ ایک فاسق ولید نے بنی مصطلق کے متعلق جھوٹی خبر دی تھی اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے اس کی بات کو سچ سمجھ لیا تھا اور وہ آنحضرتؐ کو لشکر کشی کا مشورہ دینے لگے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یَاایُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ... یعنی اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس خبر کی تحقیق کرلیا کرو۔

فَتَبَیَّنُوْا یعنی کوئی بھی اقدام کرنے سے قبل خبر کی تحقیق کرلیا کرو اور اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم تک ناواقفیت میں پہنچ جاؤ اور نادانی میں تم کسی کو نقصان پہنچاؤ۔

ولید تمہارے پاس جو خبر لے کر آیا ہے وہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ اسی لئے تمہیں اس کی بات سن کر کوئی اقدام نہیں کرنا چاہئے۔ اس بدبخت نے اپنے پرانے کینے کا حساب چکانے کے لئے تم سے دروغ گوئی کی ہے جبکہ بنی مصطلق جن پر تم حملہ کرنے کی سوچ رہے ہو وہ پاکدامن ہیں، اسی لئے تحقیق بہت ضروری ہے۔

خالد تحقیق کے لئے جاتے ہیں

اس سورۂ کے ضمن میں مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ نے خالد سے فرمایا: تم جاکر ان لوگوں کی حالت کا مشاہدہ کرو اور دیکھو کہ ان کی اسلامی حالت کیسی ہے؟ نبی اکرمؐ کا فرمان سن کر خالد تن تنہا وہاں گئے اور بڑی خاموشی سے اس قبیلے میں داخل ہوئے۔ جیسے ہی نماز ظہر کا وقت ہوا تو مؤذن نے اذان دی اور لوگوں نے نماز پڑھی۔ نماز مغرب کے وقت بھی جیسے ہی اللہ اکبر کی آواز بلند ہوئی تو مسجد نمازیوں سے بھر گئی اور سب نے نماز پڑھی۔

خالد وہاں سے واپس آئے اور آنحضرتؐ کو ان کے اسلام کی خبر دی جس سے ولید کو بڑی رسوائی اٹھانی پڑی اور جو لوگ ولید کی بات کو سچا سمجھ کر آنحضرتؐ کو لشکر کشی کی ترغیب دے رہے تھے ان سب کے سر شرمندگی سے جھک گئے۔

اللہ تعالیٰ نے پھر اس واقعے کو بنیاد بنا کر قیامت تک کے لئے یہ عمومی حکم نازل فرمایا تا کہ مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے متعلق نازیبا بات سن کر فوراً طیش میں نہ آئیں اور جوابی اقدام میں جلد بازی نہ کریں۔ سب سے پہلے خبر کی تحقیق کریں اور جب تک خبر کی صداقت واضح نہ ہو جائے اس وقت تک کسی بھی اقدام سے گریز کریں۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے مسلمان کے متعلق کہے کہ فلاں مسلمان کافر یا فاسق ہوگیا تو اس کی بات پر فوراً اعتماد نہیں کرنا چاہئے اس کی تحقیق ضروری ہے۔ اگر مسلمان کسی تحقیق کے بغیر کوئی اقدام کریں گے تو ان کا اقدام ان کے لئے ذلت و رسوائی کا سبب ثابت ہوگا۔ مثلاً آپ سنتے ہیں کہ ایک شرعی شکل و صورت رکھنے والا شخص کسی مسلمان کے متعلق کوئی بری خبر دے رہا ہے تو آپ اس بات پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہ کریں، آپ پہلے تصدیق و تحقیق کریں کیونکہ عین ممکن ہے کہ خبر بیان کرنے والے کو اس سے کوئی مخاصمت ہو اور وہ یہ باتیں اپنی مخاصمت کی

وجہ سے کہہ رہا ہو۔ جھوٹ بولنے والا تو اپنا ایمان گنواتا ہی ہے لیکن باقی اہل ایمان اس کی وجہ سے اپنا ایمان کیوں ضائع کریں؟

معاویہ کا لوگوں کی نادانی سے فائدہ اٹھانا

حضرت علیؑ کے دور حکومت میں بھی لوگوں کی حالت کم و بیش یہی تھی اور معاویہ لوگوں کی نادانی سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ چنانچہ معاویہ نے شام میں یہ مشہور کر رکھا تھا کہ نعوذ باللہ حضرت علیؑ نماز نہیں پڑھتے۔ علاوہ ازیں اس نے شام میں یہ بھی مشہور کر رکھا تھا کہ علیؑ ایک جھوٹا شخص ہے اور وہ رسول اللہؐ پر جھوٹ تراشا کرتا ہے۔ اہل شام نے معاویہ کی ان باتوں کو سچ سمجھ کر قبول کرلیا تھا۔

جناب! صرف اہل شام کی بات نہیں ہے اگر اس وقت آپ بھی شام میں ہوتے تو آپ بھی اس کی بات کو سچا مان لیتے اور آپ یہ کہتے کہ جب پورا شام ہی کہہ رہا ہے کہ علیؑ نماز نہیں پڑھتا تو پورا شہر جھوٹا تھوڑا ہی ہوسکتا ہے۔

آپ تحقیق کرنے کے عادی نہیں ہیں اور تحقیق کی بجائے آپ سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کے عادی ہیں اسی لئے آپ معاویہ کی اس بات کو سچا مان لیتے اور کہتے کہ میں نے ایک باوثوق شخص سے بات سنی ہے لہٰذا اسے غلط کہنا اور جھٹلانا میرے بس سے باہر ہے۔

منہ پر جھوٹ کہنا

روایت ہے کہ ایک دن کشاف حقائق امام جعفر صادق علیہ السلام مسجد نبوی کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے۔ اسی اثنا میں آپ کے کچھ ساتھی ایک اجنبی شخص کو پکڑ کر آپ کے پاس لائے۔ وہ اجنبی علم حدیث کا دعویدار تھا اور کہہ رہا تھا کہ میں علم حدیث کے لئے ہر شہر میں گیا اور وہاں کے حافظین حدیث سے احادیث نقل

کیں، مجھے ہزاروں کی تعداد میں احادیث زبانی یاد ہیں۔ بزرگوں کی سند سے مروی میرے پاس بہت سی روایات موجود ہیں۔ حد یہ ہے کہ جعفر بن محمدؑ کی بیان کردہ کچھ احادیث بھی مجھے زبانی یاد ہیں۔ اس بے چارے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ امام جعفر صادقؑ کے سامنے کھڑا ہے۔

امام صادقؑ نے فرمایا: تمہیں جعفر بن محمدؑ کی کون سی حدیث زبانی یاد ہے؟

اس نے کہا: جعفر بن محمدؑ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص سفر میں ہو تو اس پر پاؤں کا دھونا معاف ہے۔ اس کی بجائے وہ موزوں پر مسح کرے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: تو نے یہ روایت کس سے سنی؟

اس نے اپنے استاد کا نام لیا تو امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اگر جعفر بن محمدؑ تیرے سامنے کہہ دے کہ میں نے یہ بات نہیں کہی اور یہ مجھ پر سراسر بہتان ہے تو بتاؤ کیا تم جعفر بن محمدؑ کی بات مان لو گے؟

اس نے کہا: میں قبول نہیں کروں گا۔

امامؑ نے فرمایا: جعفر بن محمدؑ میں ہوں اور میں نے یہ بات ہرگز نہیں کہی۔

اس نے کہا: میں اس بات کو قبول نہیں کر سکتا، میں نے یہ روایت ایک قابل بھروسا شخص سے سنی ہے اور آپ یہاں کچھ اور کہتے ہیں تو میں آپ کی بات کیسے صحیح مان سکتا ہوں؟

مخلوق کی اکثریت کا میزانِ شعور و ادراک یہی ہے۔

کیا تمام صحابہ عادل تھے؟

کچھ لوگ بالعموم اور وہابی بالخصوص شیعوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ شیعہ اصحاب پیغمبرؐ کے متعلق جسارت سے کام لیتے ہیں جبکہ آنحضرتؐ کے تمام صحابہ عادل تھے اور شیعہ سب کو برا جانتے ہیں اور ان پر سبّ کرتے ہیں۔

اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ شیعوں پر بہتان ہے۔ خدا لعنت کرے اس پر ہو جو نبی کریمؐ کے مخلص صحابہ پر جسارت کرے۔ صحیفۂ سجادیہ میں امام زین العابدینؑ نے اصحاب پیغمبرؐ پر درود بھیجا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہمارا امامؑ تو اصحاب پیغمبرؐ پر درود بھیجے اور ہم انہیں برا بھلا کہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم آنکھیں بند کر کے نہ تو تمام صحابہ پر درود بھیجتے ہیں اور نہ ہی تمام صحابہ کو برا جانتے ہیں۔ ہم صدر اول میں ہر کلمہ پڑھنے والے شخص پر درود نہیں بھیجتے۔ ہم امام زین العابدینؑ کے پیروکار ہیں جن پر ہمارے امامؑ نے درود بھیجا ہے ان پر ہم بھی درود بھیجتے ہیں۔

ہمارے امامؑ نے اپنی ایک دعا میں یہ جملے کہے: **اللّٰھم اصحاب محمد خاصة الذین احسن الصحابة** یعنی اے پروردگار! محمد مصطفیٰؐ کے ان مخصوص صحابہ پر درود نازل فرما جنہوں نے حق صحبت ادا کیا۔ (صحیفۂ سجادیہ، دعا ۴)

مسجد میں آنے والا ہر شخص صحابی محمدؐ نہیں ہوتا۔ ہمارے نبی کا صحابی وہ ہے جو تابع محمدؐ ہو اور جو بھی محمدیؐ بنا اور اپنی خواہشات کو پس پشت ڈالا اور واجب کو ترک نہ کیا اور حرام کے قریب نہ گیا وہ حضرت محمدؐ کا حقیقی صحابی ہے۔

ہم شیعہ ولید جیسوں کو جسے قرآن نے فاسق کہا ہے حضرت محمد مصطفیٰؐ کا صحابی نہیں مانتے اور ان جیسوں پر درود نہیں بھیجتے، ہم ایسے افراد کی تعریف نہیں کرتے، ایسے تمام افراد جنہوں نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کے بعد دین میں تبدیلیاں کیں ان کو ہم اصحاب پیغمبرؐ ماننے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ہمارا قصور بس یہی ہے کہ اچھے کو اچھا کہتے ہیں اور برے کو برا کہتے ہیں مگر لوگوں کو ہماری حق پرستی اچھی نہیں لگتی اسی لئے ہم پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ شیعہ اصحاب پیغمبرؐ کے خلاف جسارت کرتے ہیں۔

خدارا ہمیں بتائیں کیا ہم ولید فاسق کو بھی حضرت محمد مصطفیٰؐ کا صحابی مانیں؟ ہم ولید کو اصحاب پیغمبرؐ نہیں مانتے ہم اسے اصحاب شیطان مانتے ہیں۔

آپ فرمان پر عمل کریں خود فرمان جاری نہ کریں

یہ آیت اس مطلب پر دلالت کرتی ہے (کیونکہ وَاعْلَمُوْا کے الفاظ سے عمومی خطاب کیا گیا ہے) کہ دروغ گوئی اور فتنہ پروری میں صرف ولید ہی اکیلا ملوث نہیں تھا بلکہ کچھ اور مسلمان بھی اس کی پشت پناہی کرنے میں مصروف تھے اور وہ آنحضرتؐ سے لشکر کشی کی درخواستیں کرنے لگے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ جنگ کی آگ کو بھڑکایا جائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے طرز فکر کے حامل تمام افراد کو خطاب کر کے فرمایا: وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ. یعنی تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کا رسولؐ تمہارے درمیان موجود ہے۔

تمہیں اپنے طرز عمل کی اصلاح کرنی چاہئے، تمہارا فرض یہ ہے کہ تم رسولؐ کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ اور تم نے ان سے ان کا ارادہ نہیں پوچھا، الٹا انہیں تم جنگ کی ترغیب دینے لگے۔ تم مسلم ہو تو مسلم کا کام فرمانبرداری ہے لہٰذا فرمانبردار بن کر رہو، فرمان چلانے کی کوشش نہ کرو۔ ہمارا رسولؐ تمہارے مشوروں کا پابند نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ یعنی اگر رسولؐ بہت سے معاملات میں تمہاری پیروی کرنے لگ جائیں تو تم ہی زحمت میں پڑ جاؤ گے۔

اگر ہمارے رسولؐ تم جیسے ناقص علم و عقل رکھنے والے افراد کی پیروی کرنے لگ جائے تو تم زحمت میں پڑ جاؤ گے۔ بہت سے ناحق خون تمہاری گردنوں میں معلق ہو جائیں گے۔ حضرت محمدؐ، اللہ کے نمائندے ہیں، لہٰذا وہ صرف اللہ کے فرمان پر ہی عمل کریں گے۔ تمہارا کام حضرت محمدؐ کی اطاعت کرنا ہے، لہٰذا تم اپنے جذبات اور اپنی ترغیبات اپنے پاس رکھو اور جنگ کے شعلے بھڑکانے کی تمام کارروائیوں سے گریز کرو۔

خدا نے ایمان کو تمہارا محبوب بنایا

خداوند عالم نے تم میں سے بعض پر خصوصی کرم کیا ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ. یعنی لیکن خدا نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنادیا ہے۔

یہ خطاب بظاہر عمومی دکھائی دیتا ہے لیکن اس سے بعض افراد ہی مراد ہیں کیونکہ آیت کے آخر میں اُولٰئِکَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ کا قرینہ موجود ہے۔ اس لئے آیت کا مفہوم کچھ اس طرح سے ہوگا: حبب الیکم یعنی الی بعضکم الایمان یعنی اللہ نے تمہارے بعض افراد کے لئے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے۔

وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ یعنی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کردیا ہے اور کفر، فسق اور گناہ کو تمہارے لئے ناپسند قرار دیا ہے اور درحقیقت یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

اے راست رو مسلمانو! اے اہل رشد و ہدایت! کامیاب اور سعادت مند مسلمان وہ ہے جس کے دل کو خدا نے ایمان سے مزین کردیا ہو، اس کے نزدیک محبوب ترین سرمایہ ایمان ہو، نفس اور خواہشات کے تقاضوں کو ایمان پر مقدم نہ رکھتا ہو، دنیا کے بدلے ایمان کا سودا کرنے پر آمادہ نہ ہو، حقیقی مومن وہ ہے جو ایمان کے تحفظ کے لئے جان دینے پر آمادہ ہو لیکن ایمان کو ہاتھوں سے نہ جانے دے۔

اس کے برعکس ولید اور اس کے ہم نوا افراد جو کہ دور جاہلیت کی دشمنی کو چکانے کے لئے لشکر کشی پر آمادہ ہیں اور جو مسلم قبیلہ کو مرتد کہہ کر ان کا خون بہانا چاہتے ہیں ایسے لوگ مومن نہیں ہیں۔

اے مسلمانو! تم اپنے آپ کو اس جماعت کا فرد بنانے کی کوشش کرو جو ایمان کو اپنا عزیز سرمایہ سمجھتے ہیں اور اس جماعت مومنین سے وابستہ رہو جنہیں ایمان اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

حضرت سمیہؓ کا مجاہدانہ کردار

حضرت سمیہؓ، حضرت یاسرؓ کی بیوی اور حضرت عمارؓ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ اگر چہ وہ ایک کمزور عورت تھیں لیکن ان کی قوت ایمانی کئی مردوں سے بھی زیادہ تھی اور وہ راہ اسلام میں اپنی جان کی قربانی دینے والی پہلی خاتون تھیں۔ انہوں نے جان دینی گوارا کی لیکن ایمان دینا قبول نہ کیا۔ جب حضرت عمارؓ کا گھرانہ اسلام لایا تو ابوجہل اور ابوسفیان نے انہیں پکڑ کر سخت ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ لاَ اِلٰہ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کہنا چھوڑ دیں۔

آل یاسرؓ نے ہر طرح کا ظلم و ستم برداشت کیا مگر کلمہ اسلام چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جب مشرکین نے دیکھا کہ وہ ایمان چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں تو انہیں قتل کی دھمکی دی کہ کلمہ طیبہ کو چھوڑ دو ورنہ ہم تمہیں جان سے مار دیں گے۔ حضرت یاسرؓ اور ان کی بیوی نے کہا: ہم جان دے سکتے ہیں لیکن دین محمدؐ ہاتھوں سے نہیں دے سکتے۔ ہم ایمان سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔

ابوجہل نے حضرت یاسرؓ اور ان کی زوجہ حضرت سمیہؓ کو شہید کر دیا۔ اس نے دو اونٹ منگائے اور حضرت سمیہؓ کا ایک پاؤں ایک اونٹ سے اور دوسرا پاؤں دوسرے اونٹ سے باندھ دیا۔ پھر اس نے ان کے مخصوص مقام پر نیزے کا وار کیا جس سے وہ صاحب ایمان صحابیہ شہید ہو گئیں۔ پھر اونٹوں کو دوڑایا گیا جس کے نتیجے میں ان کا جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

حضرت سمیہؓ نے اپنے مجاہدانہ کردار سے ثابت کر دیا کہ مومن اپنی جان تو دے سکتا ہے لیکن لاَ اِلٰہ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔

اے مسلمانو! انصاف سے بتاؤ کہ اصحاب پیغمبرؐ یہ ہیں یا ولید جیسے لوگ؟

سچ یہ ہے کہ حضرت عمارؓ اور ان کے والدین اصحاب پیغمبرؐ ہیں اور ولید اور اس جیسے

افراد اصحاب شیطان ہیں۔ ولید اور اس کے ہم نوا افراد اپنی خواہشات کے اسیر تھے اور خواہشات کی اسیری کی وجہ سے انہیں جھوٹ اور تہمت تراشی کی برائی نظر نہیں آتی تھی۔ ایسے افراد کا روزِ جزا پر کوئی ایمان ہی نہیں تھا۔ اگر ان میں ایمان کی رمق بھی ہوتی تو تہمت نہ تراشتے۔

ظاہری طور پر ولید نماز بھی پڑھتا تھا، مسجد میں بھی جاتا تھا اور زبان سے لاَاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کا اقرار بھی کرتا تھا اس کے باوجود وہ حقیقت ایمان سے بے بہرہ تھا۔ اسے خواہشات سے محبت تھی لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے نہیں۔

گناہ مومن کو کڑوا محسوس ہوتا ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے نکات بیان کئے ہیں: وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ. یعنی اللہ نے تمہارے لئے کفر، فسق اور معصیت کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

ایک سچا اور کھرا مومن وہ ہے جس کی اللہ اپنے فضل سے مدد کرے اور اسے گناہ تلخ محسوس ہو۔ اگر کسی شخص کو گناہ اندرائن کی طرح سے کڑوا محسوس ہوتا ہو تو وہ حقیقی مومن ہے اور وہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کا صحابی ہے۔ اگرچہ اس کے اور رسول اکرمؐ کے درمیان صدیوں کا فاصلہ کیوں نہ ہو۔

کَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ.. قرآن مجید ہم سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ہم ایمان کے اس درجے تک پہنچنے کی کوشش کریں جہاں ہمیں گناہ تلخ محسوس ہونے لگے۔ اگر کبھی گناہ سرزد ہو بھی جائے اور اتفاق سے زبان سے فحش کلمات نکل بھی جائیں تو دل و جان سے اس سے نفرت کرے۔ اس کا منہ اور زبان گناہ کی تلخی اور کڑواہٹ کو محسوس کرے۔ اگر کسی نامحرم پر نظر پڑ جائے تو بھی نگاہ اسے اپنی غلطی قرار دے۔ کہنے کو باتیں تو بہت ہیں لیکن ہم یہاں عقیدۂ جبر کی تردید میں بھی چند باتیں

کہنا ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ اس بیان سے ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے اس میں بندے کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان کی شیرینی سے واقفیت دلاتا ہے

اگر کسی انسان کے دل میں ایمان عزیز بنتا ہے تو خدا کی طرف سے ہے کیونکہ انسان اپنی ذاتی کد و کاوش سے اس مقام کو حاصل کرنے سے قاصر ہے کہ ایمان اس کا محبوب ہو۔ جب تک اللہ یہ احسان نہ کرے اس وقت تک اس مقام کا حصول ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بعض افراد کو ایمان اور ذکر الٰہی کی لذت سے آگاہی عطا کرتا ہے اور جب کوئی شخص ایمان کی لذت سے آشنا ہو جائے تو وہ کسی بھی قیمت پر ایمان سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرتا۔

معصومین علیہم السلام کی دعاؤں میں ہمیں اکثر یہ جملہ دکھائی دیتا ہے: **اذقنی حلاوۃ ذکرک**. یعنی مجھے اپنے ذکر کی حلاوت چکھا۔ اپنے ذکر کی مٹھاس سے مجھے آشنائی عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو ایسا ایمان عطا فرمائے جو آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو اور اللہ تعالیٰ آپ کو گناہوں سے متنفر کرے۔ بات یہ ہے کہ گناہ نفس کو اچھے لگتے ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال نہ ہو اس وقت تک گناہ کڑوا محسوس نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ مبارکہ حجرات کی اس آیت کا اختتام ان الفاظ پر کیا: فَضْلاً مِّنَ اللّٰہِ وَ نِعْمَۃً. یعنی ایمان کا محبوب ہونا اور کفر، فسق، معصیت سے نفرت محسوس کرنے کا جذبہ خدا کے فضل اور نعمت کا مرہون منت ہے۔ یہ اللہ کا کسی بھی مومن پر خصوصی احسان ہے کہ وہ ایمان کو سب سے قیمتی متاع سمجھنے لگے اور گناہوں کی کڑواہٹ کا احساس کرنے لگے۔

طلبگار افراد کو ہی لذت ایمان نصیب ہوتی ہے

اس مقام پر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے اس میں بندے کی خواہش کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ مثلاً اگر خدا مجھے بھی گناہوں کی تلخی سے آشنائی عطا کردیتا تو میں بھی گناہ کا ارتکاب نہ کرتا اور اسی طرح سے اگر وہ چاہتا تو میرے ایمان میں اضافہ کردیتا۔ اس شبہہ کا جواب اسی آیت کے آخر میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کا اختتام ان الفاظ پر کیا ہے: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ یعنی اللہ جاننے والا اور صاحب حکمت ہے۔

ہر نااہل کو لذت ایمان سے آشنائی عطا نہیں کرتا اور ہر کس و ناکس کو گناہوں سے نفرت کا جذبہ عطا نہیں کرتا۔ اللہ صاحب حکمت ہے اور حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ یہ نعمت ہر کسی کو نہیں ملنی چاہئے۔ یہ نعمت اُن افراد کے لئے مخصوص ہے جنہیں راہ خدا کی تڑپ ہوتی ہے اور جو اپنے نفس امارہ سے مسلسل جہاد کرتے ہیں اور جب اللہ ان کے اس اخلاص کو دیکھتا ہے تو اُن پر خصوصی شفقت کرتا ہے، انہیں ایمان کی حلاوت اور گناہوں کی کڑواہٹ سے آشنائی عطا کرتا ہے اور یہ نعمت مفت میں نہیں ملتی اس کے لئے جہاد روحانی اور دعاؤں کے سرمائے کی ضرورت ہے۔

یہ مبارک مہینہ ہے، آپ اس میں اپنے خدا سے یہ دعا مانگیں: اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُکَ الْاَمْنَ وَ الْاِيْمَانَ بِکَ وَالتَّصْدِيْقَ بِنَبِيِّکَ یعنی اے پروردگار! میں تجھ سے امن اور تجھ پر ایمان اور تیرے نبی کی تصدیق کا سوال کرتا ہوں۔

اے پروردگار! ہمیں ایمان کی دولت سے مالامال فرما۔ اَسْئَلُکَ اِيْمَانًا تُبَاشِرُ بِهٖ قَلْبِيْ یعنی میں تجھ سے ایسا ایمان طلب کرتا ہوں جو میرے دل سے چسپاں ہوجائے۔ اے پروردگار! مجھے ایسا ایمان چاہئے جو میرے دل میں ہمیشہ کے لئے جاگزیں رہے، جس میں کوئی تبدیلی نہ آئے، جو رخصت نہ ہو، میری نظر میں

ایمان کو تمام چیزوں سے محبوب بنا۔ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ. یعنی اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنایا۔

اس مقام و منزلت کے مقدمات آپ کو خود فراہم کرنا ہوں گے۔ جب تک آپ آمادگی پیدا نہ کریں گے اس وقت تک آپ کو یہ نعمت عطا نہیں کی جائے گی۔ جب تک آپ کسی چیز کے لئے ہاتھ دراز نہیں کریں گے اس وقت تک کوئی چیز آپ کے ہاتھ میں نہیں دی جائے گی۔

جب تک دعا نہ کروگے تب تک محروم رہوگے

اصول کافی میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے میسر سے ارشاد فرمایا: **یا میسر· ادع ولا تقل ان الا مرقد فرغ منه ان عندالله منزلةً لا تنال الا بمسئلتهٖ ولو ان عبداً سد فاه ولم یسئل لم یعط شیئاً.** یعنی اے میسر! دعا مانگو اور یہ نہ کہو کہ جو کچھ مقدر میں ہوگا خود بخود مل جائے گا۔ اگر بندہ دعا نہ کرے اور خدا سے کچھ طلب نہ کرے تو وہ محروم ہی رہے گا۔ اگر کوئی شخص منہ کو بند کر لے اور سوال نہ کرے تو اسے کچھ نہیں دیا جائے گا۔ (اصول کافی، کتاب الدعاء)

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آبت از بالا و پست

یعنی تو ایمان طلب کر اور جب تک تو ایمان طلب نہ کرے گا اس وقت تک تجھے ایمان نصیب نہیں ہوگا۔

بیت اللہ کے طواف کے دوران ایک دعا پڑھی جاتی ہے جس کا مضمون اسی آیت سے ماخوذ ہے: **اللّٰھم حبّب الیّ الایمان و کرّہ الیّ الکفر والفسوق والعصیان.** یعنی اے اللہ! ایمان کو میرا محبوب بنا اور کفر، فسق اور معصیت کو میرے لئے نفرت انگیز قرار دے۔

مقصد یہ ہے کہ اے پروردگار! مجھے ایمان سے محبت عطا فرما اور اسے میرے دل کے لئے باعث زینت بنا اور مجھے ایمان کا وہ رتبہ عطا کر کہ میں ہر چیز کو چھوڑ سکوں لیکن ایمان کو نہ چھوڑوں۔ اے خدایا! میرے دل میں کفر سے شدید نفرت پیدا فرما جس کی تلخی کو میں خود بھی محسوس کرسکوں۔ مجھے گناہ سے نفرت عطا فرما۔ مجھے ہدایت یافتہ فرد بنا۔

گناہ سے نفرت و کراہت ایسی چیز نہیں ہے جو کسی پر زبردستی ٹھونس دی جائے اور جب تک انسان اس صفت کے حصول کے لئے اپنے اندر اس کی صلاحیت پیدا نہ کرے اس وقت تک یہ حالت کسی کو عطا نہیں کی جاتی۔ یہ ایک بلند مقام ہے اس کا حصول کوئی مذاق نہیں۔ یہ مقام مراتب عصمت کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ اسی لئے دعا مانگنی چاہیئے کہ خدا ہمیں ایسا نور عطا فرمائے جس کی وجہ سے گناہ کی تلخی کا ذائقہ محسوس کرنے کے قابل بن سکیں۔ یہ ملکہ "برہانِ رب" کہلاتا ہے۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ. (سورۂ یوسف: آیت۲۴) یہ مرتبہ طلب اور استعداد کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا لہٰذا جبر نہیں ہے اس کے تمام مقدمات خود طے کرنے پڑتے ہیں کیونکہ ارشاد الٰہی ہے: وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِ نْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی٥ یعنی ہر انسان کو اس کی محنت کا پھل ملتا ہے۔ (سورۂ نجم: آیت۳۹)

آپ اللہ سے اس مقام کی درخواست کر کے تو دیکھیں پھر آپ کو پتا چلے گا کہ آپ کا رحمٰن و رحیم خدا آپ سے کیا سلوک کرتا ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ سخت ترین حالت میں ایسی غائبانہ مدد کرتا ہے جسے دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔

كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ.. اللہ نے تمہارے لئے کفر، فسق اور معصیت کو لائق نفرت بنایا ہے۔ اس امر کی وضاحت اور مطالب کے تنوع کے لئے اس حکایت کو توجہ سے سنیں۔

ایک چور جو کہ مستجاب الدعوات بن گیا

اصول کافی کتاب الدعا میں امام زین العابدین علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

ایک تاجر اپنے خاندان اور مال تجارت سمیت ایک کشتی میں سوار ہوا۔ بیچ سمندر میں شدید طوفان آ گیا جس کی وجہ سے کشتی کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ تاجر کا خاندان اور سارے مسافر ڈوب گئے۔ لیکن تاجر کی بیوی شکستہ کشتی کے ایک تختے پر بیٹھنے میں کامیاب ہوگئی۔ تختہ مسلسل تیرتا رہا یہاں تک کہ چند دنوں کے بعد وہ ساحل سے آلگا۔ اس بیچاری کا لباس تارتار ہو چکا تھا اور وہ خود بھی بھوک سے نڈھال تھی۔ اس نے خشکی کو غنیمت جانا اور ساحل پر اتر پڑی لیکن اسے دور دور تک کوئی انسان نظر نہ آیا۔ چنانچہ اس نے مجبوراً جنگلی گھاس کھا کر گزارا کیا اور رات کو درندوں سے بچنے کے لئے ایک درخت پر پناہ لی۔

الغرض چند دن اسی حالت میں گزر گئے۔ اچانک ایک چور اس ویران ساحل کے پاس سے گزرا تو اس کی نگاہ اس نیم برہنہ عورت پر پڑی جس کی وجہ سے اس کے اندر کا شیطان جاگ اٹھا۔ چور اس عورت کے پاس آیا اور اس بے چاری کو پکڑ کر زمین پر لٹایا۔ عورت میں مقابلے کی سکت نہیں تھی لہٰذا تھوڑی سی مزاحمت کے بعد وہ گر پڑی۔ پھر اس نے زور زور سے چیخیں ماریں اور اس کا بدن کسی درخت کی شاخ کی طرح سے لرزنے لگا۔

چور نے اسے تسلی دینے کے لئے اس سے کہا: تو اتنا لرز کیوں رہی ہے؟

اس نے کہا: میں بھلا کیوں نہ لرزوں کیونکہ آج تک میں نے کبھی فعل حرام نہیں کیا۔ مجھے اپنے خدا سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ یہ ایک ویران علاقہ ہے لیکن میں دل و جان سے گناہ سے نفرت کرتی ہوں۔

ملاحظہ فرمائیں ویران ساحل ہے، جہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا انسان موجود نہیں ہے۔ اس کے باوجود ایک نحیف و نزار عورت خوف خدا سے کانپ رہی ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ بس یہی ہے کہ اس کے دل میں حقیقی ایمان موجود تھا جس کے متعلق اللہ نے فرمایا: وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ یعنی اللہ نے تمہارے لئے کفر، فسق اور معصیت کو قابل نفرت بنایا ہے۔

وہ پاکدامن عورت اگرچہ بیابان میں تھی مگر پھر بھی وہ گناہ سے نفرت کر رہی تھی اور یہی ایمان کی نشانی ہے۔ یہ خدا کی دَین ہے لیکن عطا طلب کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ طلب کے بغیر فیض حاصل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو ''برہانِ رب'' کا کچھ اتنا نور عطا کیا تھا جس کی وجہ سے چور دل ہی دل میں سخت شرمندہ ہوا اور چور کے دل میں خوف خدا کی روشنی نمودار ہوئی۔ پھر اس نے اس مجبور عورت کو چھوڑ دیا اور کہا: تیرے بجائے مجھ بدبخت کو لرزنا چاہئے تو نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ میں ہی گناہگار ہوں۔

پھر اس نے عورت سے معافی مانگی اور توبہ کی نیت لے کر آبادی کی طرف آیا اور وہ سارا راستا یہی سوچتا رہا کہ میں کسی عالمِ دین کے پاس جا کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کروں گا اور آئندہ گناہوں سے باز رہوں گا۔

چور توبہ و انابت کا ارادہ لے کر آبادی کی طرف چلا آ رہا تھا کہ راستے میں ایک عابد سے ملاقات ہوئی اور دونوں ایک راہ پر چلنے لگے۔ عابد نے اس سے کہا: اے دوست! گرمی بہت زیادہ ہے، سورج کی تپش جھلسائے دے رہی ہے، آؤ ہم مل کر خدا سے دعا مانگیں تاکہ وہ بادل بھیج دے جس سے گرمی میں کچھ کمی ہو جائے۔

چور نے کہا: میں ایک گناہگار، بدکار انسان ہوں۔ خدا کے حضور میری کوئی قدر و منزلت نہیں ہے اس لئے وہ میری دعا کو قبول نہیں کرے گا۔

اس گناہگار کے کیا کہنے جو اپنے گناہوں کو محسوس کر کے خدا کے حضور

شرمندگی سے اپنے سر کو جھکالے اور اس عابد پر ہزاروں مرتبہ افسوس ہے جو اپنی عبادت پر مغرور ہو جائے اور یہ سمجھنے لگے کہ میرا خدا پر ایک حق بنتا ہے۔ انسان کو اپنی عبادت پر ناز نہیں کرنا چاہئے۔ یہ نہ کہے کہ میں امام حسین علیہ السلام کا نوکر ہوں اور اپنی سیادت پر بھی ناز نہیں کرنا چاہئے کہ میں سید ہوں، میں عالم ہوں، ہزاروں افراد میری تقریر سننے کے منتظر رہتے ہیں، میں دینی مسائل کا درس دیتا ہوں اور میں ہمیشہ صدقہ و خیرات کرتا رہتا ہوں۔ چنانچہ ایسی عبادت پر افسوس ہے جو کہ انسان کو خود پسند بنادے اور وہ عاجزی چھوڑ کر انا پرستی میں مبتلا ہوجائے اور اپنے آپ کو مستجاب الدعوات تصور کرنے لگ جائے۔

عابد نے کہا: پھر میں دعا کرتا ہوں اور تو آمین کہہ۔

عابد نے ہاتھ بلند کر کے بارگاہ احدیت میں عرض کیا: خدایا! اس بیابان میں دھوپ نے ہم کو تنگ کردیا ہے، ہمارے لئے سایہ فراہم فرما تا کہ ہم دھوپ کی تپش سے بچ سکیں۔

عابد نے دعا مانگی اور چور نے آمین کہی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بادل کا ایک ٹکڑا ان کے سر پر سایہ فگن ہوگیا۔ دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کچھ دیر تک دونوں ساتھ چلتے رہے۔ ایک مقام پر سے دو راستے جدا ہوتے تھے۔ عابد ایک راستے پر چل پڑا اور چور دوسرے راستے پر ہولیا۔ اب جیسے ہی دونوں جدا ہوئے تو بادل کا ٹکڑا چور کے سر پر سایہ فگن ہوگیا۔ بادل نے جیسے ہی چور کے سر پر سایہ کیا تو عابد کو بھی اپنی حیثیت کا اندازہ ہوگیا۔ اس سے پہلے تو وہ اپنے آپ کو بڑا پارسا اور مقبولِ بارگاہ سمجھتا تھا جبکہ خداوند عالم کو عاجزی اور خشوع و خضوع پسند ہے اور وہ انکساری سے محبت کرتا ہے۔

امام زین العابدینؑ کی انکساری

ایک دفعہ امام زین العابدین علیہ السلام عبدالملک بن مروان کے سامنے پیش ہوئے۔ خوف خدا میں مسلسل روتے رہنے کی وجہ سے آپ کی آنکھیں اندر کو دھنس چکی تھیں اور بیداری کی وجہ سے آپ کے رخسار زرد تھے نیز سجدوں کی کثرت سے آپ کی پیشانی متورم ہو کر کسی خشک مشک کی مانند لگ رہی تھی۔

جب عبدالملک نے آپ کے روئے انور کو دیکھا تو بے ساختہ رونے لگا اور تخت سے اتر کر امام عالی مقامؑ کے پاس جا بیٹھا اور امام علیہ السلام سے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! اتنی عبادت اور اتنی زحمت؟ بہشت تو آپ کی ملکیت ہے اور آپ کے نانا شفیع روز جزا ہیں پھر آپ خود کو اس قدر زحمت میں کیوں ڈالتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: ہمارے نانا رسول اللہؐ سے بھی یہی بات کہی گئی تھی تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ پھر امامؑ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ مجھے اتنی طویل زندگی عطا فرمائے کہ روز اول سے لے کر قیامت تک میری زندگی ہو اور میں اس پوری عمر میں روزے رکھوں اور اتنے سجدے کروں کہ میری گردن کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں اور خوف خدا میں اتنا روؤں کہ میری آنکھوں کی پلکیں گر جائیں اور خاک و خاکستر پر میری خوراک مشتمل ہو پھر بھی میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کا سواں حصہ بھی شکر ادا نہیں کر سکوں گا۔ (بحار الانوار، جلد ۱۱۔ حالات حضرت امام زین العابدینؑ)

خداوند تعالیٰ کی نعمتیں اتنی عظیم ہیں کہ امام زین العابدینؑ جیسی شخصیت بھی یہ کہتے سنائی دیتی ہے کہ میرا تمام تر شکر ایک نعمت کے سویں حصے کے برابر بھی نہیں ہے۔ جب امامؑ کی یہ کیفیت ہو اور چند رکعات پڑھنے والا ایک عابد یہ سمجھنے لگ جائے کہ میری عبادت کی بڑی اہمیت ہے تو یہ اس کی بہت بڑی نادانی ہوگی۔

یہی کچھ اس عابد کے ساتھ پیش آیا تھا۔ جب عابد نے بادل کے ٹکڑے کو اس گناہگار کے سر پر سایہ فگن دیکھا تو اس نے اندازہ کرلیا کہ اس کی بارگاہ احدیت میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ جبکہ وہ شخص جو اپنے آپ کو گناہگار و بدکار کہہ رہا تھا اس کو خدا کی نظروں میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور بادل کا ٹکڑا میری دعا کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی آمین کی وجہ سے نمودار ہوا تھا۔

یہ سوچ کر عابد اس گناہگار کے پاس گیا اور کہا: تجھے خدا کا واسطہ! مجھے سچ سچ بتا کہ تو کون ہے بادل تیرے لئے کیوں آیا تھا میرے لئے کیوں نہیں۔

اس نے کہا: میں تو ایک گناہگار چور ہوں۔

عابد نے کہا: مجھے تیری بات پر یقین نہیں آتا۔

پھر چور نے اپنی اور عورت کی داستان سنائی اور اپنے توبہ کے ارادے کا بھی ذکر کیا۔ اس واقعے سے ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو شخص اپنے گناہوں کو دیکھ کر لرزنے لگے اور اپنے آپ کو حقیر سمجھ کر خدا کی بارگاہ میں توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے عزت و آبرو عطا فرماتا ہے۔

حضرت حُر کی توبہ

شیخ شوستری نے کتنی عمدہ بات لکھی ہے کہ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ عاشور کے دن حضرت حُر کی لرزش حضرت حبیب ابن مظاہر کی قربانیوں سے کم تھی؟ یہ سچ ہے کہ حضرت حُر نے امام مظلومؑ کا راستا روکا تھا لیکن کیا آپ نے روز عاشورا اس کے لرزنے کا واقعہ نہیں سنا؟

حضرت حر فوج یزید کے ایک افسر تھے۔ چار ہزار فوجی ان کی کمان میں تھے۔ ان کے پاس تمام وسائل حیات مہیا تھے۔ ان کے پینے کے لئے آب فرات موجود تھا۔ خیمے کا سایہ اور خوراک بھی میسر تھی، کربلا کی جنگ کے بعد انہیں

جائیدادیں اور جاگیریں ملنے کی امید بھی تھی اور اپنے عہدے کی ترقی کی بھی توقع تھی مگر حضرت حُر نے دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام عمر ابن سعد بن ابی وقاص زہری کے سامنے آئے اور اس سے فرمایا: اَتَقْتُلُنِیْ وَ اَنَا ابْنُ مَنْ عَلِمْتَ کیا تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے جبکہ میرے والد اور نانا کو تو پہچانتا ہے؟ پھر آپ نے عمر ابن سعد کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں جس کی وجہ سے حضرت حُر کا رواں رواں کانپ اٹھا۔

حضرت حُر، عمر ابن سعد کے پاس آئے اور اس سے کہا: تو حسینؑ ابن علیؑ کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہے؟

عمر سعد نے کہا: میں حسینؑ سے جنگ کرنا چاہتا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کلائیاں ہاتھوں سے اور سر گردنوں سے جدا ہو جائیں گے۔

یہ جواب سن کر حضرت حُر سخت شرمندہ ہوئے، وہ لشکر کے کنارے پر چلے گئے اور پشت لشکر سے چلتے ہوئے امام حسینؑ کے قریب پہنچے۔

شیخ شوستری فرماتے ہیں کہ حضرت حُر کی شرمندگی کی بڑی قیمت تھی۔ اس خطا کار کے مقدر کے کیا کہنے جو سر جھکائے امام حسینؑ کی جانب رواں تھا اور جب امام حسینؑ کے پاس پہنچا تو اپنا سر ان کے پائے اقدس میں رکھ دیا۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اِرْفَعْ رَاْسَکَ یَا شَیْخ! مَنْ اَنْتَ؟ اے شیخ! اپنا سر بلند کر اور بتا کہ تو کون ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے؟

حضرت حُر اپنا سر بدستور امام حسینؑ کے قدموں پر رکھے عرض کرتے ہیں کہ میں وہی خطا کار ہوں جس نے آپ کا راستا روکا تھا۔ فرزند رسول! مجھے معلوم نہیں تھا کہ معاملات اس حد تک جا پہنچیں گے اور مجھے گمان نہیں تھا کہ یہ لوگ آپ پر اتنی سختی کریں گے۔ "ھل لی من توبۃ" کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: نعم! ہاں، تمہاری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ اس درگاہ سے کوئی محروم نہیں ہوتا۔

بازآ بازآ ہر آنچہ ہستی باز آ　　گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نو میدی نیست　　صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

یعنی واپس آ، واپس آ، تو جوکوئی بھی ہے واپس آجا، تو کافر، مجوسی اور بت پرست ہے پھر بھی واپس آجا۔ ہماری درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں ہے۔ اگر سو بار بھی توبہ توڑ چکا ہے تو بھی واپس آجا۔

برادران عزیز! ماہ رمضان توبہ کا مہینہ ہے۔ آپ اپنے ان گناہوں کو یاد کریں جنہوں نے آپ کی گردن کو جھکایا ہوا ہے، خلوص دل سے توبہ کریں، آپ کا سر نیچا نہیں رہے گا، آپ سرفراز ہوں گے۔ جن گناہوں کے تصور سے آپ لرز رہے ہیں اللہ سے ان گناہوں کی معافی مانگیں، اللہ آپ کو امن عطا کرے گا۔

اس مہینے میں معصومینؑ سے بہت زیادہ دعائیں منقول ہیں۔ ان ایام میں آپ یہ دعا بھی پڑھتے ہیں: **ان تغفرلی ما سلف من ذنوبی و تعصمنی فی ما بقی من عمری۔** میرے پچھلے گناہوں سے درگزر فرما اور آئندہ زندگی میں مجھے ان سے محفوظ فرما۔

آیئے دعا کریں کہ اے پروردگار! ہماری توبہ قبول فرمالے، گناہ کو ہمارے لئے تلخ بنادے، کفر، فسق وفجور اور معصیت کو ہمارے لئے قابل نفرت بنا دے، ہمارے سابقہ گناہ معاف فرما دے اور ہمیں آئندہ کے لئے گناہوں سے دور رکھ۔

دین مومن کو اپنی جان سے پیارا ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○ وَاعۡلَمُوۡا اَنَّ فِیۡکُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰہِ لَوۡ یُطِیۡعُکُمۡ فِیۡ کَثِیۡرٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَ زَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَکَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَ الۡفُسُوۡقَ وَ الۡعِصۡیَانَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الرّٰشِدُوۡنَ○ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ نِعۡمَۃً وَّاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ○ یعنی جان لو کہ تمہارے درمیان خدا کا رسولؐ موجود ہے۔ اگر وہ بہت سی باتوں میں تمہاری بات مان لے تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ لیکن خدا نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنادیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کردیا ہے اور کفر، فسق اور معصیت کو تمہارے لئے ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور درحقیقت یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

جو شخص ان تین اصولوں یعنی توحید، نبوت اور قیامت کو تسلیم کرے وہ مسلمان ہے اور جو ان تین کے علاوہ اصول دین میں عدل اور امامت کو بھی تسلیم کرے وہ مومن اور شیعہ ہے۔ ایسا شخص اہل نجات میں سے ہے اور خدا کے ہاں اس کے لئے بڑا درجہ اور مقام ہے۔

اس آیت میں عام مسلمان کے متعلق گفتگو نہیں کی گئی بلکہ اس میں ایسے صاحبان ایمان کے بارے میں بتلایا گیا ہے جن کا مقام اتنا بلند و بالا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے ایمان کو ان کے دلوں کی زینت بنایا ہے اور ایمان کو ان کا محبوب قرار دیا ہے اور وہ ایسے افراد ہیں جنہیں اپنی جان کی بجائے ہمیشہ ایمان کی فکر ستائے رکھتی ہے اور ان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ ان کا جسم اگر ٹکڑے ہوتا ہے تو ہو جائے لیکن ان کا ایمان سلامت رہے۔

اس کی واضح ترین مثال حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: یا علیؑ! اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب آخری امت کا بدبخت ترین شخص تمہاری داڑھی کو تمہارے ہی سر کے خون سے خضاب کرے گا؟

یہ سنتے ہی امیر المومنینؑ نے عرض کیا: افی سلامة من دینی یعنی کیا اس وقت میرا دین سلامت ہوگا؟

رسول خداؐ نے فرمایا: ہاں! اس وقت تمہارا دین سلامت ہوگا۔

حضرت علیؑ نے کہا: پھر مجھے اپنی موت کی کوئی فکر نہیں اور اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے شکر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

حضرت علیؑ جانتے تھے کہ موت حق ہے اور ہر حال میں آنی ہے۔ موت بستر پر بھی آسکتی ہے اور محراب مسجد میں بھی۔ جب مرنا ہی ہے تو انسان دین کی سلامتی لے کر تو مرے۔

مومن گناہ سے بیزار رہتا ہے

کیا آپ کو معلوم ہے کہ اعمال کے لحاظ سے حقیقی مومن کون ہے؟ حقیقی مومن وہی ہے جس کا تذکرہ اسی آیت میں ان الفاظ سے کیا گیا ہے: وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ.... لہٰذا جسے کفر سے نفرت ہو، جسے فسق و فجور اور معصیت سے فطری طور پر نفرت ہو، وہی حقیقی مومن ہے۔

علماء نے کفر، فسوق اور عصیان کے درمیان فرق بیان کیا ہے:

کفر — انکار کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ بابا! یہ باتیں فرسودہ ہو چکی ہیں ان باتوں کو رہنے دو۔ لوگ فضا کو تسخیر کرنے میں لگے ہوئے ہیں لوگ چاند پر پہنچ چکے ہیں لیکن تم ہمیشہ قبر کی پہلی رات تک محدود ہو کر رہ گئے ہو۔

جو شخص دین کا مذاق اڑائے اور مبدا و معاد کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

فسق — اس گناہ کو کہا جاتا ہے جس کی بنیاد کفر پر نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص ضروریات دین کو مانتا ہے اور وہ خدا، آخرت، حساب، جنت و دوزخ کا منکر نہیں ہے لیکن عمل کے لحاظ سے گردن اکڑاتا ہے۔ مثلاً اس سے اگر کہا جائے کہ تو نے روزہ کیوں نہیں رکھا تو وہ کہتا ہے کہ میرا دل نہیں چاہتا کہ میں روزہ رکھوں۔ خدا کو میرے اور آپ کے روزے کی کیا ضرورت ہے؟

اعمال کے لحاظ سے گردن اکڑانے کو فسق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ''فسوق'' اطاعت سے باہر نکلنا اور حدود بندگی سے اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھنے کو کہا جاتا ہے۔ یعنی انسان اپنے آپ کو خدا کا بندہ اور غلام تصور نہ کرے۔

عصیان — کا درجہ اس سے کچھ کم ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ فسق گناہ کبیرہ ہے بالخصوص جھوٹ بولنے کو فسق کہا جاتا ہے جبکہ عصیان مطلقاً نافرمانی کو کہا جاتا ہے اور اس میں کبیرہ و صغیرہ دونوں قسم کے گناہ شامل ہیں۔

اس کے برعکس مومن راشد وہ ہے جسے کفر، فسق اور عصیان سے نفرت ہو۔ نافرمانی کسی دوسرے کی طرف سے ہو تو بھی اسے ناپسند دکھائی دے اور اگر خود اس کی طرف سے ہو تو بھی اسے ناپسند کرے۔ بعض افراد ایسے بھی ہیں کہ کوئی دوسرا شخص گناہ کرے تو انہیں اس پر غصہ آجاتا ہے اور انہیں وہ گناہ قابلِ نفرت محسوس ہوتا ہے لیکن اگر وہ خود اسی گناہ کا ارتکاب کریں تو انہیں اس میں کوئی قباحت دکھائی نہیں دیتی۔ حقیقت میں مومن وہ ہے جو گناہ کو گناہ سمجھ کر اس سے نفرت کرے۔ اس میں

اپنی ذات اور دوسروں میں کوئی فرق روا نہ رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ اگر وہ خود دوسروں کی بہو بیٹیوں کو دیکھے تو اپنے لئے کوئی عیب نہ سمجھے اور اگر کوئی دوسرا اس کی بہو بیٹی پر غلط نگاہ ڈالے تو اسے برا محسوس کرے۔

اگر کسی شخص کو گناہ تلخ محسوس ہو تو یہ اس کے اہل ہدایت ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت کے اختتام پر فرمایا: اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ. یعنی یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں، یہی لوگ اہل رشد اور اہل کمال ہیں۔

سچا اور کھرا مومن وہی ہے جسے گناہ سے نفرت ہو۔ مگر یہ مقام ہر مومن اور مسلمان کو حاصل نہیں ہے۔ یہ مقام ہزاروں افراد میں سے ایک آدھ فرد کو ہی حاصل ہوتا ہے۔

نہ ہر کس شد مسلمان می توان گفتش کہ سلمان شد
کہ از اول بایدش سلمان شد و وانگہ مسلمان شد

یعنی ہر مسلمان کو سلمانؓ کہنا صحیح نہیں ہے۔ انسان کو چاہئے کہ پہلے مسلمان بنے، پھر سلمانؓ بنے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ نِعْمَةً یہ اللہ کی طرف سے فضل اور نعمت ہے۔ خدا جسے اس نعمت کے قابل سمجھتا ہے اس پر یہ احسان کرتا ہے۔

کل ہم نے عرض کیا تھا کہ یہ آیت عقیدۂ جبر پر دلالت نہیں کرتی بلکہ جبر کی نفی کرتی ہے کیونکہ آیت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ اللہ جاننے والا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ایمان و رشد کا یہ درجہ ہر کسی کو عطا نہیں کرتا جس میں اس کی صلاحیت ہوتی ہے اور صلاحیت کے ساتھ جس میں اسے تڑپ اور طلب دکھائی دیتی ہے وہ اسے یہ عظیم مرتبہ عطا کر دیتا ہے جس کے تحت وہ تمام گناہوں سے نہ صرف اجتناب کرتا ہے بلکہ گناہ کو تلخ سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اللہ صاحب علم ہے اور اس

کی شان علم یہ ہے "یعلم السر و اخفی" وہ راز کی باتوں کو جانتا ہے اور جو باتیں اس سے بھی زیادہ مخفی ہوتی ہیں وہ انہیں بھی جانتا ہے۔

اللہ حکیم ہے اور اس کا ہر عمل اس کی حکمت بالغہ کا مظہر ہوتا ہے۔ وہ کسی گدھے کے سامنے زعفران نہیں رکھتا اور وہ ایمان کا یہ بلند ترین درجہ ہر کس و ناکس کو عطا نہیں فرماتا کیونکہ ایمان کا محبوب ہونا اور زینت قلب ہونا اور گناہوں سے نفرت کرنا ایک عظیم مقام ہے اور یہ مقام عصمت کا پہلا زینہ ہے۔ اسی لئے یہ مقام صرف اسی کو ہی عطا کرتا ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے۔

جو شخص سارا دن پیسوں کے ہیر پھیر میں لگا رہتا ہو اسے نور ایمان سے سرفراز نہیں کیا جاتا اور جس شخص کی سوچ کا محور ہی دولت ہو اور جسے دن رات اپنی دولت کی فکر کھائے جاتی ہو اُسے نور ایمان کا یہ مقام نصیب نہیں ہوتا۔

مسلسل مشق سے صفات کمالیہ پیدا کریں

جو شخص ایمان کا طلبگار نہ ہو اور گناہوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہی نہ ہو تو اسے کَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ کا مقام کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ اور جب تک کوئی شخص حلم کے تقاضوں پر عمل نہ کرے وہ حلیم نہیں بن سکتا۔

ایک روایت میں صفات کمالیہ کے حصول کا آسان ترین نسخہ بیان کیا گیا ہے: معصوم فرماتے ہیں کہ ان لم تکن حلیما فتحلم فانہ من تشبہ بقوم اوشک ان یکون منھم۔ یعنی اگر تمہارے مزاج میں تحمل نہیں ہے تو تکلفاً ہی تحمل مزاجی اپناؤ اور حلیم بننے کی کوشش کر کیونکہ جو شخص کسی گروہ کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ اُنہیں میں سے قرار دیا جاتا ہے۔ (سفینۃ البحار، جلد۱، صفحہ ۳۰۰)

اسی طرح سے اگر آپ سخی نہیں ہیں تو بھی اپنے نفس پر جبر کر کے سخاوت کو اپنائیں اور جب آپ بار بار ایسا کریں گے تو آخرکار آپ میں صفت سخاوت پیدا

ہو جائے گی اور اگر بالفرض آپ طبعاً صابر نہیں ہیں تو بھی اپنی طبیعت پر جبر کر کے صابر بننے کی کوشش کریں اور جب آپ بار بار ایسا کریں گے تو آپ میں صبر کا مادہ پیدا ہو جائے گا۔ ورنہ یاد رکھیں! ایک منتقم مزاج شخص کو حلیم اور کنجوس شخص کو سخی اور جلد باز کو صابر کا مقام قدرت کی طرف سے عطا نہیں ہوتا کیونکہ جب تک زخم نہ ہو مرہم نہیں لگایا جاتا اور جب تک بندہ کی طرف سے سوز و گداز شامل نہ ہو اس وقت تک لطف خداوندی اس کے شامل حال نہیں ہوتا۔

ان دو آیات کا ماقبل و مابعد سے ارتباط

ان دو آیات کے ماقبل اور مابعد سے ارتباط کے لئے مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے جس کا مختصر اور سادہ مفہوم یہ ہے کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَاأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا..... یعنی اے ایمان والو! جب تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں ان مومنین کو مخاطب کیا ہے جن کا ایمان صرف ظاہری حیثیت تک محدود تھا۔ یا بالفاظ دیگر اسلام لانے والوں کو اللہ نے مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو تمہارے درمیان فاسق بھی ہیں اور مومن بھی۔ تم سب کا اسلام و ایمان یکساں نہیں ہے اور صرف کلمہ پڑھ لینے سے انسان مومنِ کامل نہیں بن جاتا بلکہ مومنِ کامل بننے کے لئے حبب الیکم الایمان کی منزل کو حاصل کرنا پڑتا ہے۔

ان لوگوں کا تو ذکر ہی بے کار ہے جو درہم و دینار کے لئے دین چھوڑنے پر آمادہ ہیں اور دنیا کے بدلے اپنا دین بیچنے پر تیار ہیں۔ ان کو دنیا اور مال دنیا خدا و رسولؐ سے زیادہ عزیز ہے لہٰذا کہاں ایسے لوگ اور کہاں یہ عظیم مرتبہ؟

آپ جانتے ہیں کہ مومنِ کامل کون ہوتا ہے؟ ایک اچھا مومن وہ ہے جسے جھوٹ سے نفرت ہو، جو جھوٹی خبریں نہ پھیلائے، چغل خوری سے پرہیز کرے اور

+ایجنسیوں کا مخبر نہ بنے۔

وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ. کا جملہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے فرمایا کہ اہل ایمان رشد و ہدایت کی پیروی کریں اور راشد بن جائیں۔ مقصد یہ ہے کہ ان آیات کے بعد کسی کو فتنہ گری کا ثبوت نہیں دینا چاہئے اور خواہ مخواہ خونریزی کی ترغیب نہیں دلانی چاہئے۔ ان آیات سے اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے جو حضور اکرمؐ کو جنگ کی ترغیب دینے میں مصروف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کیا کہ کچھ تو اپنا خیال کرو۔ مومن کجا اور ناحق خونریزی کجا؟

اللہ تعالیٰ مومن کو خبردار کرتا ہے تاکہ فاسق نہ بنے، جھوٹ نہ بولے، چغل خوری نہ کرے اور فتنہ کی آگ کو ہوا نہ دے۔ کاش! آج مسلمانوں میں ایسے راشد مومنین کی تعداد ایک سو بھی ہوتی تو بھی بڑی بات تھی۔ آج مسلمانوں کی تعداد اربوں میں ہے۔ اگر ایک ہزار افراد میں ایک مومن راشد ہوتا تو بہتر ہوتا۔ میں تو یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ کاش دس لاکھ افراد میں بھی اگر ایک مومن راشد ہوتا تو بھی امت اسلامیہ کو یہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑتا۔

ایمان کا ثمر یہ ہے کہ گناہ تلخ محسوس ہو۔ روحِ ایمان کی عدم موجودگی ہوائے نفس کی دلیل ہے۔ جہاں نفس کو اولیت دی جائے وہاں نتیجہ تفرقہ اور نزاع کی صورت میں نکلے گا۔ ایسے معاشرے میں لوگ ایک دوسرے سے دست و گریباں دکھائی دیں گے۔ ملائکہ نے تخلیق آدمؑ کے وقت ہی کہہ دیا تھا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ○ یعنی انسان زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا اس لئے یہ خلافت ارضی کے لائق نہیں ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۳۰)

ملائکہ نے یہ بات ازروئے حسد نہیں کہی تھی بلکہ انہوں نے انسانی نفس کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر یہ بات کہی تھی۔ نفس کی پیروی کا تقاضا ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا کرنا اور آخری تقاضا خدائی کا دعویٰ کرنا ہے۔ اس میں ماوشما کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ مال و دولت کی ہوس اور ایک دوسرے سے دست و گریباں ہونا اس بات

کی دلیل ہے کہ ایسے افراد مومن راشد نہیں ہیں۔ اگر لوگ مومن راشد ہوتے تو بھائی بھائی سے کیوں جھگڑتا اور شوہر بیوی کے درمیان روز کی یہ تو تو میں میں کیوں ہوتی۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ دنیا طلب افراد مال دنیا پر ایسے جھگڑتے ہیں جیسے گوشت خور درندے مردار کے گوشت پر آپس میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔

آج اولاد ماں باپ کی نافرمان ہے اور ماں باپ اولاد کے لئے شفیق نہیں رہے۔ یہ سب کچھ دنیا کے مردار پر جھپٹنے کا نتیجہ ہے۔ اس سے ایمان کی کمزوری عیاں ہوتی ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی اکثریت کو وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ... کا مقام حاصل نہیں ہے۔

مومن طبعاً صلح پسند ہوتا ہے اور فساد سے نفرت کرتا ہے اور وہ ہوا و ہوس کا غلام نہیں ہوتا۔ وہ ایک ناگوار لفظ سن کر آگ بگولہ نہیں ہوتا اور جو لوگ خلاف طبیعت ایک جملہ سننا پسند نہیں کرتے وہ لذت ایمان سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ انہیں عالم عظمیٰ کی کوئی خبر نہیں ہے اور انہیں عالم برزخ سے ذرہ برابر بھی آشنائی نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ عالم برزخ و آخرت سے واقف ہوتے تو دنیا کو کبھی بھی اتنی اہمیت نہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں لوگوں کی ایک بڑی اکثریت کو خطاب رتے ہوئے فرمایا: بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا○ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى○ بلکہ تم لوگ دنیاوی زندگی کو ترجیح دے رہے ہو جبکہ آخرت بہتر اور پائیدار ہے۔ (سورۂ اعلیٰ: آیات ۱۶ اور ۱۷)

لشکر امام کی عظمت

ایک مرتبہ متوکل عباسی نے چاہا کہ امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ پر اپنی فوج کی کثرت کی دھاک قائم کرے۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج میں اعلان کیا کہ فلاں دن تمام فوج فلاں مقام پر حاضر ہو اور ہر فوجی اپنے توبرے میں مٹی بھر کر لائے اور وہ مٹی خلیفہ کے سامنے ڈالتا جائے۔

چنانچہ جب وہ دن آیا تو متوکل نے امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کو اپنے ساتھ لیا اور مقررہ مقام پر پہنچ کر ان کے ساتھ تخت پر بیٹھ گیا۔ پھر فوج کو حکم دیا کہ باری باری سپاہی آئیں اور مٹی کا ایک توبرا خلیفہ کے سامنے ڈالتے جائیں۔

حکم کی دیر تھی کہ سپاہیوں نے مٹی سے بھرے ہوئے توبرے خلیفہ کے سامنے ڈالنے شروع کئے اور صبح سے لے کر عصر تک یہ کارروائی جاری رہی یہاں تک کہ خلیفہ کے سامنے ایک بہت بڑا مٹی کا ٹیلہ بن گیا جسے بعد میں تل المخالی (توبروں کا ٹیلہ) کا نام دیا گیا۔ اس ذریعے سے متوکل دونوں ائمہ ہدیٰ کو مرعوب کرنا چاہتا تھا جبکہ دونوں امامؑ باطل کے سامنے سرنگوں ہونے پر تیار نہیں تھے۔

جب متوکل کی فوجی پریڈ ختم ہوگئی تو اس نے امامؑ سے مخاطب ہو کر کہا: آپ نے میرا لشکر دیکھ لیا؟

امامؑ نے متوکل سے فرمایا: ہاں! ہم نے تمہارا لشکر دیکھ لیا ہے۔ اب کیا تم ہمارا لشکر دیکھنا پسند کرو گے؟

متوکل نے کہا: ہاں! اگر آپ کے پاس بھی کوئی لشکر ہے تو دکھائیں۔

امامؑ نے اشارہ کیا۔ آپ کے اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ متوکل نے جس طرف بھی نگاہ کی وہاں لشکر ہی لشکر نظر آیا اور اسے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب ملائکہ کے لشکروں سے بھرے ہوئے دکھائی دیئے اور وہ تمام لشکر امامؑ کی طرف نگاہ کئے ہوئے تھے اور آپ کے ایک اشارۂ چشم و ابرو کے منتظر تھے۔ یہ دیکھ کر متوکل بے ہوش ہوگیا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو اس نے امامؑ سے معذرت کی۔

عزیزان گرامی! آپ عالم غیب کی عظمت سے بے خبر ہیں اسی لئے آپ ظاہری دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ رہے ہیں اور جب آپ عالم برزخ میں قدم رکھیں گے تو اس وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کی دنیا اس کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی اور والصافات صفًا لشکر الٰہی کی صرف ایک صنف ہے۔

نہج البلاغہ میں ہے کہ ملائکہ کی ایک صنف ایسی بھی ہے جن میں سے ہر ایک کے سینے سے دوسرے کے سینے کا فاصلہ سات سو سال کے برابر ہے۔ **ومنهم ركع لا يسجدون و منهم سجد لا يركعون** یعنی ان میں سے جو رکوع میں ہیں وہ سجود میں نہیں جاتے اور جو سجود میں ہیں وہ رکوع نہیں کرتے۔

ملائکہ کی ایک قسم ایسی بھی ہے جن کے ہاتھ دعا کے لئے دراز رہتے ہیں۔

لوگو سنو! تم تو آنسو بہانے میں کنجوسی کرتے ہو اور رو رو کر خدا سے کچھ طلب کرنا اپنی توہین سمجھتے ہو۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے خطبے میں ارشاد فرمایا: فرشتے خدا کی ہیبت و خشیت سے ہمیشہ اشک بہاتے رہتے ہیں۔

اگر کبھی خوف خدا میں تمہارے آنسو نکل پڑیں تو ان پر مغرور نہ ہونا کیونکہ اگر تم دوسرے عوالم کا مشاہدہ کرو گے تو اپنے ان چند آنسوؤں پر خجالت اٹھانی پڑے گی اور پتا چلے گا کہ تم نے معمولی عبادت کی وجہ سے اپنے آپ کو عابد سمجھ لیا تھا حالانکہ تم نے ایسا کونسا عمل کیا تھا جو بارگاہ الٰہی کے شایان شان ہو۔

خدا سحر خیز افراد پر مباہات کرتا ہے

اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے۔ وہ اپنی وسیع سلطنت اور عظمت و جلال کے باوجود بھی بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ اگر ہم دل شکستہ اور شرمسار ہو کر اس کی بارگاہ میں رجوع کریں اور سر سجدے میں رکھ کر معافی طلب کریں تو وہ یقیناً قبول کرے گا۔

ایک روایات میں ہے کہ جب کوئی مومن آدھی رات کو (خصوصاً رمضان کی راتوں میں) خدا کے حضور سجدہ کرتا ہے اور سجدے میں اسے اونگھ آجاتی ہے تو عالم بالا سے فرشتوں کو ندا ہوتی ہے: اے ملائکہ! میرے اس کمزور بندے کو دیکھو (کیونکہ اگر تم سجدے سے نہیں اکتاتے تو اس میں تمہارا کمال نہیں کیونکہ تمہاری فطرت میں تضاد نہیں جبکہ یہ مومن تھکا ہوا بھی ہے اس کے باوجود) کہ کس طرح وہ

نہج البلاغہ میں ہے کہ ملائکہ کی ایک صنف ایسی بھی ہے جن میں سے ہر ایک کے سینے سے دوسرے کے سینے کا فاصلہ سات سو سال کے برابر ہے۔ **ومنهم ركع لا يسجدون و منهم سجد لا يركعون** یعنی ان میں سے جو رکوع میں ہیں وہ سجود میں نہیں جاتے اور جو سجود میں ہیں وہ رکوع نہیں کرتے۔

ملائکہ کی ایک قسم ایسی بھی ہے جن کے ہاتھ دعا کے لئے دراز رہتے ہیں۔

لوگو سنو! تم تو آنسو بہانے میں کنجوسی کرتے ہو اور رو رو کر خدا سے کچھ طلب کرنا اپنی توہین سمجھتے ہو۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے خطبے میں ارشاد فرمایا: فرشتے خدا کی ہیبت و خشیت سے ہمیشہ اشک بہاتے رہتے ہیں۔

اگر کبھی خوف خدا میں تمہارے آنسو نکل پڑیں تو ان پر مغرور نہ ہونا کیونکہ اگر تم دوسرے عوالم کا مشاہدہ کرو گے تو اپنے ان چند آنسوؤں پر خجالت اٹھانی پڑے گی اور پتا چلے گا کہ تم نے معمولی عبادت کی وجہ سے اپنے آپ کو عابد سمجھ لیا تھا حالانکہ تم نے ایسا کونسا عمل کیا تھا جو بارگاہ الٰہی کے شایان شان ہو۔

خدا سحر خیز افراد پر مباہات کرتا ہے

اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے۔ وہ اپنی وسیع سلطنت اور عظمت و جلال کے باوجود بھی بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ اگر ہم دل شکستہ اور شرمسار ہو کر اس کی بارگاہ میں رجوع کریں اور سر سجدے میں رکھ کر معافی طلب کریں تو وہ یقیناً قبول کرے گا۔

ایک روایات میں ہے کہ جب کوئی مومن آدھی رات کو (خصوصاً رمضان کی راتوں میں) خدا کے حضور سجدہ کرتا ہے اور سجدے میں اسے اونگھ آجاتی ہے تو عالم بالا سے فرشتوں کو ندا ہوتی ہے: اے ملائکہ! میرے اس کمزور بندے کو دیکھو (کیونکہ اگر تم سجدے سے نہیں اکتاتے تو اس میں تمہارا کمال نہیں کیونکہ تمہاری فطرت میں تضاد نہیں جبکہ یہ مومن تھکا ہوا بھی ہے اس کے باوجود) کہ کس طرح وہ

اپنے آپ کو آرام سے محروم کر کے اور نیند کو چھوڑ کر ہمارے در پر آیا ہے۔ دیکھو! اسے ہم سے کتنی محبت ہے۔ اب بتاؤ ہم اس کے ساتھ کیا معاملہ کریں؟

فرشتے کہتے ہیں: مَغْفِرَتُکَ یعنی خدایا! اس کو بخش دے۔ ندا آتی ہے کہ ہم نے اسے بخش دیا۔ اب بتاؤ ہم اسے اور کیا عطا کریں؟

فرشتے عرض کرتے ہیں: جَنَّتُکَ یعنی خدایا! اسے جنت عطا کر۔ ندا آتی ہے کہ ہم نے اسے جنت عطا کر دی۔ اب بتاؤ ہم اسے مزید کیا عطا کریں؟

فرشتے کہتے ہیں: خدایا! اس سے زیادہ نعمتوں کا ہمیں کوئی علم نہیں۔

ندا آتی ہے: ہم خود بہتر جانتے ہیں کہ اسے جنت سے بڑی کون سی نعمت عطا کی جائے۔

اس روایت کے الفاظ بڑے عجیب ہیں اور میرے لئے دشوار ہے کہ میں کن لفظوں میں ان کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کروں۔ چنانچہ روایت میں ہے: **ابحته زیارتی و اریه وجهی**۔ یعنی میں نے اس کے لئے اپنی زیارت مباح کی ہے اور اسے اپنا ''چہرہ'' دکھاؤں گا۔ (وسائل الشیعہ، ابواب سجدہ)

آپ حضرات وجه اللّٰہ کو تو پہچانتے ہی ہیں کیونکہ آپ دعائے ندبہ میں پڑھتے ہیں: **این وجه اللّٰہ الذی یتوجه الیه الاولیاء**۔ یعنی خدا کا وہ ''چہرہ'' کہاں ہے جس کی طرف دوستان خدا متوجہ ہوتے ہیں؟

مقصد یہ ہے کہ میں اسے محمدؐ اور آل محمدؑ کے جمال کا دیدار عطا کرتا ہوں، اس شخص کے اور محمدؐ اور آل محمدؑ کے درمیان فاصلوں کو کم کرتا ہوں، اپنے جمال کے مظاہر کی اسے زیارت نصیب کراتا ہوں اور میرے مظہر جمال افراد اصل بہشت بلکہ بہشت ساز ہیں کیونکہ روایات میں ہے کہ بہشت امام حسینؑ کے نور سے پیدا ہوئی ہے۔ حسینؑ بہشت ساز ہیں۔

خدایا! ہم سب کو توفیق دے کہ ہم تجھ سے سروکار رکھیں۔ تجھے اپنی عزت و

جلال کا واسطہ! ہمیں خواہشات نفس سے بچا۔ تجھے تیری عزت و جلال کا واسطہ! ہمیں اپنا اہل محبت بنا۔ اے پروردگار! تجھے اپنی عزت و جلال کا واسطہ! ہمیں اخیار اور ابرار کے ساتھ ملحق فرما۔ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

توبہ کرنے والوں کا نالہ تسبیح ملائکہ سے بہتر ہے

یہاں خشوع و خضوع رکھنے والے پیر و جوان سب کے سب حالت روزہ میں موجود ہیں۔ اگر آپ حضرات اس حالت میں اپنے خدا کو آواز دیں تو اس میں کتنا اثر ہوگا۔ آپ کی یہ آواز ملائکہ کی صدا سے افضل ہوگی۔

میں نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی۔ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ انین المذنبین احب الیّ مِن تسبیح المسبحین یعنی گناہگاروں کا نالہ و فریاد مجھے تسبیح کرنے والوں کی تسبیح سے زیادہ پسند ہے۔

فرشتے ہمیشہ خدا کی تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔ فرشتے ٹوٹے ہوئے دل سے ناآشنا ہیں۔ شکستہ دل کیا قیمت رکھتا ہے اس کا تو مجھے بھی علم نہیں ہے البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جو برتن ٹوٹ جائے اس کی قیمت کم ہو جاتی ہے لیکن دل ایک ایسا ظرف ہے جو ٹوٹ جائے تو اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

(اقبالؔ)

فرشتے کجا اور ٹوٹا ہوا دل کجا؟ فرشتے کجا اور شرمندگی و ندامت کجا؟

یہ قیمتی گوہر انسان کے پاس ہے اور خداوند عالم اس کا بڑا قدردان ہے اسی لئے تو اس نے کہا کہ مجھے فرشتوں کی تسبیح سے گناہگاروں کے نالہ و شیون کی آواز زیادہ پسند ہے۔

صیغۂ جمع کی حکمت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ○ یعنی لیکن خدا نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کردیا ہے اور کفر، فسق اور معصیت کو تمہارے لئے ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ درحقیقت یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے اور صاحب حکمت ہے۔ اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑپڑیں تو تم سب ان کے درمیان صلح کراؤ اور اس کے بعد اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو تم مل کر زیادتی کرنے والے گروہ کے خلاف جنگ کرو۔ یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف واپس آجائے۔ پھر اگر پلٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو۔ بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مومن آپس میں بھائی ہیں لہٰذا تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت میں ایک عجیب اور لطیف نکتہ مضمر ہے۔ اللہ تعالٰی نے اس

مطلب کو جو کہ بعض سے مربوط تھا، اس کی اضافت بعض کی طرف نہیں کی بلکہ تمام افراد کی طرف کی ہے اور اس میں عظیم مصلحت پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "خدا نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کردیا ہے اور کفر، فسق اور معصیت کو تمہارے لئے ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ ان صفات سے متصف افراد قلیل تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس صفت کی اضافت کُل کی طرف کی ہے۔ جس میں خدا کی مصلحت پوشیدہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ حَبَّبَ اِلٰی بَعْضِکُمُ الْاِیْمَانَ یعنی "اللہ نے تم میں سے بعض افراد کے لئے ایمان کو محبوب بنایا ہے" تو اس سے ایک قسم کی مغائرت معلوم ہوتی اور یہ امر مسلمانوں کی وحدت کے منافی ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خداوند عالم نے امت میں سے اپنے محبوب افراد کو ظاہر کرنا پسند نہیں کیا اور انہیں جماعت کے اندر ہی مضمر رکھا۔ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک حکمت تو یہ ہے کہ ان کامل الایمان افراد کی وجہ سے پوری جماعت محترم دکھائی دے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب افراد کی اس لئے نشاندہی نہیں کی تاکہ دوسرے افراد بھی اس شرافت کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ اس نے اپنے محبوب افراد کی نشاندہی نہ کر کے امت کے ہر فرد کو ایک دوسرے کا احترام کرنے کا درس دیا تاکہ ہر فرد یہ سمجھے کہ ممکن ہے کہ دوسرا مسلمان ان صفات سے متصف ہو۔ اس طرح احترام مسلم کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اگر خدا اپنے محبوب افراد کی نشاندہی کردیتا تو کوئی کسی کی پروا نہ کرتا۔

اس کے علاوہ اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ "تم میں سے بعض لوگوں کے لئے ایمان کو محبوب بنایا ہے" تو اس سے بہت سے مسلمانوں کی دل شکنی ہوتی اور وہ کہتے کہ اس آیت کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں ہے مگر اس کے باوجود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان لوگوں کا نتیجہ آخر میں یہ بیان فرمایا: اُولٰئِکَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ کہ تم میں سے جن

لوگوں کے لئے ایمان کو محبوب قرار دیا گیا اور جن کے دلوں میں ایمان کو آراستہ کیا گیا اور جن کے اذہان و قلوب میں کفر و فسق اور معصیت کو قابل نفرت بنایا گیا ہے وہی لوگ اہل رشد و ہدایت ہیں اور وہی کامیاب اور سعادت مند ہیں۔

یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ آغاز خلقت سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیام قیامت تک صحیح دیندار افراد کم رہے ہیں اور ہمیشہ ہی کم رہیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ○ یعنی میرے بندوں میں سے بہت کم افراد شکر گزار ہیں۔ (سورۂ سباء: آیت ۱۳)

صالح جماعت کا وجود ہر دور میں کم افراد پر مشتمل رہا ہے یعنی ایسے افراد جو ہر لحاظ سے باصلاحیت ہوں، ان میں کسی طرح کا بگاڑ اور فساد نہ ہو، ان کا قول صالح ہو، ان کا فعل صالح ہو، ان کے عقائد صحیح ہوں، ان کا اخلاق درست ہو، غرضیکہ ان میں کسی طرح کا کوئی بگاڑ نہ ہو اور ان میں کسی طرح کی کجی نہ ہو تو ایسے افراد اگر نایاب نہیں تو قلیل ضرور ہیں۔ مخلوقات کی اکثریت صلاح کے جوہر سے تہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے دنیا میں آئے روز فتنے اور فساد جنم لیتے رہتے ہیں۔

ہم نے اپنی کل کی تقریر میں بھی یہ عرض کیا تھا کہ اہل دل، اہل محبت اور اہل روح افراد بہت کم ہیں اور اہل نفس اور اہل ہواوہوس کی کثرت ہے۔ ہر شخص اپنے مفادات کا غلام دکھائی دیتا ہے اسی لئے ہر شخص دینی اور دنیاوی امور میں اپنی پسند کے مطابق عمل کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لوگوں کی بھاری اکثریت حق کی اتباع کی خواہش مند نہیں ہے۔

مومنین کے دو گروہوں میں مصالحت

اے گروہ صالحین! خداوند عالم کا تم پر بڑا احسان ہے۔ تمہارا کسی سے کوئی تنازعہ نہیں ہے اور تم نے اپنے نفس و خواہشات کو ٹھکرا کر صلاح حاصل کر لی ہے۔

اب اگر مسلمانوں کے دو گروہوں میں جنگ چھڑ جائے اور دونوں گروہ تلوار لے کر ایک دوسرے کے مدمقابل صف آرا ہو جائیں تو اس صورت میں اہل صلاح کو خاموشی سے بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔تم پر مصالحت کرانا واجب ہے۔

برادران عزیز اگر آپ کے عزیز و اقارب یا احباب میں لڑائی ہوجائے تو مصالحت کراؤ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے آپ وجہ نزاع معلوم کریں اور دیکھیں کہ وہ کس بنا پر لڑے ہیں۔ پس پہلے لڑائی کی وجہ تلاش کریں اور جب وجہ معلوم ہو جائے تو دیکھیں کہ فریقین میں سے کس فریق کا دعویٰ سچا ہے؟

جب تمہیں گروہ اہل حق کا پتا چل جائے تو گروہ اہل باطل کو حق تسلیم کرانے پر مجبور کرو۔ اگر وہ حق کو تسلیم کرلیں تو ان کے درمیان انصاف سے صلح کراؤ اور اگر فریق ثانی اپنے باطل دعوے پر بضد رہے تو تم تمام لوگ مل کر ان کے خلاف جنگ کرو اور انہیں صلح تسلیم کرنے پر مجبور کردو اور جھگڑے کو ختم کرادو۔

صلح کے عمل کے لئے مادہ نزاع کی تعین انتہائی ضروری ہے کیونکہ بعض اوقات جنگ کا سبب انتہائی حقیر ہوتا ہے جس کی وجہ سے دو گروہوں میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کی چنگاریاں پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ بعض اوقات کسی ایک لفظ یا بدگمانی سے بھی جنگیں چھڑ جاتی ہیں۔

گدھے کا پیشاب ــــ اوس وخزرج میں وجہ نزاع

مفسرین نے اس آیت کے شان نزول کے متعلق یہ داستان تحریر کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کے محلے میں تشریف لے گئے۔ آپ گدھے پر سوار تھے۔ آپ ان لوگوں سے باتوں میں مصروف تھے کہ آپ کے گدھے نے پیشاب کردیا۔

کو جیسے ہی پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو نبی اکرمؐ سے کہا: آپ کے گدھے نے ہمیں تنگ کردیا ہے، آپ مہربانی کر کے اپنے گدھے کو یہاں سے لے جائیں۔

اتفاق سے اس کی گستاخانہ گفتگو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے سن لی۔ اُن کا تعلق قبیلۂ خزرج سے تھا جبکہ عبداللہ بن اُبَی کا تعلق قبیلۂ اوس سے تھا۔ عبداللہ بن رواحہ نے عبداللہ بن اُبَی سے کہا: رسول خداؐ کے گدھے کا پیشاب تجھ سے کئی گنا بہتر ہے۔ تو گدھے کے پیشاب سے بھی زیادہ بدبودار ہے۔

اس کے جواب میں رئیس المنافقین نے بھی باتیں بنائیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں قبیلوں کے درمیان تلواریں نکل آئیں۔ رسول خداؐ نے جب شور و غل کی آوازیں سنیں تو آپ نے فریقین کو صبر و تحمل کی تلقین کی جس کی وجہ سے جنگ کے وہ شعلے جو تھوڑی دیر بعد بھڑکنے ہی والے تھے بجھ گئے۔

مومنین کو چاہئے کہ وہ بھی آنحضرتؐ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے متحارب فریقوں میں جنگ بندی کرائیں اور اگر جنگ رکوانے کے لئے طاقت کا استعمال ناگزیر ہو جائے تو بھی ظالم کو سرکشی سے روکنے کے لئے اس کے خلاف اعلان جنگ کرنا چاہئے تاکہ فتنے کی آگ کو پھیلنے سے روکا جائے۔

سر چشمہ شاید گرفتن بہ بیل   چو پر شد نشاید گرفتن بہ پیل

یعنی ابتدائی حالت میں پھوٹنے والا چشمہ ایک چھوٹی سی لکڑی سے بھی بند ہوسکتا ہے لیکن جب اس کا دہانہ کھل جائے تو ہاتھی بھی اسے عبور نہیں کرسکتا۔

ایران میں حیدر نعمتی کی جنگ

آپ حضرات نے ایران کی تاریخ میں پڑھا ہوگا اور اپنے بزرگوں سے بھی سنا ہوگا کہ ایران میں تین صدیوں تک حیدر نعمتی کی جنگ جاری رہی اور وقتاً فوقتاً ملک کے مختلف حصوں میں اس کے شعلے بلند ہوتے رہے۔ میں یہ سوچ کر حیران ہوتا

ہوں کہ اس جنگ کو ختم کرنے کی آخر سنجیدہ کوشش کیوں نہ کی گئی اور ایک معمولی اختلاف کی وجہ سے صدیوں تک قتل و غارت کا سلسلہ کیوں جاری رہا؟

اس جنگ کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ صفویوں کے جداعلیٰ کا نام سلطان حیدر تھا اور وہ تبریز میں رہتے تھے۔ بہت سے لوگ انہیں اپنا پیرو مرشد اور روحانی رہنما سمجھتے تھے۔ اسی دور میں شاہ نعمت اللہ بھی ایران میں رہتے تھے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ان کی قبر ماہان کرامان میں ہے۔

سلطان حیدر کی طرح ہزاروں افراد شاہ نعمت اللہ کے بھی معتقد تھے اور پھر آہستہ آہستہ ایک ہی زمانے میں دونوں بزرگوں کی شہرت پورے ایران میں پھیل گئی اور اہل ایران عقیدت مندی کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ سلطان حیدر کے عقیدت مند اپنے آپ کو حیدری اور نعمت اللہ کے عقیدت مند اپنے آپ کو نعمتی کہلاتے تھے۔ پھر فریقین میں جنگ و جدال شروع ہوئی اور یہ جنگ ایران کے صرف ایک شہر تک محدود نہ رہی بلکہ اس نے پورے ایران کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

بزرگ بیان کرتے ہیں کہ یہ جنگ ماہ محرم میں پورے عروج پر آجاتی تھی۔ اگر حیدری گروپ ماتم کرتا ہوا آتا تو نعمتی گروپ ان پر حملہ کر دیتا تھا اور اگر نعمتی گروپ ماتمی جلوس بنا کر آرہا ہوتا تو حیدری گروپ ان پر حملہ کر دیتا۔ یوں یہ منحوس جنگ تین صدیوں تک جاری رہی یہاں تک کہ سلطان ناصرالدین قاچار نے چالیس سال کی مسلسل محنت کے بعد اس جنگ کو ختم کرایا جس کے بعد حیدری اور نعمتی گروپ بھی آہستہ آہستہ ختم ہو گئے۔

مشروطہ واستبداد کی تحریکوں کے متعلق حضرت علیؑ کی پیشنگوئی

حیدری و نعمتی جنگ تو ختم ہو گئی لیکن کیا اس کے بعد امن قائم ہو گیا؟ ہرگز نہیں، اس کے بعد اس سے بھی بدترین جھگڑا شروع ہو گیا۔

آپ کے بزرگوں نے آپ کو مشروطہ و استبداد کے واقعات یقیناً سنائے ہوں گے اور انہوں نے آپ کو یہ ضرور بتایا ہوگا کہ آج سے ستر اسی سال قبل ایران میں کتنا قتل عام ہوا۔ آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ اس فتنے میں ہزاروں سادات، علماء، تاجر اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے بے گناہ افراد کو بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

آپ کے اسی شہر شیراز میں شیخ علی اکبر اصطہباناتی کو قتل کیا گیا جنہیں شہید ثالث کہا جاتا ہے۔ اسی فتنے میں مرحوم سید احمد دشتکی کو اسی امام بارگاہِ قوام کے دروازے پر پھانسی دی گئی اور ان کی ہڈیوں کو چاہ قلعہ بندر میں ڈالا گیا۔ اس کے علاوہ بھی ہزاروں افراد بے دردی سے قتل کئے گئے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ مشروطہ و استبداد کی ہلاکتوں کے متعلق حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے پہلے ہی پیشگوئی فرمادی تھی جو کچھ اس طرح سے ہے "اس فتنے پر افسوس جو کلمۂ عدل پر بپا ہوگا۔"

مشروطہ کے بعد کیا ہوا کیا امن قائم ہوگیا؟ میں نے کئی مرتبہ سنا کہ اسی شیراز کے اطراف میں (میں نام نہیں لوں گا) کچھ قصبات اور دیہات ایسے ہیں جن میں مستقل طور پر لڑائی جھگڑا رہا کرتا تھا۔ بہرنوع ایسے تمام تنازعات کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ کچھ مسلمان اٹھیں اور اصلاح کی کوشش کریں لیکن ان کے لئے بھی شرط یہی ہے کہ وہ خود صاحب صلاحیت ہوں۔

اس آیت پر گزشتہ ادوار میں بہت کم عمل ہوا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہر دور میں باصلاحیت افراد کم رہے ہیں۔ اگر ہیں بھی تو ان کے پاس قوت و قدرت کا فقدان رہا ہے جس کی وجہ سے وہ مصالحتی کردار ادا نہیں کرسکے۔

یارسول اللہؐ! آپ کا پیارا فرزند حسینؑ اصلاح کے لئے اٹھا تھا اور اس نے اپنے وصیت نامے میں یہ الفاظ تحریر کئے تھے: ان ارید الا الاصلاح. یعنی میرے

قیام کا مقصد اصلاح کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ میں حکومت کا طلبگار نہیں ہوں۔ ماخرجت اشرا ولا بطرا۔ یعنی میرے قیام کا مقصد حصولِ ریاست و مالِ دنیا نہیں ہے۔ میں بری رسوم اور ظلم و تشدد کو ختم کرنے کے لئے گھر سے نکلا ہوں۔ دور معاویہ میں شیعہ کشی کی جو رسمِ بد جاری ہوئی ہے میں اسے ختم کرنا چاہتا ہوں۔ بنی امیہ نے جو خرابیاں پیدا کی ہیں میں ان کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔

امام حسینؑ نے آواز دی کہ اے اہل صلاح! آؤ میرا ساتھ دو۔ مگر اہل صلاح کی کمی تھی، اسی لئے آپ شہید ہوگئے۔

حضرت امام حسینؑ سے پہلے حضرت علیؑ کی اصلاحی تحریک کا انجام بھی دنیا جانتی ہے۔ آپ نے جنگ جمل میں اصلاح کی تھی اور آپ کو غلبہ حاصل ہوا تھا مگر صرف اٹھارہ ماہ کی مختصر مدت میں آپ کو جنگ صفین میں الجھا دیا گیا۔ باطل پھر بھی ختم نہ ہوا اور اسی اصلاح کی کوششوں میں آپ کو شہید ہونا پڑا۔

صالح فرد قوت کے بل بوتے پر اصلاح کرسکتا ہے

کائنات کی وہ صالح ترین شخصیت جس کے پاس قوت کی فراوانی ہوگی اور وہ اپنی قوت سے پوری دنیا میں اصلاحات نافذ کرے گی، وہ شخصیت حضرت حجت ابن الحسن (عجل اللہ فرجہ الشریف) کی ہے۔ امام زمانہؑ ہی پوری کائنات میں صلح و آشتی کو رواج دیں گے اور آپ کی کامیابی کے دو اسباب ہوں گے:

۱۔ آپ بذات خود اہل صلاح ہیں۔

۲۔ آپ کے پاس اصلاح کی قوت اور طاقت بھی موجود ہوگی۔

مذکورہ بالا دونوں اسباب آپ کے پاس بدرجہ اتم موجود ہوں گے، اسی لئے آپ کی اصلاحی تحریک مکمل کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔ امام زمانہؑ سے پہلے تمام اصلاحی تحریکیں اس لئے کامیاب نہ ہوسکیں کہ یا تو ان تحریکوں کے داعی خود اہل

اصلاح نہیں تھے یا پھر ان کے پاس اصلاح قائم کرنے کی قوت و طاقت نہیں تھی۔ قوت کے بغیر اصلاح ناممکن ہے۔

کسی بھی مصلح کے لئے خود باصلاحیت ہونا لازمی ہے۔ مصلح ایسا شخص ہوسکتا ہے جو نفس کے تقاضوں پر غالب ہو۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مصلح وہ ہوتا ہے جس کا عقل سلیم اس کے نفس امارہ پر غالب ہو۔ لہٰذا گناہگار اور فساد و بگاڑ کا شیدائی شخص مصلح نہیں ہوسکتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر گناہگار فی نفسہ ظالم اور مفسد ہوتا ہے اور جو ظالم اور مفسد ہو وہ کسی کی اصلاح نہیں کرسکتا۔ ایسے شخص کو دوسروں کی اصلاح سے قبل خود اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔ جس طرح سے طبیب وہی شخص ہوسکتا ہے جو خود بھی صحت مند ہو اور علم صحت کے اصولوں سے بھی آشنا ہو اور جو شخص خود ہی بیمار ہو وہ دوسروں کا علاج کیسے کرسکے گا؟ ایک نابینا دوسروں کو راہ کیسے دکھا سکتا ہے؟ جس طرح ایک بیمار طبیب نہیں بن سکتا اور ایک نابینا رہنما نہیں بن سکتا اسی طرح ایک گناہگار شخص مصلح نہیں بن سکتا۔ صلح کلی یعنی تمام اہل ارض کو اہل صلاح بنانے کا شرف اللہ تعالیٰ نے امام زمانہؑ کے لئے مخصوص رکھا ہے۔

امام زمانہؑ خود صالح ہوں گے اس کے علاوہ خدا نے انہیں اپنی قدرت قاہرہ سے اتنا مالا مال کیا ہوگا کہ کوئی شخص ان کے فرمان سے سرتابی کی جرأت نہیں کرسکے گا اور آپ اپنے نفس کی پاکیزگی اور خدا کی قدرت کے سہارے سے روئے زمین کو ہر طرح کے فساد اور ظلم سے پاک کردیں گے۔

آج کے اس دور میں جس قدر ظلم و ستم ہو رہا ہے اور جس قدر ناحق خون بہائے جارہے ہیں اور جس قدر عصمتیں نیلام ہو رہی ہیں، امام زمانہؑ ان سب کا تدارک کریں گے اور ظلم و فساد کے سلسلے کو ختم کریں گے۔

اب آپ اس آیت کے ترجمے کی طرف توجہ فرمائیں: وَ اِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا: یعنی اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔

اس آیت میں لفظ مُؤْمِنِیْنَ سے ظاہری مسلمان مراد ہیں جو صرف کلمہ پڑھتے ہیں اور نماز روزہ کو فرض سمجھتے ہیں۔ اس سے حقیقی مومن مراد نہیں ہیں کیونکہ حقیقی درجۂ ایمان پر فائز ہونے والے افراد ایک دوسرے سے جنگ نہیں کرتے۔

اگر کلمہ گو افراد آپس میں لڑ پڑیں فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا. تو تم باقی حضرات ان کا تماشہ مت دیکھو بلکہ ان کے درمیان مصالحت کراؤ لیکن شرط یہ ہے کہ تمہارے پاس مصالحت کی استطاعت اور قدرت موجود ہو۔ جب تم اصلاح کا عمل شروع کرو تو سب سے پہلے جوہات تنازعہ معلوم کرو اور یہ دیکھو کہ اس جنگ میں حق پر کون ہے؟ اگر باطل نواز گروہ تمہارے سمجھانے سے باز آجائے تو ان کے درمیان عدل و انصاف کے تحت صلح کراؤ اور اگر باطل نواز گروہ اپنی سرکشی پر قائم رہے تو تم سب مل کر تجاوز کرنے والے گروہ کے خلاف جنگ کرو۔

حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِاللّٰهِ. یعنی یہاں تک کہ وہ حق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوجائے۔ فَاِنْ فَآءَتْ یعنی اگر غلطی کرنے والا گروہ حق کو ماننے پر آمادہ ہوجائے اور اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے توبہ کرلے۔ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا یعنی تو فریقین میں عدل کے تقاضوں کے تحت صلح کراؤ اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ یعنی بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اس آیت میں لفظ اَقْسِطُوْا کی تکرار کی گئی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب غلطی کرنے والا گروہ اپنی غلطی کو تسلیم کرلے تو مالی اور جانی نقصان کی ان سے تلافی کرانی چاہیئے۔ اگر ان کے پاس قیدی ہوں تو انہیں آزاد کرانا چاہیئے اور اس کے لئے عدل کے مکمل تقاضوں پر عمل کرنا چاہیئے۔

مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں

مومنین کی باہمی اخوت کا حکم اللہ رب العزت نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کا خالق ہے، اسی نے دین و شریعت کے احکام نازل کئے اور اسی نے اہل

ایمان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

دنیا میں تین قسم کی برادری پائی جاتی ہے:

۱۔ والدین ایک ہوں تو ان کی اولاد ایک دوسرے کے سگے بھائی کہلاتے ہیں۔ یہ اخوت، نسبی اخوت کہلاتی ہے۔ نکاح و میراث کے تمام احکامات کا اسی پر دارومدار ہے۔

۲۔ دوسری اخوت، رضاعی اخوت کہلاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے: وَ اَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ یعنی تمہاری دودھ شریک بہنیں۔ رضاعی اخوت کا اثر صرف نکاح تک محدود رہتا ہے۔ رضاعی بھائی بہن ایک دوسرے کی میراث میں حصہ دار نہیں ہوتے۔ رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے۔

۳۔ تیسری اخوت، اسلامی اخوت کہلاتی ہے۔ اس اخوت کا تعلق نکاح و میراث سے نہیں ہوتا البتہ اس کا تعلق مواسات اور مواخات سے ہے۔ یعنی یہ اخوت برادری اور بھائی چارے کا تقاضا کرتی ہے۔ مسلمان ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی مدد کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے۔ تمام مسلمان ایک دیوار کی اینٹیں اور ایک ہی بدن کے اجزاء ہیں اور سب کے روحانی باپ حضرت محمد مصطفیٰؐ ہیں۔

بنی آدم اعضای یک دیگرند — که در آفرینش ز یک گوہرند
چو عضوی بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

یعنی بنی نوع آدم ایک دوسرے کے اعضاء کی طرح ہیں کیونکہ ان سب کی پیدائش ایک ہی گوہر سے ہوئی ہے اور جب ایک عضو میں درد ہو تو جسم کے باقی اعضاء بھی بے قرار ہو جاتے ہیں۔

آپ کو بھی یہی رویہ اپنانا چاہئے۔ اگر آپ سنیں کہ فلاں مسلمان تکلیف میں مبتلا ہے تو اس کی کسک آپ کو بھی محسوس کرنی چاہئے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جب آپ کسی تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے آپ کتنی کدو کاوش کرتے ہیں لہٰذا اسلامی برادری کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح آپ اپنے لئے کدو کاوش کرتے ہیں، اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف دور کرنے کے لئے بھی وہی کدو کاوش کریں۔ آپ صرف اپنی خوشی کو ہی مدنظر نہ رکھیں بلکہ ایک مسلمان کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھیں کیونکہ وہ بھائی ہے۔ خدا نے اسے بھائی کہا ہے اور اگر آپ نفس و ہوا کے غلام نہیں ہیں اور قرآن اور دین خداوندی کے طرفدار ہیں تو اپنے مسلمان بھائی کے حقوق کا خیال رکھیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ. یعنی تمام مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ آپ ایک دوسرے کے لئے آنکھ بن جائیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایک دوسرے کی غلطیوں کو دیکھ کر اسے متنبہ کریں، ایک دوسرے کی خیرخواہی کریں اور ایک دوسرے کو تکلیف سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اگر کوئی مسلمان کسی مصیبت میں پھنس جائے تو اس کے مددگار بنیں اور اگر دو مسلمان آپس میں لڑ پڑیں تو حکم شرعی یہ ہے کہ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ. یعنی ”تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادو“ یہ کبھی نہ کہیں کہ لڑتے ہیں تو لڑتے رہیں، میرا ان سے کیا واسطہ ہے؟

بہرنوع ایک مسلمان ہونے کے ناطے آپ کا فرض ہے کہ روٹھے ہوؤں کے درمیان مصالحت کرائیں۔ جب کبھی آپ دو مسلمانوں کو لڑتا ہوا پائیں تو تاخیر نہ کریں اور جلدی سے ان کے درمیان مصالحت کرادیں تاکہ اختلافات کی خلیج زیادہ وسیع نہ ہونے پائے۔ جب آپ مصالحت کرانا چاہیں تو سب سے پہلے ”سبب نزاع“ کو تلاش کریں اور اسے درست کرنے کی کوشش کریں، مثلاً جھگڑے کی بنیاد کچھ رقم پر ہے تو آپ اپنی طرف سے مذکورہ رقم ادا کردیں اور ان کے درمیان صلح کرادیں۔ یہ انفاق فی سبیل اللہ کا بہترین مقام ہے۔

اگر زوجین میں ناچاقی ہو تو آپ انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دیں۔ انہیں مہمانی دیں اور جب وہ ایک دسترخوان پر جمع ہو جائیں تو ان کی غلط فہمیاں دور کرا کے ان کے درمیان صلح کرادیں۔ اس سے بہتر اور کیا صدقہ ہوسکتا ہے؟

اگر آپ کو معلوم ہو کہ فلاں شخص، فلاں کے خلاف ایک معمولی سی رقم کے لئے عدالت جارہا ہے تو ایسے موقع پر آپ آگے بڑھیں اور اپنے تنگدست بھائی کا قرض ادا کردیں اور قرض خواہ سے کہیں کہ بھائی آپ معمولی سی رقم کے لئے عدالتوں کے چکر نہ لگائیں، یہ رقم لیں اور اپنے بھائی سے راضی ہو جائیں۔ آپ کے اس عمل سے پہلا مسلمان زندان جانے سے بچ جائے گا اور دوسرا مسلمان عدالتوں کے چکر لگانے سے محفوظ رہ سکے گا اور عدالت کے چکروں کے باوجود بھی وہ رقم حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ یعنی اللہ سے ڈرتے رہو کہ شاید تم پر رحم کیا جائے۔

اگر تم رحمت خداوندی کے خواہش مند ہو تو خدا کی رضا کو حاصل کرنے کی کوشش کرو، نفس امارہ اور شیطان کی پیروی سے باز رہو، اصلاح اور مصالحت کا عمل بجالاتے رہو، فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا یعنی "معاف کرو اور درگزر کرو" کے قرآنی حکم کے تحت لوگوں کی غلطیاں معاف کردو، دوسرے ضرورت مندوں کو اپنے آپ پر ترجیح دو۔ جب آپ نے ایسا کیا تو اس کا نتیجہ رحمت خداوندی کی شکل میں نمودار ہوگا جیسا کہ اللہ نے فرمایا: لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ یعنی شاید کہ تم پر رحم کیا جائے۔

مومن کی حاجت روائی کی داستان

مذہب شیعہ کے بزرگ علماء میں جناب احمد بن حسن بن خالد البرقی کو ایک خصوصی مقام حاصل ہے اور ان کی کتاب محاسن برقی کو بھی بڑی شہرت حاصل

ہے۔ آپ غیبت کبریٰ کے اوائل میں پیدا ہوئے اور چوتھی صدی ہجری سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی ذاتی داستان تحریر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

میں ہر سال کودکین حکومت کو دس ہزار درہم مالیہ ادا کرتا تھا۔ (کودکین عباسی خلیفہ کی طرف سے ایران کا گورنر تھا)۔ میں نے کاشان میں کچھ زمین خریدی تھی جس کا سالانہ مالیہ دس ہزار روپے دینا پڑتا تھا۔ کودکین کا کاتب ابوالحسن مادرانی ہر سال صحیح وقت پر مجھ سے مالیہ طلب کرتا تھا اور میں ادا کر دیتا تھا۔

ایک سال مادرانی نے میرا حساب بنانے میں غفلت کی، اس کے دوسرے ملازم وقت سے ہٹ کر مجھ سے مالیہ طلب کرنے آئے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ لوگ چلے جائیں میں مادرانی سے خود ہی ملاقات کروں گا تو ملازمین واپس چلے گئے۔ میں نے ملازمین سے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ میرے پاس ادائیگی کے لئے رقم موجود نہیں تھی۔

دوسرے دن میں تیار ہو کر ابوالحسن مادرانی کے پاس جانا چاہتا تھا کہ ایک بوڑھا میرے دروازے پر آیا۔ اس کے چہرے اور جسم پر زخموں کے تازہ نشان تھے۔ اس نے جیسے ہی مجھے دیکھا تو میرے قدموں پر گر پڑا اور بے تحاشا رونے لگا۔ میں نے اسے اٹھا کر کھڑا کیا اور ماجرا دریافت کیا تو اس نے کہا: احمد بن برقی! میری مدد کرو۔ تم آل محمدؐ کے شیعہ ہو اور میں بھی آل محمدؐ کا شیعہ ہوں۔

میں نے کہا: آپ اپنا مسئلہ بیان کریں۔

بوڑھے نے کہا: کچھ چغل خوروں نے گورنر ایران کودکین کے پاس میری شکایت کی ہے کہ میں نے عباسی خلیفہ کو متعدد خطوط لکھے ہیں جس میں میں نے اس کی شکایت کی ہے اور خلیفہ سے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا ہے۔ گورنر کودکین نے جیسے ہی یہ بات سنی تو اپنے کاتب ابوالحسن مادرانی کو حکم دیا کہ وہ میری خوب خبر لے۔ کاتب مادرانی نے مجھے اپنے پاس بلا کر مارا پیٹا، اسی تشدد کے نشانات آپ کو میرے

جسم پر نظر آ رہے ہیں۔ میری تمام جائیداد ضبط کر لی گئی، میرے گھر میں جتنی بھی پونجی تھی وہ سب فوجی اٹھا کر لے گئے، اب میرے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہا اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ اس کے بعد وہ لوگ مجھ سے کیا سلوک کریں گے۔

صاحب محاسن رقم طراز ہیں کہ میں اس مظلوم کی فریاد سن کر عجیب مخمصے میں پڑ گیا اور سوچنے لگا کہ میں تو خود مادرانی کاتب کے پاس اپنے مالیے کے سلسلے میں ملاقات کرنا چاہتا تھا، اب اس مومن کا مسئلہ بھی اس کے سامنے پیش کرنا ہے اور دونوں مسائل کو بیک وقت پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ میں سوچنے لگا کہ مومن بھائی کا مسئلہ اس کے سامنے پیش کروں یا اپنا مسئلہ۔ میں نے ایک کتاب اٹھا کر کھولی تو اس کے ایک صفحے پر مجھے یہ عبارت دکھائی دی

''کشاف حقائق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص رضائے الٰہی کے حصول کی غرض سے اپنے مومن بھائی کی حاجت کے لئے اٹھے تاکہ اس کی حاجت پوری کی جائے اور اس کے معاملے کو سلجھایا جائے تو اللہ تعالیٰ اس مومن کی حاجت کو خود پورا کرے گا اور جو کوئی مومن کی حاجت براری کے لئے کوشش کرے گا اگر اس کی بھی کوئی حاجت ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے بھی پورا کرے گا۔''

میں نے جیسے ہی اس روایت کو پڑھا تو فوراً کھڑا ہو گیا اور دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ جب تک اس بوڑھے کا کام نہیں کروں گا اس وقت تک اپنے کام کو بھی سرانجام نہیں دوں گا۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں کاتب مادرانی کے دربار میں گیا۔ اس نے میرا شایان شان احترام کیا اور مجھے بیٹھنے کے لئے کرسی دی۔ جب میں بیٹھ گیا تو میں نے قرآن مجید کی یہ آیت مجیدہ تلاوت کی: وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (سورۂ قصص: آیت ۷۷)

مفہوم آیت یہ ہے: اے انسان! خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے اپنی آخرت کو سنوارنے کی کوشش کر اور مال و دولت میں سے تیرا مال و دولت وہی ہے جس سے تو اپنی آخرت کو سنوارتا ہے اور لوگوں پر ایسے احسان کر جیسا کہ اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور زمین میں رہ کر فساد پھیلانے کی کوشش نہ کر۔ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پھر میں نے سورۂ رحمٰن کی یہ آیت پڑھی: هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ. احسان کا بدلہ احسان ہے۔ اور اس آیت سے میرا مفہوم یہ تھا کہ جب خدا نے تجھ پر اتنے احسانات کئے ہیں تو تجھے بھی لوگوں پر احسان کرنے چاہئیں۔

مادرانی عقل مند انسان تھا۔ یہ آیات سن کر اس نے مجھ سے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ آپ کچھ فرمانا چاہتے ہیں۔ آپ حکم فرمائیں، انشاء اللہ آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی اور آپ کی ہر خواہش کا احترام کیا جائے گا۔

میں نے فوراً کہا: میں آپ کے پاس اس بوڑھے شخص کی سفارش کرنے کے لئے آیا ہوں جسے آپ کے حکم سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور جس کی کل جمع پونجی ضبط کرلی گئی۔

کاتب مادرانی نے یہ سن کر کہا: کیا آپ اسے جانتے ہیں؟

میں نے کہا: جی ہاں! میں اسے پہچانتا ہوں وہ اہلبیتؑ کا دوست ہے۔

کاتب مادرانی نے کہا: آپ اسے یہاں بلائیں۔

بوڑھے کو دربار میں طلب کیا گیا۔ پھر کاتب نے وہ رجسٹر طلب کئے جن میں اس کی جائیداد کو بحق سرکار ضبط کیا گیا تھا۔ اس کے بعد کاتب نے وہ تمام جائیداد دوبارہ اصل مالک کے نام منتقل کی اور اس کے علاوہ اسے بہت کچھ انعام و اکرام سے نوازا اور اس سے اپنے کئے کی معذرت بھی طلب کی۔

الغرض بوڑھے کے جانے کے بعد مادرانی نے کہا: ہم نے آپ سے جو

مالیہ لینا تھا، میں اس کے متعلق آپ کو تحریر لکھ کر دیتا ہوں کہ آپ سے قسط وار مالیہ حاصل کیا جائے۔ اس پر میں نے اس کا شکریہ ادا کیا تو اس نے کہا کہ اس میں شکریے کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ آپ کی وجہ سے میں ایک مظلوم کی بددعا سے بچ گیا۔ آپ نے مجھے ظالم اور غاصب ہونے سے بچا لیا اسی لئے میں آپ کا ممنون احسان ہوں۔ پھر اس نے اپنے خازن کو بلا کر حکم دیا کہ مجھے خزانے میں سے دس ہزار درہم بطور انعام دیئے جائیں۔

جب معاشرہ فاسد ہو جائے تو برکت اٹھ جاتی ہے

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ خدا کے کام کیسے نرالے ہوتے ہیں؟ جو شخص بھی رضائے الٰہی کے لئے کسی مومن کا کام کرتا ہے تو خدا اس کے کام بغیر طلب کے درست کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صلاح کی توفیق عطا فرمائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ یعنی اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اگر آپ خدا کے رحم کے خواستگار ہیں تو خدارا اپنی اصلاح کریں اور یقین جانیں اللہ تعالیٰ کسی بھی آبادی کو جس کے رہنے والے بااصلاح ہوں، کبھی بھی ہلاک نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے: وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى وَاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ۝ یعنی تیرا رب اس بستی کو ہلاک نہیں کرتا جس کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہوں۔ (سورۂ ہود: آیت ۱۱۷)

جب لوگ صلاح و اصلاح کو چھوڑ دیتے ہیں اور فساد میں مشغول ہو جاتے ہیں تو اس وقت ظاہری و باطنی بلائیں نازل ہونے لگ جاتی ہیں۔ کھیتی باڑی کے پیشے سے برکت رخصت ہو جاتی ہے، حیوانات سے برکت اٹھالی جاتی ہے، عمر سے برکت اٹھالی جاتی ہے، پہلے لوگوں کی عمریں کچھ لمبی ہوا کرتی تھیں اب عمریں کم

ہونے لگی ہیں، پہلے حادثات سے اموات نہیں ہوتی تھیں اب حادثات روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں، نوجوانوں میں ہارٹ اٹیک کا مرض عام دکھائی دیتا ہے، پہلے بہت کم لوگوں کو سکتہ ہوتا تھا اب زیادہ افراد کو سکتہ ہونے لگا ہے اور بعض افراد سالہاسال تک سکتے میں مبتلا رہتے ہیں۔ خدارا سوچیں جو اشخاص سکتے میں مبتلا ہوں تو ان کی عمر میں کیا برکت ہوگی؟ پوری زندگی برکت سے خالی دکھائی دیتی ہے اور زندگی سے استفادہ ہر لحاظ سے کم ہوتا جارہا ہے۔

دوستو! یہ ماہ رمضان ہے، اس میں دلوں کو پاک کرنا چاہئے، مگر ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ آج اس ماہ مبارک کا پہلا عشرہ ختم ہو رہا ہے تو کیا ہمارے اندر کوئی مثبت تبدیلی واقع ہوئی ہے یا ہماری حالت پہلی حالت جیسی ہے؟

حق تو یہ بنتا تھا کہ ہماری حالت میں مثبت تبدیلی پیدا ہو جاتی کیونکہ رسول خداؐ کا فرمان ہے: من ساوی یوماہ فھو مغبون. یعنی جس شخص کے دو دن برابر ہوں تو وہ خسارے میں ہے۔ آپ اپنے دلوں میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا آپ کا دل ذکر خداوندی کی طرف زیادہ مائل ہوا ہے یا وہی پرانی قساوت دل پر غالب ہے جو ماہ رمضان کے پہلے دن تھی؟

آپ حضرات دعائے ابوحمزہ ثمالی میں یہ جملے ضرور پڑھتے ہوں گے:

لم یزل ولا یزال ملک کریم یأتیک عنا فی کل یوم بعمل قبیح فلا یمنعک ذلک من ان تحوطنا بنعمک و تتفضل علینا بالائک

یعنی اے پروردگار! تو اتنا کریم ہے کہ تیری طرف سے روزانہ مجھ پر تازہ نعمتیں نازل ہوتی ہیں اور میں اتنا نالائق ہوں کہ میں روزانہ غلط حرکات کرتا ہوں اور تیرا مقرب فرشتہ روزانہ میری برائیاں لے کر تیری خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اس کے باوجود تو اتنا حلیم اور بردبار ہے کہ تیری نعمتوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور تو اس میں کوئی کمی نہیں آنے دیتا۔

خدایا! ہم پر رحم فرما، ہمارا نامہ اعمال گناہوں سے بھر چکا ہے۔ جب ہم اپنے دلوں پر نظر کرتے ہیں تو وہ ہمیں پتھر سے بھی زیادہ سخت دکھائی دیتے ہیں۔ پس ہمارے دل شب تاریک سے بھی زیادہ تاریک ہیں۔ ہمیں اپنے دل میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔

خدایا! ماہ رمضان کا پہلا عشرہ ختم ہو چکا ہے مگر ہمیں اپنے روزوں کا اثر کہیں دکھائی نہیں دیتا اور سحر خیزی کا اثر محسوس نہیں ہوتا۔ تجھے اس مبارک مہینے کی حرمت کا واسطہ۔ غَيِّرْ سُوْءَ حَالِنَا بِحُسْنِ حَالِكَ ہماری بدحالی کو اپنے حسن حال کے صدقے میں تبدیل فرما۔

خدایا! ہم شکل و صورت میں روزہ داروں کی شبیہ ہیں۔ تجھے تیرے حقیقی روزہ داروں کا واسطہ جن میں حضرت ولی العصرؑ سرفہرست ہیں، ہم پر نظر رحمت فرما اور ہمارے معاملات کی اصلاح فرما۔

عذر قبول کرنا واجب ہے

آیۂ شریفہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ○ کے حوالے سے کچھ سوال پوچھے گئے ہیں اسی لئے مجبور ہو کر ان سوالات کا جواب برسر منبر دینا چاہتا ہوں۔

میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ آپ نے اپنی تقریروں میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اگر کسی مومن بھائی کے ساتھ تمہاری ناچاقی ہوگئی ہو تو آپ اس کے پاس جائیں اور اپنے روٹھے ہوئے دوست کو راضی کریں۔ میں آپ کی تقریر سے بہت متاثر ہوا۔ میرا ایک دوست ہے جو کہ بعض وجوہات کی بنا پر تین چار سال سے مجھ سے ناراض ہے اور میں بھی اس سے ناراض ہوں۔ میں آپ کی تقریر سن کر ہی جامع مسجد سے اٹھا اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اسے منانے چلا گیا لیکن اس نے میری اصلاح کی تمام کوششوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اب آپ بتائیں کہ میرے لئے تکلیف شرعی کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں اس طرح کے احکام یک طرفہ نہیں بلکہ دو طرفہ ہیں۔ یہ صرف آپ پر فرض نہیں ہے کہ آپ منانے کے لئے جائیں بلکہ فریق ثانی پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بھی آپ کی صلح کی پیشکش کو قبول کرے۔ اگر آپ صلح صفائی کے لئے جاتے ہیں تو دوسرے پر بھی واجب ہے کہ وہ صلح کو قبول کرے اور یہ امر اتنا ضروری ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من لم یقبل العذر من متنصب صادقا کان او کاذبا لم تنله شفاعتی. یعنی جو کسی معذرت کرنے والے کی معذرت کو قبول نہ کرے خواہ عذر کرنے والا سچا ہو یا جھوٹا تو اسے میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔

اگر آپ کے اور آپ کے کسی دوست کے درمیان کوئی تلخی ہوگئی ہے اور وہ آپ کے پاس معذرت کرنے آئے اور آپ سے کہے کہ جناب! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے آپ مجھے معاف کردیں تو آپ پر بھی واجب ہے کہ آپ اس کی معذرت کو کھلے دل سے قبول کریں اور اس سے کہیں کہ کوئی بات نہیں! میں نے آپ کو معاف کیا۔

قرآن مجید میں غلطی معاف کرنے کا واضح حکم موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فَاعْفُوْا" یعنی معاف کردو۔ لفظ فَاعْفُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے لہٰذا آپ کا فرض ہے کہ قرآن مجید پر عمل کرتے ہوئے اس شخص کو معاف کردیں۔

اگر بالفرض آپ نے کسی سے ناپسندیدہ بات سنی اور وہ شخص جھوٹا عذر کرتے ہوئے آپ سے یہ کہے کہ جناب میں نے وہ باتیں آپ سے نہیں کہی تھیں، میرا روئے سخن کسی اور کی طرف تھا تو آپ فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے کہیں کہ "کوئی بات نہیں" یا اس سے کہیں کہ "مجھے مغالطہ ہوا تھا"

آپ لوگوں کا قصور معاف کریں اور قصور معاف کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی خوش خبری دی ہے اور فرمایا ہے: اَلاَ تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ. یعنی کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تمہیں معاف کرے؟

دوستو! یہ ماہ رمضان ہے۔ معافی اور مغفرت کا مہینہ ہے۔ آپ ظہر کے وقت خدا سے اپنی غلطیوں کی معافی طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں "العفو" یعنی خدایا مجھے معاف فرما۔ لیکن دوسری طرف آپ کی اپنی حالت یہ ہے کہ اگر آپ سے کہا جائے کہ جناب! آپ فلاں شخص کو معاف کردیں تو آپ اکڑ جاتے ہیں اور کہتے

ہیں کہ بھلا میں اسے معاف کروں؟ میں اسے معافی دینا اچھا نہیں سمجھتا۔

تو کیا آپ کے اس رویے کو دیکھ کر آپ سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ جناب جب آپ کسی کو معاف کرنا پسند نہیں کرتے تو آپ ظہر کے وقت اپنے خدا سے اپنے لئے معافی کیوں طلب کرتے ہیں؟ خدا سے معافی کی درخواست تو وہ کرے جو دوسروں کو بھی معافی دینے پر آمادہ ہو اور جو کسی کو معاف کرنا ہی نہیں جانتا تو اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ خدا سے اپنی غلطی کی معافی طلب کرے؟

جب تک کوئی شخص اپنی دعا کے مطابق اپنے اندر نمونہ پیدا نہ کرے تو اس وقت تک اس کی دعا حقیقی دعا نہیں ہوگی بلکہ صرف لفاظی ہوگی۔ اگر کوئی شخص رحم کرنے سے ناآشنا ہو تو وہ خدا کو پکار پکار کر کہے کہ ''یاارحم الراحمین! قبر کی پہلی رات مجھ پر رحم فرمانا'' آپ حضرات یقین کریں کہ وہ شخص جھوٹ کہہ رہا ہے۔ اگر رحم اچھی صفت ہے تو وہ اس صفت کو خود اپنے اندر کیوں نہیں پیدا کرتا؟

ایسے شخص سے میں یہ کہوں گا کہ اے بندۂ خدا! اگر آپ خود رحم کے طالب ہیں تو آپ خود اپنی بیوی بچوں اور اپنے ساتھیوں پر رحم کیوں نہیں کرتے اور کسی کمزور اور لاچار پر رحم کیوں نہیں کھاتے۔ آپ کا کردار اس بات کا شاہد ہے کہ آپ دراصل رحم کے طالب ہی نہیں ہیں اگر آپ رحم کے طالب ہوتے تو دوسروں پر ضرور رحم کرتے۔

اسی طرح سے وہ شخص جو خدا سے مغفرت کی درخواست کر کے اَلْعَفْو کہتا ہے یا نماز تہجد میں اَلْعَفْو کی تکرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خدایا! میرے گناہ معاف فرمادے ایسے شخص سے میرا سوال ہے کہ بتایئے معاف کرنا اچھی بات ہے یا بری بات۔ اگر معاف کرنا اچھی بات ہے تو آپ خود دوسروں کو معاف کرنے پر تیار کیوں نہیں ہیں؟ لوگ آپ کے پاس معافی تلافی کے لئے آتے ہیں مگر آپ لوگوں کو معافی دینے پر تیار ہی نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں صلح صفائی کا حکم دیا ہے وہیں اس نے صلح کی پیشکش قبول کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ یہ دوطرفہ حکم ہے۔ جو بھی شخص آپ کے پاس معافی مانگنے آئے اسے خالی ہاتھ نہ لوٹائیں۔ آپ کو اس کا عذر قبول کرنا چاہئے خواہ اس کا عذر معقول ہو یا نہ ہو۔ اگر آپ نے اس کا عذر قبول نہ کیا تو پھر شفاعت پیغمبرؐ کے مستحق نہیں رہیں گے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند ایسے افراد ہوں گے جنہیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمومی شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ ان میں ایک وہ ہے جو کسی معذرت طلب کرنے والے کی معذرت قبول نہ کرے اور دوسرا وہ ہے جو نماز کو معمولی چیز سمجھے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ لَیْسَ مِنِّیْ مَنِ اسْتَخَفَّ بِالصَّلاۃِ وَلاَ یَرِدُ عَلَیَّ الْحَوْضِ لاَ وَاللّٰہِ یعنی نماز کو حقیر سمجھنے والے کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور خدا کی قسم وہ میرے پاس حوض پر وارد نہیں ہوگا۔ (سفینۃ البحار، جلد۲، صفحہ۴۳)

خدا بھی توبہ قبول کرتا ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو تکالیف عائد کی ہیں وہ دوطرفہ ہیں۔ مثلاً مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنا واجب قرار دیا جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا: وَتُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یعنی اے ایمان والو تم سب اللہ کے حضور توبہ کرو تا کہ تم کامیابی حاصل کرسکو۔ (سورۂ نور: آیت ۳۱)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بھی توبہ قبول کرنے کا اعلان عام کیا اور فرمایا ہے: کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ اِنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًا بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ یعنی تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحمت کو واجب کیا ہے کہ تم میں سے جب کوئی غلطی سے برا کام کرلے پھر اس

کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

موتی سمجھ کر شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

(اقبالؔ)

اللہ تعالیٰ کسی گناہگار مومن کی توبہ کو رد نہیں کرتا۔ وہ اپنی شان کریمی سے ہر مومن کی توبہ کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے کیونکہ وہ کسی بھی گدا کو خالی ہاتھ لوٹانا پسند نہیں کرتا اور اس نے یہ حکم دیا ہے: وَاَمَّا السَّائِلَ فَلاَ تَنْهَرْ۝ یعنی سائل کو مت جھڑکو۔ (سورۂ والضحیٰ: آیت ۱۰)

پس آپ سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹائیں۔ جس خدا نے سائل کی اتنی سفارش کی ہے وہ خود سائل کو خالی ہاتھ کیسے لوٹا سکتا ہے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ مَا هٰكَذَا الظَّنُّ بِكَ. اس سے ثابت ہوا کہ اگر خدا نے بندوں پر توبہ واجب کی ہے تو خود پر توبہ قبول کرنے کو بھی واجب کیا ہے۔

بہرحال ہماری اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ جن دو افراد کے درمیان کوئی تنازعہ ہو چکا ہو تو اس کی اصلاح کرنا دونوں پر واجب ہے۔ ان میں سے اگر ایک شخص صلح کے لئے آگے بڑھتا ہے تو دوسرے پر یہ واجب ہے کہ وہ بھی صلح کو قبول کرے۔ صلح صفائی فریقین پر واجب ہے۔ ان میں سے جو بھی شخص صلح کے لئے پہل کرے گا وہ دوسرے کی بہ نسبت جنت میں پہلے داخل ہوگا۔ متحارب افراد پر ایک دوسرے سے معذرت خواہی کرنی واجب ہے اور دوسرے پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ اب اگر ایک شخص نے چالاکی کی اور وہ آپ کے پاس معافی کے لئے چلا آیا اور اس نے آپ سے معذرت خواہی کی ہے تو آپ عذر قبول کرنے میں سستی نہ کریں ورنہ وہ جنتی بن جائے گا اور آپ دوزخی قرار پائیں گے۔

تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں

اس آیت کے متعلق جس دوسرے مطلب کو سمجھنے کی ضرورت ہے وہ عمومیت حکم کا مسئلہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ میں مومن سے اس کا عمومی مفہوم مراد ہے کہ ہر وہ شخص جو خدا کی وحدانیت اور رسول خداؐ کی رسالت کے ساتھ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ضروری احکام مثلاً نماز روزے کو واجب سمجھتا ہو تو وہ مسلمان ہے۔ اس کا خون محترم ہے، خواہ وہ اسلام کے کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کے جسم کو پاک سمجھا جائے گا، اس کا ذبیحہ حلال ہوگا، اس کا نکاح درست تسلیم کیا جائے گا۔ ہمیں اس کی آخرت کے ساتھ کوئی سروکار نہیں ہے، آخرت کا تعلق ایمان کے خصوصی مفہوم کے ساتھ ہے۔ دنیا کے ظاہری احکام کا تعلق اسلام کے ان تین اصول عقائد سے وابستہ ہے۔ اسی لئے سنی اور شیعہ دونوں مسلمان ہیں اور اسلام کے ناطے سے دونوں بھائی ہیں اور دونوں توحید اور رسالت کا اقرار کرتے ہیں۔

میں نے اپنے کل کے خطاب میں عرض کیا تھا کہ یہ آیت تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتی ہے۔ اسی لئے لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه پڑھنے والے، قرآن مجید کو اللہ کی آخری کتاب ماننے والے اور ضروریات اسلام کا اقرار کرنے والے تمام افراد مومن ہیں اور تمام مومنین کو چاہیئے کہ وہ ان کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم کریں اور انہیں اپنا بھائی تسلیم کریں۔

غرضیکہ ہم تمام مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور ان سے برادرانہ تعلقات کے خواہاں ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہم سنی اور وہابی مسلمانوں سے یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ وہ بھی اپنے قلوب و اذہان سے تعصب کو باہر نکالیں اور خواہ مخواہ شیعوں کو اپنا دشمن نہ بنائیں۔ جو لوگ شیعوں کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کرتے ہیں کیا انہیں

معلوم نہیں ہے کہ شیعہ لاَ اِلٰـهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه پڑھتے ہیں؟ کیا ہمارا کوئی مخالف یہ بتا سکتا ہے کہ ہم قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب رکھتے ہیں؟ اور وہ کون سا ضروری مسئلہ ہے جس کے ہم منکر ہیں؟

جب ہمارا خدائے واحد پر ایمان ہے اور ہم حضرت محمد مصطفیٰؐ کو آخری نبی مانتے ہیں اور قرآن مجید کو کتاب ہدایت تسلیم کرتے ہیں تو اس کے باوجود ہمیں کافر اور مشرک کیوں کہا جارہا ہے؟ ہمیں ان متعصب اور تنگ نظر افراد سے شکوہ ہے کہ ہم انہیں اپنا بھائی کہتے ہوئے نہیں تھکتے مگر وہ ہمیں مشرک کہہ رہے ہیں جبکہ ان کے پاس ہمارے شرک کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔

ابن تیمیہ کی شوخ چشمی ہے کہ اس نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ ”جو شخص کسی مردے کی قبر کی زیارت کے لئے جائے وہ مشرک ہے۔“

ہم ابن تیمیہ کے پیروکاروں سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ خدارا آپ ہمیں اپنے شیخ کے فتوے کی دلیل فراہم کریں اور جب آپ کو اپنے شیخ کے فتوے کی دلیل مل جائے تو پھر آپ ہمیں جو چاہیں کہتے پھریں۔

ایک شیعہ مدینہ طیبہ گیا اور روضۂ رسولؐ کو بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھا۔ وہاں پر موجود ایک سپاہی نے اسے سختی سے روکا تو شیعہ نے جیب سے قرآن مجید کا ایک نسخہ نکال کر اسے دیا۔ اس نے وہ قرآن لیا اور اسے چومنے لگا۔

شیعہ نے جب یہ دیکھا تو اس سے کہا: تو بھی مشرک ہے۔

سپاہی نے کہا: میں کیوں مشرک ہوں؟

شیعہ نے کہا: تو قرآن مجید کی جلد کو چوم رہا ہے اور جلد چمڑے کی ہے اور چمڑے کو چومنا شرک نہیں تو اور کیا ہے؟

سپاہی نے کہا: یہ شرک نہیں ہے کیونکہ میرا مقصد چمڑے کا احترام کرنا نہیں بلکہ قرآن مجید کا احترام کرنا ہے۔

یہ سن کر شیعہ نے کہا: تو جالی مبارک چومنے سے میرا مقصد بھی چاندی کی جالی کو چومنا نہیں ہے۔ میرا مقصد بھی خاتم الانبیاءؐ کے قدموں کو بوسہ دینا ہے۔ اگر تو چمڑے کو چومنے سے مشرک اور بدعتی نہیں بنا تو میں بھی جالی کو چومنے سے مشرک نہیں بنوں گا۔

ہمیں عالم اسلام کی بے حسی دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ کوئی شخص بڑھ کر انہیں یہ نہیں کہتا کہ اپنے آپ کو سنی اور وہابی کہلانے والو! تم شیعوں کو خواہ مخواہ نفرت کا نشانہ کیوں بنا رہے ہو جبکہ وہ عالم اسلام کا ایک حصہ ہیں اور مذہب شیعہ ہی صدر اسلام سے لیکر آج تک اسلام کی خدمت میں مصروف رہا ہے اور اسلام کی تائید میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر کتابوں کے مؤلف ایرانی ہیں۔ لہٰذا تمہیں شیعوں کو اپنا بھائی سمجھنا چاہیئے اور انہیں احترام کا مستحق سمجھنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ کو تمام مسلمانوں کا شہر قرار دیا ہے: سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادُ یعنی اہل مکہ اور مسافر یہاں مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ (سورۂ حج: آیت ۲۵)

اس کے باوجود ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب ہمارے لوگ مکہ یا مدینہ جاتے ہیں تو سعودی حکومت کے سپاہی روضۂ رسولؐ پر ڈنڈے لے کر ان کی ضیافت کرتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ ایک مہمان اور بیت اللہ کے زائر سے یہ ناروا سلوک کیوں کیا جا رہا ہے اور مومنین کو ضریح پیغمبرؐ کے بوسے سے کیوں منع کیا جا رہا ہے؟

اسلامی سرزمین کا دفاع سب پر واجب ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی تمام مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہٰذا کسی شیعہ کو سنی سے دشمنی رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتا ہے اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اور اگر وہ ولایت اہلبیتؑ کا قائل نہ بھی ہو تو بھی وہ مسلمان ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ

آل محمدؐ سے دشمنی نہ رکھتا ہو۔ توحید، نبوت اور معاد کو تسلیم کرنے والا شخص مسلمان اور واجب الاخوۃ ہے اور تمام فقہاء کا یہی فتویٰ ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی بھی اسلامی ملک پر کافر حملہ کریں تو اس کا دفاع تمام شیعہ وسنی مسلمانوں پر واجب ہے۔

اگر آج صیہونی، فلسطینی مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا فلسطینیوں سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ وہ سنی ہیں اور ہم شیعہ ہیں۔ اس مسئلے میں شیعہ سنی کی کوئی تفریق نہیں۔ سب مسلمان ہیں اور ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا غمخوار اور مددگار ہونا چاہئے۔ سب مسلمانوں کا قبلہ ایک ہے، قرآن ایک ہے، دین ایک ہے، خدا ایک ہے اور پیغمبرؐ ایک ہے۔ مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اہلسنت ائمہ اربعہ (یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کی پیروی کرتے ہیں تو ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر ہم اہلسنت بھائیوں سے پوچھیں کہ آپ کے پاس ائمہ اربعہ کی تقلید کی دلیل شرعی کیا ہے تو ہمارے بھائی اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ ہمارے بزرگوں نے ایسا کیا تھا اسی لئے ہم بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔ خلفاء نے ان چار افراد کو فتوے کے لئے معین کیا تھا اسی لئے ہم بھی ان کے فتوے پر عمل کرتے ہیں اور انہیں اپنا امام سمجھتے ہیں۔

اس منطق کے جواب میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بھائیو! جب تم خلفاء کے معین کردہ ائمہ کی پیروی کرسکتے ہو تو ہم اہلبیتؑ کی پیروی کیوں نہیں کرسکتے جبکہ تمہارے ائمہ کو خلفاء نے معین کیا تھا اور قرآن وعترت کو حضرت محمد مصطفیؐ نے معین کیا تھا۔ جب آپ خلفاء کے معین کردہ ائمہ کو نہیں چھوڑ سکتے تو ہم حضرت محمد مصطفیؐ کے معین کردہ افراد کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟

ہمارے اور آپ کے درمیان بس یہی فرق ہے اور یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اگر آپ حضرات ائمہ اربعہ کی پیروی کریں تو ٹھیک ہے اور اگر ہم امام جعفر صادقؑ کی پیروی کریں تو اس پر آپ اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں اور تعصب

کی انتہا یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے پیروکار اپنے اختلافات کے باوجود بھی آپس میں شیر و شکر ہیں لیکن امام جعفر صادقؑ کے پیروکاروں سے انہیں عناد ہے۔

برادرانہ حقوق کا خیال رکھیں

اس آیت کے حوالے سے تیسری بات جو ہمارا موضوع سخن ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے اور بھائی ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ایک بھائی کو دکھ پہنچے تو دوسرے بھائی کو اس کے دکھ درد کا احساس ہونا چاہئے۔ اسی لئے اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور جنگ کے شعلوں کو بجھانے کے لئے اپنا کردار اور اثر و رسوخ استعمال کریں اور جب تک جنگ کی آگ بجھ نہ جائے اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھیں۔

یہ ایک شرعی مسئلہ ہے واجبات و محرمات کا بیان ہے۔ آپ اسے معمولی چیز نہ سمجھیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری آئندہ تقاریر میں اس موضوع پر بحث نہیں کی جائے گی اس لئے آج کی تقریر سے استفادہ کرتے ہوئے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ ناراض افراد کو منانا واجب ہے لیکن اس میں ایک شرط استطاعت کی بھی شامل ہے۔ اگر آپ صلح و صفائی کرانے کی پوزیشن میں ہیں تو ضرور صلح و صفائی کرائیں۔ اگر آپ اس پوزیشن میں نہیں ہیں تو پھر آپ پر یہ واجب نہیں ہے۔

مثلاً آپ میں سے ایک شخص یہ دیکھتا ہے کہ دس بیس افراد آپس میں ہتھیار لے کر گتھم گتھا ہیں تو ایسے موقع پر ایک اکیلا آدمی بھلا کیا کر سکتا ہے؟ یا یہ کہ دو افراد کا جائیداد پر تنازعہ ہو رہا ہے اور آپ کے پاس ان کی مصالحت کے لئے کوئی رقم موجود نہیں ہے یا ان کا ایک دوسرے سے مطالبہ اتنا زیادہ ہے کہ آپ کی کل جائیداد بھی اس کے لئے ناکافی ہے تو آپ اس صورت میں معذور قرار پائیں گے۔

یا ایسے افراد میں جھگڑا ہے جو آپ پر ہنستے ہوں اور آپ کی بات سننے پر بھی آمادہ نہ ہوں اور وہ ہتھیار بند بھی ہوں تو اس صورت میں آپ معذور ہیں۔ ایسے موقع پر آپ کے لئے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ یا خدانخواستہ آپ دیکھتے ہیں کہ دو احمق نوجوان آپس میں لڑ رہے ہیں اور ان کے پاس اسلحہ بھی موجود ہے اور آپ بالکل نہتے ہیں تو ایسی حالت میں مداخلت نہ کریں، ورنہ آپ کا حشر بھی ہمارے دوست کے اس بیٹے جیسا ہوگا جس کا قصہ میں آپ کیلئے نقل کررہاہوں۔

یہاں میرا ایک باایمان دوست موجود ہے جو ایک دیندار جوان بیٹے کا باپ بھی ہے۔ آج سے دو مہینے پہلے وہ جوان سڑک پر جارہا تھا اور اس نے دیکھا کہ دو لڑکے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ وہ بیچ بچاؤ کے لئے آگے بڑھا لیکن اس بیچارے کا انجام یہ ہوا کہ ان میں سے ایک بے مروت اور بے حیا لڑکے کے پاس آہنی گھونسہ تھا اور وہ اپنے مخالف کو مارنا چاہتا تھا۔ درمیان میں اس جوان نے مداخلت کی تو ان میں سے ایک نے وہ آہنی گھونسہ اس کے سر پر مارا جس سے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ راہ گیروں نے اسے اٹھا کر ہسپتال پہنچایا۔ جہاں وہ کئی ہفتے بے ہوش پڑا رہا۔ آخرکار ڈاکٹروں کی مسلسل نگہداشت سے وہ ہوش میں آیا۔

اس دوران لڑنے والے لڑکوں نے سوچا کہ جب یہ جوان ہوش میں آئے گا تو ان کے خلاف پرچہ کٹوائے گا لہٰذا وہ اس کے ہوش میں آنے سے پہلے ہی تھانے چلے گئے اور اس نوجوان کے خلاف درخواست دی کہ اس نے ہمیں زدوکوب کیا اور بطور ثبوت انہوں نے اپنے بدن کے وہ زخم بھی دکھائے جو انہوں نے خود ایک دوسرے کو لگائے تھے۔

چنانچہ بے ہوش نوجوان کے خلاف تھانے میں رپورٹ درج ہوگئی اور وہ دو ماہ تک ہسپتال میں زیرِ علاج رہا۔ جب وہ ٹھیک ہوگیا تو ڈاکٹروں نے اسے گھر جانے کی اجازت دی۔ ابھی وہ جوان گھر نہیں پہنچا تھا کہ اسے پولیس نے اٹھالیا اور

جیل بھیج دیا۔ اس وقت وہ بے چارہ جیل میں پڑا سڑ رہا ہے۔ اس کا جرم کیا تھا؟ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے دو جانوروں کے درمیان صلح و صفائی کی کوشش کی تھی۔

ہم بھی آپ سے یہی عرض کر رہے ہیں کہ آپ حضرات صلح و صفائی کرائیں لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ ہر جگہ صلح و صفائی کراتے پھریں۔ صلح و صفائی ضرور کرائیں لیکن پہلے دیکھ لیں کہ اس سے آپ کو تو کوئی گزند نہیں پہنچے گی؟ اگر دو بھیڑیے آپس میں لڑ رہے ہوں تو وہاں ایک ہرن یا گوسفند کیا کر سکتا ہے؟

بعض افراد نام کے تو مسلمان ہیں لیکن وہ کردار کے لحاظ سے بھیڑیوں سے بھی بدتر ہیں۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ ایک مومن ایسے جھگڑوں میں اپنے آپ کو ملوث کرے اور ذلیل و رسوا ہوتا پھرے اور دو ٹانگیں رکھنے والے جانوروں، تہمت بازوں اور جھوٹ بولنے والوں کے لئے قربان ہوتا پھرے۔ ایسے لوگوں کے جھگڑے میں اگر کوئی مومن مداخلت کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اس مومن کو ہی مجرم قرار دلوائیں گے۔ ایسے لوگ حقیقی فاسق ہیں۔

برادران ایمانی کے حقوق کے متعلق ایک روایت

حقوق اخوت بہت زیادہ ہیں۔ امامؑ کی ایک روایت میں ان کی تعداد تیس اور دوسری روایت میں ستر بیان کی گئی ہے۔ راوی نے اصرار کیا کہ مولا! مجھے جملہ حقوق سے متعارف کرائیں تو آپ نے فرمایا: میں ڈرتا ہوں کہ تو سن کر ان حقوق کی پاسداری نہ کر سکے گا۔ (ان لوگوں پر انتہائی افسوس ہے جو جان کر عمل نہیں کرتے۔ حقوق اخوت کے ضائع کرنے میں دنیا و آخرت کا عذاب ہے)۔

روایت میں ہے کہ اخوت کے حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ اگر تمہارا بھائی تمہارے پاس اپنی حاجت لے کر آئے تو اسے پورا کرو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔ خاص طور پر جب آپ کا بھائی آپ کو بااثر شخصیت جان کر کسی سفارش کے لئے آئے تو

اسے مایوس نہ کریں اس کی سفارش کر کے اس کی حاجت روائی کریں۔ اگر کوئی مومن بھائی آپ کے اثر و رسوخ کو دیکھ کر آپ کے پاس آیا اور آپ نے اس کے لئے سفارش کرنے سے انکار کردیا تو جب آپ قیامت کے دن محشور ہوں گے تو اس وقت آپ کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ آپ دنیا میں اپنے مومن بھائی کو بے آبرو کرچکے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس طرح قیامت کے دن آپ کو بے آبرو کرے گا اور مرنے سے قبل دنیا میں بھی ذلیل کرے گا۔ اگر آپ کے مومن بھائی نے آپ سے قرض مانگا اور آپ قرض دینے کے قابل بھی تھے مگر اس کے باوجود آپ نے اسے قرض نہ دیا تو اس دن کا انتظار کریں جب یہ دنیا کا مال آپ کے ہاتھ سے رخصت ہوجائے گا۔

امامؑ نے فرمایا: ایک مومن کا دوسرے مومن پر حق یہ ہے کہ اس کیلئے وہی پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہو۔ **ان تحب له ما تحب لنفسک**

میرے دوستو! اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں خالص زعفران ملے تو تم بھی لوگوں کو خالص گھی دیا کرو۔ لوگوں سے نقلی اور دو نمبر مال لینا تمہیں اچھا نہیں لگتا تو تم بھی گھٹیا اور دو نمبر مال مت بیچو۔

آپ میں سے بھلا ایسا کون ہوگا جو یہ چاہتا ہو کہ پس پشت لوگ اسے برے ناموں سے یاد کریں؟ جب آپ اپنے لئے برا نام سننا پسند نہیں کرتے تو دوسروں کو برے ناموں سے کیوں یاد کرتے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا ہے کہ **ان تحب له ما تحب لنفسک** اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ پیٹھ پیچھے تمہارے کام میں کیڑے نہ نکالیں تو تم بھی لوگوں کے کاموں میں کیڑے مت نکالا کرو۔

بہتر سلوک کے حقدار کون ہیں؟

علماء اور بزرگوں نے حقوق اخوت کے متعلق باب قائم کئے ہیں کہ ایسا سلوک کس طرح کے لوگوں سے روا رکھنا چاہئے؟

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ تمام حقوق واجب ہیں تو انسان دنیا میں زندگی بسر نہیں کر سکے گا۔ فرض کریں کہ ایک مومن کا دوسرے مومن پر ایک حق یہ بھی ہے کہ جب وہ قرض مانگنے آئے تو اسے قرض دیا جائے۔ اگر آپ نے ایسا کرنا شروع کر دیا تو لوگ قرض لینے کے لئے آپ کے پاس دھڑا دھڑ چلے آئیں گے اور شام تک آپ کی تمام پونجی لے جائیں گے۔ پھر ان کی اکثریت آپ کو قرض واپس نہیں لوٹائے گی اور یوں آپ زندگی بھر کی جمع شدہ پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ کم و بیش اسی طرح کی کیفیت عاریت کی بھی ہے۔ اگر آپ لوگوں کو اپنی اشیاء عاریتاً دینے لگ جائیں تو لوگ آپ کی تمام چیزیں آپ سے لے جائیں گے اور آپ کی چیزیں یا تو آپ کو واپس نہیں ملیں گی یا ٹوٹی پھوٹی شکل میں واپس ملیں گی۔ لہٰذا ان حالات میں حقوق اخوت کی ادائیگی کی جائے تو کس طرح سے کی جائے؟

علماء فرماتے ہیں کہ حقوق اخوت کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ آپ ہر مسلمان کے ساتھ ایسا سلوک کریں۔ حقوق اخوت کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ جو افراد آپ کے ساتھ نہایت برادرانہ سلوک کریں تو ان کے ساتھ آپ بھی برادرانہ سلوک روا رکھیں۔ اگر آپ نے تمام لوگوں سے یہی رویہ اپنا لیا تو لوگ آپ کو کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیں گے۔ لہٰذا ایسا کام ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔

روایت میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے امامؑ سے پوچھا: میرے ہمسائے نے مجھ سے قالین عاریتاً لیا تھا اور جب واپس کیا تو وہ ایک طرف سے جلا ہوا تھا اب اگر وہ دوبارہ مجھ سے کوئی چیز عاریتاً مانگے اور میں اسے نہ دوں تو کیا میں مجرم قرار پاؤں گا؟

امامؑ نے فرمایا: نہیں! تم مجرم قرار نہیں پاؤ گے۔

علماء جہاں آپ سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ اگر ہمسایہ آپ سے کچھ طلب کرے تو آپ پر واجب ہے کہ وہ چیز اسے دیدیں وہاں ہمسائے سے بھی یہ کہتے ہیں کہ تمہیں بھی اس ہمسائے کی چیز کا خیال رکھنا چاہئے۔ جو ہمسایہ اپنی ذمہ داری کا

احساس نہیں کرتا تو آپ پر بھی اس کا کوئی حق واجب نہیں اور جب آپ یہ دیکھ رہے ہوں کہ ہمسایہ چیز لے کر اسے دبا لے گا اور آپ کو واپس نہیں کرے گا تو آپ اس ہمسائے کو اپنے گھر کی کوئی چیز نہ دیں۔

علماء نے آپ کو کبھی یہ نہیں سکھایا کہ جو بھی واقف یا ناواقف آپ کے پاس قرض لینے آئے تو اسے فوراً قرض دیدیں۔قرض دینے سے پہلے وثیقہ تحریر کریں، گواہ مقرر کریں اور جب پوری طرح مطمئن ہو جائیں تو پھر قرض دیں۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے: فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ یعنی قرض مانگنے والے سے کوئی چیز رہن لے کر اپنے پاس رکھیں۔ آپ اس کے گھر کے لئے بیع کی شرط مقرر کر سکتے ہیں اور جب تک آپ کو رقم کی واپسی کا یقین نہ ہو تب تک کسی کو قرض نہ دیں۔

حقوق اخوت ایسے مومن بھائیوں کے لئے ہیں جو آپ کے حقوق بھی پہنچانتے ہوں۔ جو آپ کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہوں آپ بھی ان سے نیک سلوک روا رکھیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حقوق اخوت اہل عمل و تقویٰ کے لئے ہیں بندگان ہوا و نفس کے لئے نہیں ہیں۔ آج کے پُر آشوب دور میں ایمانی رفیق کم ہی دکھائی دیتے ہیں۔ آج کے لوگوں کی دوستی مفادات کے گرد گھومتی ہے۔ آج ایسے افراد نایاب ہیں جو کسی سے اس لئے دوستی کریں کہ اس کی برکت سے ان کا دین مضبوط ہوگا اور ان میں تقویٰ پیدا ہوگا اور کل روز قیامت اس ایمانی بھائی کی شفاعت سے نجات مل جائے گی۔ اگر کوئی دوستی خدا کی رضا کے لئے کی جائے گی تو ایسی دوستی لازوال ہوگی۔ اس کے برعکس دوستی کرتے وقت اگر یہ نیت ہو کہ اس دوست سے فوائد حاصل کروں گا یا اس کے اثر و رسوخ کی وجہ سے معاشرے میں شہرت ہو جائے گی تو اس طرح کی دوستی کچے دھاگے کی طرح ناقابل اعتبار ہوتی ہے اور اس میں پائیداری نہیں پائی جاتی۔

الغرض دینی اخوت الٰہی رفاقتوں اور الٰہی مقاصد کے لئے ہوتی ہے اور ایسی دوستی کی مثالیں انتہائی کم ہیں۔

تین وفادار دوست

صفوان بن یحییٰ، عبداللہ بن جندب اور علی بن نعمان تینوں ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے اور ان تینوں بزرگوں کو امام جعفر صادقؑ، امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی رضاؑ کی زیارت کا شرف بھی حاصل تھا۔

یہ تینوں بزرگوار اگرچہ علیحدہ علیحدہ دکھائی دیتے تھے لیکن تینوں کا ہدف ایک تھا، منزل ایک تھی، ارادہ ایک تھا اور ان کی نیت ایک تھی۔ تینوں خدا و رسولؐ و امامؑ کے سچے اطاعت گزار تھے اور تینوں راہ نجات اور صراط مستقیم کے راہی تھے۔

ایک مرتبہ تینوں بزرگوار مکہ آئے اور مسجد الحرام میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔ پھر ایک دوسرے سے کہا: دوستو! جب تک ہم زندہ ہیں تو ایک دوسرے کے ساتھ ہیں لیکن جب ہم مریں گے تو ہماری دوستی کا یہ سلسلہ ٹوٹ جائے گا۔ کیوں نہ ہم ایسا معاہدہ کریں کہ ہم میں سے جو شخص بھی دیر تک زندہ رہے وہ اس دوستی کو نبھاتا رہے۔

پھر انہوں نے کہا کہ ہم یہاں بیٹھ کر آپس میں یہ معاہدہ کرتے ہیں کہ جب ہم تینوں میں سے ایک دوست مرجائے تو باقی دو دوست اس کی نمازیں، روزے، حج و زکوٰۃ ادا کریں گے اور اگر دوسرا دوست بھی خدا کو پیارا ہوجائے تو تیسرا ساتھی بقیہ دو دوستوں کی عبادات ادا کرے گا۔

اس عہد و پیمان کے کچھ ہی دنوں بعد عبداللہ بن جندب اور علی بن نعمان وفات پاگئے اور صفوان بن یحییٰ زندہ رہے۔ صفوان اپنے عہد کے پکے اور وعدے کے سچے تھے۔ جیسے ہی نماز ظہر کا وقت ہوتا تو وہ پہلے اپنے لئے آٹھ رکعات نوافل ادا کرتے، پھر نماز ظہر کے چار فرض ادا کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر اٹھ کر اپنے مرحوم دوستوں کی نیابت میں آٹھ آٹھ رکعات نوافل پڑھتے اور چار چار رکعت

نمازظہر پڑھتے تھے۔ جب نماز عصر کا وقت ہوتا تو اسی طرح سے آٹھ رکعات نوافل ادا کر کے چار رکعت نماز عصر اپنی طرف سے پڑھتے پھر اپنے مرحوم دوستوں کی نیابت میں عصر کی نماز نوافل سمیت ادا کرتے تھے۔ غرضیکہ وہ نماز مغرب، عشاء اور فجر کے فرائض و نوافل اپنی طرف سے بھی ادا کرتے تھے اور اپنے دوستوں کی طرف سے بھی ادا کرتے تھے اور حد یہ ہے کہ وہ گیارہ رکعات نماز شب اپنی طرف سے ادا کرتے اور اپنے دوستوں کی نیابت میں گیارہ گیارہ مزید رکعات نماز بجالاتے تھے۔

دن رات میں سترہ رکعات نماز واجب ہے اور چونتیس رکعات نماز سنت ہے اور یوں کل ملا کر اکیاون (۵۱) رکعت نماز ادا کرنی پڑتی ہے اور ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہم سے اکیاون رکعات نماز ہی پوری ادا نہیں ہوتی اور اس میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لیکن آپ صفوان بن یحیٰؒ کے حوصلے کو داد دیں جو روزانہ ایک سو ترپن (۱۵۳) رکعات نماز ادا کرتے تھے۔

صفوان بن یحیٰؒ ہر سال میں تین مہینے روزے رکھتے تھے۔ آپ رجب، شعبان اور رمضان میں روزے رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ماہ رمضان کے روزے اپنے لئے رکھتا ہوں اور رجب شعبان کے روزے اپنے مرحوم دوستوں کی نیابت میں رکھتا ہوں۔

ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ نماز اور روزہ کچھ نہیں، پیسہ بڑا مشکل ہے۔ تو عرض ہے کہ صفوان سال میں تین مرتبہ زکوٰۃ اور تین مرتبہ خمس بھی ادا کرتے تھے۔

حالت یہ ہے کہ بعض افراد اگر خمس ادا کریں تو ان کی جان پہ بن آتی ہے اور بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو پہلی مرتبہ خمس کا حساب بناتے ہیں تو علماء کے پاس جاتے ہیں کہ میں فی الحال خمس کا ایک تھوڑا سا حصہ ادا کر رہا ہوں باقی خمس اقساط میں ادا کروں گا۔ آپ مجھے قسط وار خمس ادا کرنے کی اجازت دے دیں اور جب وہ لوگ اجازت لے کر چلے جاتے ہیں تو پھر دوبارہ آنے کی زحمت نہیں

کرتے۔ اکثر افراد کوخمس موت کے برابر دکھائی دیتا ہے جبکہ صفوان بن یحیٰ ایک سال میں تین مرتبہ خمس ادا کرتے تھے اور ان کو اپنے وعدے کا اس قدر پاس تھا کہ وہ تین عمرے کیا کرتے تھے اور ایام حج میں دو اجیر مقرر کر کے اپنے دوستوں کی نیابت میں حج کراتے تھے۔

جی ہاں! دنیا میں حضرت علیؑ کے ایسے شیعہ بھی موجود تھے، ایسے کامل الایمان مومن بھی موجود تھے اور ایسے صاحب یقین شیعہ بھی ہوگزرے ہیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ ان کی زندگی کتنی بابرکت ہوگی۔

صفوان نے شتربان سے اجازت حاصل کی

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ صفوان بن یحیٰ مکے سے عراق جارہے تھے۔ انہوں نے شتربان سے ایک اونٹ کرائے پرلیا۔ ابھی وہ سوار ہوناہی چاہتے تھے کہ ایک شخص نے آ کر کہا: میرا ایک دوست عراق میں رہتا ہے۔ آپ وہاں جارہے ہیں تو میری طرف سے یہ دو اشرفیاں بطور امانت لے لیں اور میرے دوست کو دیدیں۔

صفوان نے وہ اشرفیاں لے لیں اور اونٹ کے مالک کے پاس گئے اور اس سے کہا: میں نے تجھ سے اونٹ کرائے پرلیا تھا جس کی شرائط میں یہ طے پایا تھا کہ میں اس اونٹ پر سواری کروں گا اور اپنے ساتھ اتنا سامان لے جاؤں گا لیکن اب صورتحال بدل چکی ہے۔ ایک شخص نے دو اشرفیاں میرے حوالے کی ہیں۔ آپ کے ساتھ جو شرط طے ہوئی تھی اس میں ان اشرفیوں کا وزن شامل نہیں تھا۔ اگر اجازت دیں تو میں آپ کے اونٹ پر اشرفیوں کا اضافی وزن لادوں ورنہ نہیں۔ اونٹ کے مالک نے آپ کو اجازت دی تو آپ اونٹ پر سوار ہوئے۔

خدارا بتایئے کہ آپ حضرات جب بس کی ٹکٹ لیتے ہیں تو مقررہ حد سے کتنا زیادہ سامان لیکر چڑھتے ہیں؟ کیا کبھی آپ نے بس مالک سے اس کی اجازت

لی ہے اور اگر آپ نے اجازت نہیں لی تو اضافی سامان بس پر کیوں لاد رہے ہیں؟

آیئے! اب صفوان کے آخری سفر کی داستان بھی سن لیں۔

صفوان بن یحییٰ نے مدینے میں وفات پائی۔ کسی نے امام محمد تقیؑ کو اطلاع دی کہ آپ کے خاص شیعہ صفوان اس دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: ان کے ورثاء سے کہہ دو کہ وہ ہمارا انتظار کریں ان کے جنازے میں ہم خود شرکت کریں گے۔ الغرض امام محمد تقیؑ بقیع تشریف لائے اور ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کی تدفین میں شرکت فرمائی۔

خدا جانے ہمارا حال کیا ہوگا، کوئی شخص ہمارے جنازے میں شرکت کرے گا یا نہیں، ہمیں کوئی علم نہیں کہ ہماری قبر پر کوئی تلقین بھی پڑھے گا یا نہیں؟

برادران عزیز! جب آپ کسی مومن کی قبر پر جائیں تو ہاتھ پھیلا کر یوں دعا کریں اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا عَبْدُکَ وَ اِبْنُ عَبْدِکَ نَزَلَ بِکَ وَاَنْتَ خَيْرُ مَنْزُوْلٍ بِهٖ یعنی خدایا! یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے کا فرزند ہے، یہ تیرا مہمان ہے اور تو بہترین میزبان ہے۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی ایک حدیث ہے کہ جب کوئی میت دفن ہوجائے تو قبر پر بیٹھ کر سات مرتبہ سورۂ انا انزلناہ کی تلاوت کریں۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھیں جو وسائل الشیعہ میں امام موسیٰ کاظمؑ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جب کسی مومن دوست کی قبر پر جاؤ تو یہ دعا پڑھو: اَللّٰهُمَّ صَلِ وَحْدَتَهٗ وَارْحَمْ غُرْبَتَهٗ وَاٰنِسْ وَحْشَتَهٗ وَاَذْوِلْ عَلَيْهِ مِنْ رَّحْمَتِکَ رَحْمَةً يَسْتَغْنِيْ بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاکَ۔ یعنی خدایا! یہ میرا مسافر اور غریب ساتھی ہے، تنہا ہے۔ اس کی تنہائی پر رحم فرما، اس کی وحشت کو اُنس میں تبدیل فرما اور اس پر ایسی رحمت نازل فرما کہ وہ تیرے علاوہ کسی بھی دوسرے کے رحم سے بے نیاز ہو جائے۔

حقوق اخوت

جاننا چاہئے کہ آیۂ شریفہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَ اتَّقُوْا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ میں صرف مومنین کی باہمی اخوت کا ذکر ہی نہیں کیا گیا بلکہ یہ بھی بتایا گیا کہ اگر ان کے درمیان کوئی تنازعہ ہو جائے تو ان کے درمیان صلح و صفائی قائم کرانی چاہئے اور یہی اخوت کا تقاضا ہے اور جس طرح سے ایک بھائی کے دوسرے بھائی پر حقوق ہیں اسی طرح سے ایک مومن کے بھی دوسرے مومن پر حقوق ہیں۔

اخوت کا ایک مقصد یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنے سے جدا اور علیحدہ نہ سمجھے بلکہ اسے اپنا بھائی خیال کرے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ جب کسی شخص کے پاس سگا بھائی جاتا ہے تو وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح سے ایک مسلمان کو چاہئے کہ جب اس کے پاس دوسرا مسلمان آئے تو وہ اسے دیکھ کر دل کی گہرائیوں سے خوشی محسوس کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک مومن کا دوسرے مومن سے وہی رشتہ ہے جو بدن کے اعضاء کا ایک دوسرے سے ہے۔

ایمانی معاشرہ ایک بدن کی مانند ہے اور مومن بدن کے اعضاء کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو باقی اعضاء بھی تکلیف محسوس کرتے

ہیں اور بے آرام ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے اگر ایک مومن کو دکھ پہنچے تو دوسرے مومنین کو بھی دکھ محسوس کرنا چاہئے۔ مثلاً اگر کسی شخص کے ایک دانت میں درد ہو تو وہ صرف اسی متاثرہ مقام تک محدود نہیں رہے گا بلکہ پوری بتیسی میں درد محسوس ہوگا اور ممکن ہے کہ پورا سر درد کی وجہ سے چکرانے لگے اور بخار بھی ہو جائے۔ چنانچہ ایک عضو کی تکلیف صرف ایک عضو تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ وہ پورے بدن کو متاثر کرتی ہے اور یہی حال مومنین کا ہے۔ اگر ایک مومن بے چین ہو تو دوسرے مومنین کو بھی اس کی بے چینی کا احساس کرنا چاہئے۔ البتہ یہ مقام حقیقی مومنین کو حاصل ہے جن میں روحانی اتحاد پایا جاتا ہے اور جنہیں مقام آدمیت نصیب ہوا ہے۔

راوی نے امامؑ سے پوچھا کہ بعض اوقات کسی بھی ظاہری سبب کے بغیر میں مغموم ہو جاتا ہوں اس کی کیا وجہ ہے؟ امامؑ نے اس کا جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مومنین ایک دوسرے کے ساتھ روحانی اتحاد رکھتے ہیں۔ بعض اوقات کوئی دوسرا مومن تکلیف میں ہوتا ہے جس کا درد تم اپنے اندر بھی محسوس کرتے ہو۔

اتحاد نفوس و اتحاد ارواح کا مقصد اہل ایمان کی برادری اور وحدت ہے اور اخوت ایمانی کے لئے بہت سے حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں سے میں چند حقوق کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

سلام کریں اور خیر خیریت پوچھیں

اسلامی اخوت کے تقاضوں میں سلام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جب بھی دو مسلمان آپس میں ملیں تو سلام کریں اس کے بعد پھر کوئی دوسری گفتگو کریں۔

سلام کی اتنی تاکید کی گئی ہے کہ امامؑ نے فرمایا: اگر کوئی شخص سلام کے بغیر تجھ سے کچھ پوچھنا چاہے تو اس کا جواب دینا تم پر ضروری نہیں ہے۔

بعض افراد کسی شخص کو ملنے کے خواہش مند ہوتے ہیں مثلاً ایک شخص نے

آپ سے پوچھا' جناب! فلاں صاحب کا گھر کہاں ہے؟ اگر سوال کرنے والے نے آپ کو سلام کیا ہے تو آپ اسے جواب دیں اور اگر اس نے آپ کو سلام نہیں کیا تو اس کے سوال کا جواب مت دیں تاکہ اس ذریعے سے اس کی تربیت کی جائے کہ سلام کرنا بڑا ضروری ہے۔

ایک مسلمان جب بھی دوسرے مسلمان سے ملے تو اسے سلام کرنا چاہئے اور دوسرے مسلمان پر واجب ہے کہ وہ سلام کا جواب دے۔ سلام کی ابتدا کرنا مستحب مؤکدہ ہے لیکن سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ لیکن واضح رہے کہ ابتدائے سلام اگرچہ مستحب ہے اور جواب سلام واجب ہے لیکن یہاں مستحب کا ثواب واجب سے کہیں زیادہ ہے اور یہ باب ثواب کے چند استثنائی موارد میں سے ایک ہے۔

شہید ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قواعد میں لکھا ہے: کسی بھی واجب کا ثواب مستحب سے ہرگز کم نہیں ہوتا اور کسی بھی مستحب کا ثواب واجب سے زیادہ نہیں ہوتا مگر تین مستحب ایسے ہیں جن کا ثواب تین واجبات سے زیادہ ہے۔ ان میں سے پہلا مستحب سلام میں پہل کرنا ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ مگر نوے نیکیاں سلام کرنے والے کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں اور دس نیکیاں جواب دینے والے کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔

اب اس مقام پر یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دو افراد ایک دوسرے سے ملے اور دونوں نے ابتدائے سلام کرتے ہوئے ایک دوسرے کو سلام کیا اور یوں دو سلام جمع ہو گئے تو اس کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ احتیاط یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص سلام کا جواب دے کیونکہ دونوں نے ابتدائے سلام کی نیت سے ایک دوسرے کو سلام کیا تھا اور اسی لئے دونوں کو جواب دینا چاہئے تاکہ سلام جواب کے بغیر نہ رہنے پائے۔

حقوق اخوت کی ابتدا سلام سے شروع ہوتی ہے اور پھر بہت آگے تک چلی جاتی ہے اور سلام کے بعد ایک دوسرے کی احوال پرسی کرنی چاہئے۔

احوال پرسی شکر نعمت کے لئے ہے

علم اخلاق کے ایک عالم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صدر اسلام میں مسلمانوں کا دستور تھا کہ وہ سلام کے بعد ایک دوسرے کی احوال پرسی کیا کرتے تھے اور جواب میں لوگ الحمدللہ یا شکر للہ کہا کرتے تھے اور احوال پرسی کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اپنے مخاطب سے خدا کا شکر ادا کرائیں اور اسے شکر نعمت پر مائل کر کے اس کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ کرائیں اور اسی لئے احوال پرسی کو معاشرے میں رائج کیا گیا۔ سلام کے بعد ایک شخص دوسرے سے پوچھتا کہ آپ کی صحت کیسی ہے تو وہ جواب میں الحمدللہ یا شکر للہ کہتا تھا۔ لیکن آج کل وہ حالات باقی نہیں رہے اور لوگوں میں شکر کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ اب اگر آپ سلام کرنے کے بعد کسی سے احوال پرسی کرلیں تو وہ شکایات کا دفتر کھول لیتا ہے اور خدا اور حالات کا شکوہ کرتا ہے اور احوال پرسی کرنے والے کو شرمندگی ہوتی ہے اور وہ بے چارہ دل میں سوچنے لگتا ہے کہ کاش میں نے اس سے احوال پرسی نہ کی ہوتی تو بہتر تھا۔

ملاقات کے وقت مصافحہ اور معانقہ کرنا چاہئے

اسلام میں تاکید کی گئی ہے کہ جب دو مومن ایک دوسرے سے ملیں تو ملاقات کی ابتدا سلام سے کریں اس کے بعد دونوں افراد گرم جوشی سے مصافحہ کریں اور محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجیں اور جب دو مومن ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ یوں جھڑتے ہیں جیسے موسم خزاں میں تیز آندھی سے درختوں کے سوکھے پتے گرتے ہیں۔ مصافحہ کے ساتھ تبسم بھی کرنا چاہئے۔ مصافحہ کے بعد ایک دوسرے سے معانقہ کرنا چاہئے یعنی ایک دوسرے کو گلے لگانا چاہئے اور معانقہ کے وقت مومن کی سجدہ گاہ یعنی پیشانی پر بوسہ دینا چاہئے، ایسا کرنا مستحب ہے۔

وسائل الشیعہ میں کتاب العشرۃ کے عنوان سے اس مفہوم کی احادیث مروی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص محض خدا کی خوشنودی کے لئے مؤمن کی ملاقات کے لئے اپنے گھر سے نکلے اور اس میں اس کی اپنی ذاتی خواہش شامل نہ ہو تو ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تجھے خوش آمدید ہو، تو ایک بندۂ خدا کی زیارت کے لئے جارہا ہے تاکہ تم مل کر خدا کا ذکر کرو اور آپس میں بیٹھ کر فضائل اہلبیتؑ بیان کرو۔

واضح رہے کہ یہ رتبہ اور ثواب اس شکل میں ملتا ہے جب کوئی شخص محض خدا کی رضا کی نیت سے کسی مومن کی ملاقات کے لئے جائے اور اس میں اس کی اپنی ذاتی غرض شامل نہ ہو۔ لیکن آج کل کی اکثر ملاقاتوں میں یہ جذبہ کارفرما نہیں ہوتا۔ آج کل کی ملاقاتیں ذاتی اغراض کے لئے کی جاتی ہیں لہٰذا ان ملاقاتوں سے اجرِ عظیم کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

اسی باب کی ایک اور روایت کے یہ الفاظ آئے ہیں: **من زار مؤمنا فی بیته کمن زار الله فی عرشه.** یعنی جو شخص کسی مومن کے گھر جا کر اس سے ملاقات کرے تو گویا اس نے عرش پر جا کر خدا سے ملاقات کی ہے۔

اگر اس ملاقات کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو تو مومن کا زائر، اللہ کا زائر قرار پاتا ہے۔ رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اگر رضائے الٰہی کے لئے تمہیں کچھ دور تک جانا پڑے تو بھی چل کر اپنے دینی بھائی سے جا کر ملاقات کرو۔

ہم نشینی کے آداب کے متعلق اسلام نے بہت سی ہدایات دی ہیں۔ ان میں سے پہلی ہدایت یہ ہے کہ بے غرض ہو کر جائیں۔ دوسری ہدایت یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے لئے جائیں۔ تیسری ہدایت یہ کی گئی کہ صاحب خانہ آپ کو جہاں بٹھائے وہاں بیٹھ جائیں اس سے بلند مقام کی خواہش کا اظہار نہ کریں۔ اگر صاحب خانہ آپ کے احترام میں اضافہ کرے تو بھی اسے منع نہ کریں۔ مثلاً آپ کسی کے ہاں گئے، وہاں

اس کے پاس ایک دری بچھی ہوئی تھی اور وہ آپ کے لئے نئی دری یا گدا لے کر آئے تو آپ اسے منع نہ کریں۔ لیکن اتنا خیال ضرور رکھیں کہ اسے زحمت میں نہ ڈالیں۔ اس کی زحمت کو اپنی زحمت سمجھیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بے چارہ تکلفات میں پڑ جائے اور آپ خوش ہو جائیں کہ چلو آج کی ضیافت اچھی رہی۔ بہترین مہمانی وہ ہے جس میں گھر کا پکا ہوا دال دلیہ پیش کیا جائے اور کسی طرح کا تکلف نہ برتا جائے۔

حضرت صفیہ کی مہمان نوازی

ایک مرتبہ حضرت رسول کریمؐ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت صفیہؓ جو کہ حضرت عمارؓ کی زوجہ تھیں کے گھر تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے گھر میں موجود جَو کی ایک روٹی، سرکہ اور روغن زیتون آپؐ کی خدمت پیش کیا اور معذرت کرتے ہوئے بولیں: یارسول اللہؐ! میں یہ موٹا جھوٹا کھانا پیش کر کے شرمندگی محسوس کر رہی ہوں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: یہ کیا بات ہوئی؟ تم نے میرے سامنے انبیاءؑ کی خوراک پیش کی ہے اور پھر کہتی ہو کہ یہ کم ہے۔

محترم دوستو! جَو کی روٹی انتہائی مفید ہے اور اس میں روحانی آثار پائے جاتے ہیں[۱] یہ پیغمبر اکرمؐ کی خوراک ہے۔ سرکہ بھی انبیائے کرامؑ کی خوراک کا ایک حصہ رہا ہے۔ زیتون ویسے ہی بابرکت چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت نور میں ارشاد فرمایا: شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لاَ شَرْقِيَّةٍ وَلاَ غَرْبِيَّةٍ. یعنی چراغ نور زیتون کے بابرکت درخت سے روشن ہو رہا ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ (سورۂ نور: آیت ۳۵)

آج کل ہمارے اندر ایک بری عادت پائی جاتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اس عادت سے چھٹکارا حاصل کریں اور وہ بری عادت یہ ہے کہ میزبان کسر نفسی کے طور پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کی تحقیر کرتا ہے اور مہمان سے کچھ اس طرح کے الفاظ کہتا

۱۔ غالباً یہ کہتے وقت ''کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری'' اقبال کے پیش نظر یہی نکتہ رہا ہوگا۔

ہے: ''یہ چیز آپ کے قابل تو نہیں ہے مگر مجبوری ہے کوئی اچھی چیز مل ہی نہیں سکی۔''

دوستو! خدارا کچھ تو سوچیں۔ آپ نے خدا کے ایک کمزور ترین بندہ کی ضیافت کی ہے اور اس کے لئے خدا کی نعمت کی تحقیر کر رہے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ جس چیز کو آپ حقیر کہہ رہے ہیں وہ کتنی مشقت کے بعد آپ کے ہاتھوں میں آئی ہے، کتنے ہاتھوں نے کام کیا، اس پر کتنے دن صرف ہوئے، سورج کی کتنی روشنی اس پر صرف ہوئی، اس نعمت کے لئے کتنا پانی خرچ ہوا؟

غرضیکہ بہت سی محنت کے بعد وہ نعمت پک کر آپ کے پاس آئی اور آپ اسے حقیر کہہ کر اس کی توہین کر رہے ہیں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ دہقان نے چاولوں کے کھیت پر کتنی محنت کی تھی اور ایک طویل عرصے کی محنت کے بعد آپ کے پاس چاول پہنچا ہے۔ پھر بھی آپ اس کی توہین کر رہے ہیں؟ الغرض چاول خدا کی نعمت ہے۔ گھی خدا کی نعمت ہے اور گوشت خدا کی نعمت ہے۔

خبردار! خدا کی نعمتوں کی توہین کر کے اپنے مہمان کا دل خوش کرنے کی کوشش مت کریں۔ نعمتوں کی توہین کرنے کی بجائے آپ اپنے مہمان کے سامنے اپنی کوتاہی کا اقرار کریں تو یہ بہتر ہے۔ آپ اس طرح کے جملے کہہ سکتے ہیں: ''آپ کی مہمانی کا حق مجھ سے ادا نہ ہوسکا اس کے لئے میں آپ سے شرمندہ ہوں، مجھ سے شایانِ شان مہمان نوازی نہ ہوسکی اس کے لئے آپ مجھے معاف کردیں۔'' اگر آپ اس طرح کے جملے کہیں گے تو کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا اور یوں آپ اپنی انکساری کا اظہار بھی کرسکیں گے۔

حضرت ابوذرؓ کی مہمانی

مہمانداری کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب آپ کسی کے مہمان بنیں تو اپنے الفاظ سے میزبان کو زحمت میں نہ ڈالیں۔ اس بات کی مزید

وضاحت کے لئے میں آپ کو حضرت سلمانؓ کی میزبانی کی داستان سناتا ہوں۔

ایک دن حضرت ابوذرؓ، حضرت سلمانؓ کے مہمان بنے۔ حضرت سلمانؓ کے گھر میں جَو کی روٹی اور نمک موجود تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مہمان کے سامنے جو کی روٹی اور نمک ہی پیش کردیا۔ حضرت ابوذرؓ نے دیکھا کہ پیاز موجود نہیں ہے۔ چنانچہ دل میں کہنے لگے کہ اس سے پیاز کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر ان کے پاس پیاز ہوتی تو وہ ضرور پیش کرتے۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ نے الفاظ کے قالب کو تبدیل کرتے ہوئے کہا: ''اگر اس دعوت میں پیاز ہوتی تو بہتر ہوتا۔''

یہ سن کر حضرت سلمانؓ اٹھے۔ اتفاق سے ان کے پاس پیاز خریدنے کے لئے رقم موجود نہیں تھی۔ انہوں نے اپنا لوٹا اٹھایا اور ایک دکاندار کے پاس گروی رکھ کر اس سے پیاز خریدی اور اپنے معزز مہمان کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت ابوذرؓ نے جَو کی روٹی سے لقمہ توڑا اور پیاز پر نمک ڈالا اور پیاز کے ایک ٹکڑے کو اٹھا کر منہ میں لیا اور کہا: اَلْحَمْدُلِلّٰہِ عَلَی الْقَنَاعَۃِ یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں قناعت عطا فرمائی۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا: بابا! اگر تم قناعت کرنے والے ہوتے تو میرا لوٹا گروی نہ رکھا ہوتا۔

اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مہمان کو چاہئے کہ وہ میزبان کو زحمت میں نہ ڈالے۔ اس کے علاوہ آداب مہمانی میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ مہمان اپنے میزبان کے ہاں اتنا قیام نہ کرے کہ میزبان اکتا جائے۔ اگر مہمان یہ محسوس کرے کہ اس کا میزبان اکتا رہا ہے تو وہاں مزید قیام نہ کرے اور فوراً رخصت ہو جائے۔

میزبان کی خواہش کو مدنظر رکھ کر قیام کریں

اسلام کے ان تمام احکام کا مقصد دلوں میں محبت پیدا کرنا ہے۔ اگر کوئی چیز نفرت کا سبب بن رہی ہو تو اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کچھ مواقع ایسے

بھی ہیں جن کے متعلق ہادیان دین نے سفارش کی ہے کہ ان مواقع پر زیادہ دیر ٹھہرنا نامناسب ہے۔ ان مواقع میں سے ایک موقع بیمار پرسی کا ہے اور اس سلسلے میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جب آپ کسی مریض کی عیادت کے لئے جائیں تو وہاں سے جلد اٹھیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بیمار میں اتنا حوصلہ نہیں ہوتا کہ وہ آپ کی طویل باتیں سنتا رہے۔

بعض اوقات بیمار کو آرام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے آپ کا بیمار کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر بیمار اپنی دل لگی کے لئے آپ کو اپنے پاس بٹھانا چاہے تو پھر آپ ضرور بیٹھیں۔ لیکن پہلے یہ تسلی کرلیں کہ بیمار ازروئے تکلف آپ کو اپنے پاس بیٹھنے کے لئے تو نہیں کہہ رہا اور اگر کوئی بیمار مروت میں آپ کو اپنے پاس بیٹھنے کے لئے کہے تو آپ اس سے معذرت کر کے فوراً چلے جائیں اور اسے زیادہ دیر تک تکلیف میں مبتلا نہ کریں۔

مجلس کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب آپ کسی مجلس میں بیٹھیں تو اپنے ساتھ بیٹھنے والے سے اس کا تعارف حاصل کریں۔ اس سے اس کا نام اور وطن معلوم کریں اور پھر اسے بہترین لقب اور نام سے پکاریں۔

ایک اور روایت میں آداب مجلس کے متعلق کہا گیا ہے کہ لاتکن لفّاتا. اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ جہاں جائیں وہاں تانک جھانک نہ کریں اور اِدھر اُدھر کے کمروں کو نہ دیکھیں، نہ ہی صاحب خانہ سے یہ پوچھیں کہ آپ کے گھر میں کتنے کمرے ہیں کیونکہ آپ کا مقصد ایک مومن کی زیارت کرنا ہے اس کی مالی حیثیت کا تعین کرنا نہیں۔ ان لوگوں پر نہایت افسوس ہے جو میزبان کی بیوی یا بیٹی پر نگاہ کرتے ہیں اس سے تو بہتر ہے کہ آدمی کسی مومن کی ملاقات کیلئے سرے سے ہی نہ جائے۔

اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں

مہمان کو چاہئے کہ وہ اپنے میزبان کی خواتین کو دیکھنے کی کوشش نہ کرے۔

ربیعہ بن خضیم کے متعلق مروی ہے کہ وہ عبداللہ بن مسعود کے شاگرد تھے اور مدینے میں کئی سال تک روزانہ ابن مسعود کے پاس جاتے رہے اور ان سے قرآن مجید اور علم فقہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ کسی مجبوری کی وجہ سے وہ چند دن ابن مسعود کے پاس نہ گئے تو ابن مسعود کی بیوی نے اپنے شوہر سے پوچھا: کچھ دن سے آپ کا نابینا ساتھی نہیں آرہا۔

ابن مسعود نے کہا: میرا کوئی دوست یا شاگرد نابینا نہیں ہے۔

ان کی بیوی نے کہا: وہ جو پہلے روزانہ بلاناغہ آپ کے پاس آیا کرتا تھا، میں اس کے متعلق پوچھ رہی ہوں۔

ابن مسعود نے کہا: مگر وہ تو دیکھ سکتا ہے، تم نے اسے نابینا کیسے سمجھ لیا؟

بیوی نے جواب دیا: وہ آپ کے پاس کئی سالوں سے آرہا ہے اور جب بھی میں نے اس کی طرف نگاہ کی تو اس کی آنکھوں کو ہمیشہ بند ہی پایا اس لئے میں یہ سمجھی کہ وہ نابینا ہے۔

وہ شخص کتنا اچھا ہے جو کسی کے گھر جائے تو اپنی نگاہ پر قابو رکھے اور اِدھر اُدھر نہ دیکھے اور خواتین کو دیکھنے سے اجتناب کرے اور وہ شخص کتنا برا ہے جو اپنی نگاہ کو بے قابو چھوڑ کر میزبان کی زندگی میں تلخیاں پیدا کرے۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ مہمانی اور میزبانی کے وقت ہر شخص کو محتاط رہنا چاہئے۔

اسلامی سفارشات کا اول و آخر مقصد یہی ہے کہ مومنین کی باہمی محبتیں پروان چڑھیں، ان کی ایمانی محبتوں میں اضافہ ہو، اس سے الٰہی مقاصد کی تکمیل ہو سکے۔ اگر کوئی کسی کی ملاقات کیلئے جائے تو بے لوث ہو کر جائے۔ ملاقات کا مقصد صرف رضائے الٰہی

کا حصول ہونا چاہئے اور اگر کوئی شخص مریض کی عیادت کے لئے جائے یا کسی کے جنازے میں شرکت کرے تو اس کا اول و آخر مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو۔

مجلسِ مومن کے آداب

حقوق اخوت کے آداب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جب آپ کسی مومن کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہوں اور وہ کوئی بات کر رہا ہو تو آپ اس کی گفتگو کو پورا ہونے دیں۔ درمیان میں اسے نہ ٹوکیں، قطع کلامی نہ کریں۔ جب اس کی گفتگو مکمل ہو جائے تو پھر آپ نے جو کچھ کہنا ہو ضرور کہیں۔ اس کے علاوہ یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مجلس میں ایسی کوئی بات نہ کہیں جس سے کسی مومن کے جذبات مجروح ہوں اور وہ غصے میں آ جائے۔ اگر کسی وجہ سے کوئی مومن غصے میں آ جائے تو آپ اس کے غصے کو دور کرنے کی پوری کوشش کریں۔

آدابِ مجلس میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ مجالس کی گفتگو امانت ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ ایک سے بات سن کر دوسروں کے سامنے بیان نہ کریں۔ میں آپ کو اس سلسلے میں ایک داستان سناتا ہوں۔

حاتم اصم کا واقعہ

شیخ حاتم اصم نامی ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا اصل نام تو حاتم تھا۔ اصم بہرے کو کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے یہ بہرہ پن اپنے اوپر خود مسلط کیا تھا۔

شیخ حاتم خراسان کے قاضی تھے۔ ایک مرتبہ ان کی عدالت میں ایک مقدمہ دائر ہوا جس میں ایک خاتون بھی شامل تھیں۔ خاتون نے ان سے درخواست کی کہ وہ تنہائی میں انہیں کچھ وقت دیں تا کہ وہ چند باتیں جو سرعام نہیں کہی جاسکتیں ان کے سامنے بیان کر سکے۔

بہرنوع شیخ حاتم نے خاتون کی خواہش کا احترام کیا اور عدالت کے ایک کمرے میں انہیں بلایا۔ خاتون ان کے سامنے پیش ہوئی اور اس نے اپنے مقدمہ کے متعلق ان کے سامنے کچھ واقعات پیش کیے۔ اسی اثناء میں خاتون کے پیٹ سے زور سے ہوا خارج ہوئی جس کی وجہ سے وہ شریف خاتون انتہائی شرمندہ ہوئی اور سوچنے لگی کہ قاضی صاحب میرے متعلق کیا رائے قائم کریں گے؟

جب قاضی نے خاتون کی اس شرمندگی کو محسوس کیا تو انہوں نے اسے اس شرمندگی سے بچانے کے لئے کہا: محترم خاتون! آپ بلند آواز سے گفتگو کریں کیونکہ میرے کان بہت کم سنتے ہیں، اسی لئے میں آپ کی بات نہیں سن سکتا۔

خاتون نے کہا: قاضی صاحب! آپ کب سے بہرے ہوئے ہیں؟

حاتم نے کہا: محترم خاتون! میں ایک طویل عرصے سے بہرا ہوں اور جب تک کوئی شخص اونچی آواز میں بات نہ کرے میں کچھ سن نہیں سکتا اور یقین کریں کہ آپ نے اب تک جتنی بھی گفتگو کی ہے میں ابھی تک ایک حرف بھی نہیں سن پایا۔

جب عورت نے حاتم کی یہ بات سنی تو وہ جی ہی جی میں خوش ہوئی اور دل میں کہنے لگی کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے پیٹ کی ہوا کی آواز نہیں سنی ورنہ مجھے سخت ندامت اٹھانی پڑتی۔ پھر اس عورت نے زور زور سے باتیں کیں تو حاتم نے کہا: اب میں نے آپ کا موقف اچھی طرح سے سن لیا ہے۔

اس واقعے کے بعد بھی حاتم طویل عرصے تک بہرہ پن کی اداکاری کرتے رہے جس کی وجہ سے وہ حاتم اصم کے نام سے مشہور ہو گئے۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ آپ کسی کے راز کو فاش نہ کریں اور اگر کسی مومن کی کوئی لغزش ملاحظہ کریں تو لوگوں کے سامنے اس کا اظہار نہ کریں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: **المجالس بالامانة** یعنی مجالس کی گفتگو امانت ہوتی ہے اور امانت کی حفاظت واجب ہے۔

اس سلسلے میں اسلام اتنا حساس ہے کہ غسال کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر اسے میت کو غسل دیتے وقت میت میں کوئی عیب دکھائی دے تو اس کا کہیں تذکرہ نہ کرے۔ اسلام کے ان احکام کا مقصد اخوت اسلامی کی حفاظت کرنا ہے۔

فرمان الٰہی ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ. یعنی تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: المؤمن اخ المؤمن ، عین المؤمن مومن، مومن کا بھائی ہے۔ مومن، مومن کی آنکھ ہے۔

اسلام نے حقوق اخوت پر بڑا زور دیا ہے اور اس سلسلے میں یہاں تک کہا ہے کہ جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے استغاثہ کرے تو تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس کی آواز پر لبیک کہیں اور اس کی مدد کو پہنچیں۔

اسلام کا پیغام یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان یاللمسلمین کہہ کر پکارے اور یہ آواز سن کر اگر کوئی شخص اس کی مدد کو نہ جائے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

ایک مومن جن کا مدد کرنا

اصول کافی میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار چند مسلمان کسی صحرا میں سفر کر رہے تھے۔ ممکن ہے وہ افریقہ کا کوئی صحرا ہو۔ دوران سفر ان کے پاس پانی ختم ہوگیا۔ گرمی اور پیاس کی وجہ سے وہ سب کے سب نڈھال ہو کر گر گئے اور موت کا انتظار کرنے لگے۔ اسی اثناء میں انہوں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اُن کے پاس آیا اور اس نے انہیں آواز دے کر کہا: اٹھو اور پانی پیو۔

یہ آواز سن کر سب اٹھ بیٹھے اور اس بوڑھے نے ان سب کو جی بھر کر پانی پلایا۔ جب انہوں نے پانی پیا تو ان کی جان میں جان آئی۔ انہوں نے بوڑھے سے پوچھا: اے بندۂ خدا آپ کون ہیں؟ آپ تو ہمارے لئے فرشتہ رحمت بن کر یہاں آئے ورنہ ہم تو پیاس کی شدت سے جاں بلب تھے۔

بوڑھے نے کہا: میں ایک جن ہوں۔ جنات میں بھی انسانوں کی طرح سے مومن ہوتے ہیں۔ اذیت دینے والے بھی ہوتے ہیں اور رحم اور مدد کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں مسلمان ہوں اور میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ خود اپنے کانوں سے سنے تھے، آپ نے فرمایا تھا: **المسلم اخ المسلم لا یخذل ولا یغش.** یعنی "مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو مصیبت میں تنہا نہیں چھوڑتا اور اس کے ساتھ خیانت نہیں کرتا۔" میں نے دیکھا کہ میرے دینی بھائی مشکل میں ہیں اسی لئے میں تمہارے پاس پانی لے آیا۔ یہ کہہ کر وہ جن ان کی نگاہوں سے غائب ہوگیا۔

میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک ایماندار جن بھی اپنے بھائیوں کی مدد کرتا ہے تو کیا آپ آدم زاد ہو کر اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرتے ہیں؟ کیا آپ **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ** کی آیت بھول چکے ہیں؟ اگر آپ کو یہ آیت یاد ہے تو پھر اس پر عمل کریں اور اپنی تمام کوششیں صرف کر کے اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کریں اور یاد رکھیں کہ آپ کی تمام تر کوششیں بے لوث اور رضائے الٰہی کی خاطر ہونی چاہئیں۔ اگر آپ کی تمام کوشش کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے تو آپ کو مبارک ہو اور اس سلسلے میں آپ یہ بشارت ملاحظہ فرمائیں:

مومن کی حاجت روائی کا ثواب

بحار الانوار کی جلد ۱۶ میں حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ امام علیہ السلام نے بیت اللہ کے طواف کا ثواب بیان کرتے ہوئے فرمایا: جو شخص کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرے تو اللہ تعالیٰ اسے چھ ہزار نیکیوں کا ثواب عطا فرمائے گا اور اس کے چھ ہزار گناہ معاف فرمائے گا اور اس کے چھ ہزار درجات

بلند فرمائے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی مومن کی حاجت پوری کرے تو ایک طواف، دوطواف، تین طواف یہاں تک کہ آپ نے دس طواف کا ثواب اس کے لئے بیان کیا۔

حدیث میں ایک ، دو ، تین وغیرہ کی تعداد کا مقصد یہ ہے کہ مومن کی حاجت کی اہمیت کے مطابق ثواب عطا کیا جائے گا۔

امام حسن مجتبیٰؑ کا کردار

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے متعلق منقول ہے کہ آپ مسجد الحرام میں اعتکاف کئے ہوئے تھے اور آپ تمام حضرات کو یہ بات معلوم ہے کہ حالت اعتکاف میں حتی الامکان باہر آنے سے گریز کرنا پڑتا ہے۔

بہرحال آپ حالت اعتکاف میں تھے اور ایک شیعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے عرض کی: اے فرزند رسولؐ ! میں مقروض ہوں اور میرا قرض خواہ مجھے مہلت دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ آپ اس سلسلے میں میری مدد فرمائیں۔ (اس کے بعد جو روایت لکھی ہوئی ہے اس کا ماحصل یہ ہے)

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس وقت میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ میں تیرا قرض ادا کرسکوں۔

سائل نے کہا: مولا! آپ اتنی مہربانی فرمائیں کہ قرض خواہ کے پاس جاکر میرے لئے سفارش کردیں تاکہ وہ مجھے کچھ مہلت دیدے۔

یہ سن کر آپ نے جوتا پہنا اور مسجد سے اٹھ کر باہر جانے لگے تو ایک شخص نے آپ سے کہا: اے فرزند رسولؐ ! آپ کہاں جارہے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: میں اس مومن کی ضمانت کے لئے جارہا ہوں۔

اس شخص نے کہا: مگر آپ تو اعتکاف میں ہیں اور اس حالت میں آپ

باہر کیسے جائیں گے؟

آپ نے فرمایا: میرے پدر گرامی نے رسول اللہؐ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص کسی مومن کی حاجت پوری کرے گا تو اس کا یہ عمل حج وعمرہ اور دو ماہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔

شهرين عكافا. یعنی دو ماہ کا اعتکاف۔ دو مہینوں میں بیس اعتکاف کئے جاسکتے ہیں۔ الغرض آپ اٹھے اور اس مومن کی حاجت کو پورا کیا اور پھر دوبارہ مسجد الحرام میں تشریف لائے۔

آپ حضرات سے جہاں تک ممکن ہو مومنین کی حاجت روائی کریں کیونکہ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جس کے ہاتھ سے کسی کی بھلائی وابستہ ہو۔ وہ شخص بڑے مقدر والا ہے جو کسی مومن کی مشکل حل کرے اور مومن کے دل میں اپنا مقام پیدا کرے۔ یاد رکھیں کہ مومن کو خوش کرنے والا انسان جب قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھے گا تو اسے اپنی قبر کے پاس ایک خوبصورت ساتھی دکھائی دے گا جو اس مومن سے کہے گا کہ آپ میرے ساتھ آئیں۔ وہ مومن خوش ہو کر اس کے ساتھ چلے گا اور اس کی رفاقت پا کر اس قدر خوش ہوگا کہ اسے صراط سے گزرنے کا احساس تک نہ ہوگا۔ پھر وہی ساتھی اسے جنت کے دروازے پر لے جائے گا۔ جب مومن جنت کے دروازے پر پہنچے گا تو وہ اسے الوداع کہہ کر واپس جانے لگے گا تو اس وقت مومن اس ساتھی سے پوچھے گا کہ اے بندۂ خدا! تو کون ہے اور میں تو جنت کے دروازے پر پہنچ چکا ہوں، صراط اور محشر کہاں ہیں؟ اس وقت وہ ساتھی مومن سے کہے گا: ہم محشر اور صراط کو عبور کر چکے ہیں۔

مومن تعجب سے کہے گا: اصل بات یہ ہے کہ میں تمہاری رفاقت پا کر اتنا خوش تھا کہ مجھے محشر اور صراط کا پتا تک نہ چل سکا مگر جانے سے پہلے اپنا تعارف تو کراتے جاؤ۔

اس وقت وہ کہے گا: میں وہ خوشی ہوں جو تو نے فلاں وقت فلاں مومن کے دل میں پیدا کی تھی۔ تو نے مومن کا قرض ادا کر کے اور مومن کی تکلیف دور کر کے اسے جو خوشی فراہم کی تھی میں وہی خوشی ہوں اور آج اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے مجسم کر کے تیرے پاس بھیجا ہے۔

باہمی مواسات

وسائل الشیعہ میں ''حسن معاشرت'' کے متعلق ایک طویل باب ہے جس میں مواسات یعنی ہمدردی اور غمگساری کے متعلق کئی روایات موجود ہیں۔ ان روایات کو دیکھ کر میں حیران ہو کر سوچتا ہوں کہ خدایا یہ روایات اور احکامات کس لئے ہیں؟ اس سوال کا جواب یہی ہے کہ یہ عمل کے لئے ہیں۔

کتاب مذکور کے باب ''حسن معاشرت'' میں بہت سے ذیلی ابواب ہیں جن میں ایک باب باہمی ہمدردی اور غمگساری کے متعلق ہے۔ آپ حضرات تو یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اخوت کے لئے ہمدردی اور غمگساری کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

اگر آپ اپنے لئے کسی کو ایمانی بھائی بنانے کے خواہشمند ہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ اس میں ہمدردی اور غمگساری کی صفت بھی پائی جاتی ہے یا نہیں؟

محمدؐ و علیؑ، موسیٰؑ و ہارونؑ کی طرح کے دو بھائی

شیعہ اور سنی روایات میں تواتر کے ساتھ آیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا بھائی بنایا تھا۔ پیغمبر اکرمؐ نے مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ میں آ کر لوگوں میں مواخات قائم کی اور دو دو افراد کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ یہ برادری انما المومنون اخوۃ کی عمومی برادری کے علاوہ تھی۔

روایت بڑی عجیب ہے۔ رسول اکرمؐ نے اپنے نور نبوت سے بھائیوں کا

انتخاب کیا اور آپ نے جن جن افراد کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا وہ سب صفات اور عادات میں یکساں تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر کو عمر کا بھائی بنایا، طلحہ کو زبیر کا بھائی بنایا، عبدالرحمٰن بن عوف کو عثمان کا بھائی بنایا، سلمان کو ابوذر کا بھائی بنایا اور مقداد کو عمار (رضی اللہ عنہم) کا بھائی بنایا۔ آپ نے جن لوگوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا وہ آپس میں ایک دوسرے کے بڑے خیرخواہ تھے۔ اگر ان میں سے ایک سفر میں جاتا تو دوسرا مدینے میں رہ کر اس کے گھر کی نگہبانی کرتا اور گھریلو ضروریات کا خیال رکھتا تھا۔

الغرض رسول خداؐ نے تمام صحابہ کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ بس ایک شخص ایسا تھا جسے رسول خداؐ نے کسی کا بھائی نہیں بنایا اور وہ حضرت علیؑ تھے۔

شیعہ وسنی محدثین نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؑ نے دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے کے بھائی بن چکے ہیں اور وہ ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر چل رہے ہیں تو آپ بڑے غمگین ہوئے اور رسول خداؐ سے کہا: یا رسول اللہؐ! آپ نے سب کے بھائی بنائے لیکن آپ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا؟

رسول خداؐ نے ان سے فرمایا: اے علیؑ! میں نے تمہیں اپنے لئے باقی رکھا ہے۔ اس کے بعد رسول اکرمؐ منبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا: **ایھا الناس ھذا اخی!** اے عمر! تمہارا بھائی ابوبکر ہے، اے عثمان! تمہارا بھائی عبدالرحمٰن ہے، لیکن یاد رکھو کہ علیؑ کا بھائی محمدؐ ہے۔

ایک اور موقع پر رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: **انت اخی و وصی و وارثی لحمک من لحمی و دمک من دمی** تم میرے بھائی، وصی اور وارث ہو۔ تمہارا گوشت میرا گوشت ہے اور تمہارا خون میرا خون ہے۔

مقصد **لحمک لحمی** پہ کھلی ان کی زباں
یہ تو اک راہ تجھؐ کو بھی برا کہتے ہیں

اقبالؔ

امیرالمومنین علیہ السلام نے بہت سے مواقع پر مسلمانوں کے سامنے اپنے دردِ دل کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا: اے مسلمانو! بتاؤ میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا بھی ہے جسے رسول خداؐ نے اپنا بھائی بنایا ہو؟ اگر میرے علاوہ رسول خداؐ نے کسی کو اپنا بھائی نہیں بنایا تو تم نے مجھے چھوڑ کر غیروں کو اپنا رہبر کیوں بنالیا ہے؟

ایمانی بھائی بنانا سنت ہے

فقہائے اسلام نے عقد مواخات کو دیکھ کر یہ استفادہ کیا ہے کہ مومن کو چاہئے کہ وہ کسی ایک یا دو یا دو سے زیادہ مومنین کو اپنا ایمانی بھائی بنائے کیونکہ یہ سنت رسولؐ ہے۔ روایات اہلبیتؑ میں بھی ایمانی بھائی بنانے کا حکم ہے: یستحب اتخاذ الاخ فی اللّٰہ. یعنی مستحب ہے کہ مومن کسی کو خدا کی خاطر اپنا بھائی بنائے۔

کسی کو بھائی بنانے سے پہلے یہ ضرور دیکھ لیں کہ جسے آپ اپنا بھائی بنا رہے ہیں کیا وہ بھائی بننے کا اہل بھی ہے کہ نہیں؟ اور یہ کہ جسے آپ بھائی بنا رہے ہیں اس کا ساتھ صرف دنیا تک ہی محدود رہے گا یا وہ بہشت اور کوثر تک ساتھ نبھائے گا؟ اور یہ بات بڑی واضح ہے کہ جو اخوت صرف دنیاوی مفادات کے تحت عمل میں لائی جائے گی وہ ناپائیدار ہوگی اور جب بھی آپ کا بھائی اپنے مفادات کو خطرے میں دیکھے گا وہ آپ کی اخوت کو مسترد کر دے گا۔

الٰہی اور روحانی بھائی چارہ صرف اس وقت ہوسکتا ہے جب اس میں ذاتی مفادات کارفرما نہ ہوں۔ جہاں الٰہی اور روحانی بھائی چارہ ہوگا وہاں ''میں'' کا تصور ختم ہوجائے گا اور انسان کبھی یہ نہیں کہے گا کہ میری خوشی، میری راحت، میری لذت اور میری نجات۔ جہاں الٰہی اخوت قائم ہوگی وہاں ''میں'' کی بجائے ''ہم'' کا لفظ استعمال ہوگا کہ ہماری خوشی، ہماری راحت، ہماری لذت اور ہماری نجات وغیرہ۔ وہاں معاملہ ''من وتو'' سے نکل کر ''یک جان دو قالب'' میں ڈھل جائے گا اور جب

تک کوئی شخص اپنی ذات کی نفی نہ کرے اس وقت تک وہ ایمانی اخوت کے مرتبے کو حاصل نہیں کرسکتا۔ جب تک قطرہ اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے اپنے آپ کو سمندر میں شامل نہ کرے تو اسے کبھی وسعت نصیب نہیں ہوسکتی۔ جب تک ایک غلام اپنے آپ کو آقا پر قربان نہ کردے اس وقت تک وہ ان کا حصہ متصور نہیں ہوسکتا۔

امام علیہ السلام نے ایسے افراد کے انتخاب کے لئے دو معیار بیان کئے ہیں، آپ نے فرمایا: **اختبروا شیعتنا بخصلتین محافظة لاوقات الصلاة والبر بالاخوان فی العسر والسیر. قال الصادق علیه السلام امتحنوا شیعتنا عند مواقیت الصلاة کیف محافظتهم علیها.** یعنی ہمارے شیعوں کو دو عادات کی بناپر آزماؤ۔ اوقات نماز کی محافظت اور دکھ سکھ میں بھائیوں کے ساتھ بھلائی۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اوقات نماز کی محافظت سے ہمارے شیعوں کا امتحان لو۔ (سفینۃ البحار، جلد۲، صفحہ۴۴)

معصومؑ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ تم ہر شخص کو اپنا بھائی نہ بناؤ اور بھائی بنانے کے لئے شیعوں کا انتخاب کرو۔ مگر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان میں سے کون حقیقی شیعہ ہے اور کون حقیقی شیعہ نہیں ہے، انہیں دو باتوں سے آزماؤ۔

شیعہ کی پہلی علامت یہ ہے کہ جیسے ہی نماز کا وقت ہوتو وہ اپنے تمام کام چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑا ہو جائے اور نماز کو ہر کام پر ترجیح دے۔ شیعہ کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ دکھ سکھ کے لحات میں اپنے ایمانی بھائیوں کی مدد کرے۔ اس علامت کو دوسری روایت میں لفظ ''مواسات'' سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی ہمدردی اور غمگساری کے ہیں۔ لہٰذا آپ کسی ایسے فرد کو اپنا ایمانی بھائی کبھی نہ بنائیں جو ہمیشہ اپنا فائدہ اور دوسروں کا نقصان چاہتا ہو۔

ایک ایمانی بھائی وہ ہے جو اپنے وسائل راحت میں دوسرے ایمانی بھائی کو شریک کرنے اور روایت میں تو یہاں تک ہے کہ اگر اس کے پاس دو بیویاں ہوں

اور اس کے ایمانی بھائی کے پاس بیوی نہ ہو تو وہ ایک بیوی کو طلاق دیدے اور جب اس کی عدت گزر جائے تو اس کا نکاح اپنے ایمانی بھائی سے کرادے اور اگر اس کے پاس دو گھر ہوں تو ایک گھر اپنے پاس رکھے اور دوسرا گھر اپنے ایمانی بھائی کو دیدے۔ اگر اس کے پاس ایک نوکر ہو تو اس سے ایک دن اپنا کام کرائے اور دوسرے دن اسے اپنے ایمانی بھائی کے کام کے لئے بھیج دے۔

غرضیکہ یہ ہمدردی و غمگساری صرف دولت تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ جان کی قربانی تک محیط ہے۔

میں اس کی زیادہ تشریح نہیں کروں گا کیونکہ ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اس کی مزید تشریح کی تو کہیں آپ یہ نہ کہنے لگ جائیں کہ جناب ایسے بھائی سے ہم اکیلے ہی بہتر ہیں۔

ایثار کے چند نمونے

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ کسی نے رسول خداؐ کی خدمت میں بکری کی ایک ران بطور ہدیہ بھیجی۔ رسول خداؐ نے وہ ران اپنے ایک ہمسائے کے گھر بھیج دی۔ اس نے وہی ران ایک اور ہمسائے کو ہدیہ کردی۔ ہمسائے نے بھی وہ ران کسی اور ہمسائے کے ہاں بھیج دی۔ الغرض وہ ایک ران سات گھرانوں میں سے پھرتی پھراتی پھر رسول خداؐ کے ہاں پہنچ گئی۔

تفسیر مجمع البیان میں ہشام کی زبانی مروی ہے کہ میں جنگ احد کے اختتام پر اپنے چچازاد بھائی کے پاس گیا۔ میرا بھائی شدید زخمی تھا اور زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ میں نے اس کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ اور اس کے اشاروں سے یہ اندازہ کیا کہ وہ سخت پیاسا ہے اور پانی مانگ رہا ہے۔ میں دوڑ کر کچھ پانی لایا اور اس کے منہ کے قریب کیا کہا کہ پانی پی لو مگر اس نے اپنے منہ کو مضبوطی سے بند کرلیا

اور اشارے سے کہا کہ میری بجائے ساتھ والے زخمی کو پانی پلاؤ وہ مجھ سے زیادہ پیاسا ہے۔ میں پانی کی چھاگل لے کر دوسرے زخمی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ پانی پی لو مگر اس نے بھی پانی نہیں پیا اور کہا کہ فلاں زخمی کو پانی پلاؤ، وہ مجھ سے زیادہ پیاسا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں پانی کی چھاگل تیسرے زخمی کے پاس لے کر گیا تو دیکھا کہ وہ شہید ہو چکا ہے۔ پھر میں دوسرے زخمی کے پاس گیا تو اتنے میں وہ بھی شہید ہو چکا تھا۔ پھر میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس گیا تو وہ بھی شہید ہو چکا تھا۔ میں وہی چھاگل لے کر واپس آ گیا۔

یہ ہے حقیقی ہمدردی کی منزل کہ انسان اپنی ذات پر اپنے ایمانی بھائی کو ترجیح دے جبکہ ہمارے دور کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ آج تو لوگ اس چکر میں ہیں کہ کس طرح اپنے بھائی کی جمع پونجی پر ہاتھ صاف کریں۔

خداوند عالم ہم سب کو ایمانی بھائیوں کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور یقین فرمائیں جو شخص ایمانی اخوت کے تقاضے پورے کرتا ہے تو وہ اس میں خود بھی حصہ دار ہوتا ہے۔

معاشرہ انسانی ضرورت ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلاَ نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلاَ تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ ۔ یعنی اے ایمان والو! کوئی گروہ کسی گروہ کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور عورتیں عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور اپنی جانوں پر عیب مت لگاؤ۔

انسان معاشرتی جاندار ہے اور اسے اپنی دنیا و آخرت کی سعادت کے لئے دوسروں کے تعاون کی ضرورت ہے۔ اگر انسان دنیاوی زندگی، کی سعادت کا خواہش مند ہے تو بھی اسے لوگوں کے تعاون کی شدید ضرورت ہے۔ اسے گھر چاہئے، گھر کے لئے معمار اور مزدور کا ہونا ضروری ہے۔ اسے عائلی زندگی کے لئے بیوی کی ضرورت ہے، اسے لباس کی ضرورت ہے، اسے خوراک کی ضرورت ہے۔ ایک اکیلا شخص ان تمام ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ اسی لئے اسے ہمدرد اور مخلص افراد کی ضرورت ہے جو اس کے ساتھ تعاون کریں تاکہ اس کی زندگی کی ضروریات پوری ہوں اور وہ آبرو مندانہ زندگی بسر کر سکے۔ جس ماحول و معاشرے میں امن و سکون اور پیار و محبت کا راج ہو وہ ایک مثالی معاشرہ کہلاتا ہے اور وہ کسی طرح بھی جنت سے کم نہیں ہوتا۔

بہشت آنجاست کہ آزاری نباشد
کسی را با کسی کاری نباشد

یعنی بہشت اس جگہ کا نام ہے جہاں کوئی تکلیف نہ ہو اور کسی کو کسی کی ضرورت نہ ہو۔

جس طرح سے دنیاوی زندگی کے لئے انسان دوسروں کا محتاج ہے، اسی طرح سے اخروی زندگی کے سلجھانے کے لئے بھی انسان دوسرے انسانوں کے تعاون کا محتاج ہے کیونکہ آخرت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے گوشہ نشینی کی ضرورت نہیں ہے۔ آخرت کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ انسان علمائے دین اور مومنین کی محافل و مجالس میں جائے اور وہاں سے ایمان کے تقاضوں کو حاصل کرے۔ ایمان ایسی چیز نہیں ہے کہ اسے کسی کے منہ میں گھول کر پلا دیا جائے۔

نور ایمان کے حصول کے لئے علماء و مومنین سے نشست و برخاست کی ضرورت ہے اور اس نشست و برخاست کی برکت سے انسان کو علم و معرفت حاصل ہوتی ہے۔ ایک اکیلا انسان علم و معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔

اصول کافی میں ہے کہ کچھ لوگوں نے امام جعفر صادقؑ کے سامنے ایک شخص کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ وہ اتنا پرہیزگار ہے کہ دن رات ذکر الٰہی میں مصروف رہتا ہے اور اسی مصروفیت کی وجہ سے وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتا۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: **من این یتفقہ فی دینہ؟** ایسا شخص جو گھر سے باہر نہیں نکلتا وہ اپنے دین کی معرفت کہاں سے حاصل کرتا ہے؟

خدارا آپ ہی بتائیں جو لوگ مسجد میں نہیں آتے، کسی دینی مجلس میں شرکت نہیں کرتے یا دینی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے وہ معرفت کہاں سے حاصل کرتے ہوں گے؟ اگر کسی کے پاس تھوڑا بہت تقلیدی علم بھی موجود ہو تو وہ بھی اخروی سعادت کے لئے ناکافی ہے کیونکہ تقلیدی ایمان قبر تک ساتھ نہیں جا سکتا اور قبر تک

قلبی ایمان ساتھ جائے گا۔ قلبی ایمان کے لئے جدوجہد کی ضرورت ہے اور جب تک کوئی شخص محنت نہ کرے اس وقت تک اسے قلبی ایمان حاصل نہیں ہو سکے گا۔ قلبی ایمان کے لئے تحقیق و معرفت کی ضرورت ہے اور نور معرفت اسی وقت حاصل ہوگا جب انسان علماء کے آستانے پر حاضری دے گا۔

اکیلا شخص جلد شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے

شیاطین کی کوشش رہتی ہے کہ انسان سعادت حاصل نہ کرنے پائے۔ اسی لئے وہ اس کے دل میں شبہات ڈالتے رہتے ہیں تاکہ اس کا ایمان متزلزل ہو جائے اور اس کے عمل ضائع ہو جائیں۔ شیطان اور اس کے چیلے ہمیشہ عقائد کے متعلق شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں۔

عروۃ الوثقیٰ کے مؤلف نے بہت ہی اچھا لکھا ہے کہ شیطان سے اگر اور کچھ نہ ہوسکے تو وہ امام جماعت کے متعلق شکوک پیدا کرنے لگ جاتا ہے، جب وہ شکوک پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو انسان نماز جماعت کی برکت سے محروم رہ جاتا ہے، وہ جماعت چھوڑنے کی وجہ سے تنہا ہو جاتا ہے اور تنہا شخص جلد شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔ انسان ایمانی طور پر اکیلا نہ ہو، اسے کسی مومن کی رفاقت میسر ہوتو شیطان کے لئے اس پر کامیابی حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ایک تنہا لکڑی کو آسانی سے توڑا جاسکتا ہے اور اگر لکڑی کے دونوں حصوں کو جمع کیا جائے تو اسے توڑنا آسان نہیں رہتا۔ اسی طرح سے جب تک مومن اکیلا ہوگا اس وقت تک شیطان سے مغلوب رہے گا اور شیطان اس پر مسلسل حملے کر کے اسے ایمان سے محروم کردے گا اور اگر کسی مومن کو خوش نصیبی سے کسی ایمانی بھائی کی رفاقت میسر آجائے تو شیطان اسے آسانی کے ساتھ گمراہ نہ کرسکے گا اور اس کے دل میں وسوسے نہ ڈال سکے گا۔ اگر وہ وسوسہ بھی ڈالے گا تو دوسرا مومن اس کی اصلاح

کردے گا اور یوں شیطانی حملہ ناکام ہو جائے گا۔ شیطان تنہائی کے عادی افراد کو طہارت اور قرأت کے متعلق وسوسے میں ڈالتا رہتا ہے۔ اگر دو مومن یکجا ہوں تو شیطان کا ان پر بس نہیں چلتا۔

ایک روایت میں ہے کہ ہمارا شیعہ وسوسوں میں مبتلا نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہم سے متصل ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص امام جعفر صادقؑ سے مربوط ہو اور جو شخص کسی کامل الایمان مومن سے مربوط ہو وہاں وسوسوں کا کیا کام ہے؟

شیطان کی کوشش رہتی ہے کہ وہ مومنین کو جمع نہ ہونے دے اور ان میں تفرقہ ڈال دے۔ وہ دو دوستوں کو اکٹھا دیکھنا پسند نہیں کرتا اسی لئے وہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف وسوسے ڈالتا رہتا ہے تا کہ یہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اور اس کا کام آسان ہو جائے۔

اصول کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تک مومن، مومن سے جدا رہے اس وقت تک شیطان خوش رہتا ہے اور جب دو مومن متحد ہو جاتے ہیں تو شیطان اپنے آپ کو زمین پر گرا دیتا ہے اور چیخنے چلانے لگ جاتا ہے۔ آپ نے حدیث کے الفاظ میں یہ بات ساعت کی کہ جب دو مومن متحد ہوتے ہیں تو شیطان چیخنے لگ جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ مومن ہے جو اپنی خواہشات کا اسیر نہ ہو بلکہ رضائے الٰہی کی غرض سے مومن کامل کے ساتھ متحد ہوا ہو تو پھر شیطان کے تمام حربے ناکام ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص کو روحانی ساتھی کی ضرورت ہے اور بالخصوص موت کے وقت تو اس کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص مرنے لگتا ہے تو **مثلت له اصحابه** یعنی اس کے دوست مجسم ہو کر اس کے سامنے آ جاتے ہیں۔ اگر کسی کی دوستی نیک افراد کے ساتھ ہوگی تو اسے نیک افراد کی صورتیں دکھائی دیں گی اور اگر کسی شخص کی دوستی برے افراد سے ہوگی تو اسے

بری صورتیں دکھائی دیں گی۔ خدا نہ کرے کہ کسی کی شیطان سے دوستی ہو۔ اگر کسی کی شیطان سے دوستی ہوگی تو مرنے کے وقت اسے شیطان مردود کی صورت دکھائی دے گی جو آخری وقت بھی اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا۔

وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جسے کسی کامل الایمان مومن کی رفاقت میسر آجائے۔ ایسا شخص جب دنیا سے رخصت ہو رہا ہوتو اس کے دوست کی اسے صورت دکھائی دے گی اور وہ اس کی مدد کرے گی۔ روحانی رفیق کی برکت صرف موت تک محدود نہیں ہے بلکہ موت کے بعد بھی اس کے لئے فائدہ مند ثابت ہوگی۔

یاد رکھیں کہ ایمانی ساتھیوں کا کل تک قحط تھا، مگر آج کل تو یہ جنس تقریباً نایاب ہوچکی ہے۔ آج کے مادی دور میں بھلا ایسے افراد کہاں ہیں جو خواہشات کے جال سے آزاد ہوں اور الٰہی اور ایمانی مقاصد کی تکمیل کے لئے آپ سے دوستی کریں؟ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسے ساتھی عنایت فرمائے۔

یکجہتی کے لئے معاون امور کا حکم

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ دنیا و آخرت کی سعادت دلوں کے اتحاد میں مضمر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ایسے امور کا حکم دیا ہے جو دلوں کے اتحاد کے لئے معاون ثابت ہوسکتی ہیں اور ان تمام امور سے منع کیا جو نفرت اور جدائی کا سبب بنتے ہیں۔ ان احکام کا مقصد دلوں کی یکجہتی ہے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ مسلمان انتشار و افتراق کا شکار نہ ہوں اور انتشار کی وجہ سے ان کی دنیا و آخرت تباہ نہ ہو۔ لیکن آج ہماری حالت کیا ہے؟ آج مسلمان وضع میں نصاریٰ اور تمدن میں ہنود سے کچھ زیادہ مختلف دکھائی نہیں دیتے۔

کفار اپنے کفر کی وجہ سے ذلت میں مبتلا ہیں اور مسلمان باہمی انتشار کی وجہ سے ذلت کا شکار ہیں۔ آج مسلمانوں کے دل ایک دوسرے سے دور ہیں۔

آپ دو اثناء عشری شیعوں کو ہی دیکھ لیں، ان کا خدا، رسولؐ، کتاب، قبلہ اور امام ایک ہے اور ان کی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ بھی ایک جیسی ہے مگر اس کے باوجود ان کے دل ایک دوسرے سے دور دکھائی دیتے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ ان کے دل ایک دوسرے سے اس لئے دور ہیں کہ وہ خواہشات نفس کے پیروکار ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے مفادات جدا جدا ہیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج اسرائیل کی آبادی تیس لاکھ ہے اور اس کے اردگرد عرب مسلمانوں کی تعداد کروڑوں میں ہے مگر تیس لاکھ یہودی ان پر غالب ہیں اور ان کا ناطقہ بند کئے ہوئے ہیں۔ اگر ہم عالم اسلام کی مجموعی آبادی پر نظر ڈالیں تو وہ ایک ارب سے زیادہ ہے مگر اس کے باوجود وہ اسرائیل سے خوفزدہ ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے کفار و مشرکین کی تہذیب و تمدن کو اپنایا ہوا ہے اور ہماری زندگی بسر کرنے کے انداز اور کفار کی زندگی بسر کرنے کے انداز میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ مجھے تو یہ خوف کھائے جا رہا ہے کہ کہیں ہماری آخرت بھی ان جیسی نہ ہو۔

آج میں نہایت افسوس سے یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ کفار، مسلمانوں کی بہ نسبت پھر فائدے میں ہیں کیونکہ انہوں نے کم از کم دنیاوی زندگی تو اچھی بنالی ہے۔ آج ان کے پاس قوت و شوکت دکھائی دیتی ہے جبکہ مسلمانوں کے پاس نہ تو دنیاوی قوت ہے اور نہ ہی ان کے پاس آخرت ہے۔

اسلامی احکام کو اہمیت دیں

دلوں کی یکجہتی کے لئے اسلام نے جو طریقے تعلیم کئے ہیں ان پر عمل کریں۔ اسلام نے اتحاد قلوب کے لئے سلام سے لے کر مواسات اور ایثار تک کا پروگرام دیا ہے لہٰذا آپ سلام کرنے کی عادت کو فراموش نہ کریں۔

کیا آپ نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت فرمائی ہے کہ سلام کا مقصد کیا ہے؟

اس آیت میں لفظ "قَوْمٌ" سے مراد افراد ہیں یعنی اسلام یہ کہتا ہے کہ مَردوں کے گروہوں کو چاہئے کہ وہ دوسرے گروہوں کا مذاق نہ اڑائیں۔

آپ سب غور سے سنیں کہ ہمیں یہود و نصاریٰ سے کوئی مطلب نہیں ہے کیونکہ ان کا اعتقاد صحیح نہیں ہے۔ ہم آپ سے اس لئے مخاطب ہو رہے ہیں کہ آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن حق ہے، قیامت حق ہے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ حق ہیں اس لئے یاد رکھیں کہ مسلمان کا مذاق اڑانا حرام ہے کیونکہ اس سے آپس میں رنجشیں ہوجاتی ہیں۔ اس کے بعد شیطان کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ اسی لئے آپ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ۔ یعنی عورتیں، عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔

اے مسلمانو! تم ایک دوسرے کا مذاق مت اڑاؤ کیونکہ مذاق کا مقصد کسی کو ذلیل و رسوا کرنا ہوتا ہے لہٰذا اس فعل بد سے پرہیز کیا کریں۔

امہات المومنینؓ کا طرزِ عمل

حیی بن اخطب خیبر کے یہودیوں کا سردار تھا۔ اس نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں تو رسول خداؐ لشکر لے کر خیبر پہنچ گئے۔ چند دن جنگ ہوئی بالآخر حضرت علیؑ نے خیبر فتح کرلیا اور اس جنگ میں حُیی بن اخطب مارا گیا۔ اس کی بیٹی صفیہ گرفتار ہوئی اور اس نے رسول خداؐ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی تو رسول خداؐ نے ان سے نکاح کیا اور وہ ام المومنین بن گئیں۔ مگر بی بی عائشہؓ اور بی بی حفصہؓ کو ان سے خدا واسطے کا بیر تھا اور وہ دونوں انہیں تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں اور اُن کو پریشان کرنے کے لئے کہتی تھیں کہ تو یہودیہ ہے اور تیرا باپ یہودی تھا۔ الغرض اس طرح کے الفاظ سے ہر وقت ان کی دل آزاری کیا کرتی تھیں۔ حضرت صفیہؓ نے ان کے طرز عمل کی رسول خداؐ سے شکایت

کی اور کہا کہ آپ کی یہ دونوں بیویاں ہر وقت مجھے یہودیہ اور دختر یہودی کہہ کر پکارتی ہیں جس سے میری دل آزاری ہوتی ہے۔

حضرت رسول خداؐ نے اس سے فرمایا: **ھلا قلت ابی ھارونؑ و عمی موسیٰؑ و زوجی محمدؐ**. یعنی ان کے جواب میں تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ میرے باپ حضرت ہارونؑ اور میرے چچا حضرت موسیٰؑ اور میرے شوہر حضرت محمدؐ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: عَسٰی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ. یعنی ممکن ہے کہ جن عورتوں کا وہ مذاق اڑا رہی ہوں وہ ان سے بہتر ہوں۔

اے مسلمان تو کسی کے متعلق کیا جانتا ہے۔ جس کا تو مذاق اڑا رہا ہے ممکن ہے کہ خدا کی نظر میں اس کا تجھ سے کہیں زیادہ مقام ہو۔ تو صرف ظاہر کو دیکھ رہا ہے، تجھے کیا معلوم کہ وہ باطن میں کیا ہے؟ دنیا میں ایسے بہت سے افراد ہو گزرے ہیں جو ظاہری طور پر صاحب مقام دکھائی نہیں دیتے تھے لیکن اس کے باوجود انہیں خاصان خدا ہونے کا شرف حاصل تھا۔

اس آیت عَسٰی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ. کا مقصد اور مفہوم کچھ اسی طرح نکلتا ہے کہ تم جس فقیر کو خاک پر بیٹھا دیکھ کر حقیر سمجھ رہے ہو ممکن ہے کہ وہ خداوند عالم کے نزدیک کئی بادشاہوں سے بہتر ہو۔ ممکن ہے وہ خداوند عالم کے ہاں محترم اور مستجاب الدعوات ہو۔

ایک گمنام شخص کا مقام

آپ کے اسی شہر شیراز میں عبدالغفار نامی ایک شخص ہو گزرے ہیں۔ وہ آج سے اسی نوے برس پہلے فوجی وردی پہنے ہوتے تھے اور مدرسۂ خان شیراز میں رہتے تھے۔ وہ ایک بالکل گمنام شخص تھے۔ ان کے مراتب و معارف کی کسی کو خبر نہیں تھی شیخ مہدی کجوریؒ نے ان کی وفات کے بعد اعلان کیا تھا کہ لوگو! کیا تم اس شخص کو

صاحب خانہ کا کیا قصور ہے؟ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولٰـئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

اگر آپ کو اپنی غلطیاں یاد ہوں تو خدا کے سامنے اپنی غلطیاں دہرائیں اور اگر آپ کو اپنی غلطیاں بھول چکی ہیں تو بھی خدا کو آپ کی تمام غلطیاں یاد ہیں اور آپ کے نامۂ اعمال میں درج ہیں لہٰذا خدا سے غلطیوں کی معافی مانگیں اور کہیں: خدایا! میں نے اس زبان سے مومن کا مذاق اڑایا ہے، مومن کا حق ضائع کیا ہے، میں نے مومن کو خوار کیا ہے، تو غفور ہے، تو رحیم ہے، مجھے معاف کر دے، مجھے میرے ظلم سے نجات دے۔ اس درخواست کے ساتھ امام زین العابدینؑ کی دعائے توبہ بھی ضرور پڑھیں: اللّٰھم انی استغفرک من کل ماخالف ارادتک اوازال عن محبتک من لحظات عینی و خطرات قلبی و حکایات لسانی و حرکات جوارحی. اس دعا میں امام زین العابدینؑ بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ خدایا! تیرے ارادے کے خلاف جو کچھ مجھ سے سرزد ہوا ہے اور جو کچھ تیری دوستی کے زوال کا سبب بنا ہے اور اس میں میری آنکھ کے اشارے، میرے دل کے خیالات، میری زبان کی بیان کردہ حکایات اور میرے اعضاء کی حرکات شامل ہیں۔ میں تجھ سے ان سب کے لئے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مومن کو خوار کرے، اس کا مذاق اڑائے تو اللہ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ خداوند عالم ان لوگوں سے کیا سلوک کرے گا جنہوں نے امام حسینؑ کا مذاق اڑایا اور دریائے فرات کی طرف اشارہ کر کے ان سے کہا: اے حسینؑ! آپ فرات پر نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ یہ کیسے شکم ماہی کی طرح موجیں مار رہا ہے لیکن ہم تمہیں اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں پینے دیں گے۔

روز جمعہ اور درود

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○ یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا.... وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ بِئۡسَ الۡاِسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِیۡمَانِ وَمَنۡ لَّمۡ یَتُبۡ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ○ یَآاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ.

یعنی اے ایمان والو...! آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور برے القاب سے بھی یاد نہ کرو کیونکہ ایمان کے بعد بدکاری کا نام بہت برا ہے اور جو شخص توبہ نہ کرے تو سمجھ لو کہ وہی لوگ درحقیقت ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! اکثر گمانوں سے پرہیز کرو۔ یقیناً کچھ گمان گناہ کے زمرے میں آتے ہیں۔

جمعہ کا دن درود کی بہار ہے

آج ۱۵/ رمضان ہے۔ یہ دن حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا دن ہے اور ہم اپنی تقریر کا آغاز مولا حسنؑ کی بیان کردہ ایک حدیث سے کرنا چاہتے ہیں۔

کشف الغمہ میں حضرت امام حسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت امیرالمومنینؑ سے اور انہوں نے یہ حدیث آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے سنی کہ حیث ما کنتم فصلّوا علیَّ فانَّ صلاتکم تبلغنی. یعنی تم ہر جگہ اور ہر وقت مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔

اس سوال کا جواب تلاش کرنا چاہیں تو بھی وہ اس کے جواب سے قاصر رہیں گے۔ اگر تمام انسان مل کر بھی اپنی طرف سے اس سوال کا جواب تلاش کرنا چاہیں تو بھی ناکامی ان کا مقدر بنے گی وہ کسی صحیح جواب سے عاجز رہیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی عقل جزوی ہے اسی لئے تمام معاملات کا احاطہ نہیں کرسکتی۔

اس سوال کا جواب صرف ایک جگہ سے ہی مل سکتا ہے۔ اس سوال کا جواب ہمیں مخلوق سے پوچھنے کی بجائے براہ راست خالق سے پوچھنا چاہئے کہ اے پروردگار! آخر تو نے ہمیں کس مقصد کے لئے پیدا کیا اور ہماری غرض تخلیق کیا تھی اور ہمارے لئے سعادت اور کامیابی کا راستہ کون سا ہے؟

اس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ سے دیا ہے:
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ. یعنی میں نے جنات اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا، مگر صرف اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (سورۂ ذاریات: آیت ۶۵)

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
خلقت الاشياء لاجلک و خلقتک لاجلي. یعنی اے انسان! میں نے تمام چیزوں کو تیرے لئے پیدا کیا اور تجھے اپنے لئے پیدا کیا۔ مقصد یہ ہے کہ تمہیں کائنات میں جتنے انواع و اقسام کے شجر اور ثمر دکھائی دیتے ہیں اور جتنے حیوانات، نباتات اور جمادات دکھائی دیتے ہیں اور تمہیں جتنی بھی نعمتیں نظر آتی ہیں وہ سب کی سب انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور انسان خدا کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

انسان فنا کے لئے نہیں بنا۔ انسان ابدی حیات کے لئے پیدا ہوا ہے۔ انسان خدا کی ہمسائیگی اور خدا کی ملاقات کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ انسان کو معرفت ومحبت وعبودیت کے لئے بنایا گیا ہے۔ انسان کو خدا شناسی، خدا دوستی اور خدا پرستی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور یہی انسان کا مقصد تخلیق ہے اور یہی انسانی سعادت کا راستا ہے۔ اگر کوئی اس راستے پر چل پڑے تو اسے ہمیشہ کی حیات طیبہ نصیب ہوگی۔

لیکن شرط یہ ہے کہ اس راہ میں اس کے قدم متزلزل نہ ہوں اور شہوات و نفس کی گھاٹیوں میں نہ گرے اور اگر کوئی شخص نفس کے تقاضوں کی خارزار سلامتی سے عبور کر کے منزل مقصود پر پہنچ جائے تو پھر جنت و کوثر اس کے منتظر ہوتے ہیں اور سعادت ابدی اس کا استقبال کرتی ہے اور اگر کوئی اس راہ کو چھوڑ کر نفس امارہ کی گھاٹیوں اور بشری تقاضوں کی دلدل میں جاگرے تو اسے حسرت اور ناکامیوں کے علاوہ کچھ نصیب نہیں ہوگا اور اس کی زندگی جانوروں سے بھی بدتر ہو جائے گی۔

خدارا اپنے ہدف سے نہ ہٹیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارا ہدف کیا ہے، ہمارا ہدف نعمت بینی، منعم شناسی اور منعم دوستی ہے۔ اپنی آنکھوں کو اچھی طرح کھولیں اور فانی اشیاء کو چھوڑ کر خدا سے سروکار پیدا کریں۔ آپ اپنے خدا کو کسی بھی وقت اپنے سے جدا تصور نہ کریں اور اپنے آپ کو کبھی بھی قائم بالذات نہ سمجھیں اور زندگی کے بوجھ کے متعلق یہ تصور نہ کریں کہ آپ ہی اس بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھیں کہ خالق نے آپ کو پیدا کیا اور اسی نے آپ کو دنیا میں چند دنوں کے لئے اتارا اور وہی آپ کا محافظ ہے اور آپ کی زندگی اسی کا ایک عطیہ ہے۔

خبردار! کسی بھی وقت اپنے آپ کو قادر مطلق کے اختیارات میں شریک نہ سمجھنا انسانی زندگی کی صحیح لذت ہی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان یہ سمجھ لے کہ کائنات کا خدا اس کا مددگار ہے۔ کائنات کا خدا اس کا تدبیر کنندہ ہے۔ انسانی زندگی کو اس وقت معراج نصیب ہوتی ہے جب انسان خدا پر بھروسہ کرنے لگتا ہے۔

وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جو خدا سے دوری اختیار کرتا ہے اور جو یہ سمجھتا ہے کہ زندگی کی تمام ذمہ داریاں وہ اپنے ہی کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے اور اپنے تمام معاملات کو وہ خود ہی سلجھا رہا ہے۔ جب کوئی شخص ایسا سمجھنے لگتا ہے تو اس وقت وسوسے اور حسرتیں اس کا احاطہ کرلیتی ہیں اور اسے زمین پر پچھاڑ ڈالتی ہیں۔ یقین کریں ایسا شخص زندگی کی حقیقی لذت سے ناآشنا ہے۔ زندگی کی حقیقی لذت اسے عطا

ہوئی ہے جو ہر نعمت کے حصول پر خدا کی حمد و ثناء کرے۔ چاہے اپنے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھائے یا کسی اور کے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا تناول کرے۔ وہ اس دسترخوان کو خدائی دسترخوان سمجھے اور اس کے لئے خدا کی حمد بجالائے۔

ہر چیز میں خدا کی کاریگری جھلکتی ہے

آپ نے بہت سے دیہاتوں میں تاحد نگاہ چاول اور گندم کے کھیت لہلہاتے ہوئے دیکھے ہوں گے۔ تو یہ سب کچھ خدا کا وسیع دسترخوان ہے اور اسے دیکھ کر ایک توحید پرست انسان بڑا خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ خدایا! تو نے بندوں کے رزق کے لئے کتنا بڑا دسترخوان بچھایا ہوا ہے۔ باقی اجناس کو دیکھ کر بھی مومن کے یہی جذبات ہوتے ہیں:

بجہان خرم از آنم کہ جہان خرم از اوست
عاشقم برہمہ عالم کہ ہمہ عالم از اوست

یعنی میں جہاں میں اس لئے خوش ہوں کہ اس نے جہاں کو خوشی عطا کی ہے اور میں تمام جہاں کا عاشق ہوں کیونکہ تمام جہاں اسی کے پیدا کردہ ہیں۔

جب آپ کے ہاتھوں میں پھول آئے تو اسے بوسہ دیں، آنکھوں سے لگائیں کیونکہ وہ خدا کی نعمت ہے۔ پانی کی فراوانی کو دیکھیں تو خدا کا شکر ادا کریں اور جب پانی پئیں تو گھونٹ گھونٹ کر کے پئیں۔ دو یا تین بار فاصلہ کے ساتھ پانی پئیں اور ہر فاصلے کے درمیان الحمدللہ کہیں کیونکہ اس نے آپ کو پینے کے لئے عظیم نعمت عطا کی ہے۔ روٹی ہر شخص کی ضرورت ہے اور روٹی کے ایک ایک لقمہ میں کتنی لذت ہوتی ہے اسے صرف محسوس کیا جاسکتا ہے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

الغرض روٹی اور پانی زندگی کی اہم ترین ضرورتیں ہیں اور اگر ان کے متعلق اسلامی سفارشات پر عمل کیا جائے تو انسان کو صحت و عافیت بھی نصیب ہوسکتی

ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کبھی بیمار نہ ہوں تو آپ کھانے میں خصوصی احتیاط برتیں اور جب تک بھوک نہ ہو اس وقت تک کھانا نہ کھائیں اور ابھی تھوڑی سی بھوک باقی ہو تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیں یعنی اپنی طلب سے دو تین لقمے کم ہی کھائیں۔

کھانے کے آداب

کھانے کے آداب کے متعلق ائمۂ معصومینؑ فرماتے ہیں: اثنتا عشرة خصلة ينبغى للرجل المسلم ان يتعلمها فى المائدة اربع منها فريضة وهى المعرفة بما ياكل والتسمية والشكر والرضا واربع منها سنة وهى الجلوس على الرجل اليسرىٰ والاكل بثلاث اصابع وان ياكل مما يليه ومص الاصابع واربع منها ادب وهى تصغير اللقمة والمضغ الشديد و قلة النظر فى وجوه الناس وغسل اليدين (سفینۃ البحار، جلد۱، صفحہ ۲۷۔ در لغت اکل)

کھانے کے متعلق بارہ چیزیں مسلمان کو معلوم ہونی چاہئیں، ان بارہ میں سے چار چیزیں واجب ہیں جو وہ یہ ہیں: (۱) جسے کھا رہا ہے اس کے متعلق معلوم کرے کہ یہ حلال ہے یا حرام (۲) آغاز طعام میں بسم اللہ پڑھنا (۳) اختتام پر خدا کا شکر بجالانا (۴) طعام پر راضی رہنا۔

چار چیزیں سنت ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) بائیں پاؤں کے بل بیٹھنا (۲) تین انگلیوں سے کھانا کھانا (۳) اپنے سامنے سے کھانا (۴) کھانا کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنا۔

چار چیزوں کا تعلق ادب سے ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) چھوٹے چھوٹے لقمے بنانا (۲) اچھی طرح سے چبانا (۳) دوران طعام حاضرین کے چہروں کی طرف کم نگاہ ڈالنا (۴) ہاتھوں کا دھونا۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آداب طعام میں سے ایک ادب یہ ہے کہ انسان چھوٹے چھوٹے لقمے بنائے اور کھاتے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے اور

اسے خوب چبائے اور کھانا جتنا زیادہ چبایا ہوا ہو اتنا ہی جلد ہضم ہوتا ہے۔ ہاضمے کی پہلی منزل منہ ہے۔ خوراک کے ساتھ جتنا لعاب دہن زیادہ شامل ہوگا تو وہ تغذیہ بدن کے لئے زیادہ مفید ہوگا۔

انسان کھانے میں جلد بازی نہ کرے۔ مؤدب ہو کر بیٹھے۔ تکبر وغرور نہ کرے اور آج کل کے رواج کے مطابق کھڑا ہو کر کھانا نہ کھائے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ زمین پر دسترخوان بچھائے اور اس پر باادب ہو کر بیٹھ کر کھائے۔ کھانا خدا کی عظیم نعمت ہے اس کا احترام کریں اور اگر روٹی پر کوئی برتن رکھا ہوا ہو تو روٹی سے وہ برتن ہٹا دیں۔ روٹی کو چومیں اور اس نعمت خدا کی قدر کریں۔ روٹی کو چھری یا چاقو سے کاٹنا مکروہ ہے۔

اگر آپ طعام کے متعلق اسلامی سفارشات پر عمل کریں گے اور اسے خدا کی نعمت سمجھ کر تناول کریں گے تو یہ طعام آپ کے لئے دنیا میں بھی مفید ہوگا اور آخرت کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا اور اس سے بدن اور روح دونوں یکساں مستفید ہوں گے مگر ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل بہت سے افراد میز پر کھڑے ہو کر یوں کھانا کھاتے ہیں جیسے کوئی بیل یا گدھا چارہ کھاتا ہے اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے: یَأْکُلُوْنَ کَمَا تَأْکُلُ الْاَنْعَامُ یعنی وہ چوپایوں کی طرح سے کھا رہے ہیں۔ (سورۂ محمد: آیت ۱۲)

اپنی طلب سے زیادہ کھانا نہیں کھانا چاہئے کیونکہ زیادہ کھانا معدے پر بوجھ بن جاتا ہے اور معدہ اسے ہضم نہیں کر سکتا جس سے بدہضمی ہو جاتی ہے اور اس سے طرح طرح کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ انسان کا سر بھاری ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ کئی دن تک کچھ سمجھنے کے قابل نہیں رہتا۔

شیخ الرئیس ابو علی سینا کہتے ہیں کہ بدہضمی کا علاج یہ ہے کہ انسان کھانا کھانا چھوڑ دے اور کھانے کی بجائے خوشبودار چیزیں مثلاً گلاب، ناشپاتی، نسترن وغیرہ استعمال کرے۔

سعادت کا راز معرفت خدا میں مضمر ہے

اگر انسان، آدمیت کی راہ پر چلے تو اسے زندگی کا لطف حاصل ہوگا اور حیات طیبہ کا راستا یہی ہے کہ انسان خدا کی قضا و قدر پر راضی رہے۔ علم سعادت بشر کا راستا ہے۔ ہر موجود کے ساتھ خدا کو موجود سمجھیں اور اپنے آپ کو اور اپنے ساتھ تمام مخلوقات کو خدا کا مطیع اور زیر فرمان سمجھیں۔

ای ہمہ ہستی ز تو پیدا شدہ — خاک ضعیف از تو توانا شدہ
زیر نشین علمت کائنات — ما بتو قائم چو تو قائم بذات

یعنی تمام کائنات تیری پیدا کردہ ہے۔ کمزور مٹی کو تو نے ہی طاقتور بنایا ہے۔ تمام کائنات تیرے علم کے نیچے ہے۔ ہم تیری وجہ سے قائم ہیں اور تو قائم بالذات ہے۔

آپ اپنے اوپر نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ آج سے پچاس یا سو سال پہلے آپ کیا تھے؟ آپ اس وقت کسی بیابان کی مشت خاک تھے، کیوں ہے نا یہی بات؟ پھر آہستہ آہستہ اس نے مٹی یا گندم یا چاول یا دال یا لوبیا کی شکل اختیار کی اور آپ کے والدین نے اسے کھایا۔ چند ذرات جمع ہوئے پھر اس غذا نے نطفے کی شکل اختیار کی اور اس سے آپ کی تخلیق ہوئی۔ کبھی آپ نے اس بات پر غور کیا کہ وہ کون سا دست قدرت تھا جس نے صحرا کے ذرات کو جمع کیا، پھر انہیں طعام میں تبدیل کیا، طعام کو نطفے کی شکل میں منتقل کیا، پھر اس نطفے کو کس نے پشت پدر میں ودیعت کیا اور پھر پشت پدر سے اسے رحم مادر میں کون لے آیا؟

آپ انصاف سے بتائیں کیا یہ مراحل آپ نے خود اپنے ارادے سے طے کیے ہیں؟ اور آپ کی جسمانی ساخت کی لحہ بہ لحہ تبدیلی کیا آپ کی اپنی پیدا

کردہ ہے؟ اور کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ خدا نے آپ کی تخلیق کے لئے کوئی کمی کی؟ کوئی کنجوسی کی؟ اور ایسی کون سی چیز تھی جس کی آپ کو ضرورت تھی اور اس نے آپ کو اس سے محروم رکھا؟ جب آپ پیدا ہوئے تو انتہائی کمزور تھے اور غذا کھانے کے قابل نہیں تھے، اسی لئے خدا نے شیر مادر کا اہتمام کیا۔ اس نے پستان میں سوراخ رکھا جہاں سے آپ نے دودھ پیا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ پستان میں سوراخ ہے مگر اس سے دودھ خود بخود باہر نہیں آتا۔

مشک سے توحید پر استدلال

حکیم ہاشی بزرگ نے پانی لانے کے لئے ایک ماشکی کو ملازم رکھا ہوا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ پہلے واٹر سپلائی کا انتظام نہیں ہوتا تھا اسی لئے لوگ پانی کے لئے کسی نہ کسی ماشکی کی خدمات حاصل کرتے تھے۔

ایک دن کسی نے حکیم صاحب کے ماشکی سے پوچھا کہ تو نے خدا کو کیسے پہچانا تو اس نے جواب میں کہا کہ میں نے اس مشک کی وجہ سے اپنے خدا کو پہچانا ہے۔ اس مشک کا ایک دہانہ ہے جسے کھول کر میں اس میں پانی بھرتا ہوں اور جب مجھے پانی کہیں لے جانا ہوتا ہے تو میں اس کا دہانہ تسمے سے بند کرتا ہوں مگر اس کے باوجود بھی اس سے تھوڑے بہت قطرے گرتے رہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسم میں کئی سوراخ پیدا کئے ہیں اور ہمارے شکم میں پانی اور خوراک بھری ہوئی ہے مگر ان سوراخوں سے ہر وقت غلاظت نہیں ٹپکتی۔ بس اسی سے میں نے جانا ہے کہ ہمیں کسی صاحب علم نے پیدا کیا ہے۔ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ

عام حالات میں ماں کے پستان سے دودھ نہیں ٹپکتا اور جب بچہ اسے منہ میں لیتا ہے تو اس سے دودھ کی نہر جاری ہو جاتی ہے اور پھر دودھ آہستہ آہستہ اترتا ہے اگر دودھ یکبارگی آجاتا تو بچہ اسے پی نہ سکتا۔

بدبینی اور بدگمانی انسان کو ہلاک کر دیتی ہے

میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آدمی کے لئے سعادت کا یہی راستا ہے کہ وہ اپنے خدا کے متعلق نیک گمان رکھے اور ہمیشہ اس سے راضی رہے اور اپنے آپ کو اس کا ممنون احسان سمجھے۔ جب بھی کوئی شخص اپنے خدا کے متعلق بدگمانی کرنے لگتا ہے تو وہاں سے اس کی بدبختی کا آغاز ہو جاتا ہے۔

آج کا انسان ذلیل و رسوا کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدا سے دور ہو چکا ہے۔ خدا کے علاوہ ہر چیز کے سامنے جھک رہا ہے اور خدا کے علاوہ ہر چیز سے توقعات وابستہ کیے ہوئے ہے۔ خدا کے علاوہ ہر چیز کا سہارا لے رہا ہے مگر یہ نہیں کہتا کہ میں خدا رکھتا ہوں۔

حریم تیرا خودی غیر کی معاذ اللہ　　دوبارہ زندہ نہ کر کاروبار لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے　　ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات
(اقبالؔ)

انسانوں کی اس بری روش کی وجہ سے ان کی زندگی بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ امن و سکون اور عدل و انصاف کے لئے سوئٹزرلینڈ دنیا کا مثالی ملک ہے اور وہاں کے شہری ہر لحاظ سے بہتر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پچھلے دنوں میں نے ایک رسالے میں پڑھا تھا کہ سوئٹزرلینڈ میں خودکشی کا بہت زیادہ رجحان پایا جاتا ہے اور وہاں خودکشی کا تناسب امریکہ کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس ملک کی آب و ہوا مثالی ہے، وہاں کی حکومت بھی عدل پرور ہے، وہاں لوگوں میں زیادہ جھگڑے بھی نہیں پائے جاتے، وہاں ہر شخص کو روزگار بھی میسر ہے، اس ملک کی اکثر آبادی کے پاس ذاتی گاڑیاں بھی موجود ہیں، وہاں ہر طرح سے امن و امان اور عیش و عشرت بھی موجود ہے،

پھراس کے باوجود وہاں کے رہنے والوں کو ذہنی سکون میسر کیوں نہیں ہے۔ وہاں حیران کن تعداد میں خودکشی کیوں ہو رہی ہے؟

معلوم ہوتا ہے کہ خرابی کی جڑ کسی اور مقام پر چھپی ہوئی ہے۔اس معاشرے کی خرابی یہ ہے کہ وہاں کا انسان خدا سے دور ہو چکا ہے، خدا سے دوری کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو یکا وتنہا محسوس کر رہا ہے، اسے قلبی سکون میسر نہیں ہے، خدا سے دوری کی وجہ سے دہاں کے لوگ عالم وجود سے بدگمان ہو چکے ہیں، عالم ہستی کو بے مقصد سمجھتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے "اَلظَّانِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ" یعنی جو خدا کے بارے میں برے برے خیال رکھتے ہیں ان کے سر برائی کی گردش ہے۔ (سورۂ فتح: آیت ٦)

وہاں کے رہنے والے لوگوں کی اکثریت خدا سے مایوس اور پیغمبروں اور نظام عالم سے بدظن ہے۔ یہ لوگ خدا کی مخلوق سے بدظن ہی نہیں بلکہ اپنے آپ سے بھی بدظن اور مایوس ہیں۔ اپنے رشتے داروں اور بنی نوع انسان سے مایوس ہیں۔ ان کی نظر میں زندگی کا تصور کیا ہے؟ وہ ذہنی طور پر اپنے آپ کو ایک طرح کا جانور سمجھتے ہیں اور جانور کا کیا کام ہوتا ہے؟ جانور کی نظر میں زندگی کا مقصد کھانا پینا اور جنسی آسودگی ہوتی ہے اور یہی کچھ ان کی نظر میں اہم ہے۔ شکم پری اور شہوت پرستی اور عمدہ لباس اور نئے ماڈل کی گاڑیاں ہی ان کی زندگی کا مقصد اور محور ہیں۔

آج کا انسان مادیات میں ڈوب کر اپنے خدا کو فراموش کر چکا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی فراموش کر چکا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے "نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ" یعنی انہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے ان سے ان کا نفس بھلوا دیا۔ (سورۂ حشر: آیت ١٩)

خدا اور خدا کی مخلوق سے مایوس افراد ساری دنیا کو دھوکے باز سمجھتے ہیں۔ اس طرح کے افراد ہمیشہ لوگوں کے عیب کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ان کی سوچ ہمیشہ منفی ہوتی ہے اور وہ کسی کی بھلائیوں پر نظر نہیں کرتے۔

مالیخولیا میں مبتلا شخص جو خود کو بیل سمجھ بیٹھا

بیان کیا جاتا ہے کہ عضدالدولہ دیلمی کے زمانۂ حکومت میں اس کا ایک قریبی عزیز جوان مالیخولیا میں مبتلا ہوگیا۔

مالیخولیا ایک ذہنی اور روحانی بیماری ہے اور یہ صفرا و سودا کے غلبے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس بیماری میں مبتلا شخص بعض اوقات خلاف واقع چیز اپنے ذہن میں سمو لیتا ہے اور اسے وہ چیز اس رنگ میں دکھائی دیتی ہے۔

ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک مالیخولیا کا مریض کسی باغ میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کے گرد سرخ سرخ خوبصورت پھول کھلے ہوئے ہوں تو وہ اپنے دماغ میں یہ سمجھے گا کہ اس کے گرد آگ کا الاؤ روشن ہے اور وہ سرخ پھول دیکھ کر چیخنے چلانے لگے گا کہ میرے چاروں طرف آگ ہی آگ ہے جبکہ حقیقت میں وہاں آگ نہیں ہوتی مگر وہ سوئے مزاج کی وجہ سے اسے آگ ہی سمجھے گا اور اس کے شعلوں کی تپش کو اپنے وجود میں محسوس کرے گا۔

بہرحال وہ جوان جو مالیخولیا میں مبتلا تھا خود کو بیل سمجھنے لگا۔ وہ ہر وقت بیل کی طرح ڈکراتا اور جب اس کے سامنے کھانا رکھا جاتا تو وہ کھانے سے انکار کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اب میں جوان ہوگیا ہوں۔ تم لوگ میرے لئے قصاب کا بندوبست کرو جو مجھے ذبح کرے اور تم میرے گوشت کے مزیدار کباب بناؤ۔

مالیخولیا کے سبب اس نے کھانا چھوڑ دیا جس کی وجہ سے وہ روز بروز کمزور ہوتا گیا مگر اس کی یہ ضد اپنی جگہ پر قائم رہی کہ کسی قصاب کو لے آؤ۔ گھر والوں نے بہت علاج کرایا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخرکار عضدالدولہ کو اس جوان کی بیماری سے مطلع کیا گیا۔ عضدالدولہ نے شاہی طبیب کو اس کے علاج پر مقرر کیا۔

شاہی طبیب نے بڑے دلچسپ انداز میں اس کا علاج کیا۔ طبیب نے

مریض کے گھر والوں سے کہا کہ جب میں مریض کو دیکھنے کے لئے آؤں تو آپ اس کے سامنے یہ نہ کہیں کہ یہ طبیب ہے بلکہ اس کے سامنے یہ کہیں کہ یہ قصاب ہے، ہم اسے لے آئے ہیں اور یہ تمہیں ذبح کرے گا۔

الغرض شاہی طبیب نے قصابوں کا سا لباس پہنا اور ہاتھ میں چھری وغیرہ لے کر مریض کے گھر آیا۔ جیسے ہی اس نے گھر میں قدم رکھا تو گھر والوں نے کہا: لو وہ قصاب آ گیا ہے، آج وہ ہمارے اس بیل کو ذبح کرے گا اور ہم اس کے گوشت سے کباب تیار کر کے مزے مزے سے کھائیں گے۔

طبیب نے آتے ہی کہا: بیل کہاں ہے؟ مجھے بیل دکھاؤ تاکہ میں اسے ذبح کروں۔ یہ کہہ کر اس نے چھریوں کو ایک دوسرے پر مارنا شروع کردیا۔ بیمار نوجوان نے بیل کی سی آواز نکالی۔

قصاب (طبیب) نے کہا: اسے باغیچے میں باندھ دو۔ اس جوان کے گھر والے اسے رسی سے باندھ کر باغیچے کے ایک کونے میں لے گئے اور وہ جوان فوراً ذبح ہونے کے لئے لیٹ گیا۔

قصاب نے کہا: بھائی! یہ ایسے ذبح تھوڑی ہوگا۔ پہلے اس کے ہاتھ پاؤں اچھی طرح سے باندھ دو تاکہ ذبح کے وقت یہ مزاحمت نہ کر سکے۔

الغرض جوان کے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ دیئے گئے۔ پھر طبیب آگے بڑھا اور اس نے قصابوں کی طرح اس کی پشت پر زور سے ہاتھ مارا۔ پھر اس نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا۔ پھر اسے ہلا جلا کر اچھی طرح سے دیکھا اور دیکھنے کے بعد کہا کہ اس بیل کا مالک کون ہے۔ اس کے باپ نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں اس بیل کا مالک ہوں بولو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

قصاب (طبیب) نے کہا: میں ایک قصاب ہوں اور گوشت کے لئے جانور ذبح کرتا ہوں مگر یہ بیل تو انتہائی لاغر ہے اس میں تو بس ہڈیاں ہی ہڈیاں

ہیں۔ میں اسے ذبح کر کے کیا کروں گا؟

جوان کے والد نے کہا: پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

قصاب نے کہا: یہ بیل آج سے میرے ذمے ہے لیکن میں فی الحال اسے اس حالت میں ذبح نہیں کرنا چاہتا۔ پہلے آپ لوگ اسے خوب کھلائیں پلائیں جب یہ موٹا تازہ ہو جائے گا تو میں آکر اسے ذبح کردوں گا۔ جب جوان نے قصاب کی یہ بات سنی تو اس نے کہا: آپ لوگ خوراک لے آئیں میں دل کھول کر کھاؤں گا تاکہ جلد از جلد موٹا ہو جاؤں اور پھر ذبح ہوسکوں۔

اس کے بعد طبیب نے کہا: اب اس کے ہاتھ پاؤں کھول دو اور اسے خوب خوراک کھلاؤ اور اس کے ساتھ ہی اس نے کچھ معجون بھی دیئے کہ اس کی خوراک میں یہ معجون بھی شامل کئے جائیں۔

اس جوان نے خوراک کھانی شروع کردی اور وہ چاہتا تھا کہ وہ جلد از جلد موٹا تازہ ہوجائے اور قصاب کے ہاتھ سے ذبح ہوسکے مگر خوراک میں دوائیوں کی مقدار بھی شامل تھی اور چالیس دن کی مسلسل خوراک سے وہ ٹھیک ہوگیا اور جب وہ تندرست ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ بیل نہیں بلکہ انسان ہے، وہ خوراک نہیں بلکہ خود خوراک کھانے والا ہے اور جانور نہیں بلکہ اشرف المخلوقات ہے۔

آج کا انسان بھی ایک طرح کے مالیخولیا میں مبتلا ہے

میں نے آپ کو یہ داستان صرف تفریح طبع کے لئے نہیں سنائی بلکہ اس داستان سے میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اس طرح کا مالیخولیا افراد بشر میں عام ہو چکا ہے اور موجودہ دور کی اکثریت اس بیماری میں مبتلا ہے۔ بعض کھلے طور پر اس میں مبتلا ہیں اور بعض کو غیر محسوس طور پر یہ مرض لاحق ہے۔ جو لوگ اس بیماری میں مبتلا ہیں وہ اپنے آپ کو حیوان تصور کرتے ہیں۔ حیوان کی نظر میں مقصد حیات کیا ہوتا ہے۔

حیوان کا کام شکم پری اور شہوت پرستی ہے اس کے علاوہ حیوان کے سامنے زندگی کا کوئی ہدف نہیں ہوتا۔ آج دو پاؤں پر چلنے والا حیوان یہ کہتا ہے کہ زندگی بس دنیا تک ہی محدود ہے اور وہ زبان حال سے یہ کہتا ہوا سنائی دیتا ہے:

ع بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اور وہ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے، قبر کا ثواب و عذاب ملاؤں کی بنائی ہوئی داستان ہے، تجرد روح کی باتیں مذہبی افراد کے تراشے ہوئے افسانے ہیں، جنت وجہنم کی کوئی حقیقت نہیں ہے، میں تو بس ایک بیل ہی ہوں، میں بھی ایک جانور ہوں اور جانور ہر طرح کی قیود سے آزاد ہوتے ہیں، لہٰذا مجھے بھی جانوروں کی سی آزادی مطلوب ہے۔ ایک گدھا جب گدھی کو دیکھتا ہے تو وہ کسی خوف وخطر کے بغیر اس سے جنسی تسکین حاصل کرتا ہے پھر مجھ پر اتنی پابندیاں کیوں ہیں؟

ہمیں معلوم ہے کہ آج بعض جوان سڑکوں اور سینماؤں میں یہ کہتے ہیں کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور اسے آزاد ہی رہنا چاہیئے۔

اس طرح کی سوچ رکھنے والے افراد یقیناً مالیخولیا میں مبتلا ہیں اور یہ اپنے آپ کو حیوان سمجھ رہے ہیں۔ یہ لوگ مالیخولیا کی وجہ سے اپنے آپ کو گدھا اور بیل سمجھ رہے ہیں۔ ایسے شہوت پرست نوجوان اور گدھے میں کیا فرق ہے؟ اور اپنی عفت کی حفاظت نہ کرنے والی لڑکی اور گدھی میں کیا فرق ہے؟

الغرض اس مالیخولیا میں مبتلا افراد حقیقت کو گم کر چکے ہیں اور انہوں نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ ان کا مقصد تخلیق کیا ہے اور وہ کیا کر رہے ہیں؟ آج حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ رقص کرنے کو اعضاء و جوارح کی شاعری کہہ کر اسے آرٹ اور ہنر کا نام دیا جارہا ہے۔ اگر ناچنا اور تھرکنا ہی فن اور ہنر ہے تو ~~سب سے بڑا فنکار تو بندر ہے جو کہ ان فنکاروں سے بہتر رقص کر لیتا ہے۔ کیا اشرف~~ المخلوقات کی غرض تخلیق ناچنا کرنا اور تھرکنا ہے؟

اے لوگو کچھ ہوش میں آؤ! تم جان بوجھ کر صحیح راستے کو کیوں چھوڑ رہے ہو، تمہارے اس مالیخولیا کا علاج ہونا چاہئے، تم ترقی پسند نہیں بلکہ ذہنی مریض ہو، میں تمہارے اس مرض کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔ میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہارے یہ نام نہاد کھیل، تمہارے رقص اور تمہاری سینما بینی کا آخر مقصد کیا ہے؟

میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ مجھے یہی جواب دیں گے کہ جناب! ہم حیوانات کی طرح مادر پدر آزادی چاہتے ہیں، ہمیں تفریح کی ضرورت ہے، ہم خوش رہنا چاہتے ہیں، اسی خوشی کو حاصل کرنے کے لئے ہم نے ٹی وی، وی سی آر اور ڈش اینٹینا خریدے ہیں۔ آخر ہم انسان ہیں، ہر وقت کے کام سے تھک جاتے ہیں، جب گھر جاتے ہیں تو وہاں بیوی اور ساس کی چخ چخ سنی پڑتی ہے اس لئے ہم کچھ دیر کے لئے اگر تفریح کرلیں تو اس میں کون سا عیب ہے؟

ان کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ جناب! آپ کی اس بات سے ہم بھی اتفاق کرتے ہیں کہ انسان کو تفریح کی ضرورت ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اچھی تفریح ہو۔ انسان کو ایسی تفریح کی ضرورت ہے جو اس کے دل کو خوشی فراہم کرے۔ مگر ایسی تفریح کی ضرورت نہیں ہے جو کہنے کو تو تفریح ہو مگر اس کا انجام آگ کی طرح سے بھیانک ہو۔

جن سینماؤں میں آپ جانے کے عادی ہیں ظاہری طور پر تو یہ آپ کو تفریح فراہم کرتے ہیں لیکن ان کی تفریح منفی قسم کی ہوتی ہے۔ تفریح کے نام پر شہوات کو برانگیختہ کیا جاتا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک شادی شدہ مرد اپنی بیوی کو چھوڑ کر ایکٹریس قسم کی لڑکیوں کی تلاش میں نکل پڑتا ہے اور اس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ یاد رکھیں جو عورتیں اپنے خاندان سے کٹ جاتی ہیں ان کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے اور ان کی حیثیت ایک کٹی پتنگ کی سی ہوتی ہے۔ خاندان سے کٹی ہوئی عورتیں چراغ خانہ بننے کی بجائے شمع محفل بن جاتی ہیں اور برائی کے اڈوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ ان کی تباہی میں بڑا حصہ ٹیلی ویژن اور سینما کا ہوتا ہے۔

سینماؤں اور ٹی وی کی وجہ سے کئی گھرانے تباہ ہو چکے ہیں۔ بہت سے ایسے مرد تھے جو اپنی بیوی بچوں پر فدا تھے مگر مخرب اخلاق فلموں کی وجہ سے انہوں نے بیوی بچوں سے ناطہ توڑ لیا۔ جسے آپ حضرات تفریح سمجھ رہے ہیں یہ آپ کی نادانی ہے۔ یہ ہرگز تفریح نہیں ہے۔ کیا اسے تفریح کا نام دینا درست ہے جسے دیکھ کر انسان کے جذبات بھڑک اٹھیں اور وہ لوگوں کی عصمتوں کو پامال کرنے لگے؟

فلموں کی تباہ کاری

آج سے چند ماہ قبل اخبارات میں ایک خبر شائع ہوئی کہ ایران کے ایک شہر میں دس سالہ بچے نے اپنی تین سالہ بہن کو چھری سے ہلاک کر دیا۔ قاتل بچے کو پولیس نے پکڑا اور اسے عدالت لے گئی۔ جب عدالت نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو بچے نے کہا کہ رات میں نے ٹی وی پر ایک فلم دیکھی تھی جس میں ہیرو نے چھری سے ہیروئن کو قتل کیا تھا۔ میں نے بھی فلم کا وہی سین دہرایا تھا جس کی وجہ سے میری بہن مر گئی۔

دوستو! ظاہر ہے کہ جب جرائم پر مبنی ایسی ہلاکت خیز فلمیں دکھائی جائیں گی تو اس کا نتیجہ یہی نکلے گا۔

میں والدین سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ آپ ٹی وی گھر میں لائیں تاکہ آپ کے بچے ماہر قاتل بن سکیں۔ اس ٹی وی سے آپ اپنے بچوں کو قاتل اور ڈاکو بنا رہے ہیں۔ یہ کیسی تفریح ہے جو سفلی جذبات کی آتش کو بھڑکا کر ذلت و رسوائی کا سبب بن رہی ہے؟

ہاں ہاں! آپ کو تفریح کی ضرورت ہے۔ تو اچھی تفریح کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا یعنی

آپ کہہ دیں کہ خدا کے فضل اور رحمت پر خوشی مناؤ۔ (سورۂ یونس: آیت ۵۸)

ہاں ہاں! خدا کے فضل کو دیکھیں اور خوش ہو جائیں اور جب آپ کھانا کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھیں تو سوچیں کہ روٹی کے اس ٹکڑے کے لئے ہزاروں ہاتھوں نے محنت کی اور آخرکار وہ ٹکڑا آپ کے دسترخوان کی زینت بنا۔ خدا کے فضل و کرم کو یاد کر کے خوشی منائیں۔

شیخ سعدیؒ نے کیا ہی خوب کہا تھا:

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند　　تا تو نانی بکف آری و بغفلت نخوری

یعنی بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان سب کام میں مصروف ہیں تا کہ تو اپنے ہاتھ میں روٹی لے سکے اور غفلت سے نہ کھائے۔

عائلی زندگی خدا کی نعمت ہے

آپ خوشی درکار ہے تو جب آپ کی نظر آپ کی بیوی پر پڑے تو خوش ہو جائیں اور خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کی جنسی ضروریات کے لئے اسے آپ کے حوالے کیا ہے اور اس طرح سے آپ کے دین کی حفاظت کی ہے۔ اللہ نے کس طرح سے بیوی کو تسکین اور آرام کا ذریعہ بنایا ہے۔ لِتَسْكُنُوٓا اِلَيْهَا کے تحت بیوی سے تسکین حاصل کریں اور خدا کا فضل پا کر خوشی محسوس کریں۔

اے میری بہنو! جب آپ کی نگاہ آپ کے شوہر پر پڑے تو خوش ہو جائیں اور خدا کا شکر بجالائیں کہ اس نے آپ کے شوہر کی برکت سے آپ کے دین، عفت اور عصمت کی حفاظت کی اور آپ کو تنہائی سے بچایا ہے۔ میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے شوہروں کے ساتھ دلربائی سے پیش آئیں اور اپنے شوہروں کے لئے زیب و زینت کریں۔ رسول خداؐ نے ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے جو اپنے شوہروں کے لئے زیب و زینت نہ کریں اور اپنے شوہروں سے ایسا برتاؤ کریں جس سے شوہر ان کی طرف متوجہ نہ ہوں اور اپنی عورتوں کے غلط رویے کی وجہ سے دوسری عورتوں میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جائیں۔ بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہر سے مہر و محبت سے پیش آئے۔

ایسی بہت سی روایات ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ شوہر کی تفریح بیوی کی ملاقات اور بیوی کی تفریح شوہر کی ملاقات میں ہے۔ اولاد خدا کی بڑی نعمت ہے۔ اس ذریعے سے اللہ نے آپ کو تنہائی سے بچایا۔ یہ خدا کا فضل ہے اور خدا کا فضل پا کر خوشی محسوس کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا
یعنی کہہ دیں کہ خدا کے فضل و رحمت کو پا کر انہیں خوش ہونا چاہئے۔

تفاسیر میں اس آیت کے متعلق ہے کہ بِرَحْمَتِهٖ سے مراد حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰؐ اور بِفَضْلِ سے مراد اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالبؑ ہیں۔ لہٰذا آپ کو خدا کی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے آپ کو محمد مصطفیٰؐ جیسا نبی اور علی مرتضیٰؑ جیسا امام عنایت فرمایا۔

بہرحال انسانیت یہی ہے اور ہدف تک پہنچنے کا ذریعہ یہی ہے کہ آپ خدا کے متعلق حسن ظن رکھیں اور مخلوقات کے متعلق بھی حسن ظن سے کام لیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ گاڑیوں پر تربوز اور خربوزے لدے ہوئے ہوتے ہیں جو آپ کے شہر کی منڈیوں میں فروخت ہوتے ہیں اور منڈی سے دکانوں تک پہنچتے ہیں اور دکانوں سے آپ کے دسترخوان تک آتے ہیں۔ آپ کو چاہئے جب آپ کی نظر ان پھلوں پر پڑے تو خدا کا شکر ادا کریں اور کہیں خدایا! تیرے شان کے کیا کہنے، تو نے ہمارے لئے کیسی کیسی نعمتیں پیدا کی ہیں اور تو نے گرم ہوا میں کیسے میٹھے تربوز، خربوزے اور سردے بنائے ہیں۔

آپ کو جہاں ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہئے وہیں کسانوں کا بھی شکر گزار ہونا چاہئے کیونکہ انہوں نے اس کے لئے بڑی زحمت اٹھائی ہے اور ان کی دن رات کی محنت کا ثمر تربوز کی شکل میں آپ کے سامنے موجود ہے۔ آج رات جب آپ افطار کے بعد تربوز کھائیں تو یہ ضرور سوچیں کہ یہ تربوز کن کن مراحل سے گزر کر آپ

کے دسترخوان تک پہنچا ہے؟ کتنے ہاتھوں نے اس کے لئے محنت و مشقت کی ہے؟ اور اس پر کتنی سورج کی گرمی، چاند کی برودت اور ہوا اور مٹی صرف ہوئی ہے؟ جب آپ غور وفکر کریں گے تو آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ سب کچھ خدا کا پیدا کردہ ہے۔ چوب خشک سے ہمارے لئے انگور کس نے پیدا کئے ہیں؟ رب کائنات کی نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ انسان ان کے شکرانے سے عاجز ہے۔

اے انسان! جب تو خدا کی نعمتوں کو فراموش کرتا ہے تو اس وقت خدا اور خدا کی مخلوقات کے لئے بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پس لوگوں کو چاہئے کہ اکٹھے بیٹھ کر خدا کی نعمتوں کو یاد کریں۔ یہ عقل کا تقاضا بھی ہے اور قرآن مجید کا مطالبہ بھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَاذْكُرُوْا اٰلَآءَ اللّٰهِ یعنی اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔

مگر آج حالت یہ ہے کہ خدا کی نعمتیں کسی کو یاد نہیں ہیں۔ آج آپ جہاں بھی جائیں لوگ یہی کہتے دکھائی دیں گے کہ "معاشی حالات بڑے خراب ہیں، بازاروں میں گاہک دکھائی نہیں دیتے اور آج کل بڑی مندی ہے۔" آپ جہاں بھی دیکھیں گے لوگ ناشکری کرتے ہوئے ہی دکھائی دیں گے۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ سب کچھ خدا اور مخلوق سے بدگمانی کا ثمر ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے امام زین العابدینؑ سے گرانی کی شکایت کی اور کہا کہ آج کل غلہ بہت مہنگا ہے۔ یہ سن کر امام زین العابدینؑ نے فرمایا: ماعلی غلاھا یعنی اس گرانی کا مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ آپ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ اگر گرانی بڑھی ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کے مطابق رزق عنایت فرمائے گا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ جب روٹی آٹھ آنے کی تھی تو بھی خدا ہمیں رزق دیتا تھا اور جب روٹی دو روپے کی ہوگئی ہے تو بھی خدا نے ہمیں بھوکا نہیں بٹھایا۔ اب روٹی جتنی مہنگی ہوتی جائے گی اللہ تعالیٰ اتنا ہی رزق ہمیں عطا کرتا جائے گا۔

خدا کے متعلق بدگمانی کی روش کو ترک کرنا ہوگا۔ جب تک آپ بدگمانی

نہیں چھوڑیں گے پریشان ہی رہیں گے۔ میری یہ حیثیت نہیں ہے کہ میں آپ کو خدا آشنا اور خدا کے متعلق نیک گمان رکھنے والا بنا سکوں۔ میں ایک ناچیز انسان ہوں۔ میں آپ کو نظام عالم اور افراد بشر کے متعلق نیک گمان کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں آپ کو خود آپ کے متعلق حسن ظن پر بھی مجبور نہیں کر سکتا۔ جب آپ بدگمانی کو چھوڑ دیں گے تو اس وقت آپ کے مالیخولیا کا علاج خود بخود ہو جائے گا اور اس کے لئے آپ کو طب قرآن اور طب روحانیت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

چیزوں کے مثبت پہلو بھی دیکھیں

آپ بھائیوں سے میری درخواست ہے کہ چیزوں کے منفی پہلو پر ہی نظر نہ رکھیں بلکہ ان کے مثبت پہلو بھی ضرور دیکھیں۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے ایک بدصورت کتے کو دیکھا۔ آپ کے حواریوں نے اس کتے کی بدصورتی کا ذکر کیا اور اس سے اظہار نفرت کیا۔ حضرت عیسیٰؑ ہر چیز کا روشن پہلو دیکھنے کے عادی تھے۔ آپ نے فرمایا: ''دیکھو اس کتے کے دانت کتنے سفید اور مضبوط ہیں اور وہ ان دانتوں سے ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔''

اے مسلمانو! حضرت عیسیٰؑ کی سنت پر عمل کریں اور ہر چیز کا منفی پہلو دیکھنے کی بجائے مثبت پہلو دیکھیں۔ ہر چیز میں عیب تلاش کرنے کی بجائے اس کے جہات حسن کو بھی دیکھیں اور اس سلسلے میں حسن تکوینی اور حسن افعال دونوں پر نظر رکھنی چاہئے۔ اگر بالفرض آپ نے کسی کے عیب اور گناہ کا مشاہدہ کر بھی لیا ہے تو بھی اسے مطلق طور پر برا نہ سمجھیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس سے کوئی ایسی نیکی ہو جائے جو اس کے گناہوں پر غالب آ جائے۔

بطور مثال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بالفرض ایک شخص آپ سے ادھار لے

کر کھا گیا اور آپ نے خدا سے کہا: خدایا! تو نے بھلا اسے بھی پیدا کرنا تھا؟ یہ درست ہے کہ وہ شخص آپ کا پیسہ ہضم کرگیا ہے، وہ بھی انسان ہے، اس سے بھی گناہ ہوا ہے لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس کے دامن میں ایسی نیکیاں بھی ہوں جن کی وجہ سے وہ خدا کی نظر میں آپ سے بہتر ہو۔ قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی کسی کا تمسخر نہ اڑائے۔ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔

آپ کسی بھی شخص کو، خواہ وہ یہودی، عیسائی اور لامذہب ہی کیوں نہ ہو، نگاہ حقارت سے نہ دیکھیں۔ دنیا کا کوئی کافر آپ کو نہی عن المنکر سے نہیں روکتا۔ آپ اسے تبلیغ کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تقاضوں پر عمل کریں مگر یہ نہ کہیں کہ وہ مطلق طور پر برا ہے اور میں ہر لحاظ سے اچھا ہوں کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس میں کچھ ایسی خوبیاں موجود ہوں جو آپ میں نہ ہوں۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کے پاس نمازیں ہوں اور اس کے پاس سخاوت و عدالت ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کے نامۂ اعمال میں زیارت عاشورا ہو اور اس کے نامۂ اعمال میں امام حسینؑ کی عزاداری کے لئے رقم خرچ کرنا ہو۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ صرف زبان سے زیارت پڑھنے والا شخص بہتر ہے یا دولت خرچ کرنے والا شخص بہتر ہے۔

سخی کافر، بخیل مسلمان سے بہتر ہے

مکے میں تین مشرکوں نے اپنے بڑے بت کے پاس آ کر قسم کھائی کہ ہم مدینے جا کر پیغمبر اسلامؐ کو چپکے سے قتل کردیں گے۔ عہد و پیمان کے بعد تینوں مسلح ہوکر مکے سے مدینہ روانہ ہوئے۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امینؑ کو آنحضرتؐ کے پاس روانہ کیا اور انہوں نے آپ کو ان مشرکوں کے ارادے کی خبر دے دی۔ پیغمبر اکرمؐ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: تین آدمی میرے قتل کے لئے مکے سے چل پڑے ہیں تم میں سے کون ایسا ہے جو مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھے؟

اور آنحضرتؐ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ اسے قتل نہ کریں کیونکہ اس میں دو ایسی صفات پائی جاتی ہیں جو مجھے بہت پسند ہیں۔ اس میں پہلی اچھی صفت یہ ہے کہ یہ سخی ہے اور مجھے سخاوت بہت پسند ہے۔ یہ شخص اپنی دولت سے پیار نہیں کرتا اور یہ لوگوں کو اپنے دسترخوان پر بٹھا کر روٹی کھلاتا ہے اور دوسروں کو اپنی دولت سے مستفید کرتا رہتا ہے۔

وہ ایک کافر تھا مگر پھر بھی سخی تھا اور اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ عادت پسند تھی۔
بخیل کے لئے ہلاکت ہے جیسا کہ وشا نے امام علی رضاؑ سے ایک حدیث نقل کی ہے:
السخی قریب من اللّٰہ قریب من الجنة قریب من الناس والبخیل بعید من اللّٰہ و بعید من الجنة و بعید من الناس یعنی سخی خدا کے قریب ہے، انسانوں کے قریب ہے اور جنت کے قریب ہے جبکہ بخیل، اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور اور انسانوں سے دور ہے۔ (سفینة البحار، جلد۱، صفحہ۶۰۷)

جبرئیل امینؑ نے کہا کہ اس شخص کی دوسری اچھی صفت خوش اخلاقی ہے اور یہ عادت مجھے بڑی پسند ہے۔

عزیزان گرامی! خوش خلقی خدا کو بہت پسند ہے اس لئے انسان کو اپنے معاملات، خرید و فروخت، اپنے ہم سفر ساتھیوں، اپنے اہل و عیال، اپنے ہمسایوں، رشتے داروں اور تمام ملنے جلنے والوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا چاہئے۔

حضرت رسول اکرمؐ نے جیسے ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا تو حضرت علیؑ سے فرمایا: کہ اسے آزاد کردو۔

جب مشرک کو آزادی ملی تو اس نے حیران ہو کر حضرت علیؑ سے پوچھا: آپ نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: تیرے متعلق رسول خداؐ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ تجھے قتل نہ کیا جائے۔

مشرک نے کہا: بھلا اسکی وجہ کیا ہے جبکہ میرے قتل کا حکم صادر ہو چکا تھا؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے متعلق فرمایا کہ اگرچہ یہ مشرک ہے مگر اسے قتل نہ کیا جائے کیونکہ اس میں دو ایسی صفات پائی جاتی ہیں جو مجھے بہت پسند ہیں۔ پہلی بات سخاوت ہے اور دوسری خوش اخلاقی ہے۔

جب مشرک نے حضرت علیؑ سے یہ سنا تو اس نے کہا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمدؐ سچے ہیں۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں اپنی دولت کو اپنی ذاتی دولت نہیں سمجھا اور میں نے اپنے آپ کو کبھی بھی دولت کا مالک نہیں سمجھا اور اپنی دولت کے لئے میں نے کبھی بھی ''اپنی دولت'' کے الفاظ استعمال نہیں کئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ سچے ہیں۔ پھر اس نے کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سخاوت اور خوش اخلاقی نے ایک مشرک کو شرک سے نجات دلائی اور اسے جہنم سے آزادی دلا کر جنت میں پہنچا دیا۔ اس مسلمان پر افسوس جسے اس کا بخل جہنم میں لے جائے اس لئے آپ حضرات کسی کو نگاہِ حقارت سے نہ دیکھیں کیا معلوم کہ خداوند عالم کو تو پسند ہے یا وہ پسند ہے؟ اس آیت لَایَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ کا مقصد یہی ہے کہ آپ کسی کے متعلق بدگمانی نہ کریں کیونکہ جسے آپ ظالمانہ لباس میں دیکھ رہے ہیں ممکن ہے وہ اس لباس میں رہ کر اچھے کام کرتا ہو۔

دمشق کا پولیس افسر خالص شیعہ تھا

سید جزائری اعلی اللہ مقامہ لکھتے ہیں: چند عراقی شیعہ تاجروں نے مجھے بتایا کہ ہم سلسلہ تجارت کے لئے دمشق گئے اور وہاں رات کے وقت ہم نے ایک

دوسرے دن وہی سائل امامؑ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا اور آپ سے کہا کہ میں آپ کے فرمان کے مطابق اس شخص کے پاس گیا تھا۔ وہ آپ کا بڑا عقیدت مند ہے اور چند ثانیوں میں میرا کام کرادیا۔ آپ اس سے کہیں کہ وہ منصور کے دربار سے علیحدہ ہو جائے اور وہ یہ منصب چھوڑ دے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تو اسے دربار میں روانہ کیا ہے تاکہ وہ وہاں بیٹھ کر مظلوموں کی مدد کر سکے۔

آیئے! اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں

میں آپ تمام حضرات سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خدارا کسی کو بھی نظر حقارت سے نہ دیکھیں، کسی کا مذاق نہ اڑائیں، کسی کو حقیر نہ جانیں کیونکہ آپ کسی کے حالات سے پوری آگاہی نہیں رکھتے آپ کو یہ کہنا چاہئے کہ ممکن ہے اس کے نامۂ اعمال میں کچھ ایسی نیکیاں بھی موجود ہوں جو مجھ بدبخت کے نامۂ عمل میں نہ ہوں اور یہ ممکن ہے کہ خدا کے ہاں اس کی عزت میری نسبت زیادہ ہی ہو۔ جن کاموں کو میں نے اچھا سمجھ کر کیا ہے ممکن ہے کہ خدا کی نظر میں وہ کام غلط ہوں اور مجھے کیا معلوم کہ اس کی خرابیوں کے ساتھ ساتھ اس کی نیکیاں بھی خدا کے ہاں موجود ہوں لہٰذا مجھے اس سے بدگمان نہیں ہونا چاہئے۔ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ

ہم سب پوری زندگی خدا اور مخلوق خدا کے متعلق بدگمانی میں مبتلا رہے ہیں۔ آیئے! آج روز جمعہ ہے اور ۱۵؍رمضان ہے چنانچہ ہم سب خدا کی بارگاہ میں اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور یہ عہد کریں کہ ہم آئندہ گناہ نہیں کریں گے۔ یقین کیجئے کہ اگر ہم نے دل کی گہرائیوں سے توبہ کی تو ہماری یہ مجلس، مجلس توبہ بن جائے گی اور پھر دیکھئے گا کہ خدا آپ کو اس کی کیا جزا عطا کرتا ہے۔ آپ کو چاہئے کہ موت کو ہمیشہ قریب سمجھیں اور ایسا کام کر جائیں کہ گناہوں کا بوجھ لے کر نہ مریں۔

کبھی کبھی تو ہمارا پورا روز و شب گناہوں میں بسر ہوتا ہے، ہمارا ایک ایک سانس تک گناہوں میں غلطیدہ ہوتا ہے۔ ایک انسان آٹھ پہروں میں اکیس ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے، ہر سانس گناہوں میں غلطاں ہوتا ہے۔ ہماری حالت یہ ہے کہ خدا کے متعلق ہم بدگمان ہیں، قضا و قدر کے متعلق ہم بدگمان ہیں، مخلوق خدا کے متعلق ہم بدگمان ہیں اور اگر اس حالت میں ہم مر گئے تو نہ جانے ہمارا انجام کیا ہوگا۔

ہماری حالت یہ ہے کہ اگر ہمارے جسم میں ذرا سا بھی درد ہو جائے تو ہم خدا اور خدا کی قضا و قدر کے متعلق بدگمانیاں کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ہماری خواہش کے خلاف کوئی کام کرے تو ہم اس کے متعلق ہزاروں قسم کی بدگمانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بس اب بہت ہوچکی۔ آیئے! گزشتہ گناہوں سے توبہ کریں اور آئندہ کے لئے ان گناہوں سے بچنے کا عزم مصمم کریں اور اپنے خدا سے عہد کریں کہ آئندہ ہم سے کوئی بدگمانی صادر نہ ہوگی اور ہم آج سے اللہ کے حقیقی بندے بن جائیں گے اور اس کے سچے غلام بن جائیں گے۔ **اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ**

ماہ رمضان کے بہت سے نام ہیں جن میں سے ایک نام **شهر التوبه** یعنی ماہ توبہ بھی ہے۔ شیخ صدوقؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: **من ادرک شهر رمضان ولم یغفر له لا غفر اللّٰه له** یعنی وہ شخص رحمت خدا سے دور ہے جس نے ماہ رمضان پایا اور گناہوں کی معافی حاصل نہ کر سکا۔

اگر کسی کے ماہ رمضان میں گناہ معاف نہ ہوں تو اس کی بخشش کی کوئی امید نہیں اور اگر آج جبکہ نیمۂ رمضان کی ظہر کا وقت ہے، جمعہ کا روز ہے اور امام حسن مجتبیٰؑ کی ولادت باسعادت کا دن بھی ہے اور ابھی نماز جماعت ختم ہوئی ہے، اگر اس کے باوجود بھی کسی کے گناہ معاف نہ ہوئے ہوں تو اسے اپنے مقدر اور اپنی بدبختی کا شکوہ کرنا چاہئے۔ اگر حالت توبہ نہ بھی ہو تب بھی امام زین العابدینؑ

آیت کا شانِ نزول

کتب تفاسیر میں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظَّالِمُوْنَ○ کی شان نزول کے بارے میں لکھا ہے کہ صحابی رسول ثابت بن قیسؓ جو بہت اونچا سنتے تھے— ہمیشہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سننے کے لئے آپ کے قریب بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن وہ نماز صبح کے لئے دیر سے مسجد میں آئے۔ اس وقت جماعت ہو رہی تھی اور نماز کی دوسری رکعت تھی۔ وہ جماعت میں شامل ہوگئے اور ایک رکعت جماعت کے ساتھ اور باقی کی ایک رکعت فرادیٰ پڑھی۔

پیغمبر اکرمؐ کا معمول تھا کہ آپ نماز فجر کے بعد وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے اور قرآنی آیات کی تلاوت و تفسیر کیا کرتے تھے۔

ثابت بن قیسؓ آپؐ کی باتیں سننے کے لئے آگے بڑھے۔ صحابۂ کرامؓ چونکہ ان کی مجبوری سے واقف تھے اس لئے انہوں نے ان کو راستا دیدیا اور جب ثابتؓ اپنی مخصوص جگہ کے قریب پہنچے تو وہاں ایک اور صحابی بیٹھے ہوئے تھے۔ ثابتؓ نے چاہا کہ وہ ان کے لئے جگہ خالی کردیں مگر وہ صحابی اپنی جگہ سے نہ ہٹے اور انہوں نے ثابتؓ سے کہا کہ بس اب آپ یہیں بیٹھ جائیں۔

چار و ناچار ثابتؓ کو وہاں بیٹھنا پڑا۔ جب آنحضرتؐ کا وعظ ختم ہوگیا تو ثابتؓ نے ان سے کہا "من انت" تم کون ہو؟

اس صحابی نے کہا: میں فلاں بن فلاں ہوں۔ اس نے اپنے والد کا نام بتایا۔ ثابتؓ اس کے خاندانی پس منظر سے بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے کہ اس جوان کی والدہ جوانی میں کافی بدنام تھی۔ چنانچہ ثابتؓ نے اسے طعنہ دیتے ہوئے کہا کہ تو فلاں عورت کا بیٹا ہے۔

ماں کی نسبت کی وجہ سے وہ صحابی بڑے شرمندہ ہوئے۔ الغرض ثابتؓ نے نادانی کی اور ان کو سرِمحفل رسوا کیا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس آیت کے ذریعے ثابت کو یہ تلقین کی گئی کہ تمہیں ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ کسی کا مذاق اڑانے کے لئے تمہارے پاس کوئی جواز نہیں ہے اور تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ تم ایک مسلمان کو اس کی ماں کی وجہ سے سرِعام رسوا کرو۔

آیت میں اہل ایمان کو ہی مخاطب کیوں کیا گیا؟

ایک جزوی واقعہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس کا آغاز یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے کیا۔ اور اس سلسلے کی عجیب بات یہ ہے کہ اس آیت سے پہلے والی اور بعد والی آیت جس میں بدگمانی اور تجسس و غیبت سے روکا گیا ہے، اس آیت کا آغاز بھی یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے کیا گیا ہے۔ اس تخاطب کی وجہ یہ ہے کہ کافر تو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے لہٰذا اگر اس سے یہ کہا جاتا کہ ''کسی کا مذاق مت اڑاؤ، بحیثیت انسان سب برابر ہیں، سب خدا کے پیدا کردہ ہیں اور خدا نے سب کو خاک سے پیدا کیا ہے'' تو یقیناً اس طرح کا خطاب کافروں سے مناسب نہیں تھا اور اگر اس سے بالفرض ایسے جملے کہے بھی جاتے کہ ''کسی کا مذاق مت اڑاؤ ممکن ہے وہ تم سے بہتر ہو'' تو وہ فوراً کہہ دیتا کہ تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ مجھ سے بہتر ہے؟ الغرض ایسی باتیں کسی بھی کافر کے لئے قابل ہضم نہیں تھیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان احکام کے لئے یَا اَیُّهَا النَّاسُ کی بجائے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے خطاب کیا ہے اور اہل ایمان سے فرمایا ہے کہ لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کے ساتھ آخرت پر ایمان رکھنے والے لوگو! کیا تم ثواب و عقاب پر یقین رکھتے ہو اور اگر تمہیں ثواب وعقاب پر یقین ہے تو پھر سن لو لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے۔ یہ خطاب بر بنائے تغلیب ہے ورنہ اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ کوئی مرد کسی عورت کو یا کوئی عورت کسی مرد کو نشانہ استہزا بنا سکتی ہے۔

یہ حکم بر بنائے اغلب و اکثر ہے کیونکہ عام طور پر مرد مردوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور عورتیں عورتوں کا مذاق اڑاتی ہیں اور ایسا اتفاق بہت کم ہوتا ہے کہ مرد عورتوں کا مذاق اڑائیں اور عورتیں مردوں کا مذاق اڑائیں۔ بہرنوع مطلقاً مسخرہ بازی کی اس آیت میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ خواہ کسی بھی طرف سے ہو۔

وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ اور وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ برے القاب سے مت پکارو۔ مثلاً یہ نہ کہو کہ میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہاری ماں فلاں تھی۔ اس طرح کی حرکات سے کسی مسلمان کو ذلیل نہ کرو۔

ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اچھا مسلمان تھا

ابوجہل کا بیٹا عکرمہ پاک طینت مسلمان تھا۔ بعض صحابہ کبھی کبھی اسے طعنہ مارتے کہ تو ابوجہل کا بیٹا ہے۔ ان صحابہ کی یہ روش صحیح نہیں تھی کیونکہ ایک مسلمان کا شرف اسلام سے ہے، اس کا باپ جو کچھ ہو سو ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کسی کا باپ ابوجہل، ملحد، زندیق، شقی اور جہنمی ہوتا ہے تو بے شک ہوا کرے، مگر تمہیں چاہئے کہ تم مسلمان اور اس کے اسلام کو مدنظر رکھ کر اس کا احترام کرو اور کسی کو برے لقب سے نہ پکارو اور مذاق اڑانے سے ممانعت میں ایک برہان عقلی بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ کسی کا مذاق اڑانا، کسی پر عیب لگانا، عقل سلیم کے تقاضوں کے منافی ہے۔

کسی مسلمان کی اہانت کا آخر کیا مقصد ہے؟ اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مذاق اڑانے والا دوسرے کو ذلیل اور اپنے آپ کو بہتر ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ کہہ کر اس کا پندار غرور توڑتا ہے۔ یعنی اللہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اے نادان! تو نے کس معیار کے تحت دوسرے کو حقیر اور اپنے آپ کو بہتر خیال کیا ہے؟

اور اگر تو ظاہر کو دیکھ کر ایسا کر رہا ہے یعنی تیرے پاس دولت ہے اور دوسرے کے پاس نہیں، تو نے قیمتی لباس پہن رکھا ہے اور دوسرے نے معمولی لباس پہنا ہوا ہے، تو خوبصورت ہے اور دوسرا بدصورت ہے اگر تو ان اسباب کی وجہ سے اپنے آپ کو برتر سمجھ رہا ہے تو یہ اسباب کسی بھی لحاظ سے برتری کا معیار نہیں ہیں کیونکہ خدا کی نظر میں کسی گورے کو کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے سب بلحاظ مخلوق یکساں ہیں۔ کالے اور گورے کی تمیز جاہلوں کا شیوہ ہے۔ اسی طرح سے قیمتی لباس والے کا احترام کرنا اور معمولی لباس پہننے والے کو حقیر سمجھنا بھی جاہلوں کا شیوہ ہے کیونکہ ان کی نظر ظاہر پر ہوتی ہے اور وہ باطن سے بے خبر ہوتے ہیں۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ بہت سے خاک نشین اور گدڑی پوش بھی خدا کو بہت پیارے ہوتے ہیں۔ اگر وہ خدا سے کچھ طلب کریں تو خدا ان کی دعاؤں کو رد نہیں کرتا یعنی وہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔

اے انسان! کسی کو نظر حقارت سے مت دیکھ۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خدا کا پیارا ہو، ہوسکتا ہے کہ جسے تو حقیر سمجھ رہا ہے وہ خدا کے نزدیک محترم ہو۔ رنگ، نسل اور لباس کی طرح اعمال بھی عزت و حقارت کا معیار نہیں ہیں۔ تو ظاہر پرست ہے، تو اپنے کو بڑا متقی پرہیزگار سمجھتا ہے، تجھے اپنی قرأت پر ناز ہے، تو اپنے آپ کو مسائل دان اور دوسرے کو جاہل اور حقیر سمجھتا ہے اور جب کوئی دوسرا گفتگو کرتا ہے تو تو متکبرانہ لہجے میں کہتا ہے کہ جا اور مسئلہ یاد کر۔ تجھے ان باتوں کی کیا خبر ہے؟

اے انسان! اس روش سے باز آجا، تجھے اپنے ظاہری تقویٰ پر ناز ہے، تو پانی کے نیچے ہاتھ مار کر اپنی طہارت کا ثبوت دیتا ہے جبکہ حرام سے پرہیز نہیں کرتا۔

برادران عزیز! فرض کیجئے کہ جسے آپ جاہل اور حقیر سمجھ رہے ہیں وہ آپ سے بہتر ہو کیونکہ وہ حرام سے پرہیز کرتا ہے۔ آپ تو ماشاء اللہ طہارت کے اتنے پابند ہیں کہ دس دس بار پانی میں ہاتھ دھوتے ہیں جبکہ وہ حقیر شخص صرف ایک مرتبہ ہاتھ دھوتا ہے۔ اگر آپ کے سامنے حرام رزق آجائے تو آپ بلی کی طرح اس پر جھپٹ پڑتے ہیں، لیکن وہ حرام نہیں کھاتا۔ اب آپ خود انصاف سے بتائیں کہ کون بہتر ہے— آپ یا وہ؟

ایک روایت ہے کہ جب کوئی شخص ایک جھوٹ بولتا ہے تو اس کے منہ سے بدبو خارج ہوتی ہے جو عرش تک جاتی ہے اور وہ آسمان کے جس جس مقام سے گزرتی ہے وہاں کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔

اب اگر کوئی جھوٹا شخص نہا دھو کر، نئے کپڑے پہن کر، خوشبو لگا کر، تقدس مآب بن کر لوگوں کی محفل میں آبیٹھے اور اپنے آپ کو پرہیزگار ظاہر کرے تو یہ اس کی نادانی ہوگی۔ ایسا جھوٹا شخص نئے کپڑوں پر ناز نہ کرے اور عطر پر مت اترائے کیونکہ اس کے وجود سے بدبو کے بھبھوکے اٹھ رہے ہیں۔ اگر کوئی بظاہر تقدس مآب بخیل ہے تو وہ دوزخی ہے چاہے وہ دس دفعہ ہاتھ دھوئے یا سو دفعہ۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص ایک مرتبہ ہاتھ دھوئے اور بخیل نہ ہو تو وہ اس سے کئی گنا بہتر ہے۔

بعض اوقات ایک شخص اپنے ظاہری حالات کی وجہ سے دوزخی دکھائی دیتا ہے لیکن اسے بھی حقارت سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ مثلاً اگر آپ جسے ''لوطی'' جان کر حقیر سمجھ رہے ہیں ممکن ہے کہ وہ محبت آل محمدؐ کی دولت سے مالا مال ہو اور یہی محبت آل محمدؐ اس کی نجات کا ذریعہ بن جائے اور مثلاً اگر آپ دولت کے پجاری ہیں تو ممکن ہے کہ دولت کی ہوس آپ کو دوزخ میں لے جائے۔ کون جانتا ہے کہ جسے

آپ حقیر سمجھ رہے ہیں وہ صاحب غیرت، رحمدل اور انصاف پرور ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ اس لوطی نے کئی بے سہارا لوگوں کو سہارا دیا ہو اور یہی اس کی نجات کا باعث بن جائے۔ واقعاً کسی کو کسی کے انجام کی کوئی خبر نہیں ہے؟

ایک کتے کو پانی پلانے کا اجر

علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار کی چوتھی جلد میں لکھا ہے کہ ایک بدکار عورت صحرا سے گزر رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک پیاسا کتا کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھا ہے اور پیاس کی شدت سے اس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور وہ بڑی حسرت سے کنوئیں کے پانی کو دیکھ رہا ہے۔

اس عورت کو کتے پر بڑا ترس آیا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا تو اسے کہیں ڈول اور رسی دکھائی نہ دی۔ وہ سوچنے لگی کہ کتے کو کس طرح پانی پلائے؟ کافی سوچنے کے بعد اس نے ایک عجیب فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے سر کے بالوں کو کاٹ کر رسی بنائی اور رسی کو اپنی جوتی سے باندھ کر کنوئیں سے پانی نکالا اور کتے کو پلانا شروع کیا۔ کتا کئی دنوں کا پیاسا تھا۔ عورت مسلسل پانی بھر بھر کر اسے پلاتی رہی۔ جب کتا سیر ہوگیا تو اس نے نگاہ تشکر سے اس عورت کو دیکھا۔ رحمت الٰہی کو اس بدکار عورت کی اس نیکی پر اس قدر جوش آیا کہ اس نے اس کے تمام گناہ معاف کردیئے۔

اگر کوئی شخص اس عورت کو حقیر سمجھے تو یہ اس کی نادانی ہوگی کیونکہ اس عورت کا انجام اچھائی پر ہوا ہے جبکہ ہمیں اپنے انجام کی کوئی خبر نہیں۔ ہمیں کچھ پتا نہیں ہے کہ ہمارا انجام ایمان پر ہوگا یا کفر پر؟ حالت بدلتے دیر نہیں لگتی اور اگر میں انجام کے بارے میں واقعات سنانا شروع کردوں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی اور ہم اپنے موضوع سے ہٹ جائیں گے۔ میں آپ کو زیادہ داستانیں سنانا نہیں چاہتا البتہ دمیری کی کتاب حیات الحیوان سے ایک دلچسپ واقعہ ضرور سنانا چاہتا ہوں۔

قرآن کی برکت سے دو عیسائی مسلمان ہو گئے

لکھا ہے کہ دو عیسائیوں نے اسلام قبول کیا اور مراکش کے ایک شہر طلیطہ میں علوم دین حاصل کرنے لگے۔ جب ان سے اسلام قبول کرنے کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ کسی وجہ سے ہمیں جیل جانا پڑا جہاں ایک عراقی مسلمان پہلے سے قید تھا۔ ہمیں بھی اسی کوٹھری میں قید کر دیا گیا۔ اس مسلمان کے پاس قرآن مجید کا ایک نسخہ تھا۔ وہ روزانہ نماز فجر کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ ہم عربی زبان سے ناآشنا تھے لیکن اس عراقی کی صحبت میں رہ کر کچھ کچھ عربی سمجھنے کے قابل ہو گئے تھے۔ ایک دن اس نے یہ آیت پڑھی: وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ یعنی تم خدا سے اس کا فضل طلب کرو۔

کچھ دن بعد ہم نے اس سے یہ آیت سنی: اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

پھر کچھ دن بعد ہم نے اس عراقی سے یہ آیت سنی: وَاِذْ سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (اے رسولؐ!) جب میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو آپؐ کہہ دیں کہ میں ان سے قریب ہوں، جب کوئی دعا مانگنے والا مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔

عزیزو! خدا ہمارے بہت قریب ہے بلکہ شہ رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اگر آپ کو کوئی کام ہے تو یااللہ کہیں۔ براہ راست اس سے مانگیں۔ خدا نے قبولیت دعا کے لئے یہ شرط عائد نہیں کی کہ آپ مسجد میں آئیں یا کسی عالم اور سید کو اپنے اور اپنے خدا کے درمیان واسطہ بنائیں۔ اس نے تو صراحت کے ساتھ کہہ دیا ہے کہ ”میں ہر پکارنے والے کی فریاد سنتا ہوں اور قبول کرتا ہوں۔“ خدا نے زبان سے بھی دعا مانگنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ آپ دل کی گہرائیوں میں اپنے

خدا کو اپنے گھر میں پکاریں، پھر بھی وہ آپ کی دعا کو سنتا ہے۔ البتہ دعا کا تقاضا یہ ہے کہ دعا کے الفاظ کو زبان پر لایا جائے۔

مختصر یہ کہ نومسلم عیسائیوں نے اپنی داستان سناتے ہوئے کہا کہ جب ہم نے قرآن مجید کی یہ آیات سنیں تو ہم بہت متعجب ہوئے اور ہم نے ایک دوسرے سے کہا کہ دیکھو محمدؐ نے کتنا بڑا دعویٰ کیا ہے۔

عیسائیوں میں خدا سے براہ راست دعا مانگنے کا عقیدہ نہیں ہے۔ عیسائیت میں پیران کلیسا بندے اور خدا کے درمیان واسطہ سمجھے جاتے ہیں۔ عیسائیوں کو Confession کے لئے پادری کے پاس جانا پڑتا ہے اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے اسے رقم دینا پڑتی ہے۔ پادری رقم لے کر ان کے گناہ معاف کراتا ہے۔

میرے ایک دوست نے مجھے بتایا تھا کہ وہ پیرس کے بڑے کلیسا میں گیا تو اس نے دیکھا کہ وہاں Confession کے لئے تین کمرے بنے ہوئے تھے۔ پہلے کمرے میں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جو لوگوں کو فارم دیتا تھا۔ لوگ اس فارم میں اپنے گناہ پُر کرتے تھے اور پھر دوسرے کمرے کی کھڑکی میں جمع کراتے تھے۔ دوسری کھڑکی میں بیٹھا ہوا کلرک انہیں ایک چالان دیتا تھا اور ہدایت کرتا تھا کہ وہ اتنی رقم کلیسا کے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں۔ لوگ چالان لے کر کلیسا کی مخصوص بینک میں جاتے تھے اور مطلوبہ رقم جمع کراتے تھے۔ پھر وہ بینک کی رسید لے کر تیسرے کمرے کی کھڑکی پر جسے بخشش کا کمرہ کہا جاتا تھا رسید جمع کراتے تو کلرک اس کے بدلے انہیں لاٹ پادری کی دستخط شدہ ایک سرٹیفکٹ دیتا تھا جس پر یہ عبارت تحریر ہوتی تھی

''تجھے مبارک ہو کہ تیرے تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔''

آمدم برسر مطلب، نومسلم عیسائیوں نے بتایا کہ ہم قرآن مجید کی ان تین آیات پر ہمیشہ تعجب کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ایسا بھی ممکن ہے کہ آدمی براہ راست خدا دعا کرے اور خدا اس کی دعا کو قبول کرلے۔

بہرحال اس کشمکش و پیچ میں کئی دن گزر گئے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ زندان میں پانی کا قحط پڑ گیا اور آخرکار نوبت یہاں تک پہنچی کہ پانی بالکل ہی ختم ہوگیا اور پیاس کی وجہ سے ہم ہلاکت کے قریب پہنچ گئے۔ ہم نے ایک دوسرے سے کہا کہ اب تو زندہ رہنے کی کوئی امید دکھائی نہیں دیتی، کیوں نہ ہم محمدؐ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کریں اور خدا سے براہ راست پانی مانگیں۔

پھر ہم نے خدا سے گڑگڑا کر دعا کی کہ خدایا! محمدؐ نے تیری طرف سے یہ پیغام دیا ہے کہ ''تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا'' اور مزید یہ کہ تو نے کہا ہے کہ ''تم خدا سے اس کا فضل طلب کرو۔'' اے پروردگار! اگر محمدؐ نے یہ سب کچھ سچ کہا اور تیری طرف سے کہا ہے تو پھر ہماری مدد فرما اور ہمیں پانی عطا فرما کیونکہ ہم پیاس کی وجہ سے ہلاک ہونے والے ہیں۔

جیسے ہی ہماری دعا کے الفاظ ختم ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ سامنے والی دیوار سے پانی بہنے لگا اور ہماری کوٹھری میں صاف ستھرا پانی بھر گیا۔ ہم نے جی بھر کر پانی پیا اور ہم صداقت محمدؐ کے عملی تجربے سے بہت مطمئن ہوئے اور جی میں یہ ٹھان لی کہ جیسے ہی ہم زندان سے رہائی حاصل کریں گے مسلمان ہو جائیں گے۔

عیسائی مسلمان اور مسلمان کافر ہوگیا

ہماری کوٹھری میں جو عراقی مسلمان قید تھا جب اس نے خلاف عادت دیوار سے پانی آتے دیکھا تو اس نے ہم سے کہا کہ اللہ نے تم دونوں کی دعا قبول کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا دین سچا ہے اور میرا دین جھوٹا ہے۔ لہٰذا میں آج سے اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کرنے کا اعلان کر رہا ہوں۔

ہم نے اسے بہتیرا سمجھایا کہ بندۂ خدا! اس میں عیسائیت کی حقانیت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے بلکہ یہ صداقت قرآن کا اظہار ہے۔ مگر وہ نہ مانا اور کہنے لگا کہ تم

بڑے کنجوس ہو، تم مجھے اپنے سچے دین سے محروم رکھنا چاہتے ہو، میں تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گا اور آج سے میں پکا عیسائی بن چکا ہوں۔

پھر ہم دونوں نے خدا کو حضرت محمدؐ اور قرآن کی حرمت کا واسطہ دے کر دعا مانگی کہ خدایا! ہمیں زندان سے آزادی دلا اور دین حق کے لئے ہماری رہنمائی فرما۔ ہمیں خواب میں بشارت ہوئی کہ تم آزاد ہو جاؤ گے اور آزادی کے بعد تم شام جانا اور وہاں کے علماء سے اسلام کی تعلیم حاصل کرنا۔

اللہ کا ہم پر بڑا کرم ہوا، ہم جلد ہی زندان سے رہا ہوگئے۔ پھر ہم شام گئے اور وہاں کے علماء سے اسلام کی بنیادی تعلیمات سیکھیں۔ اس کے بعد ہم طلیطہ چلے آئے۔ ہمارا عراقی ساتھی بھی قید سے چھوٹ چکا ہے مگر وہ عیسائی ہے۔

آپ نے قدرت کا فیصلہ ملاحظہ کیا؟ عیسائی مسلمان ہوگئے اور مسلمان کافر ہوگیا۔ اس لئے پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا تھا: **انما الاعمال بالخواتیم** یعنی اعمال کا دارو مدار انجام پر ہے۔

اپنے لئے اچھے انجام کی دعا کریں

میں نے بہت سے علماء اور طلاب سے سنا ہے کہ جب کوئی عالم یا طالبعلم ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے عتبات عالیہ کی زیارت کے لئے مرحوم حجۃ الاسلام میرزا بزرگ شیرازی کے پاس خدا حافظی کے لئے جاتا اور مرحوم سے ان کی کوئی فرمائش پوچھتا تو وہ کہا کرتے تھے: ”میری کوئی فرمائش نہیں ہے، میری تم سے بس یہی خواہش ہے کہ جب ائمہ ہدیٰ کی قبور مطہرہ پر جانا تو میرے حق میں یہ دعا کرنا کہ خدا میرا خاتمہ بالخیر فرمائے۔“

برادران عزیز! کیا آپ جانتے ہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے جبکہ آج آپ چشم بددور اچھے انسان ہیں اور اپنی نیکیوں پر نازاں ہیں اور دوسروں کو حقارت

سے دیکھتے ہیں۔ کیا معلوم کہ کل آپ کا دل قساوت اور شقاوت میں مبتلا ہو جائے اور خدانخواستہ آپ مسجد کو چھوڑ کر بے خانے کا رخ کرلیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو برے انجام سے محفوظ رکھے۔

تین چیزیں تین چیزوں میں مخفی ہیں

روایات میں ہے کہ ان اللّٰہ اخفی ثلاثة فی ثلاثة اخفی ولیه فی خلقه و اخفی سخطه فی معصیته واخفی رضاه فی طاعته. یعنی اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو تین چیزوں میں مخفی رکھا ہے:

۱۔ اللہ نے اپنے اولیاء کو عام لوگوں میں مخفی رکھا تا کہ کوئی کسی کی توہین نہ کرے اور کسی کو حقارت سے نہ دیکھے۔

۲۔ اللہ نے اپنی ناراضگی کو اپنی نافرمانی میں مخفی رکھا۔ کچھ گناہ ایسے بھی ہیں جو خدا کی سخت ناراضگی کا سبب بنتے ہیں۔اصول کافی میں یہ الفاظ آئے ہیں:

لااغفرک بعدهاابدا گناہ کے بعد میں تجھے ہرگز معاف نہیں کروں گا۔

علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان سے توفیق توبہ سلب کرلی جاتی ہے اور ایسا شخص زندگی کے کسی بھی لمحے میں توبہ نہیں کرپاتا۔ ائمہ ہدیٰ نے ان گناہوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جن کی وجہ سے توفیق توبہ سلب ہو جاتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کچھ گناہ قابل مغفرت نہیں اور گناہگار کی ہلاکت یقینی ہے۔ ان گناہوں کو مخفی رکھنے کا مقصد غالباً یہ ہے کہ لوگ ہرگناہ سے بچیں اور ہرگناہ کے متعلق یہی سوچیں کہ ممکن ہے خدا اس گناہ سے ناراض ہو جائے اور مجھے معاف نہ کرے۔

۳۔ اللہ نے اپنی رضا کو اپنی اطاعت میں مخفی رکھا۔

کچھ عبادتیں بھی ایسی ہیں جو انسان کی نجات کی ضامن ہیں البتہ کسی کو ان کے متعلق بھی کچھ نہیں معلوم کیونکہ یہ بھی خدا کا ایک مخفی امر ہے۔

بہر حال اولیاء اللہ ہمارے معاشرے کے عام افراد میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور انہیں کوئی نہیں جانتا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

ہماری نظر میں اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انسان جس انسان کو بھی دیکھے تو اس کا احترام کرے اور دل میں یہ سمجھے کہ ممکن ہے کہ یہ شخص چھپا ہوا ولی ہو البتہ کسی کو اپنے متعلق یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ میں خدا کا ولی ہوں۔ خدا کرے کہ ہم ولی الشیطان نہ ہوں البتہ دوسروں کے متعلق ولی خدا ہونے کا ہمیشہ احتمال رکھیں۔

وَلَانِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو بھی دوسری عورت کو حقارت سے دیکھنے اور ان کا مذاق اڑانے کا حق نہیں ہے۔ جن عورتوں کو آپ حقیر سمجھ رہی ہیں ممکن ہے ان کے اعمال آپ سے زیادہ ہوں اور جنہیں آپ گناہگار سمجھ رہی ہیں ان کے متعلق بھی یہ امکان موجود ہے کہ خدا انہیں توبہ کی توفیق عنایت فرما دے اور ان کی آخرت بہتر ہو جائے۔ مگر ان تمام آداب کے ساتھ ساتھ آپ بہنوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہنا چاہئے۔ اگر آپ کسی عورت کو دیکھتی ہیں جو بے حجاب ہو کر بازاروں میں پھرتی رہتی ہے تو آپ اس کی اصلاح کریں اور اسے اس کی غلط روش سے بچنے کی تلقین کریں لیکن اس کے باوجود اس کا تمسخر نہ اڑائیں اور اسے اپنے سے کمتر نہ سمجھیں کیونکہ ممکن ہے کہ خدا اسے مستقبل میں توبہ کی توفیق عطا کردے اور وہ بہت سی بوڑھی عورتوں سے بھی بہتر بن جائے اور یقین کریں کہ جو جوان عورت توبہ کرے اور اپنے سر اور سینہ کو ڈھانپ کر باہر نکلے تو وہ کئی بوڑھی عورتوں سے بہتر ہے۔ آج جو بوڑھی عورت کسی نوجوان عورت کو دیکھ کر اس کا تمسخر اڑا رہی ہے کل کو وہ جوان عورت اس سے بہتر درجات کی مالک ہو سکتی ہے۔

شدید حسرت میں مبتلا افراد

قیامت کے دن تین طبقے ایسے ہوں گے جن کی حسرت تمام لوگوں سے زیادہ ہوگی۔ پہلا طبقہ ان علماء و ناصحین کا ہوگا جو دوسروں کو نیکی کی ہدایت کرتے ہیں

اور برائی سے روکتے ہیں لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ مثلاً ایک جن نے کسی بے حجاب لڑکی کو نصیحت کی اور لڑکی نے اس کا کہا مان کر بے حجابی ترک کردی مگر نصیحت کرنے والی جن نے غیر محرموں سے اپنے جسم کو نہ چھپایا تو وہ دوزخ میں جائے گی جبکہ اس کی نصیحت ماننے والی لڑکی جنت میں جائے گی اور جب وہ یہ دیکھے گی کہ اس کی نصیحت کی وجہ سے لڑکی جنت میں ہے اور خود وہ جہنم میں ہے تو اسے سخت پشیمانی ہوگی کہ کاش میں نے خود بھی عمل کیا ہوتا تو آج میں بھی جنت میں ہوتی۔

یاد رکھیں ان عالموں کو سخت عذاب ہوگا جو دوسروں کو تو جنت کا راستا دکھاتے ہیں اور خود بے عمل ہوتے ہیں۔

دوسرا طبقہ ان مالداروں کا ہوگا جس نے اپنی زندگی میں مالی حقوق ادا نہیں کئے ہوں گے اور جب وہ مر گئے تو اس کا مال ان کی اولاد کو ملا ہوگا اور اولاد نے اپنے باپ کے ترکے سے مالی حقوق ادا کئے اور غرباء و مساکین کی مدد کی۔ قیامت کے دن وہ اپنی اولاد کو دیکھے گا کہ وہ جنت میں ہیں جبکہ وہ جہنم میں ہوگا۔ پھر اسے یہ سوچ کر شدید پشیمانی ہوگی کہ میرے بچے میرے ہی مال کی وجہ سے جنت کے حقدار بن گئے ہیں جبکہ میں نے کنجوسی کر کے اپنے لئے دوزخ کا عذاب خریدا ہے۔ اس وقت وہ خواہش کرے گا کہ اے کاش میں نے اپنا مال راہ خدا میں خرچ کیا ہوتا۔

تیسرا طبقہ مالکوں اور آقاؤں کا ہوگا جو قیامت کے دن کف افسوس ملیں گے کہ ان کے نوکر اور غلام تو جنت میں ہیں اور وہ خود جہنم میں جل رہے ہیں۔

اساتذہ خیال رکھیں کہ وہ آقا ہیں اور ان کا شاگرد ایک طرح سے ان کا زیردست ہے۔ چنانچہ اساتذہ آج کچھ عمل کر کے جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا شاگرد نیک عمل کر کے جنت میں چلا جائے اور وہ دوزخ میں جلتے رہیں۔

مالکان بھی اپنا خیال رکھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے ملازم دیانتداری اور ایمانداری کی وجہ سے جنت میں جائیں اور وہ خدا کی نافرمانی کی وجہ سے دوزخ میں

جل رہے ہوں۔ آج وہ جن نوکروں کو حقارت سے دیکھتے ہیں ممکن ہے کہ کل روزِ آخرت وہ ان سے بہتر ہوں۔

دانہ خاک میں ملکر گل و گلزار ہوتا ہے

حضرت ورّام ایک مشہور عالم دین گزرے ہیں۔ وہ سید ابن طاؤسؒ کے استاد تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب مجموعہ ورّام میں لکھا ہے کہ ایک نبی اللہ نے پروردگار سے درخواست کی کہ وہ اسے اپنے کسی ولی کی زیارت کرائے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نبی اللہ نے پروردگار سے درخواست کی کہ وہ اسے اس کا جنت کا ہم نشین دکھائے۔

بہرحال ان کی دعا قبول ہوئی اور پروردگار نے اپنے نبی کو وحی کی کہ تم فلاں جگہ جاؤ اور فلاں موچی سے ملو وہی تمہارا جنت کا ہمنشین ہے۔ نبی اللہ وحی میں بتائی ہوئی جگہ پر تشریف لے گئے تو ان کی ملاقات اس موچی سے ہوگئی۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ دوران گفتگو نبی اللہ کو اس شخص میں نہ تو زیادہ علم محسوس ہوا، نہ ہی اس کے عمل زیادہ دکھائی دیئے اور نہ ہی اس میں معرفت کے آثار نظر آئے۔ یہ دیکھ کر وہ سخت متعجب ہوئے۔ غرضیکہ وہ موچی کسی بھی لحاظ سے ان کو اتنے بڑے مقام کے قابل دکھائی نہ دیا تو انہوں نے کھل کر موچی سے بات کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میرے ساتھی ہو اور میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے اندر ایسی کون سی خوبی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرا ساتھی قرار دیا ہے؟

موچی نے جواب دیا: جناب! مجھ غریب میں تو کوئی خوبی نہیں ہے۔ میرے پاس نہ تو زیادہ علم ہے اور نہ ہی عمل۔ آپ جیسا مجھے دیکھ رہے ہیں میں تو یہی کچھ ہوں۔

نبی اللہ نے فرمایا: نہیں ایسا ہونا ناممکن ہے۔ تم میں ضرور کوئی نہ کوئی خوبی موجود ہے، تم کھل کر اس کا میرے سامنے اظہار کرو۔

اس نے آخر میں کہا: جناب! مجھ میں اور تو کوئی کمال نہیں ہے البتہ میں نے آج تک جسے بھی دیکھا تو اپنے دل میں ہمیشہ یہی کہا کہ یہ مجھ سے بہتر ہے۔
مارأیت احدًا الا وظننت انه خیر منی

نبی اللہ نے اس کی بات سن کر فرمایا: تجھے مبارک ہو۔تیری اسی بات نے تو تجھے اس مقام بلند پر فائز کیا ہے۔

پس انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ عاجزی اور انکساری سے کام لے اور ہمیشہ اپنے آپ کو خدا کے حضور حقیر اور فقیر جانے۔ جتنا خدا کو بڑا سمجھے اتنا ہی اپنے آپ کو چھوٹا سمجھے۔ جب اس کی نظر دوسروں پر پڑے تو دل میں سوچے کہ یہ مجھ سے بہتر ہے کیونکہ اولیاء اللہ بھی عوام الناس میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کا احترام کرے۔

ایک روایت ہے کہ حضرت جبرئیلؑ، حضرت ابراہیمؑ کو منصب خلت کی بشارت دینے آئے اور بولے کہ مبارک ہو! اللہ نے آپ کو اپنا خلیل بنایا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے تعجب سے کہا: میں کہاں اور مقام خلت کہاں؟

حضرت جبرئیلؑ نے اپنی بات کی تکرار کی۔

حضرت ابراہیمؑ نے کہا: مگر میرے پاس تو کوئی عمل نہیں ہے۔ پھر میں خلیل الرحمٰن کیسے بن گیا؟

حضرت جبرئیلؑ نے بتایا کہ لانک لاتسئل غیرہ ولم ترد سائلا عن بابک یعنی اللہ سبحانہٗ کو آپ کی دو خصلتیں پسند آئیں اس لئے اس نے آپ کو اپنا خلیل چن لیا ہے۔ان میں سے پہلی خصلت یہ ہے کہ آپ نے آج تک غیراللہ سے کچھ نہیں مانگا، آپ نے جب بھی دست سوال دراز کیا ہے تو صرف اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہی کیا ہے، آپ نے خالق کو چھوڑ کر مخلوق سے کچھ نہیں مانگا۔

کسی پر عیب لگانا اپنے آپ پر عیب لگانے کے مترادف ہے

دوم: وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یعنی اپنے آپ پر عیب نہ لگاؤ۔

"لمز" عیب کو کہا جاتا ہے۔ آیت کے ان الفاظ میں ایک لطیف نکتہ پوشیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت میں اس طرح کے الفاظ ارشاد نہیں فرمائے: لا تلمزوا غیرکم لا تلمزوا مسلمًا لا تلمزوا قومًا. یعنی دوسروں پر عیب نہ لگاؤ، کسی مسلم پر عیب نہ لگاؤ، لوگوں پر عیب نہ لگاؤ۔ یقیناً قرآن مجید میں اس طرح کے جملے موجود نہیں ہیں بلکہ اس کی بجائے قرآن مجید میں جملہ یہ ہے وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اپنے آپ پر عیب مت لگاؤ۔

برادران عزیز! یہ عجیب بات ہے۔ کیا کوئی خود پر بھی عیب لگاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید درحقیقت یہ کہہ رہا ہے کہ کسی مسلمان پر عیب نہ لگاؤ اور اگر تم نے کسی پر عیب لگایا تو تم نے کسی دوسرے پر عیب نہیں لگایا بلکہ خود اپنے آپ پر عیب لگایا ہے۔

قرآن مجید کی فصاحت کے قربان جایئے! کیونکہ قرآن مجید کائنات کے ہر کلام کا سردار ہے اور ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ دوسرے پر عیب لگانے والا دراصل اپنے آپ پر عیب لگانے والا ہے۔ جو شخص کسی دوسرے مسلمان بھائی کے لئے کہتا ہے کہ فلاں بخیل ہے، فلاں بے حیا ہے، تو قرآن مجید کا فرمان اس کے لئے یہ ہے کہ تو نے اس پر عیب نہیں لگایا بلکہ اپنے آپ پر عیب لگایا ہے اور اگر تو خود عیب دار ہونا پسند نہیں کرتا تو دوسرے پر عیب بھی نہ لگا۔

اور لفظ انفسکم کی تین توجیہات ہیں:

وجہ اول: وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کی آیت کا اشارہ اس طرف ہے کہ تمام مومن متحد ہیں اور تمام مومن نفس واحدہ ہیں کیونکہ روحانی اعتبار سے سب کے باپ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کی رُو سے تمام مومنین کی ارواح میں اتحاد پایا جاتا ہے کیونکہ وہ سب کے سب حضرت محمد مصطفیؐ اور حضرت علی مرتضیٰؑ کی روحانی اولاد ہیں۔ جیسا کہ رسول خداؐ نے اپنی ایک حدیث میں فرمایا ہے: انا و علی ابوا ھذہ الامۃ یعنی میں اور علیؑ اس امت کے باپ ہیں۔

علاوہ ازیں تمام انسان جسمانی طور پر بھی متحد ہیں کیونکہ سب آدمؑ و حواؑ کی اولاد ہیں۔ مومنین کے روحانی باپ حضرت محمد مصطفیؐ اور حضرت علی مرتضیٰؑ ہیں۔

ائمہ ہدیٰ علیہم السلام سے اس مفہوم کی بہت سی روایات وارد ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ شجرۂ طیبہ کا تنا حضرت محمد مصطفیؐ ہیں اور بارہ امامؑ اس شجرۂ طیبہ کی بارہ شاخیں ہیں جن میں سے پہلی شاخ کا نام علیؑ ہے اور آخری شاخ کا نام مہدیٔ منتظرؑ ہے اور ہمارے شیعہ اس درخت کے پتے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے سے متصل ہیں کیونکہ پتے شاخ سے متصل ہوتے ہیں اور شاخیں تنے سے متصل ہوتی ہیں اور اسی طرح سے درخت کا تنا شاخوں سے متصل ہوتا ہے اور شاخیں پتوں سے متصل ہوتی ہیں۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں: کل قیامت کے دن شجرۂ طوبیٰ علیؑ کے گھر میں ہوگا اور اس کی شاخیں جنت میں ہر شیعہ کے گھر میں ہوں گی۔

غرضیکہ مومن شجرۂ طوبیٰ کی شاخ ہے۔ تمام مومن نفس واحد ہیں۔ جو شخص ایک مومن پر عیب لگاتا ہے تو وہ گویا تمام مومنین کے سلسلے پر عیب لگاتا ہے۔

اگر آپ کھلے لفظوں میں سننا چاہتے ہیں تو سنیں۔ اگر آپ نے حضرت علیؑ کے کسی شیعہ پر عیب لگایا تو درحقیقت آپ نے حضرت علیؑ کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ بالخصوص جب دوسری طرف ایسا شیعہ ہو جس کا حضرت علیؑ سے روحانی تعلق ہو تو پھر جو بھی اسے ناراض کرتا ہے وہ گویا حضرت علیؑ کو ناراض کرتا ہے۔

شیعوں کا حضرت علیؑ سے روحانی اتصال

رُمیلہ جو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے شیعوں میں سے تھے بیان کرتے ہیں کہ مجھے کوفہ میں کئی دن تک بخار آتا رہا جس کی وجہ سے میں حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا۔ جمعہ کے دن میری طبیعت سنبھلی تو میں نے ارادہ کیا کہ میں غسل کر کے مسجد میں جاؤں گا اور حضرت امیرالمومنینؑ کی اقتدا میں نماز جمعہ ادا کروں گا۔

بہرحال میں نے غسل کیا اور مسجد میں آیا، جب حضرتؑ نے خطبۂ جمعہ شروع کیا تو مجھے دوبارہ بخار ہونے لگا۔ میں نے اپنے آپ کو بڑی مشکل سے سنبھالے رکھا اور آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ جیسے ہی نماز ختم ہوئی اور حضرتؑ اپنے گھر کو تشریف لے گئے تو آپ نے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا۔ میں آپ کے بیت الشرف پر حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا: رُمیلہ! جب میں خطبہ دے رہا تھا تو اس وقت تمہیں کیا ہوگیا تھا؟

میں نے عرض کی: مولاؑ! میں پچھلے کئی دنوں سے بخار میں مبتلا ہوں اور آج میرا بخار کم ہوا تو میں مسجد چلا آیا اور جب آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو اس وقت مجھے دوبارہ تپ لرزہ چڑھ گیا۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے رُمیلہ سے فرمایا: (جس کا ماحصل یہ ہے) تیرا یہ بخار مجھ تک سرائیت کر گیا تھا۔

میں نے عرض کی: مولاؑ! کیا آپ صرف اہل مسجد کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے ہیں یا جو مسجد سے باہر ہیں ان کے دکھ درد کو بھی محسوس کر لیتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: اگر دنیا کے شرق و غرب میں کہیں ہمارے کسی شیعہ کو دکھ ہوتا ہے تو ہم بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

برادران عزیز! خوب غور سے سن لو۔ تم جس مومن پر عیب لگا رہے ہو اور

اُس کے دل پر کچوکے مار رہے ہو کیا یہ ممکن نہیں کہ اس کا تعلق اپنے امام زمانہؑ سے ہو اور اسے اذیت دے کر کہیں تم اپنے امام زمانہؑ کو تو اذیت نہیں دے رہے ہو۔

ہر عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے

مفسرین نے وَلاَ تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ کے ضمن میں لکھا ہے کہ کسی پر عیب لگانے کا انجام اپنے اوپر عیب لگانے کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ مخلوق کی ازل سے یہی روش ہے۔ کون کسی کو معاف کرتا ہے اور دنیا میں ''جیسا کہو گے ویسا سنو گے'' والا معاملہ ہے لہٰذا اگر تم کسی پر عیب لگاؤ گے تو لوگ بھی تم پر عیب لگائیں گے اور اگر تم لوگوں کو برا کہو گے تو لوگ بھی تمہیں برا کہیں گے۔

مندرجہ ذیل روایت سے ہمارے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے:

رسول خداؐ نے فرمایا: خدا اس شخص پر لعنت کرے جو اپنے ماں باپ پر سبّ وشتم کرے۔

کسی نے کہا: یارسول اللہؐ! کیا کوئی اپنے والدین پر سبّ وشتم کرسکتا ہے؟

آپ نے فرمایا: جو شخص کسی دوسرے کے والدین پر سبّ وشتم کرے تو لوگ جواب میں اس کے والدین پر سبّ وشتم کریں گے۔ لہٰذا اپنے والدین کے سبّ وشتم کی ذمہ داری خود اسی پر عائد ہوتی ہے۔

آپ کسی کے باپ پر عیب نہ لگائیں ورنہ لوگ آپ کے باپ کو معاف نہیں کریں گے۔ آپ کسی کی ماں کے دامن پر عیب کے چھینٹے نہ لگائیں ورنہ لوگ وہی چھینٹے آپ کی ماں کے دامن پر لگائیں گے۔

تمہارا ہر عمل تم پر اثر انداز ہوتا ہے

ہر شخص پر جو کچھ گزرتی ہے وہ اس کے عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ باہر سے اس پر کچھ مسلط نہیں کیا جاتا۔ ہر شخص اپنے لئے گڑھا خود کھودتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ اس

گڑھے میں کسی اور کو گرا رہا ہوں۔ ہر شخص اپنی ہلاکت کا سامان خود فراہم کرتا ہے۔ اسی قاعدے کے تحت جب کوئی شخص کسی پر عیب لگا رہا ہوتا ہے تو درحقیقت وہ اپنے آپ پر عیب لگا رہا ہوتا ہے لیکن وہ اس سے غافل ہوتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر عیب لگاتا ہے تو لوگوں کی نظروں میں خود اس کا مقام اور شخصیت گر جاتی ہے اور لوگ اسے بدگمان اور حاسد سمجھنے لگتے ہیں۔

علاوہ ازیں جب ایک شخص کسی پر عیب لگا رہا ہوتا ہے تو اس عیب کی کچھ نہ کچھ مقدار خود اس میں جنم لے رہی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی پر بے حیا ہونے کا الزام لگاتا ہے تو اس وقت خود اس کا اپنی حیا بھی محفوظ نہیں ہوتی۔ اس کی اپنی حیا میں بھی ایک طرح کی کمی واقع ہوتی ہے۔

حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے دربار شام میں یزید سے کیا خوب فرمایا تھا: وما فریت الا رأسک وما جززت الا جلدک... تو یہ سمجھ رہا ہے کہ تو نے حسینؑ کا سر قلم کیا ہے جبکہ حقیقت میں تو نے اپنے ہاتھوں سے اپنا سر کاٹا ہے، تو نے اپنی ہی کھال ادھیڑی ہے، حسینؑ کا کیا ہے؟ وہ تو عرش خدا پر چلے گئے ہیں، حسینؑ سرفراز ہیں، حسینؑ عالم اعلیٰ کے سردار ہیں، آج تیرا نجس سر جھک چکا ہے، آج تیرے پاس بلند کرنے کے لئے سر موجود نہیں ہے، تیرے پاس آبرو موجود نہیں ہے، تیرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، حقیقت کو دیکھ۔

بدبخت یزید! کیا تو سمجھتا ہے کہ تو نے تیر و تبر میرے بھائی کے جسم اطہر میں پیوست کئے ہیں؟ سن لے! یہ تیرِ ستم میرے بھائی کے وجود میں نہیں بلکہ تیرے وجود میں اترے ہیں، تو نے یہ ظلم کر کے اپنے آپ کو زخمی کیا ہے، تو نے اپنے آپ کو تباہ کیا ہے۔ حسینؑ کی زندگی پہلے سے بڑھ چکی ہے اور تیری موت پہلے سے زیادہ قریب ہو چکی ہے۔ تو زندہ رہ کر بھی مُردہ ہے اور حسینؑ شہید ہو کر بھی زندہ ہیں۔

اے مسلمانو! جب آپ کسی پر عیب لگاتے ہیں تو اس کی بازگشت خود آپ

کی طرف ہے کیونکہ قرآن مجید کہتا ہے: لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ہر نفس کے لئے اس کی حاصل کی ہوئی نیکیوں کا فائدہ بھی ہے اور اس کی کمائی ہوئی برائیوں کا وبال بھی۔ (سورۂ بقرہ' آیت ۲۸۶)

برے ناموں سے مت پکارو

وَلاَ تَنَابَزُوْا بِالْاَ لْقَابِ کی آیت میں تیسرا حکم یہ ہے کہ کسی کو برے ناموں سے مت پکارو۔ مثلاً اگر کوئی شخص پہلے یہودی ہو اور بعد میں مسلمان ہو جائے تو اسے یہودی یا یہودی کی اولاد کہہ کر مت پکارو۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص پہلے شرابی ہو اور اس نے توبہ کر لی ہو تو اسے شرابی کہہ کر مت پکارو۔

بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقَ بَعْدَ الْاِ يْمَانِ کا مطلب ہے کہ ایمان کے بعد کسی کو برے نام سے پکارنا بہت ہی برا ہے۔ جو شخص لا الہ الا اللّٰہ پڑھتا ہو تو خبردار اسے کافر نہ کہنا۔ جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے وہ ملعون ہے۔ کسی مسلمان کو فاسقانہ لقب سے پکارنا حرام ہے۔ قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ ایسے تمام نام حرام ہیں جو کسی کی دل آزاری کا باعث بنتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان موٹا ہو تو اسے موٹو کہہ کر نہ پکاریں اور اگر اس لفظ سے اس کی دل آزاری یا تحقیر ہوتی ہو تو یہ بہت ہی برا ہے۔ جب بھی آپ کسی مسلمان کو آواز دیں یا اس سے بات کریں تو اچھے لقب اور نام سے مخاطب کریں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص امام علیہ السلام کے پاس آیا۔ امامؑ کو اس کا نام معلوم نہیں تھا چنانچہ آپ نے اسے یوں مخاطب کیا: یا سعد! کیف حالک یعنی اے سعادت مند! تیرا کیا حال ہے؟

ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی مسلمان کو برے لقب سے پکارنا حرام ہے۔ مثلاً کسی پستہ قد مسلمان کو چھوٹو اور کسی لمبے قد والے کو لمبو کہنا حرام ہے۔

گناہ کے بعد توبہ واجب ہے

اس آیت میں مذکورہ تین امور کی حرمت کے اعلان کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی مسلمان سے دانستہ یا نادانستہ طور پر غلطی ہو جائے تو اسے توبہ کرنی چاہئے۔ توبہ کا تعلق ان واجبات سے ہے جنہیں ہم مدت سے ترک کئے ہوئے ہیں۔

آپ صرف خود ہی توبہ نہ کریں بلکہ دوسروں کو بھی توبہ کی نصیحت کریں۔ مثلاً اگر آپ نے کسی مومن کو دیکھا کہ اس نے سرمحفل کسی مسلمان کو برے نام سے پکارا ہے تو آپ اسے توبہ کا حکم دیں۔ توبہ کا حکم دینا آپ پر واجب ہے اور آپ کی بات کو مان کر اس پر عمل کرنا دوسرے مسلمان پر واجب ہے۔ لہٰذا دوسرے مسلمان کو چاہئے کہ وہ استغفر اللّٰہ کہے۔ اگر آپ کے مخاطب کو توبہ کے متعلق کوئی علم نہ ہو تو توبہ کے متعلق آپ اس کی رہنمائی کریں اور اس سے کہیں کہ وہ اپنے گناہ کے لئے مغفرت طلب کرے اور جس شخص کی اس نے توہین کی ہے اس سے معافی مانگے۔ اگر وہ توبہ پر آمادہ نہ ہو تو وہ ظالم قرار پائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت کا اختتام ان الفاظ پر کیا ہے: وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. یعنی اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو سمجھ لو کہ یہی لوگ ظالم ہیں۔

قرآن مجید ہر گناہ کو ظلم اور ہر گناہگار کو ظالم کہتا ہے اور ہر ظلم کے متعلق قرآن کی یہی تعلیم ہے کہ اس کیلئے توبہ کی جائے اور خدا سے معافی طلب کی جائے۔

میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے

دین اسلام نے ہر گناہگار کو یہ تلقین کی ہے کہ وہ اپنے گناہ کا اعتراف ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ''میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے'' کے الفاظ سے کرے۔

خواجہ ربیع کے متعلق منقول ہے کہ وہ رات کو نہیں سوتے تھے۔ ان کی تمام

رات گریہ وزاری میں گزرتی تھی۔ ان کی والدہ نے ان سے کہا: بیٹے! تم نے کون سا ایسا گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے تم دن رات ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتے ہو، اگر بالفرض تم نے کسی شخص کو قتل کیا ہے تو بھی مجھے بتاؤ، میں مقتول کے وارثوں کے پاس جاؤں گی اور انہیں راضی کروں گی اور وہ تمہیں قتل بخش دیں گے۔

خواجہ ربیع نے اپنی والدہ ماجدہ کو بڑا خوبصورت جواب دیا، انہوں نے کہا: امی جان! میں نے قتل تو کیا ہے مگر کسی اور کو نہیں بلکہ اپنے آپ کو قتل کیا ہے اور مصیبت تو یہی ہے کہ اگر میں نے کسی دوسرے کو قتل کیا ہوتا تو مقتول کے وارثوں سے بخشوا لیتا مگر اپنا قتل کس سے بخشواؤں؟

اے مسلمانو! ہم نے خانۂ خدا میں خود کو بے آبرو کیا ہے، اب ہمارے پاس سر ہی نہیں کہ سرفراز ہوسکیں۔ یقیناً ایک گناہگار شخص اپنے آپ کو قتل کرتا ہے۔

مومن کے خلاف بدگمانی حرام ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ.

اے ایمان والو! زیادہ گمانوں سے پرہیز کرو کیونکہ کچھ گمان گناہ ہوتے ہیں۔

اس آیت میں بھی سابقہ آیت کی طرح تین امور سے منع کیا گیا ہے۔

آیت کی ابتدا میں بدگمانی سے بچنے کا حکم دیا گیا اور آیت کے وسط میں تجسس سے روکا گیا اور آیت کے آخر میں غیبت سے منع کیا گیا اور لطف یہ ہے کہ تینوں امور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ انسان سب سے پہلے بدگمانی میں مبتلا ہوتا ہے۔ بدگمانی کے بعد وہ تجسس پہ اترتا ہے اور تجسس کے بعد غیبت شروع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لئے اس آیت کے آغاز میں بدگمانی سے منع کیا ہے تاکہ دوسرے دو مراحل کی نوبت ہی نہ آئے۔

تجسس حرام ہے

امر بالمعروف کے لئے اس کے احکام و شرائط سے واقف ہونا بھی ضروری ہے ورنہ حضرت عمرؓ کا سا معاملہ پیش آئے گا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں رات کے وقت مدینہ کی گلیوں میں پھر رہے تھے۔ ایک دروازے سے گزرے تو انہیں اندر سے کھسر پھسر کی صدائیں سنائی دیں۔ وہ گھر کی پچھلی طرف چلے گئے اور دیوار سے جھانک کر دیکھا تو انہوں نے غیر مشروع حرکت کا مشاہدہ کیا۔ پھر دیوار پھلانگ کر اندر گئے اور اسے ڈانٹتے ہوئے کہا: اے فاسق! کیا کر رہا ہے۔ تجھے حیا نہیں آتی؟

ادھر صاحب خانہ بھی اسلامی تعلیمات سے کافی واقف تھا اس نے کہا: اے عمرؓ! میں اپنے گھر میں بیٹھ کر ایک غلط حرکت کر رہا ہوں جبکہ تم نے بیک وقت کئی غلط حرکتیں کیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا: بھلا وہ کیسے؟ میں نے کون سی غلط حرکتیں کی ہیں؟

صاحب خانہ نے کہا: آپ نے پہلی غلطی تو یہ کی کہ ہماری جاسوسی کر کے حکم الٰہی "وَلَا تَجَسَّسُوْا یعنی جاسوسی نہ کرو، کی خلاف ورزی کی ہے۔

اور آپ نے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰی اَھْلِھَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ. اے ایمان والو! خبردار اپنے گھروں کے علاوہ کسی دوسرے کے گھر میں داخل نہ ہونا جب تک کہ صاحب خانہ سے اجازت نہ لے لو اور انہیں سلام نہ کرلو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے شاید کہ تم اس سے نصیحت حاصل کرسکو۔ (سورۂ نور: آیت ۲۷) کی آیت کا لحاظ نہیں کیا اور بلا اجازت ہمارے گھر میں داخل ہوئے ہیں۔ نیز یہ کہ آپ نے ہمیں سلام بھی نہیں کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک غلطی اور یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے

فرمان وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْ تُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَ بْوَابِهَا وَا تَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ یعنی یہ کوئی نیکی نہیں کہ مکانات میں پچھواڑے کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی اس کے لئے ہے جو پرہیزگار ہو۔ اور گھروں میں دروازوں کی طرف سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (سورۂ بقرہ: آیت۱۸۹) کے برعکس دیوار پھاند کر میرے گھر میں آئے ہیں اور آپ نے دروازے کو استعمال نہیں کیا۔

اس سے بڑھ کر میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انسان اپنے گھر بھی جائے تو اچانک نہ جائے ممکن ہے کہ وہاں اس کی بہو، بیٹی یا ماں اسے ایسی حالت میں ملے جس سے وہ شرمندگی محسوس کرے۔

برادران عزیز! آپ جب بھی گھر میں داخل ہوں تو گھر والوں کو سلام کریں۔ کبھی یہ نہ سوچیں کہ میں گھر کا مالک ہوں، بھلا میں اپنی بیوی کو سلام کیوں کروں؟ میری بیوی کو چاہئے کہ مجھے سلام کرے اور یہ کہ میں بچوں کو سلام کیوں کروں میں تو ان کا بڑا ہوں۔

بحیثیت مسلمان آپ کو اپنی فکر میں تبدیلی لانا ہوگی۔ اگر آپ محمد مصطفیؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں تو پھر سنیں کہ انہوں نے کیا فرمایا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں زندگی کے آخری لمحے تک چھ چیزوں کو ترک نہیں کروں گا۔ ان میں سے پہلی چیز سلام میں ابتدا کرنا ہے۔

آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ آپ جس سے ملتے خواہ وہ چھوٹا ہوتا یا بڑا، پیادہ ہوتا یا سوار، آپ ہی سلام میں پہل کرتے تھے۔ آپ کبھی بھی سلام کا انتظار نہیں کرتے تھے۔

اگر آپ گھر میں جائیں اور وہاں کوئی دوسرا موجود نہ ہو تو پھر آپ کراماً کاتبین کو اپنے قریب جان کر ان پر سلام کریں اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کہیں۔ یا پھر جیسا کہ روایات میں وارد ہے کہ اگر گھر میں کوئی موجود نہ ہو تو پھر ان الفاظ سے سلام کریں: اَلسَّلاَ مُ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا یا پھر کہیں: اَلسَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ بہرنوع آپ کو سلام ضرور کرنا چاہئے۔

آمدم برسر مطلب، جب صاحب خانہ نے حضرت عمر کو ان کی پیہم غلطیوں سے مطلع کیا تو وہ نادم ہوئے اور کہا: خیر! تم آئندہ محتاط رہنا۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلے گئے۔

یاد رکھیں کہ کسی کی جاسوسی کرنا اور کسی کے گھر میں تانک جھانک کرنا اچھا نہیں ہے نیز اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر ہمسائے کے گھر میں دیکھنا بھی صحیح نہیں ہے۔

تانک جھانک کرنے والے کی آنکھ اگر ضائع ہو جائے

اگر کوئی شخص جاسوسی کی نیت سے اپنے گھر کی چھت پر کھڑا ہو کر یا گھر کے کسی روشن دان یا کھڑکی سے دوسرے کے گھر میں جھانکے اور مالک مکان کوئی پتھر یا لکڑی اٹھا کر اسے مارے اور اتفاق سے وہ پتھر یا لکڑی تاکنے والے کی آنکھ پر جا کر لگ جائے جس سے اس کی آنکھ ضائع ہو جائے تو مارنے والے پر کوئی دیت واجب نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ہر شخص کو گھر میں بہت سی مراعات دیتا ہے اور ہر گھر کو امن کا گہوارا سمجھتا ہے۔ لہٰذا اسلام کسی کو کسی کے گھر کی جاسوسی کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام ہر شخص کی نجی زندگی کو محفوظ دیکھنا چاہتا ہے اور وہ کسی کی ذاتی زندگی میں مداخلت پسند نہیں کرتا۔

برا شخص ہی بدگمانی کرتا ہے

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اے ایمان والو! زیادہ گمان کرنے سے پرہیز کرو۔ اس آیت کی رو سے سب سے پہلے تو تم اپنے گمان کو صحیح کریں۔ کسی کے متعلق بدگمانی سے کام نہ لیں۔ بعض لوگوں میں بدگمانی اس قدر

رچی بسی ہوتی ہے کہ وہ ان کی فطرت کا ایک حصہ دکھائی دیتی ہے اور ایسے لوگ کبھی مثبت پہلو کو دیکھنے کے روادار نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ ہر نیک کام میں بھی کیڑے نکالتے رہتے ہیں اور جب بھی کوئی شخص ان کے سامنے کسی کے نیک کردار کی تعریف کرے تو وہ چیں بجبیں ہو کر کہتے ہیں کہ اس کے اس طرح کے اعمال کو نہ دیکھو ورنہ وہ آدمی صحیح نہیں ہے۔ اس کے اس عمل میں خود اس کی ذاتی منفعت مضمر ہوگی۔

یقیناً اس طرز فکر کا حامل شخص خود شیطان ہوتا ہے اسی لئے اسے ساری دنیا اپنے جیسی دکھائی دیتی ہے۔ وہ کسی کی نیکی سن کر اسے اغراض سے وابستہ سمجھتا ہے۔ ایسا شخص چونکہ خود صحیح نہیں ہوتا اس لئے وہ کسی کو بھی صحیح نہیں سمجھتا۔ اسے ساری دنیا جھوٹی اور دغاباز نظر آتی ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ شدید ذہنی اذیت میں مبتلا رہتا ہے حتیٰ کہ اپنی بیوی کے متعلق بھی بدگمان رہتا ہے اور پھر یہی بدگمانی تجسس کا روپ دھار لیتی ہے اور تجسس غیبت کو جنم دیتا ہے۔

حسن ظن بدگمانی سے بچاتا ہے

آپ صرف برائی کے احتمال کی وجہ سے کسی کو برا نہ سمجھیں اور جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کے اعمال کی اچھی توجیہ کریں۔ مثلاً ایک شخص کسی مسلمان کے متعلق آپ کو بتاتا ہے کہ میں نے اسے ایک فاحشہ کے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ اس شخص سے یہ کہیں کہ آپ بالکل سچے ہیں۔ آپ نے یقیناً مذکورہ شخص کو فاحشہ کے مکان سے باہر آتے ہوئے دیکھا ہوگا لیکن کیا آپ کو اس بات کا بھی یقین ہے کہ وہ وہاں برائی کی غرض سے گیا تھا؟ کیونکہ ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ مکان خریدنے گیا ہو یا کسی نے اسے بتایا ہو کہ یہ مکان کرائے کے لئے خالی ہو رہا ہے اور وہ مکان کو دیکھنے کے لئے گیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے کے مغالطے میں یہاں آیا ہو۔ الغرض مسلمان کے قول وفعل کی بہتر توجیہ کرنی چاہئے۔

شہید ثانیؒ نے کشف الریبہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر تمہیں کسی مسلمان کے منہ سے شراب کی بومحسوس ہو تو بھی تمہیں یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اس نے شراب پی ہے کیونکہ تم نے اسے اپنی آنکھوں سے شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اس کے علاوہ ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ممکن ہے کہ اس شخص نے اپنی رضا و رغبت سے شراب نہ پی ہو بلکہ کچھ لوگوں نے زبردستی اس کے منہ میں انڈیل دی ہو اور ویسے بھی کسی کے منہ سے شراب کی بدبو کا آنا شراب نوشی کی دلیل نہیں ہے کیونکہ کچھ جڑی بوٹیاں اور دوائیاں ایسی بھی ہیں جن سے شراب کی سی بو آتی ہے۔

بزرگانِ دین پر صوفیت کا الزام نہ لگائیں

کسی بزرگ کو اگر آپ نے صوفیاء کی خانقاہ سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تو یہ مت کہیں کہ وہ صوفی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا آپ کو صوفی کی تعریف معلوم ہے اور پھر آپ نے کس دلیل کے تحت ایک موحد مومن پر صوفیت کا الزام عائد کیا ہے۔ اگر وہ کل قیامت کے دن آپ کا گریبان پکڑے تو آپ کیا جواب دیں گے؟ اگر قیامت کے دن وہ بارگاہ الٰہی میں کہے کہ بارالٰہا! یہ میرے متعلق سوئے ظن میں مبتلا تھا اور مجھے صوفی سمجھتا تھا تو آپ اس وقت اپنے خدا کو کیا جواب دیں گے؟

بعض جاہل شیخ بہائیؒ کے متعلق یہ بدگمانی رکھتے ہیں کہ وہ صوفی تھے اور وہ اپنے دعویٰ کے لئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی عرفانی کتابوں میں بعض صوفیاء کے اقوال نقل کئے ہیں۔

برادران عزیز! یہ ایک غلط بات ہے۔ شیخ بہائی مذہب تشیع کے عظیم عالم تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے عرفانی مباحث میں اپنے مسلک کی تائید کے لئے مشائخ صوفیاء کے حوالے ضرور دیئے ہیں لیکن کسی کا حوالہ دینے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ حوالہ دینے والا بھی اسی کا پیروکار ہے اور ان کے ہر غلط نظریے کا

قائل ہے۔ لہٰذا لوگوں کو حیا کرنی چاہئے اور مذہب شیعہ کے قابل افتخار عالم دین کے متعلق یہ منفی پروپیگنڈہ نہیں کرنا چاہئے۔ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ بعض گمان گناہ کے زمرے میں آتے ہیں۔

امام موسیٰ کاظمؑ اور شفیق بلخی

شیعہ و سنی علماء نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے معجزات کے ضمن میں بہت سے واقعات بیان کئے ہیں۔ صاحب کشف الغمہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس واقعے کو ابن جوزی اور دوسرے بہت سے علمائے تسنن نے رقم کیا ہے اور بعض قادرالکلام شعراء نے اس واقعے کو نظم بھی کیا ہے۔ یہ روایت بڑے فوائد کی حامل ہے۔

شفیق بلخی کا بیان ہے کہ میں حج کے لئے روانہ ہوا اور میں نے جب اپنے قافلے پر نگاہ کی تو ہر شخص کے پاس سواری اور زادراہ دکھائی دیا مگر قافلے میں مجھے ایک جوان ایسا بھی دکھائی دیا جس نے عام سا لباس پہنا ہوا تھا اور معمولی قسم کی جوتی پہنی ہوئی تھی۔ اس کے پاس خورد و نوش کا کوئی سامان نہیں تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے یہ بدگمانی ہوئی کہ یہ ایک پیشہ ور قسم کا صوفی ہے اور یہ ہمارے قافلے پر بوجھ بنے گا۔ میں نے سوچا کہ مجھے جاکر اسے نصیحت کرنی چاہئے کہ تو غلط روش پر چل نکلا ہے۔ اگر تجھے حج کرنا ہی ہے تو تجھے زاد راہ سمیت سفر کرنا چاہئے جبکہ تیرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تجھے لوگوں پر بوجھ نہیں بننا چاہئے۔

یہ سوچ کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس جوان کی پاس گیا۔ ابھی میں بات کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ وہ جوان بول اٹھا: یَاشَفِیْقُ! اِجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ.

شفیق کہتا ہے کہ میں ان کی بات سن کر یہ سوچتا ہوا واپس اپنی جگہ آ گیا کہ آخر یہ بزرگ کون ہیں جو میرا نام بھی جانتے ہیں اور ارادہ بھی۔ لگتا ہے کہ یہ خدا

کے عظیم القدر ولی ہیں۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے ان سے معافی مانگنی چاہئے۔ میں معافی مانگنے کے لئے وہاں گیا جہاں میں نے اُن کو پہلے دیکھا تھا۔ مگر وہ مجھے پورے قافلے میں کہیں دکھائی نہ دیئے۔

پھر ایک اور منزل پر میں نے ان کو دیکھا تو میں معافی مانگنے کے لئے چل پڑا۔ (جو توبہ کے لئے قدم اٹھاتا ہے تو رحمت حق آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرتی ہے) جونہی میں ان کے قریب پہنچا تو انہوں نے کوئی بات سنے بغیر مجھ سے فرمایا: یَاشَفِیْقُ! وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی. اے شفیق! جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح کرے پھر راہِ ہدایت پر چلنے لگے تو میں اس کی خطائیں معاف کرنے والا ہوں۔

برادران عزیز! اس لئے میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ بدگمانی سے بچیں۔ اگر امام موسیٰ کاظمؑ شفیق بلخی کی اصلاح نہ فرماتے تو بدگمانی کے سبب وہ ہلاک ہو جاتا۔ شفیق کو غلط فہمی کیوں ہوئی تھی؟ صرف اس لئے کہ امامؑ نے صوفیانہ لباس پہنا ہوا تھا۔ بہرحال آپ خواہ مخواہ کی بدگمانیاں کر کے اپنی قبر کو انگاروں سے نہ بھریں بلکہ اس سے بچنے کی ہر ممکن تدبیر کریں۔

بس عزیزو! بخشش کے لئے صرف توبہ اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا مصمم عزم شرط ہے۔ توبہ کے بعد سوئے ظن، حسن ظن میں بدل جاتا ہے اور سوئے ذکر، ذکر خیر میں بدل جاتا ہے۔

شفیق کہتے ہیں کہ مجھے خوشی محسوس ہوئی کہ امامؑ نے میرے گناہ معاف کردیئے۔ اس کے بعد امامؑ میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

بیان مزید: ہم آیت اللہ دستغیبؒ کی بیان کردہ اس روایت کے اجمال کی تفصیل بیان کر رہے ہیں تاکہ مومنین کے جذبۂ ایمانی کو فروغ حاصل ہو:

شفیق بلخی کہتے ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ جوان خدا کے ولی ہیں کیونکہ

انہوں نے دوسری مرتبہ بھی میرا مافی الضمیر جان لیا تھا۔ اس کے بعد وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ پھر میں نے انہیں مقام زبالہ پر دیکھا۔ وہ ایک کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھے تھے اور ان کے ہاتھ میں ایک لوٹا تھا اور وہ کنوئیں سے پانی لینا چاہتے تھے۔ پھر اچانک وہ لوٹا ان کے ہاتھ سے پھسل کر کنوئیں میں جا گرا۔ اس وقت انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی: **انت ربی اذ ظمئت الی الماء وقوتی اذا اردت طعاما**۔ یعنی اے پروردگارا جب میں پیاسا ہوتا ہوں تو تیری ذات ہی میری سیرابی کا ذریعہ بنتی ہے اور جب میں بھوکا ہوتا ہوں تو تو ہی میرے طعام کا وسیلہ بنتا ہے۔

جیسے ہی ان کی یہ دعا ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کنوئیں کے پانی میں تلاطم پیدا ہوا اور کنوئیں کا پانی بلند ہونے لگا اور پانی اتنا بلند ہوا کہ ان کا لوٹا کنوئیں کی منڈیر کے سامنے آ گیا۔ انہوں نے اپنا بھرا ہوا لوٹا پکڑا اور اس کے پانی سے وضو کر کے چار رکعت نماز ادا کی۔

پھر وہ جوان ایک ریت کے ٹیلے کی طرف گیا۔ اس میں سے کچھ ریت لے کر پانی میں ڈالی اور اسے حرکت دے کر یک جان کیا اور اسے پینے لگا۔

میں اس وقت ان کے قریب گیا اور ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد میں نے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو دیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی عطا کریں۔

انہوں نے فرمایا: اے شفیق! اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی نعمات ہمیشہ ہمارے شامل حال رہی ہیں۔ تمہیں اپنے خدا کے متعلق نیک گمان کرنا چاہئے۔

اس کے بعد انہوں نے وہ لوٹا میرے حوالے کیا۔ جب میں نے اسے منہ سے لگایا تو وہ بہترین اور میٹھا ستو تھا۔ خدا کی قسم! میں نے اس سے زیادہ لذیذ چیز اپنی زندگی میں کبھی نہیں چکھی تھی۔ میں نے خوب سیر ہو کر ستو پیا اور ان کا شکریہ ادا

کیا۔ ان کے عطا کردہ ستو کا یہ اثر ہوا کہ مجھے کئی دن تک بھوک و پیاس محسوس نہ ہوئی۔

پھر اس کے بعد وہ بزرگ مجھے مکے تک کہیں دکھائی نہیں دیئے اور جب میں مکہ پہنچ گیا تو میں نے انہیں قبۃالسراب میں عبادت میں مشغول دیکھا۔ وہ ساری رات عبادت وتعقیبات میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ فجر ہوگئی اور طلوع فجر کے بعد انہوں نے نماز فریضہ ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوکر بیت اللہ کا طواف کیا اور حرم پاک سے باہر چلے گئے۔ میں بھی ان کے پیچھے چلا۔ جیسے ہی وہ اپنے مکان کے قریب پہنچے تو میں نے دیکھا کہ ان کے بہت سے غلام اور نوکر چاکر تھے اور لوگ ان کی زیارت کے لئے پروانہ وار جمع ہونے لگے۔

یہ منظر دیکھ کر میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں تو مجھے بتایا گیا کہ یہ موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ہیں۔

میں نے کہا: اگر میں نے یہ عجائبات کسی اور سے مشاہدہ کیے ہوتے تو ضرور تعجب کرتا لیکن ان بزرگوار کے عجائبات دیکھ کر مجھے کوئی تعجب نہیں ہے۔

اس واقعے کو بعض متقدمین نے نظم کیا اور اس طویل نظم میں سے ہم چند اشعار یہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

سل شفيق البلخي عنه وما   عاين منه وما اذى كان البصر
قال لما حججت رأيت شخصا   شاحب اللون ناحل الجهم اسمر
سايرا وحده وليس له زاد   فما زلت دائما اتفكر
و توهمت انه يسأل الناس   ولم ادر انه الحج الاكبر
ثم عاينته ونحن نزول   دون فيد على الكشيب الاحمر
بضع الرمل فى الاناء و يشرب   مع فنا ديته وعقلى محير
اسقنى شربة فنا ولنى منه   فعاينته سويقا و سكر
فسألت الحجيج من يك هذا ؟   قيل هذا الامام موسىٰ بن جعفر

شفیق بلخی سے پوچھو کہ اس نے کیا دیکھا اور کیا مشاہدہ کیا؟ اس نے کہا:
جب میں حج پر گیا تو میں نے ایک کمزور اور دبلے پتلے گندمی رنگ والے شخص کو دیکھا۔ جو اکیلا سفر کر رہا تھا اور اس کے پاس زاد راہ نہیں تھا۔ میں مسلسل یہ سوچنے لگا۔ میں نے شک کیا کہ یہ لوگوں سے سوال کرے گا۔ مجھے یہ تو معلوم نہ تھا کہ یہ حج اکبر ہے۔ پھر میں نے مقام "فید" سے کچھ اس طرف اسے سرخ ریت پر بیٹھا ہوا دیکھا۔ وہ برتن میں ریت ڈال رہا تھا اور اسے پی رہا تھا۔ میں نے اسے آواز دی اور میری عقل حیران تھی۔ مجھے بھی ایک گھونٹ پلائیں۔ چنانچہ اس نے مجھے کچھ حصہ اس میں سے دیا تو وہ میٹھا ستو تھا۔ میں نے حاجیوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ امام موسیٰ بن جعفر علیہم السلام ہیں۔

یہ اشعار شیخ حر عاملی کی کتاب اثبات الہداۃ سے نقل کئے گئے۔ (مترجم)

بعض اوقات مومن کو گمراہ کر کے شیطان پشیمان ہوتا ہے

مستدرک الوسائل میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ بعض اوقات کوئی شخص گناہ کرتا ہے اس کے بعد شیطان پشیمان ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کاش میں نے اسے گمراہ نہ کیا ہوتا تو بہتر تھا۔

صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! شیطان گمراہ کر کے پشیمان کیوں ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا: مومن گناہ کے بعد مسلسل توبہ کرتا ہے اور توبہ کی وجہ سے وہ خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ مومن کا رتبہ دیکھ کر شیطان اپنا سر پیٹ کر کہتا ہے کہ کاش میں نے اُسے اس گناہ میں ڈالا ہی نہ ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔

مومن اپنے گناہ کو دیکھ کر شرمندگی محسوس کرتا ہے تو وہ ہر لحظہ خدا کے قریب ہوتا جاتا ہے اور ہر لمحے اس کی نورانیت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

آپ نے شفیق بلخی کا واقعہ سماعت فرمایا کہ پہلے پہل وہ امام عالی مقام کے متعلق سوئے ظن میں مبتلا ہوا پھر وہ اپنے گناہ پر شرمندہ ہوا اور اس نے توبہ کی تو اس کی نورانیت میں اضافہ ہوا اور اسے محبت امام کی عظیم سعادت نصیب ہوئی۔

بدگمانی سے ممانعت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلاَ تَجَسَّسُوْا وَلاَ یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَ یُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّأْ کُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ... یعنی اے ایمان والو خبردار! ایک دوسرے کی جاسوسی اور غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ یقیناً تم اسے برا سمجھو گے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہر موحد مومن کے لئے ہے۔ ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے مالک کا فرمان سمجھے، اس کے متعلق تحقیق کرے، اس کی تفسیر کو تلاش کرے اور جب اللہ تعالیٰ کا فرمان سمجھ لے تو اس پر عمل کرے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اے ایمان والو! اکثر گمانوں سے پرہیز کرو کیونکہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ یقیناً بعض گمان گناہ کا درجہ رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا روئے سخن ہم سب کی طرف ہے۔ اسی لئے ہمیں سب سے پہلے بدگمانی کا مفہوم اچھی طرح سے سمجھنا چاہئے اور پھر اس کے موارد حرام کو جاننا چاہئے۔ اگرچہ ہم نے اپنی کل کی تقریر میں بھی بدگمانی کے متعلق کچھ معروضات پیش کی تھیں لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم مطلب کو اچھی طرح سے واضح نہیں کر سکے تھے اس لئے آج ہماری یہ خواہش ہے کہ سوئے ظن کے متعلق مزید

وضاحت کی جائے۔ اس وضاحت کے بعد ہم بدگمانی کو دو قسموں میں تقسیم کریں گے۔

(۱) خالق کے متعلق بدگمانی (۲) مخلوق کے متعلق بدگمانی

گمان ـــــ شک اور یقین کی درمیانی منزل کا نام ہے

گمان ـــــ شک اور یقین کی درمیانی منزل کو کہا جاتا ہے کیونکہ دل کی تین حالتیں ہیں۔ پہلی حالت کو شک کہا جاتا ہے۔ دوسری کو گمان اور تیسری اور قطعی حالت کو یقین کہا جاتا ہے۔ اس بات کو واضح کرنے کیلئے میں ایک مثال عرض کرتا ہوں۔

آپ نے کسی کو دور سے آتے ہوئے دیکھا۔ آپ کو معلوم نہیں کہ آنے والا لڑکا ہے یا لڑکی؟ اور اس طرح کے مغالطے آج کل ویسے ہی زیادہ پیش آتے رہتے ہیں۔ آج کل بہت سے نوجوانوں کی وضع قطع کچھ ایسی ہوتی ہے کہ آپ انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ نہیں کرسکتے کہ یہ لڑکا ہے لڑکی۔ آج کے اس طرح کے ماڈرن جوانوں پر ہزار افسوس۔ مرد کے لئے عورت کی شباہت اختیار کرنا اور عورت پر مرد کی شباہت اختیار کرنا حرام ہے۔

بہرحال آپ نے کسی کو آتے ہوئے دیکھا تو آپ سے فیصلہ نہ ہوسکا کہ آنے والا لڑکا ہے یا لڑکی ہے۔ آپ کے ذہن میں پچاس فیصد خیال لڑکا ہونے کا ہے اور پچاس فیصد خیال لڑکی ہونے کا ہے۔ ایسی حالت کو لفظ ''شک'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی دونوں طرفیں برابر ہوں اور آپ کا جھکاؤ کسی ایک طرف نہ ہو۔

اب وہ جسے آپ نے دور سے آتے ہوئے دیکھا تھا وہ کچھ اور نزدیک ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ اس کے گلے میں مالا ہے اور انگلی میں سونے کی انگوٹھی ہے تو آپ کے دل میں زیادہ خیال یہ ہوگا کہ یہ شکل وصورت لڑکی کی ہے۔ جب دل کا جھکاؤ ایک طرف زیادہ اور دوسری طرف کم ہو تو ایسی حالت کو ''گمان'' کہا جاتا ہے۔

بالفاظ دیگر اگر کسی کے متعلق لڑکا اور لڑکی ہونے کا امکان برابر ہو تو اس

حالت کو ''شک'' کہا جاتا ہے اور اگر غالب امکان لڑکی ہونے کا ہو اور کم امکان لڑکا ہونے کا ہو تو اس غالب خیال کو ''گمان'' یا ''ظن'' کہا جاتا ہے۔

اب آپ نے آنے والے کی وضع قطع سے یہ اندازہ لگایا کہ وہ لڑکا نہیں بلکہ لڑکی ہے مگر اس کے باوجود آپ کو یہ اندیشہ بھی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ لڑکی نہ ہو بلکہ لڑکا ہو کیونکہ ماڈرن لڑکے بھی لڑکیوں کی سی وضع قطع بناتے ہیں۔ اس کے باوجود آپ کو اس کے متعلق لڑکی ہونے کا زیادہ احتمال ہو اور لڑکا ہونے کا کم احتمال ہو اور یہ کیفیت آپ پر اس وقت تک طاری رہے گی جب تک آنے والی شخصیت آپ کے بالکل قریب نہیں آئے گی اور جب وہ آپ کے بالکل قریب آجائے گی اور آپ نے اتفاق سے اس سے اس کا نام بھی پوچھ لیا اور اس نے مثلاً کہا کہ مجھے ''زبیدہ'' کہتے ہیں تو اس وقت آپ کے ذہن سے ''شک'' اور ''ظن'' کے بادل چھٹ جائیں گے اور آپ کو اس کے لڑکی ہونے پر یقین آجائے گا۔

یہ تو تھی ظن کی مثال۔ اب حسن ظن اور سُوئے ظن کو بھی سمجھ لیجئے۔

جب آپ کسی کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس کے متعلق یا اچھائی کا احتمال ہوتا ہے یا برائی کا۔ اگر آپ کسی کے قول وفعل کو اچھائی پر محمول کریں تو یہ ''حسن ظن'' ہے اور اگر برائی پر محمول کریں تو یہ ''سُوئے ظن'' ہے۔

اس کو مثال سے یوں سمجھیں کہ ایک جگہ رش لگا ہوا ہے اور کوئی شخص آپ کو آواز دیتا ہے جبکہ اس کے کچھ الفاظ آپ کے کانوں تک پہنچے ہیں اور کچھ الفاظ نہیں پہنچے۔ اب اس کے متعلق دو احتمالات ہیں۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس نے دور سے آپ کی خیر خیریت پوچھی ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس نے خدانخواستہ آپ کو برا بھلا کہا ہے۔

اگر آپ کا ذہن خیریت پوچھنے کے احتمال کو ترجیح دے اور یہ سوچے کہ

اس کے پاس آپ کو برا بھلا کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے کیونکہ اس سے قبل کبھی اس کے ساتھ آپ کی تلخ کلامی نہیں ہوئی اس لئے آپ نے اس بات کو ترجیح دی کہ اس شخص نے آپ سے خیریت ہی پوچھی ہوگی تو اسے حسن ظن کہا جاتا ہے اور یہ کہ اتفاق سے آپ کے اور اس کے درمیان کچھ رنجشیں ہیں تو جونہی آپ نے اس شخص کی زبان سے اپنا نام سنا تو آپ کے ذہن میں یہ احتمال قوی پیدا ہوا کہ ہو نہ ہو اس نے مجھے برا بھلا کہا ہوگا۔ ذہن کے اس عمل کو سوئے ظن کہا جاتا ہے۔

حرام سوئے ظن

۱۔ افعال الٰہی کو برا سمجھنا اور رب العالمین کے متعلق برا گمان رکھنا حرام ہے۔

۲۔ جہاں کو نظم و حکمت سے خالی سمجھنا اور افعال الٰہی کو بیہودہ سمجھنا حرام ہے۔

کم معاوضہ حاصل کرنے والا عابد

بیان کیا جاتا ہے کہ دو فرشتوں نے ایک عابد کو دیکھا جو کہ دن رات عبادت کیا کرتا تھا چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے اجر کو دیکھنے کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عابد کا اجر دکھایا تو فرشتے دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کے عمل کے مقابلے میں بہت کم ثواب لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ فرشتے امتحان کے لئے اس عابد کے پاس گئے اور اس سے بہت سی باتیں کیں اور پوچھا کہ جہاں تم عبادت کرتے ہو اس کی آب و ہوا کیسی ہے؟

عابد نے کہا: بہت ہی اچھی اور پرفضا جگہ ہے۔ البتہ ایک چیز کی کمی ہے۔ یہاں گھاس خوب اگتی ہے اور کھڑے کھڑے ضائع ہو جاتی ہے۔ کاش خدا کے پاس کوئی گدھا ہوتا جو یہاں چرتا اور یوں یہ گھاس ضائع ہونے سے محفوظ رہ جاتی۔

اس کا جواب سن کر فرشتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور آسمان کی طرف

چلے گئے۔ انہیں یقین ہوگیا کہ عابد کم عقل ہے اور نظام عالم کے متعلق حسن ظن نہیں رکھتا جبکہ صحیح روش یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو اسرار عالم سمجھنے سے عاجز قرار دیتا اور نظام عالم پر اعتراض نہ کرتا اور یہ تصور کرتا کہ خدا کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہے جن میں سے اکثر حکمتوں اور مصالح کے سمجھنے سے انسان عاجز ہیں اور جو چند باتیں جانتے ہیں تو وہ بھی اس کے فضل کے نتیجے میں جانتے ہیں۔

جو چند باتیں میں اپنی زندگی میں سمجھ سکا ان سے مجھے یقین ہوگیا کہ اس کائنات کے خالق نے اسے اتنے حکیمانہ انداز سے بنایا ہے کہ دنیا کے تمام عقل مند اگر اس میں غلطی تلاش کرنا چاہیں تو وہ تلاش نہیں کرسکیں گے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات سے بہتر کائنات کی نقشہ کشی نہیں کرسکیں گے۔

ہر گھاس کے پیدا ہونے میں ایک حکمت ہے اور ہر جاندار کی ہر رگ بامقصد ہے۔ کسی جاندار کی کوئی بھی رگ بے مقصد نہیں ہے۔ انسان جس کے بدن کی اندرونی شاخیں ایک ہزار سے زائد ہیں اور جس کے خلیے کروڑوں اربوں کی تعداد میں ہیں ان میں سے ہر عضو اور ہر خلیہ انسانی بدن کے لئے ضروری ہے اور آج جبکہ انسان سرجری میں محیر العقول کارنامے دکھا رہا ہے اس کے باوجود دنیا کے کسی بھی سرجن نے یہ نہیں کہا کہ جسم میں کوئی چیز زائد یا بے مقصد ہے۔

اپنڈکس بھی بے مقصد نہیں ہے

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ انسانی جسم میں کوئی بھی عضو بے مقصد اور بے فائدہ نہیں ہے۔ چھوٹی آنت جسے پہلے قولنج آنت اور اب اپنڈکس کہا جاتا ہے وہ بھی بے فائدہ نہیں ہے۔ یہ آنت تین انگلیوں کے برابر ہوتی ہے جو درد دل کو کنٹرول کرتی ہے۔ پہلے اس آنت کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ بے فائدہ ہے اور اب جبکہ سرجری کا فن اوج ثریا تک پہنچ چکا ہے یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ اس آنت کا بڑا فائدہ ہے۔ باقی آنتوں کی خرابی کے لئے یہ آنت ایک طرح سے الارم کا کام

دیتی ہے۔ اگر جسم میں اس کا الارم موجود نہ ہوتا تو انسان کو اپنی آنتوں کی بیماری کا اس وقت پتا چلتا جب وہ گل سڑ چکی ہوتیں اور قدرت نے آنتوں کے تحفظ کے لئے اس آنت کو پیدا کیا ہے تاکہ باقی آنتوں کے زہریلے مواد اس میں منتقل ہوتے رہیں اور دوسری آنتیں خرابی سے محفوظ رہیں۔

ہر چیز اپنے مقام پر درست ہے

کائنات کے تمام ڈاکٹر مل کر بھی جسم انسانی کی ساخت پر غور کریں تو بھی انہیں اس میں ایک ذرہ برابر خامی دکھائی نہیں دے گی اور وہ اس کا متبادل تلاش کرنے میں ناکام رہیں گے۔ اگر ان کو یہ کہا جائے کہ کیا آپ اس سے بہتر جسمانی نظام تجویز کرسکتے ہیں تو سب کا جواب نفی میں ہوگا۔ جس طرح سے انسانی جسم کمال تخلیق کا منہ بولتا شاہکار ہے اسی طرح سے پوری کائنات اپنی جگہ پر موزوں ہے۔

آپ کائنات کی جس چیز کو دیکھیں گے وہ اپنے مقام پر صحیح دکھائی دے گی۔ عالم بالا میں بیک وقت کروڑوں کرّے حرکت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حرکت کو اتنا منظم رکھا ہے کہ وہ اپنے مدار سے ذرا بھی ادھر ادھر نہیں ہوتے۔

آپ حضرات کا کیا خیال ہے کہ زمین جس تیزی سے گردش کر رہی ہے اگر بالفرض وہ اسی تیزی کے ساتھ کسی اور کرّے سے ٹکرا جاتی تو اس کا انجام کیا ہوتا اور کیا اس حادثے کے بعد بھی زمین باقی بچ جاتی اور کیا کوئی جاندار زندہ رہ سکتا تھا؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہے۔ آیئے دیکھیں! اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کو حوادث سے بچانے کے لئے کیا کیا زبردست انتظامات کر رکھے ہیں۔

زمین کے گرد پھیلی ہوئی فضا زندگی کی محافظ ہے

~~سورج اور زمین کے آس پاس لاکھوں کروڑوں شہابیے موجود رہتے ہیں۔~~
وہ سورج کے چاروں طرف زمین کی طرح گرش کرتے رہتے ہیں اور روزانہ ہزاروں

کی تعداد میں ہماری فضا میں داخل ہوتے ہیں اور جیسے ہی وہ ہماری فضا میں داخل ہوتے ہیں تو اس وقت ہوا سے رگڑ کھا کر ان کا درجہ حرارت اس قدر زیادہ ہو جاتا ہے کہ وہ شعلہ کی طرح چمکنے لگتے ہیں اور آن کی آن میں جل بھن کر ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ وہ ہم تک آنے سے پہلے ہی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور ایسا اتفاق بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا شہاب زمین پر آ گرے لیکن جب کبھی ایسا ہوتا ہے تو یہ شہاب بم کی طرح پھٹتا ہے جس سے زبردست شور پیدا ہوتا ہے گویا دور کہیں بجلی کڑکی ہو۔ اگر یہ تمام شہابیئے زمین پر آنے میں کامیاب ہوجاتے تو پوری زمین تباہ و برباد ہوجاتی اور کوئی بھی گھر اور کوئی بھی ذی روح زمین پر زندہ نہ رہتا اور پوری زمین پر ہیبت ناک گڑھے پڑ جاتے۔

اللہ تعالیٰ نے ہماری زمین کو بچانے کے لئے زمین کے چاروں طرف ہوا کا کرہ بنایا جس کی ضخامت ایک سوکلومیٹر کے قریب ہے۔ ہمارے چاروں طرف کی فضا جہاں ہمیں شہابیوں کی بارش سے محفوظ رکھتی ہے وہیں وہ ہمیں سورج کی شدید گرمی و سردی سے بھی محفوظ رکھتی ہے۔ اگر کرۂ ارض کے گرد ہوا کا دباؤ نہ ہوتا تو سورج کی شعاعیں براہ راست زمین پر آتیں اور زمین پر اتنی حرارت پیدا ہوتی کہ دریاؤں اور سمندروں کا پانی کھول اٹھتا اور تمام پانی بخارات بن کر اڑ جاتا اور پانی کی عدم دستیابی اور شدید حرارت کی وجہ سے زمین پر زندگی کے آثار موجود نہ ہوتے۔ جس وقت سورج غروب ہوتا تو زمین پر ٹھٹھرا دینے والی سردی کا راج ہوتا اور سردی کی شدت نقطہ انجماد سے ایک سو ساٹھ درجہ نیچے تک پہنچ جاتی۔ دن کی شدید گرمی اور رات کی سخت سردی کی وجہ سے زمین آبادی کے قابل نہ ہوتی۔ خداوند عالم نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت زمین کو ہوا سے ڈھانپ دیا جس کی وجہ سے سورج کی گرمی وہاں رک جاتی ہے اور تھوڑی تھوڑی کر کے زمین پر آتی رہتی ہے۔ جب رات ہوتی ہے تو اس وقت بھی اوزون سے حرارت زمین پر آتی رہتی ہے۔ اگر ہمارے گرد

اوزون کی سخت سطح نہ ہوتی تو رات کے وقت شدید سردی پڑتی جس سے کوئی جاندار زندہ نہ رہتا۔ آج انسان قدرت کی صناعی پر حیران ہوتا ہے کہ اس نے کتنی بڑی کائنات پیدا کی اور اس کے تحفظ کے لئے کیا کیا اقدامات کئے اور انسان یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہے کہ وہ خدا کی پیدا کردہ کس کس چیز کے متعلق غور وفکر کرے۔

خدا کے تمام افعال حکمت پر مبنی ہیں

نظم کائنات کو دیکھ کر کیا آپ کو یہ یقین نہیں ہوتا کہ خدا کے تمام کاموں میں ایک نظم پایا جاتا ہے اور خدا کے تمام افعال حکمت پر مبنی ہیں چنانچہ خدا کے افعال کے متعلق بدگمانی حرام ہے۔ پس یہ کہنا درست نہیں ہے کہ خدا نے کسی کو ہزاروں نعمتیں دی ہیں اور کسی کو نان جویں کا محتاج بنا رکھا ہے۔ خدا کے ہر کام میں حکمت و دانش پوشیدہ ہے۔ وہ گدھے کے لئے زعفران پیش نہیں کرتا۔ یہ کہنا کہ خدایا! اگر تو نے کسی کو دولت دینی ہے تو صرف مجھے دے اور دوسروں کو اس سے محروم رکھ اور اس طرح کی تمام باتیں خدا کے متعلق سوئے ظن کے زمرے میں آتی ہیں۔

الغرض خدا کے ہر کام میں حکمت ہے حتیٰ کہ موت میں بھی حکمت ہے اور ملک الموت کے پوشیدہ رہنے میں بھی حکمت ہے۔ اگر ملک الموت مجسم ہو کر کسی کے گھر میں قبض روح کے لئے داخل ہوتا تو لوگ یقیناً مزاحمت کرتے اور اس کے ٹکڑے اڑا دیتے مگر خدا نے ملک الموت کو جسم لطیف دیا ہے جسے مرنے والے کے علاوہ کوئی دیکھ نہیں سکتا۔

یہودی عقیدے کے مطابق ملک الموت کانا ہے

یہودیوں نے حضرت موسیٰؑ کی وفات کے متعلق ایک بیہودہ داستان بنائی ہوئی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جب ملک الموت حضرت موسیٰؑ کی روح قبض کرنے کے

لئے آئے تو حضرت موسیٰؑ کو غصہ آیا اور انہوں نے ملک الموت کو طمانچہ رسید کیا جس سے ان کی ایک آنکھ باہر نکل آئی۔ اس لئے یہودی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ملک الموت کانا ہے اور ان کی خواہش ہے کہ کاش خدا کا کوئی دوسرا بندہ اس کی دوسری آنکھ بھی نکال دیتا تو اچھا ہوتا اور یوں انسان کو موت سے نجات مل جاتی۔[1]

غرضیکہ ایسی باتیں جہالت پر مبنی ہیں کیونکہ حضرت عزرائیلؑ کا تعلق صنف ملائکہ سے ہے اور ملائکہ ہماری طرح سے گوشت پوست کے بنے ہوئے نہیں ہیں کہ انہیں مارا پیٹا جاسکے۔

موت خدا کی عظیم نعمت ہے

اگر ہم موت پر ہی غور کریں تو موت بھی خدا کی عظیم نعمت محسوس ہوگی۔ اس میں بھی بہت سی حکمتیں پائی جاتی ہیں۔ البتہ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہمیں موت

۱۔ واضح رہے کہ ملک الموت کی آنکھ نکلنے کا عقیدہ صرف یہود تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہودی علماء سے منتقل ہوکر اسلامی کتابوں میں بھی سرائیت کرچکا ہے۔ ابوہریرہ سے منقول ہے:

ارسل ملک الموت الی موسیٰ فلما جائه صکه ففقا عینه فرجع الی ربه فقال ارسلتنی الی عبد لایرید الموت فرد اللّٰه علیه عینه وقال ارجع فقل له یضع یده علی متن ثور بکل ماغطت به یده بکل شعرة سنة قال ای رب ثم ماذا قال ثم الموت یعنی ملک الموت حضرت موسیٰؑ کے پاس گئے تو انہوں نے ملک الموت کے طمانچہ مارا جس سے ان کی ایک آنکھ نکل گئی۔ وہ خدا کے پاس گئے اور کہا: تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو موت کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ واپس کردی اور کہا: اب واپس جاؤ اور اس بندے سے کہہ دو کہ وہ اپنا ہاتھ بیل کی پشت پر رکھے۔ اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے میں اسے ایک سال کی عمر دی جائے گی۔ حضرت موسیٰؑ نے پوچھا: خدایا! اس کے بعد کیا ہوگا؟ خدا نے فرمایا: موت۔

(صحیح بخاری، ج اول، ص۱۷۸، پ۵، کتاب الجنائز باب من احب الدفن فی الارض المقدسة، ص۴۸۴۔ کتاب التفسیر باب وفات موسیٰ، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی۔) مترجم

اچھی نہیں لگتی۔ فرض کیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ ایک سو سال کے لئے موت کے سلسلے کو روک دے تو پھر روئے زمین کی کیا حالت ہو جائے گی؟

یہ زمین بوڑھے مردوں اور عورتوں سے بھر جائے گی اور نوجوان نسل کو سارا دن ان کی صفائی ستھرائی کرنی پڑ جائے گی۔ اس سے زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ نوجوان نسل کو سارا دن ان کی غلاظت دھونی پڑے گی اور ان کے پاس کام کاج کے لئے وقت نہیں بچے گا اور انہیں آرام نہیں ملے گا۔ پھر چند سال بعد خدمت کرنے والی نسل بھی بدترین بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو جائے گی اور ان کی اولاد کو اپنے والدین اور دادی دادا وغیرہ کی خدمت کرنا پڑے گی۔

اب ایمان سے بتایئے کہ کیا وہ نسل بڈھے لوگوں سے تنگ نہ آ جائے گی جو سارا دن سوائے کھانے، کھانسنے اور بول براز کرنے کے اور کچھ نہ کر سکتے ہوں۔ یوں ایک ہی صدی میں پوری زمین کا نظام تباہ و برباد ہو جائے گا۔

یاد رکھیں اگرچہ ہمیں موت سے نفرت ہے لیکن دنیا کی شادمانی اور مسرت بھی موت سے وابستہ ہے۔ قضا و قدر اور نظام عالم کے متعلق سوئے ظن رکھنا حرام ہے۔ خدا نے جو کچھ کیا ہے وہ درست کیا ہے۔ خدا کی حکمتوں میں سے اگر چند حکمتیں آپ کی سمجھ میں آ گئی ہیں تو باقی امور کے متعلق بھی یہی عقیدہ رکھیں کہ ان میں بھی خدا کی حکمت پوشیدہ ہے چاہے آپ کو ان کا علم ہو یا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: اَلاَ یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ یعنی جس نے پیدا کیا ہے اسے علم نہیں ہے؟

مختصر یہ کہ وہ اپنی مخلوق کے مصالح اور مفاسد کے متعلق خود بہتر جانتا ہے۔ آپ کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

بدگمانی کی عینک اتار کر حقائق کا مشاہدہ کریں

ایک مثال کے ذریعے سے میں اپنے مطلب کو مزید واضح کرنا چاہتا ہوں:

فرض کریں کہ ایک شخص نے نہایت تنگ جوتا پہن رکھا ہے اور وہ وہی تنگ جوتا پہن کر کسی باغ میں سیر کے لئے جائے، وہاں بہترین روشیں بنی ہوئی ہوں، روشوں کے ساتھ ساتھ قد آدم درخت ہوں، ہر طرف پھول ہی پھول دکھائی دے رہے ہوں، وہ شخص چند قدم چل کر پاؤں میں اذیت محسوس کرنے لگ جائے اور پھر کہے: "یہ کیسی سیر گاہ ہے میں اس سے تنگ آ گیا ہوں، اس نے مجھے پریشان کر دیا ہے، اس سیر گاہ کی وجہ سے میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں، اب میں مزید چلنے سے قاصر ہوں۔"

اس شخص کے جواب میں ہر شخص یہ کہے گا: بھائی جان! آپ کو مغالطہ ہوا ہے، سیر گاہ میں کوئی کمی نہیں ہے، البتہ آپ نے جوتا تنگ پہن رکھا ہے اور وہ آپ کو چلنے نہیں دیتا اور اگر آپ سیر گاہ سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس تنگ، جوتے سے نجات حاصل کریں اور جب آپ اس منحوس جوتے سے نجات حاصل کر لیں گے تو آپ کو سیر گاہ کی خوبیاں بھی نظر آنے لگیں گی۔

اس طرح سے جو لوگ جہل و نادانی سے افعال خداوندی کو دیکھتے ہیں اور اس پر اعتراض کرتے ہیں ان لوگوں کو بدگمانی کی عینک اپنی آنکھوں سے اتار دینی چاہئے۔ اگر انہوں نے بدگمانی کی عینک اتار دی تو انہیں خدائی افعال میں قدم قدم پر حکمتیں دکھائی دینے لگیں گی۔ جب آنکھوں سے بدگمانی کی عینک اتر جائے گی تو پھر موت بھی حسین دکھائی دینے لگے گی۔

موت کی افادیت کو واضح کرنے کے لئے میں ایک اور مثال دینا چاہتا ہوں:

موت، رب العالمین کی ضیافت کی تمہید ہے

فرض کریں کہ ایک جلیل القدر سلطان معظم نے ایک خوبصورت شہر بنایا اور اس میں عالی شان محلات بنوائے اور ان محلات میں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کیں۔ پھر اس نے شہر والوں کو دعوت دی کہ آپ حضرات آئیں تاکہ آپ کو آپ کی شان کے مطابق عظیم الشان شہر میں ٹھہرایا جائے۔

تمام اہل شہر سلطان معظم کے پاس آگئے۔ اس نے لوگوں سے کہا: دیکھو! تم سب کو بیک وقت اس شہر میں نہیں بھیجا جائے گا، ابھی بہت سے بلاک مکمل کرنے ہیں، تم لوگ فی الحال اس انتظارگاہ میں آرام کرو اور جیسے جیسے بلاک مکمل ہوتے جائیں گے باری باری تم سب حضرات کو وہاں روانہ کیا جائے گا۔

اب اچھے شہریوں کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ انتظارگاہ میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے لڑنا شروع کردیں اور ان میں سے بعض شہری بعض شہریوں سے یہ کہیں کہ تو نے اچھے برتن میں کھانا کیوں کھایا اور میرے سامنے گھٹیا برتن کیوں رکھا گیا؟

انتظارگاہ میں ایسی باتوں پر جھگڑنا احمق افراد کا پیشہ ہے۔ عقل مند افراد اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کہ یہاں نیچے کون بیٹھا ہے اور اوپر کون بیٹھا ہے؟ اچھے برتنوں میں کھانا کون کھا رہا ہے اور مٹی کے پیالوں میں کون کھانا کھا رہا ہے؟ ہمیں یہاں سے آگے جانا ہے۔ انتظارگاہ میں مقیم کسی شہری کو بادشاہ کی طرف سے بلاوا آئے تو اسے ناراض ہونے کی بجائے خوش ہونا چاہئے۔

اگر آپ نے اس مثال پر توجہ کی ہے تو پھر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی رہائش کے لئے ایک شہر تعمیر کیا ہے جس کا نام جنت ہے اور یہ دنیا ایک انتظارگاہ ہے۔ تمام انسان اس انتظارگاہ میں بلاوے کے منتظر ہیں اور موت ہی رب العالمین کا بلاوا ہے۔ موت ہلاکت کا پیغام نہیں بلکہ لقائے پروردگار کا پیغام ہے۔

جب موت کی حقیقت یہ ہے تو پھر آپ موت کا نام سن کر پریشان کیوں ہوتے ہیں؟ آپ کو تو انتظارگاہ سے نکال کر ملک کبیر میں داخل ہونے کی دعوت دی جارہی ہے۔

وہ لوگ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور جن کی چشم بصیرت کھلی ہوئی ہے اور جو خدا و رسولؐ کے فرمان پر دل کی گہرائیوں سے یقین رکھتے ہیں، ایسے لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ خدا کے ہاں آنکھوں کی ٹھنڈک کا وہ سامان موجود ہے جسے آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور کسی کان نے ان نعمات کے متعلق کچھ نہیں سنا۔

ارشاد خداوندی ہے: فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ○ یعنی کسی نفس کو معلوم نہیں ہے کہ اس کے لئے کیا کیا خنکی چشم کا سامان چھپا کر رکھا گیا ہے جو ان کے اعمال کی جزا ہے۔ (سورۂ سجدہ: آیت ۱۷)

موت خوشیوں اور مسرتوں کا دروازہ ہے اور اس کو برا سمجھنا یا حکمت سے خالی سمجھنا غلط ہے۔ آپ نے دنیا کو اپنا مستقل گھر سمجھ لیا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ دنیا ایک انتظارگاہ ہے۔ یہاں سے آپ نے آگے جانا ہے اور جیسے ہی آپ کے لئے مکان مکمل ہو جائے گا تو آپ سے کہا جائے گا کہ اب آپ تشریف لے آئیں۔ اگر آپ نے اس موقع پر کہا کہ نہیں میں یہیں رہنا چاہتا ہوں تو آپ کو زبردستی یہاں سے نکال دیا جائے گا کیونکہ یہ آپ کی مستقل رہائش گاہ نہیں ہے۔

گر بمثل جام جم است آدمی ‏ ‏ ‏ ‏ سنگ اجل بشکندش چون سفال

اگر آدمی کو جام جمشید سمجھ لیا جائے تو موت کا پتھر اسے مٹی کا پیالہ سمجھ کر توڑ ڈالے گا۔ تجھے معلوم ہی نہیں ہے کہ موت کتنی حسین چیز ہے؟

موت انسان کے لئے زینت ہے

آیئے اولیاء اللہ سے پوچھیں کہ موت کیا ہے؟

امام حسین علیہ السلام کا فرمان ہے: **خطّ الموت علی ولدآدم مخط القلادة علی جید الفتاة** جس طرح سے دوشیزہ کے گلے میں گلوبند خوبصورت لگتا ہے اسی طرح سے اولاد آدم کے لئے موت باعث زینت ہے۔ (نفس المہموم)

جب مرنے والے کو غسل دیا جارہا ہوتا ہے تو اس وقت اس کی روح سے کہا جاتا ہے: **ایسرّک ان نردّک الیه** یعنی کیا تو پسند کرتا ہے کہ تجھے دوبارہ اسی قالب خاکی کی طرف لوٹا دیا جائے؟ اس وقت روح کہتی ہے: ہرگز نہیں! میں نے اس سے ابھی نجات پائی ہے۔ (بحارالانوار)

افعال خدا کے متعلق مومن پر واجب ہے کہ حسن ظن رکھے۔ خدا کے کسی بھی فعل کو حکمت سے خالی نہیں سمجھنا چاہئے اور خدا کے متعلق بدگمانی سے بچنا چاہئے اور **الظانّین باللّٰہ ظنّ السوء** کی جماعت میں شامل ہونے سے بچنا چاہئے۔

ان لوگوں پر حیف ہے جو خدا کی طرف ظلم اور ناروائی کی نسبت دیتے ہیں۔ **استغفراللّٰہ العظیم**۔ یہ بات ایمان کے لئے سخت خطرناک اور مہلک ہے۔

ایک مسلمان کو اس بات پر ایمان رکھنا چاہئے کہ خدا کا ہر فعل صحیح ہے اور اگر وہ کسی کو عین عالم شباب میں اپنے پاس بلاتا ہے تو بھی اس میں حکمت ہے۔ ممکن ہے کہ خدا نے کسی جوان کو اس لئے موت دیدی ہو کہ کہیں بڑھاپے کی منزل پر پہنچ کر وہ ایمان سے خالی نہ ہو جائے اور اس جوان کی خیریت اسی میں ہو کہ اسے عین جوانی میں دنیا سے اٹھا لیا جائے اور آپ خدا کے فعل پر اعتراض کر کے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ آپ اس پر خدا سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔

حضرت علیؑ کو موت سے محبت تھی

آدمی کو چاہئے کہ وہ موت کو ایک ڈراؤنی چیز نہ سمجھے اور موت کو ظلم وستم سے تعبیر نہ کرے۔ اگر آپ صاحب معرفت بن جائیں اور آپ کو حضرت علیؑ کا

شیعہ ہونا نصیب ہو جائے تو آپ بھی موت سے پیار کرنے لگ جائیں گے۔ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: ''بچہ اپنی ماں کے پستان سے اتنا مانوس نہیں ہوتا جتنا میں موت سے مانوس ہوں۔'' ان الفاظ سے گویا حضرت علیؑ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں جب بھی بے چین ہوتا ہوں تو موت کو یاد کرتا ہوں۔ میں اپنے اصلی وطن کے متعلق سوچتا ہوں جس کی وجہ سے میری بے چینیوں کو قرار آ جاتا ہے اور میری تمام پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔

وصی محمدؐ کی مدد فرما— یا اسے موت دے

آج ماہ رمضان المبارک کی انیسویں شب ہے۔ سید ابن طاؤس کے استاد شیخ ورام نے تنویر الخواطر میں نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ کے ایک صحابی اسماعیل بن عبداللہ کا بیان ہے کہ قتل عثمان کے بعد جب مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو میں نے آبادی کو چھوڑ دیا اور ''ساحل البحر'' یعنی دریائے فرات کے کنارے ایک کٹیا بنالی اور وہیں رہنے لگا۔ رات کی تاریکی میں میں نے ایک شخص کو دریا کنارے کھڑے ہو کر دعا مانگتے ہوئے سنا، اس کے یہ جملے مجھے یاد رہ گئے۔ **اللّٰھم بدیع السمٰوات والارض الحی القیوم لاتأخذک سنة ولانوم اللّٰھم انت ولی محمد وناصر محمد اسئلک ان تنصر وصی محمد اوتوفه** یعنی اے پروردگار! تو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، تو زندہ اور ہر چیز کو سنبھالنے والا ہے، تجھے نیند اور اونگھ نہیں آتی، تو محمدؐ کا دوست اور اس کا مددگار ہے، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو وصی محمدؐ کی مدد فرما— یا اسے موت دیدے۔

پھر میں نے اس شخص کو پانی کی سطح پر چلتے ہوئے دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص خدا کا پیارا ہے۔ میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا اور میں نے اسے قسم دے کر کہا کہ وہ میرے لئے حق کو واضح کرے۔

اس نے کہا: الحق ورائک وصی محمدؐ حق تیرے پیچھے وصی محمدؐ کی شکل میں موجود ہے، تجھے اس کے پاس جانا چاہئے اور اس کے سامنے اپنا دین پیش کرنا چاہئے۔

جب اس بزرگ نے حق کی نشاندہی کردی تو میں کوفے کی طرف روانہ ہوا اور شہر کے دروازے پر پہنچا تو اس وقت دروازہ بند تھا۔ میں دروازے سے باہر ہی زمین پر لیٹ گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک شخص شہر سے باہر آیا اور اس نے دو یا چار رکعت نماز ادا کی۔ پھر بارگاہ خداوندی میں مناجات کرنے لگا کہ خدایا! تو جانتا ہے کہ میں تیرے نبیؐ کے بعد ان لوگوں میں تیرے نبیؐ کی سنت پر عمل کرتا رہا لیکن یہ لوگ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں اور اب وہ علیؑ کو برداشت نہیں کرسکتے۔ وہ علی سے تنگ آ گئے ہیں اور علی ان سے تنگ آ گیا ہے۔ (کیونکہ حضرت علیؑ حق وعدالت سے بازنہیں آتے تھے، اسی لئے لوگ ان سے تنگ آ گئے)۔

پھر آپ نے عرض کیا: اے پروردگار! میرے ابن عم رسول خداؐ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جب تمہارا دل دنیا سے اچاٹ ہو جائے تو تم خدا سے موت طلب کرنا خدا تمہیں موت دیدے گا۔ خدایا! اب میں دنیا سے اکتا چکا ہوں، اب مجھے ابن ملجم کی شقاوت کے سوا کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تیری راہ میں شہید ہوکر اپنے مقصد پر پہنچنا چاہتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ امیرالمومنینؑ جب بھی کسی جنگ سے کامیاب وکامران لوٹتے تو پریشان دکھائی دیتے تھے۔ لوگ پوچھتے تھے کہ یا علیؑ! آپ پریشان کیوں ہیں تو آپ فرماتے تھے: میں شہادت کی تمنا لے کر جنگ میں گیا تھا مگر شہادت سے محروم رہا، ڈرتا ہوں کہ اس نعمت سے کہیں محروم نہ ہو جاؤں۔

شہادت ایک عظیم ہدف ہے اسی لئے حضرت علیؑ کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو رہی تھی کہ آپ کو شہادت نصیب ہو۔ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کا شوق

شہادت دیکھ کر انہیں شہادت کی خبر دی تھی اور فرمایا تھا' راہ خدا میں تمہاری داڑھی کو تمہارے سر کے خون سے خضاب کیا جائے گا۔

بہر حال اسماعیل کا بیان ہے کہ وہ بزرگوار دعا سے فارغ ہو کر شہر کی طرف واپس چل پڑے۔ میں بھی ان کے پیچھے چل پڑا تا کہ جان سکوں کہ یہ بزرگوار کون ہیں اور انہیں شہادت کی اتنی تڑپ کیوں ہے؟ چلتے چلتے وہ بزرگوار حضرت علیؑ کے گھر میں داخل ہو گئے جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام ہی تھے۔

میں مسجد کوفہ میں آیا اور لیٹ گیا۔ اس وقت میری آنکھ کھلی جب صبح کی اذان ہو رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت علیؑ محراب عبادت میں تشریف لائے اور نماز میں مصروف ہو گئے۔ ابھی چند لمحے نہ گزرے تھے کہ **الاوقدقتل امیرالمومنین** کی آواز بلند ہوئی۔

خدا سے بدگمانی کفر و شرک ہے

خدا اور اس کی تخلیق کے متعلق بدگمانی کرنا کفر ہے اور قرآن مجید کی بہت سی آیات میں اس مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ اَلظَّآنِّیْنَ بِاللّٰہِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَیْھِمْ دَآئِرَۃُ السَّوْءِ یعنی مشرکین و مشرکات، منافقین و منافقات جو کہ خدا کے متعلق بدگمانی رکھتے ہیں اور ان کے سر عذاب کی گردش ہے۔ (سورۂ فتح آیت ۶) اور اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ یعنی کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں پلٹائے جاؤ گے؟ (سورۂ مومنون آیت ۱۱۵)

اللہ تعالیٰ کے اس خطاب کا روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو یہ کہتے تھے کہ ہم بے مقصد پیدا ہوئے اور بے مقصد مریں گے اور مٹی میں مل کے مٹی بن جائیں گے۔ مٹی سے انسان بنتا ہے اور پھر انسان مٹی بن جاتا ہے۔ ہماری تخلیق کا کوئی مقصد نہیں ہے۔

اس طرح کا گمان خداوند عالم کے متعلق گستاخی کی بدترین مثال ہے جبکہ خدا نے تمام جہانوں کو ایک عظیم ہدف کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کا مقصد تخلیق صفات کمالیہ اور صفت ربوبیت کا اظہار ہے اور اس نے مخلوقات کو پیدا کر کے اپنی قدرت کاملہ اور احسان کا مظاہرہ کیا ہے۔

مقصد تخلیق محبت خدا ہے

امام زین العابدین علیہ السلام نے صحیفہ کاملہ کی پہلی دعا کے ضمن میں فرمایا:

واخترعهم علی مشیته اختر اعاثم سلک بهم الی طریق ارادته و بعثهم فی سبیل محبته. یعنی خدا نے جس طرح چاہا مخلوق کو ہستی کے سانچے میں ڈھالا۔ پھر انہیں اپنے ارادے کے راستے پر چلایا اور اپنی محبت کی راہ میں ابھارا۔

اللہ نے اپنے انعامات کے ذریعے سے لوگوں کو اپنی رحمت کے خزانوں کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍO یعنی کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم ہر شے کو ایک معین مقدار میں ہی نازل کرتے ہیں۔ (سورۂ حجر: آیت ۲۱)

تمام خوشیوں اور مسرتوں کا خزانہ خدا کے پاس ہے۔ اس جہان میں ان خوشیوں کی ہلکی سی جھلک دکھائی گئی ہے جبکہ باقی تمام مسرتیں برزخ اور قیامت میں مومنین کے لئے ذخیرہ کردی گئی ہیں۔

حسن و جمال کا مرکز جنت ہے اس جہان میں آپ کو جو کچھ حسن دکھائی دیتا ہے وہ اس کی معمولی سی بلکہ ہزارویں جھلک ہے۔

جمال یوسفؑ اور حورالعین کا جمال

یہ دنیا انتہائی تنگ ہے یہاں حسن و جمال کی بہت کم گنجائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حسن کی ایک تھوڑی سی جھلک حضرت یوسفؑ میں ظاہر کی تو زنان مصر اس حسن کی تاب نہ لاسکیں اور لیموں کی بجائے اپنی انگلیاں کاٹ بیٹھیں اور حضرت یوسفؑ کی بشریت کا انکار کردیا اور کہا کہ بشر اتنا حسین ہو ہی نہیں سکتا یہ تو ایک مَلَکِ کَرِیم ہے۔

ثابت ہوا کہ دنیا اتنی تنگ ہے کہ اس میں کھل کر حسن و جمال کا مظاہرہ کرایا ہی نہیں جاسکتا۔ اسی حقیقت کے پیش نظر حضرت خاتم الانبیاءؐ نے فرمایا تھا:

اگر حورعین میں سے ایک حور زمین پر اتر آئے تو لوگ ہلاک ہو جائیں۔

مقصد یہ ہے کہ لوگ اس کے حسن کی چکاچوند کو برداشت نہ کرسکیں گے۔ وہ حور کے حسن و جمال کی تاب نہیں رکھتے۔

اس جہان میں تو لوگ حورعین کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے لیکن مرنے کے بعد مومنین کی ارواح میں کئی ہزار گنا طاقت آجائے گی اسی لئے وہ حورعین کے جمال کو برداشت کرلیں گے بلکہ اس سے بڑھ کر اصل جمال یعنی محمدؐ و آل محمدؑ کے حسن و جمال کے مشاہدے کے بھی قابل ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس جہان میں جتنی بھی نعمات پیدا کی ہیں وہ نعمات آخرت کی ایک معمولی جھلک ہیں اور ان نعمات کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ لوگ مرکز نعمات کی طرف متوجہ ہوسکیں۔ خدا کی ذات پر ہماری ہزاروں جانیں نثار ہوں جس نے نعمات کی عظیم بساط بچھائی ہے۔

یہ مادی عالم انتہائی تنگ ہے اور یہاں نعمات کا مکمل ظہور ناممکن ہے اور اس کے باوجود اس جہان کی نعمات کو شمار کرنا ناممکن ہے۔ خدا جانے عالم اعلیٰ میں جب تمام نعمات کا بدرجہ اتم اظہار ہوگا تو کیفیت کیا ہوگی؟ اور جب نعمات کے جمال کے پرتو کی یہ حالت ہے تو اصل جمال اور مرکز جمال نجانے کیسا ہوگا؟

دنیاوی پھول اور اخروی پھول

گلاب اور چنبیلی کے پھولوں کی خوشبو دس قدم دور سے مشام تک پہنچ جاتی ہے اور اگر آپ گلاب اور چنبیلی سے بیس یا پچاس قدم دور چلے جائیں تو ان کی خوشبو آپ کے مشام تک نہیں پہنچ پائے گی۔ یہ دنیاوی پھولوں کی خوشبو ہے۔

آخرت کے پھول ان سے لاکھوں گنا زیادہ خوشبودار ہوں گے اور ان کی خوشبو دو ہزار سال کے فاصلے تک جائے گی۔

میں آپ حضرات کو اس حقیقت کی طرف بار بار متوجہ کر رہا ہوں کہ یہ دنیا بڑی تنگ ہے اور یہاں اس سے زیادہ حسن و جمال کا اظہار کیا ہی نہیں جاسکتا۔ اس تمام حسن و جمال اور خوشبو کا مرکز محمدؐ و آل محمدؐ کی ذوات قادسہ و مقدسہ ہیں۔ مرنے کے وقت مومن کو ان کے نور کی جھلک محسوس ہوتی ہے۔ مومن ان کی خوشبو سونگھتا ہے۔ ان کے علاوہ انبیاءؑ کی خوشبو، حوران جنت کی خوشبو اور جنت کے پھولوں کی خوشبو اور حضرت سیدہ کی عصمت و طہارت کی خوشبو مومن کے مشام تک پہنچتی ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ آل محمدؐ کے دوست اور شیعہ اگرچہ ہزاروں سال کے فاصلے پر بھی کیوں نہ ہوں پھر بھی وہ محمدؐ و آل محمدؐ کی خوشبو ضرور سونگھیں گے۔

خدا کی رحمت ہر جگہ موجود ہے

اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے اور قرآن کی پہلی آیت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے اور قرآن مجید میں ایک سورۂ مبارکہ کا نام بھی "الرحمٰن" ہے۔

کبھی آپ نے سوچا کہ رحمٰن کا مطلب کیا ہے؟ رحمٰن یعنی رحمت عامہ کا مالک، جس نے رحمت کی اساس پر مخلوق کو پیدا کیا اور ان کی خلقت کی علت غائی بھی اپنے رحمت و عطا کے مظاہرے کو قرار دیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: وَلَايَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ یعنی وہ ہمیشہ اختلاف میں مبتلا رہیں گے ماسوائے ان لوگوں کے جن پر تیرے رب کا رحم ہوا اور اس نے اپنی رحمت کے لئے تو انہیں پیدا کیا ہے۔ (سورۂ ہود: آیت ۱۱۹)

خدا نے اپنی صفت رحمانیہ کا اس جہان میں مظاہرہ کیا ہے جبکہ شان رحیمی کا اظہار آخرت میں ہوتا ہے۔ وہاں خدا کا لطف و احسان و اکرام کامل

معاند یعنی دشمن کے لئے خدا کے پاس دوزخ کے علاوہ اور کوئی جگہ ہی نہیں ہے، وہ جنت میں کیسے قدم رکھ سکتا ہے کیونکہ وہ تو خدا کا دشمن ہے۔ اسی طرح سے اللہ نے علیؑ کو جنت کا مالک بنایا ہے تو ایک دشمن علیؑ، علیؑ کی ملکیت میں کیسے داخل ہوسکتا ہے؟ اور اگر بالفرض فرشتے اسے کھینچ کھانچ کر جنت میں لانا بھی چاہیں تو وہ خود بھی بہشت میں قدم نہیں رکھے گا کیونکہ وہ علی مولاؑ کا دشمن ہے، وہ ہر مصیبت برداشت کرے گا لیکن علیؑ کے سامنے آنا برداشت نہیں کرے گا اور ایسا بدبخت رحمت خدا سے فرار کرے گا۔

حضرت علیؑ نے دشمن کو اندھا کر دیا

شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں کہ جعفر کتاب فروش کتابیں نیلام کر رہا تھا تو میں بھی اپنی ضرورت کی کتابیں خریدنے اس کے پاس گیا اور چند کتابیں خریدیں۔ جب میں واپس آنے لگا تو اس نے مجھ سے کہا: میں نے ایک معجزہ دیکھا ہے جو آپ کے مذہب کی تقویت کا باعث ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں آپ کو وہ معجزہ سناؤں۔

جعفر کی یہ بات سن کر میں دکان میں بیٹھ گیا۔ پھر اس نے مجھے بتایا:

ایک عرصے تک میں اور میرا دوست درس حدیث سننے کے لئے شیخ ابوعبداللہ کے پاس جاتے تھے۔ کچھ عرصے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ وہ شیخ حضرت علیؑ کا دشمن ہے اور کبھی کبھی ان کی شان میں گستاخی بھی کرتا ہے۔ ہم نے شیخ کو کئی بار اس حرکت شنیع سے منع کیا۔ اس نے کہا کہ میں یہی کچھ ہوں جو تم دیکھ رہے ہو۔ الغرض اس نے ہماری ایک نہ سنی۔ ایک دن اس نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے متعلق بھی بدزبانی کی۔ اس دن سے ہم دونوں دوستوں نے یہ طے کیا کہ اب ہم شیخ کے پاس نہیں جائیں گے۔ چنانچہ ہم نے اس کے پاس جانا چھوڑ دیا۔

جعفر نے مجھے بتایا کہ ایک رات اس نے خواب میں شاہ ولایت ماہ ہدایت

اسداللہ الغالب علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ شیخ ابوعبداللہ کے گھر میں تشریف فرما ہیں اور شیخ سے فرما رہے ہیں کہ "میں نے تمہارا کیا قصور کیا ہے؟ کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا کہ وہ تجھے اندھا کردے۔" یہ کہہ کر آپ نے شیخ کی دائیں آنکھ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ شیخ کی آنکھ اندھی ہوگئی ہے۔

صبح ہوئی تو میں خواب سنانے اپنے دوست کے گھر کی طرف جا ہی رہا تھا کہ راستے میں میرا دوست آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے چھوٹتے ہی مجھ سے کہا کہ میں تمہاری طرف ہی آرہا تھا کیونکہ میں نے رات ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ پھر اس نے مجھ سے اپنا خواب بیان کیا۔

میں نے کہا کہ میں نے بھی رات کو ہو بہو یہی خواب دیکھا ہے اور میں بھی تمہیں خواب سنانے کے لئے آرہا تھا۔ اب آؤ ہم شیخ کے گھر جا کر دیکھتے ہیں کہ اس کا کیا حال ہے؟ جب ہم دونوں شیخ کے گھر پہنچے تو شیخ کی بیوی نے کہا کہ آج شیخ درس نہیں دیں گے۔

ہم نے کہا: مگر کیوں! انہیں کیا ہوا ہے؟

اس نے کہا: آج شیخ کی دائیں آنکھ میں شدید درد ہے۔

ہم نے کہا: ہمیں شیخ سے ضروری کام ہے۔

الغرض عورت نے دروازہ کھولا۔ ہم شیخ کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ دائیں آنکھ پر ہاتھ رکھے چیخ رہا تھا کہ ہائے علیؑ نے مجھے اندھا کردیا ہے۔

ہم نے اس سے کہا: ہم تو تمہیں پہلے ہی منع کرتے تھے مگر تم باز نہیں آتے تھے۔ آج رات ہم دونوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت علیؑ نے تمہاری دائیں آنکھ نکال دی ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ خدا سے معافی مانگو اور حضرت علیؑ کی شان میں گستاخی کرنے سے باز آجاؤ۔

اس کے جواب میں شیخ نے کہا: اگر حضرت علیؑ میری بائیں آنکھ بھی نکال

دیں تو بھی میں باز نہیں آؤں گا۔

اُس کی اس بات سے ہمیں شدید مایوسی ہوئی اور ہم وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔ پھر ہم نے دوبارہ خواب دیکھا کہ حضرت علیؑ نے اس کی بائیں آنکھ بھی نکال دی ہے۔ خواب کے بعد ہم پھر اس کو دیکھنے کے لئے گئے تو واقعی اس کی دوسری آنکھ بھی نکل چکی تھی اور وہ اندھا ہو چکا تھا مگر اس کی دشمنی میں مزید اضافہ ہو چکا تھا اور آخرکار کچھ دن بعد وہ کفر کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگیا۔

دیکھئے کہ وہ شیخ کتنا بدبخت تھا کہ ایک مرتبہ سزا پانے کے بعد بھی توبہ پر آمادہ ہونا تو کجا اس کی دشمنی میں اضافہ ہوگیا اور دو مرتبہ سزا پانے کے بعد بھی اس نے توبہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور حالت کفر ہی میں مر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی بدبختوں کے لئے ابدی جہنم کا عذاب تیار کیا ہے کیونکہ اس طرح کے افراد حق کے سامنے ذرہ برابر بھی جھکنا پسند نہیں کرتے۔ ایسے لوگ حق سے ناواقف نہیں ہوتے بلکہ جان بوجھ کر حق کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے گستاخ کو قتل کر دیا

راوندی الخرائج میں احمد بن حمزہ کی زبانی رقم طراز ہیں:

جب میں نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو اپنے ایک ہمسائے کے پاس خداحافظی کے لئے گیا۔ اس سے الوداع ہوتے وقت میں نے کہا کہ اگر وہاں آپ کا کوئی کام ہو تو بتایئے انشاء اللہ میں وہ کام کرنے کی کوشش کروں گا۔

ہمسائے نے کہا: ہاں میرا ایک ضروری کام ہے۔ جب تم مدینے پہنچو اور روضۂ رسولؐ کی زیارت کرو تو رسول خداؐ کو میری طرف سے کہنا کہ کیا آپ کو اپنی بیٹی کے لئے علیؑ کے سوا کوئی بر نہیں ملا تھا؟ آخر آپ نے علیؑ میں ایسا کیا دیکھا تھا کہ اسے اپنا داماد بنایا؟ کیا اس کے بڑے پیٹ کو دیکھ کر یا اس کی پتلی پنڈلیوں کو دیکھ کر

آپ نے اسے داماد بنایا تھا یا مردوں کا کوئی قحط تھا؟ (نعوذ باللہ من ذلک، نقل کفر کفر نباشد)
دشمنی کی انتہا دیکھیں کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی دشمن رسول اللہؐ کو طعنے دینے سے باز نہیں آتا۔

احمد بن حمزہ بیان کرتا ہے کہ میں ہمسائے کے یہ نازیبا کلمات سن کر واپس چلا آیا کیونکہ ایسے شخص سے کچھ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جب میں روضۂ رسولؐ پر پہنچا تو میں نے ہمسائے کا پیغام رسول خداؐ کو پہنچانا مناسب نہیں سمجھا۔ رات کو مجھے خواب میں حضرت علیؑ کی زیارت نصیب ہوئی۔ وہ مجھ سے فرما رہے تھے: احمد! تم اپنے ہمسائے کا پیغام رسول خداؐ کو پہنچا دو۔

احمد بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ کے حکم سے مجبور ہو کر اس لعین کا پیغام رسول خداؐ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ دوسری رات مجھے پھر حضرت علیؑ کی زیارت نصیب ہوئی اور انہوں نے مجھ سے فرمایا: میرے ساتھ آؤ۔

میں نے عرض کیا: بسر و چشم۔

میں حضرت علیؑ کے ساتھ چلا۔ میں نے دیکھا کہ میں اپنے شہر موصل پہنچ چکا ہوں۔ حضرت علیؑ میرے ہمسائے کے گھر میں داخل ہوئے۔ میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کمرے میں سو رہا ہے۔ حضرت علیؑ نے ایک چھری اٹھائی اور اس کی گردن تن سے جدا کر دی۔ پھر آپؑ نے اس کے لحاف کے ایک کونے سے چھری پر لگا ہوا خون صاف کیا اور چھری کمرے کی چھت میں چھپا دی۔

جب میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے ساتھیوں کو یہ خواب سنایا۔ پھر میں نے ایک کاغذ پر وہ تاریخ اور وقت لکھ لیا۔ حج کے بعد میں موصل آیا اور اپنے گھر والوں سے ہمسایوں کی خیر خیریت پوچھی تو میرے گھر والوں نے بتایا کہ وہ سب ہمسائے زندان میں ہیں۔ پھر میں نے اپنے ملعون ہمسائے کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ میرے حج پر جانے کے بعد فلاں دن قتل ہو گیا تھا۔

گھر والون نے مجھے اس کے قتل کی جو تاریخ بتائی یہ وہی تھی جو میرے پاس نوٹ تھی۔ گھر والوں نے مزید بتایا کہ اس قتل کے الزام میں پولیس بہت سے ہمسایوں کو پکڑ کر لے گئی ہے مگر ابھی تک کسی نے بھی قتل کا اقرار نہیں کیا اور نہ ہی آلۂ قتل برآمد ہوا ہے۔

مجھے یقین ہوگیا کہ اس لعین کے قاتل حضرت علیؓ ہیں اور پولیس نے ہمسایوں کو خواہ مخواہ پکڑ رکھا ہے۔ میں نے مدینے میں جن ساتھیوں کو اپنا خواب سنایا تھا ان کے پاس گیا اور انہیں لے کر قاضی کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے قاضی کہا کہ یہ تمام لوگ جو آپ نے پکڑ رکھے ہیں بے گناہ ہیں۔ مقتول کو ان لوگوں نے نہیں بلکہ شاہ ولایت حضرت علیؓ نے چھری سے قتل کیا ہے اور یہ سارا ماجرا میں مدینہ منورہ میں قیام کے دوران خواب میں دیکھ چکا ہوں اور اپنا خواب ان ساتھیوں کو بھی سنا چکا ہوں۔ احتیاطاً میں نے خواب کی وہ تاریخ اور وقت بھی لکھ لیا تھا۔

میرے تمام ساتھیوں نے میری تصدیق کی۔ میں نے قاضی سے کہا مزید تصدیق کے لئے میں آپ کو دو چیزوں کی نشاندہی کرتا ہوں۔ اگر وہاں یہ دو نشانیاں موجود ہوں تو پھر اس شخص کے قاتل حضرت علیؓ ہیں اور اگر یہ دو نشانیاں موجود نہ ہوں تو پھر قاتل کوئی اور ہے۔

پہلی نشانی یہ ہے کہ مقتول کے لحاف کو دیکھو۔ لحاف کے ایک کنارے پر مقتول کا خون دکھائی دے گا۔ یہ وہ خون ہے جو حضرت علیؓ نے اسے قتل کرنے کے بعد چھری پر سے صاف کیا تھا۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ مقتول کے کمرے کی چھت میں ہی وہ چھری مل جائے گی جس سے اسے قتل کیا گیا ہے۔

قاضی شہر اپنے ساتھ سپاہی لے کر وہاں آیا اور اس نے لحاف کو دیکھا تو اس کے ایک کنارے پر خون کے نشانات موجود تھے۔ پھر اس نے چھت میں سے چھری بھی برآمد کرلی۔

جب قاضی کو اطمینان ہوگیا تو اس نے تمام ہمسایوں کو رہا کر دیا اور اعلان کر دیا کہ اسے حضرت علی ابن ابیطالب نے قتل کیا ہے کیونکہ مقتول نے ان کی شان میں گستاخی کی تھی۔

السلام علی نعمة الله علی الابرار و نقمته علی الفجار. لاکھوں سلام اس ذات پر جو نیکوکاروں کے لئے اللہ کی نعمت اور بدکرداروں کے لئے اس کا عذاب ہے۔

جنت اور دوزخ تقسیم کرنے والے آقا و مولا پر ہمارا سلام ہو۔[1]

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا ابدی قہر چند مخصوص افراد سے متعلق ہے ورنہ عام انسان جو حق کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں وہ ابدی عذاب کے حقدار نہیں ہیں بلکہ ان پر خدا کی رحمت کاملہ یقیناً سایہ فگن ہوگی۔

خدا کی رحمت بہت وسیع ہے

علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار کی تیسری جلد میں لکھا ہے:

روایات میں مروی ہے کہ قیامت کے دن خدا کی جملہ رحمتیں ظاہر ہوں گی اور سب کو اپنے سائے میں لے لیں گی۔ ان رحمتوں کی وسعت دیکھ کر شیطان بھی اپنی بخشش کی امید کرنے لگ جائے گا۔

قیامت کے دن شفاعت کرنے والے شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت کی برکت سے بہت سے لوگوں کو نجات حاصل ہوگی اور جب شفاعت کرنے والے اپنی شفاعت مکمل کرلیں گے تو اس وقت ندائے قدرت بلند ہوگی۔

علیٌ حبهٗ جنّة　　قسیم النار و الجنّة
وصی المصطفیٰ حقًا　　امام الانس و الجنّه

علیؑ کی محبت دوزخ سے بچانے والی ڈھال ہے۔ وہ جنت اور دوزخ کو تقسیم کرنے والے ہیں۔ وہ محمد مصطفیٰؐ کے حقیقی وصی اور تمام انسانوں اور جنات کے امام ہیں۔ (امام شافعیؒ)

اب میری بخشش کا موقع ہے اور اللہ اس وقت اتنی رحمت کرے گا کہ شیطان بھی بخشش کی طمع کرنے لگ جائے گا۔

ابلیس بھی خدا کو علیؑ کے حق کی قسم دیتا ہے

بحارالانوار کی چودھویں جلد میں لکھا ہے کہ ایک مومن نے دیکھا کہ ایک شخص نے سمندر میں اپنا جسم چھپایا ہوا تھا اور سر باہر نکالا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا' خدایا! تجھے علی ابن ابی طالبؑ کا واسطہ مجھے عذاب نہ دینا۔

اس مومن نے سمندر میں یہ منظر دیکھا تو حیران ہو کر اس سے پوچھا' تو کون ہے جو اتنے گہرے سمندر میں سر نکال کر دعا مانگ رہا ہے؟

اس نے کہا' میں شیطان (عزازیل) ہوں۔

مومن نے کہا' خدا کو علیؑ کا واسطہ دینے کی کیا وجہ ہے؟

اس نے کہا' میں خلقت آدمؑ سے چھ ہزار برس قبل عالم بالا میں رہا۔ میں عالم بالا کے متعلق بہت زیادہ معلومات رکھتا ہوں۔ میں تمام جہانوں کا واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سے حضرت علیؑ بہت محبوب ہیں اور جو کوئی ان کا واسطہ دے کر خدا سے بخشش کی دعا کرے تو خدا اس کی دعا رد نہیں کرتا۔ اسی لئے میں بھی خدا کو ان ہی کا واسطہ دے رہا ہوں۔

جس مومن نے یہ منظر دیکھا تھا اس نے تمام واقعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے گوش گزار کیا تو امامؑ نے فرمایا' وہ مردود صرف زبان سے دعا مانگ رہا تھا اس کی دعا اس کے دل سے نہیں نکل رہی تھی اسی لئے اللہ نے اس کی دعا کو قبول نہیں کیا۔ اگر اس میں اخلاص ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے بھی گناہ معاف کر دیتا اور اگر اس میں اخلاص ہوتا تو وہ سجدۂ آدم سے انکار ہی کیوں کرتا؟

جس مومن نے شیطان سے یہ گفتگو کی تھی اس نے شیطان سے کہا' تو نے

دنیا میں رہ کر بہت کچھ دیکھا ہے، تیرا تجربہ اور علم بھی بے حد وسیع ہے، تو بڑا دانش مند ہے، مجھے کوئی ایسی نصیحت کر جس سے میری دنیا سنور جائے اور آخرت بھی درست ہو جائے۔ (آپ نے سنا کہ شیطان سے بھی نصیحت طلب کی گئی۔ بہرنوع یہ بھی خوب رہی کہ نصیحت چاہئے اگرچہ شیطان سے ہی کیوں نہ ہو)۔

یہ سن کر شیطان نے کہا: میں تجھے دو نصیحتیں کرتا ہوں۔ پہلی نصیحت سے تیری دنیا سنور جائے گی اور دوسری نصیحت سے تیری آخرت سنور جائے گی۔

خدا کی لعنت ہو ابلیس پر۔ لیکن یقین جانیئے کہ ابلیس مردود کی یہ دو باتیں بالکل صحیح تھیں۔ اس نے اس مومن سے کہا تھا:

ابلیس کی دو نصیحتیں

ابلیس نے کہا: استعن لدنیاک بالقناعة ولآخراک بحب علی بن ابیطالبؑ. یعنی اگر تو چاہتا ہے کہ تیری دنیا سنور جائے تو پھر قناعت اختیار کر، اس سے تیری پوری زندگی آرام وسکون سے بسر ہوگی۔ اگر تجھے آرام وسکون کی ضرورت ہے تو پھر حرص سے پرہیز کر، اوپر والوں کی طرف نگاہ مت کر، خدا نے جو کچھ تیرے لئے مقرر کیا ہے اس پر قناعت کر، اسی میں تیرے آرام وقرار کا راز مضمر ہے۔

آپ یہ کبھی نہ سوچیں کہ دوسرے لوگ لاکھوں کروڑوں میں کھیل رہے ہیں اور بڑی اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ایسی ہرگز کوئی بات نہیں ہے۔ جو لذت اہل قناعت کو حاصل ہے وہ اہل ثروت کو حاصل نہیں ہے۔ قناعت کے ساتھ جو کی خشک روٹی میں جو مزہ ہے وہ بے قناعتی کے حلوے میں نہیں۔ لوگوں کے پاس جتنی دولت بڑھتی جاتی ہے اتنا ہی ان سے آرام و سکون کی نعمت دور ہوتی جاتی ہے۔ آمدم برسر مطلب، شیطان نے مومن سے کہا: اگر دنیا سنوارنا چاہتا ہے تو قناعت کر اور اگر آخرت سنوارنا چاہتا ہے تو علیؑ سے محبت کر۔

اگر آپ سکرات موت کی تلخی، قبر کی تاریکی، برزخ کے عذاب، محشر کی سختی، صراط کی گرمی اور میزان کے سخت احتساب سے بچنا چاہتے ہیں تو اپنے پاس محبت علیؑ کا ذخیرہ جمع کریں۔ علیؑ کی محبت موت کے وقت آپ کو فائدہ دے گی، قبر میں آپ کو آرام پہنچائے گی، حشر کی ہولناکی سے آپ کو محفوظ رکھے گی، میزان اور صراط پر آپ کی مددگار ثابت ہوگی اور آپ ان لوگوں میں سے قرار پائیں گے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: أُولٰئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ. یعنی ان کے لئے امن ہوگا اور وہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ (سورۂ انعام: آیت۸۲)

اے پروردگار! ہمارے دل سے حب دنیا کو نکال اور محمدؐ و آل محمدؐ کی محبت کو راسخ فرما، ہمارے دلوں سے دنیاوی خواہشات کا اندھیرا دور فرما اور محمدؐ و آل محمدؐ کی محبت سے ہمارے دلوں کو منور فرما۔ اے پروردگار! ہمارے دلوں کو لوازم ایمان یعنی اپنے اور اپنی تخلیق کے متعلق حسن ظن سے مزین فرما اور اپنی محبت سے ہمارے تاریک دلوں کو روشن فرما۔

آپ حضرات سے گزارش ہے کہ دعائے جوشن کبیر کی تلاوت کریں اور اللہ کے اسمائے حسنیٰ کا ورد کریں اور ان اسماء کے معانی کو اچھی طرح سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ مثلاً اس جملے پر توجہ فرمائیں: يَا مَنْ هُوَ بِمَنْ عَصَاهُ حَلِيْمٌ یعنی اے وہ ذات جو اپنی نافرمانی کرنے والوں سے بھی حلم کرتی ہے۔

وہ بندوں کی نافرمانی کو دیکھتا ہے، جانتا ہے، مگر پھر بھی حلم اور بردباری سے کام لیتا ہے۔ ذات باری میں علم اور حلم دونوں موجود ہیں۔ وہ بندوں کے کفران نعمت کو دیکھ کر بھی ان سے درگزر کرتا ہے جیسا کہ دعائے ابوحمزہ ثمالی میں امام سجادؑ نے یہ جملے کہے ہیں: الحمدللّٰه الذی يحلم عنی حتی کانی لاذنب لی یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے مخصوص ہیں جو مجھ سے اتنے حلم سے پیش آتا ہے کہ جیسے میں نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔

کفران نعمت اور قحط کا خطرہ

آج کل نعمات الٰہی کی توہین زیادہ ہو رہی ہے۔ لوگ گھروں کے دروازوں پر روٹی کے ٹکڑے اور پکے ہوئے چاول اور نیم خوردہ پھل پھینک دیتے ہیں۔ یہ ایک غلط اور خطرناک روش ہے۔ روٹی کے متعلق بڑی احتیاط کریں اور اس کی بے حرمتی نہ کریں۔ روایات میں ہے کہ جب لوگ روٹی کی بے حرمتی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر قحط مسلط کر دیتا ہے۔

اگر آپ نے اتفاقاً روٹی زیادہ پکالی ہے تو اسے دروازے کے باہر مت پھینکیں بلکہ احتیاط سے کسی ٹوکری وغیرہ میں رکھ دیں۔ بعض لوگ روٹی خریدتے رہتے ہیں، آپ ان کے ہاتھ روٹی فروخت کر دیں یا اپنے جانوروں کو کھلا دیں لیکن اس کی بے حرمتی ہرگز نہ کریں۔

امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے دیکھا کہ آپ کے گھر والوں نے آدھا تربوز کھا کر باقی باہر پھینک دیا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ ناراض ہوئے اور فرمایا: اگر تمہیں اس کی ضرورت نہیں تو دوسروں کو تو اس کی ضرورت ہے۔ آخر یہ اسراف کس لئے ہے اور خدا کی نعمت کو باہر پھینکنا کس لئے ہے؟

وسائل الشیعہ میں امام حسن مجتبیٰؑ یا امام جعفر صادقؑ میں سے کسی ایک بزرگوار سے منقول ہے کہ انہوں نے گلی میں روٹی کا ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا تو سخت ناراض ہوئے اور اسے اٹھا کر اپنے غلام کے ہاتھ میں دیا۔ جب آپ گھر پہنچے تو غلام سے فرمایا: روٹی کا جو ٹکڑا میں نے تجھے دیا تھا وہ مجھے دو۔

غلام نے کہا: آقا! وہ ٹکڑا میں نے کھا لیا تھا۔

امامؑ نے غلام سے فرمایا: انت حرٌّ لوجه الله. میں تجھے خدا کی رضا کے لئے آزاد کرتا ہوں کیونکہ تو نے خدا کی نعمت کا احترام کیا جس کی وجہ سے تو اہل جنت

میں سے ہوگیا اور میں خدا کے کسی پیارے اور جنتی شخص کو اپنی غلامی میں رکھنا پسند نہیں کرتا۔تو آج سے اس عمل کی وجہ سے آزاد ہے۔

میں کفران نعمت کے متعلق عرض کر رہا تھا۔ ہم صبح سے شام تک خدا کی نعمتیں کھاتے ہیں اور نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں مگر اس کے باوجود ہم منعم ناشناس ہیں۔

امام سجاد علیہ السلام نے انسانوں کی ناشکری اور خداوند تعالیٰ کے کرم کو دعائے ابوحمزہ ثمالی میں بڑے دلنشین پیرائے میں یوں بیان فرمایا ہے: **ولم یزل ولا یزال ملکٌ کریم یاتیک عنا بعمل قبیح فلا یمنعک ذلک من ان تحوطنا بنعمک و تتفضل علینا بالائک** یعنی خدایا! مکرم فرشتہ ہمیشہ ہمارے برے عمل لے کر تیرے پاس آتا ہے مگر اس کے باوجود تو ہمیں اپنی نعمتوں سے ڈھانپے ہوئے ہے اور ہم پر اپنی نعمتوں کا فضل کرتا رہتا ہے۔

انصاف سے بتائیں کہ کیا خدا محبت کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟

امام سجادؑ کے الفاظ کے مطابق اللہ نے انسان کو اپنی محبت کے لئے پیدا کیا ہے اور اسے اپنی محبت کے راستے پر گامزن کیا ہے تو کیا ایسے خدا سے ہمیں محبت کرنی چاہئے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب قرآن نے یہ دیا ہے کہ مومن خدا سے زیادہ محبت کرنے والے ہوتے ہیں: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ. یعنی اہل ایمانؑ خدا سے شدید محبت کرتے ہیں۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۶۴)

لوگ اپنے والدین سے کتنی محبت کرتے ہیں؟ جی ہاں! لوگوں کو اپنے والدین سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ اسی لئے میں لوگوں سے عرض کروں گا کہ آپ صرف اپنے والدین سے ہی محبت نہ کریں بلکہ اپنے اس خدا سے کہیں زیادہ محبت کریں جس نے والدین کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ماؤں کے دلوں میں اولاد کی محبت پیدا کی۔ آپ کو چاہئے کہ خدا کا شکر ادا کریں اور کہیں: خدایا! تیرا شکر ہے کہ تو نے میری ماں کے دل میں

میری محبت پیدا کی اور اس محبت کی وجہ سے وہ میری غلاظت تک صاف کرتی تھی اور ہر مصیبت کے وقت میری نگہداری کرتی تھی۔

عزیزان محترم! ہماری کافی زندگی گزر چکی ہے۔ اب تو اپنے دلوں میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا ہمارے دلوں میں خدا و رسولؐ کی محبت راسخ ہوئی ہے یا نہیں؟

ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ جنت کی ایک بالشت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ آپ حضرات جنت سے عشق کریں اور نعمات جنت سے محبت کریں۔ آپ حورالعین سے الفت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حورالعین کے حسن و جمال کی بڑی تعریف کی ہے۔ عجیب بات ہے کہ آپ دنیا کی عام عورتوں کے عشق میں مبتلا ہو رہے ہیں اور آپ نے حوروں کو فراموش کردیا ہے جن عورتوں کے عشق میں آپ مبتلا ہو رہے ہیں ان کی پوست ہٹا کر دیکھا جائے تو خون اور غلاظت کے علاوہ ان میں آپ کو کچھ بھی دکھائی نہیں دے گا۔

حورالعین یادِ خدا کا سبب ہیں

ممکن ہے کہ ہماری اس گفتگو پر کوئی نوجوان اعتراض کرے اور کہے کہ جناب ہم شہوت پرست نہیں ہیں، ہم صرف خدا کے طلبگار ہیں، ہمیں حورالعین کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ایسے شخص کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ آپ کو مغالطہ ہوا ہے۔ آپ نے حورالعین کو بھی عام عورتوں کی طرح سے سمجھ لیا ہے۔ حورالعین ذکر خدا ہے، یاد خدا ہے جبکہ دنیا کی عورت غفلت انگیز ہے۔ حور ذکر ہے۔ حور نصیحت ہے۔

روایات میں ہے کہ حوروں میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قسم بھی بنائی ہے جو تمام حوروں سے زیادہ حسین و جمیل اور دلربا ہیں۔ اس کے چہرے پر چار چیزیں نقش ہوں گی۔ اس کے لب پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوگا۔ اس کی منور

حقیقی خوشی ناقابل واپسی ہوتی ہے

مادی دنیا کی اساس فنا پر ہے اور ذات اقدس کو وہ عطا زیب دیتی ہے جو مستقل اور پائیدار ہو یعنی خدا کی شان کے مطابق وہ عطا ہے جسے دے کر واپس نہ لے اور دنیا میں ایسا ہونا ناممکن ہے۔ دنیا کا دستور یہ ہے کہ یہاں نعمت دے کر واپس لے لی جاتی ہے۔ آپ کی آنکھیں، ہاتھ پاؤں، آپ کی جوانی اور صحت نعمت ہیں مگر جب آپ پچاس ساٹھ سال سے تجاویز کرتے ہیں تو آپ کے دانت گرنے لگتے ہیں، آپ کی بصارت کمزور ہونے لگتی ہے، آپ کی قوت سماعت ختم ہونے لگتی ہے، آپ کی قوت بازو ختم ہونے لگتی ہے۔ غرضیکہ وہی اعضا جو پہلے نعمت تھے ان سے نعمت کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔

اور اگر بالفرض آپ کو بڑھاپے سے واسطہ نہ پڑے اور آپ جوانی یا ادھیڑ عمری میں اس دنیا سے رخصت ہو جائیں تو اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ جی ہاں! آپ کی میت کو اٹھا کر قبر کے حوالے کر دیا جاتا ہے جہاں کیڑے مکوڑے آپ کو کھانا شروع کرتے ہیں۔ کیڑے مکوڑے آپ کی آنکھوں سے شروع ہوتے ہیں اور پھر نیچے آجاتے ہیں اور یوں وہ آپ کے پورے بدن کو کھا لیتے ہیں۔

مادی دنیا میں مستقل عطا کا کوئی تصور نہیں ہے۔ یہاں کا اصول یہ ہے کہ جب بھی کسی کو نیا لباس دیتے ہیں تو پھر چند روز بعد اس سے لباس اتروا لیا جاتا

ہے۔ اولاد ملی دل خوش ہوا مگر یہ خوشی بھی عارضی ثابت ہوئی کیونکہ اولاد نے بھی تو مرنا ہے۔ الغرض دنیائے فانی کی ہر خوشی عارضی ہے اور ایسی عطا ذات خداوندی کے شایان شان نہیں ہے۔ خدا نے اپنی ابدی عطا کے لئے جنت پیدا کی ہے۔

تین نعمتیں تمام نعمات سے بڑی ہیں

روایات میں مذکور ہے کہ بہشت میں تین نعمتیں ایسی ہوں گی جو اہل بہشت کو تمام نعمتوں سے زیادہ قیمتی محسوس ہوں گی۔ صرف نعمتوں سے ہی نہیں بلکہ انہیں خود بہشت سے بھی وہ نعمتیں زیادہ قیمتی دکھائی دیں گی۔

۱۔ جنت میں یہ اعلان کہ "اے اہل بہشت اور اے بلند و بالا مقامات میں رہنے والے لوگو! یہاں جو کچھ کسی کو دیا گیا ہے وہ اس سے واپس نہیں لیا جائے گا اور جو بھی بہشت میں داخل ہوگیا ہے اسے یہاں سے باہر نہیں نکالا جائے گا۔"

۲۔ بہشت میں رہنے والے تمام مومن معدن نعمت اور اصل نعمت یعنی محمدؐ و آل محمدؐ سے رابطہ رکھیں گے اور آل محمدؐ کے ہمسائے ہوں گے اور محمدؐ و آل محمدؐ کی ہمسائیگی سے بہتر اور کس کی ہمسائیگی ہوسکتی ہے؟

۳۔ اہل بہشت کو یہ خوش خبری سنائی جائے گی کہ اللہ تم سے راضی ہے، یہ ان کے لئے سب سے بڑی بشارت ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ. یعنی خدا کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے۔ (سورۂ توبہ: آیت۷۲) اور رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ (سورۂ مائدہ: آیت۱۱۹)

دعائے ابوحمزہ ثمالی میں امام سجادؑ فرماتے ہیں: این عطایاک الفاضلة این مواھبک الھنیئة این صنائعک السنیة این فضلک العظیم این منک

نہیں ہے اس کے عطیہ کو بھی فانی نہیں ہونا چاہئے اور اس دنیا میں یہ سب کچھ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جہان کے علاوہ ایک اور جہان بھی ہے جہاں کی نعمات ابدی اور پائیدار ہیں۔

منکرین رسالت خدا کے متعلق بدگمان ہیں

بہت سے برے گمان حرام ہیں اور ذات حق کے متعلق بدگمانی کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔ بہت سے جاہل اور دھوکے میں مبتلا افراد نبی اور آسمانی کتاب کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کو نبی وامام اور کسی آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان کی سعادت کے لئے عقل کافی ہے۔

ہم اہل نظر کو ثبوت حق کے لئے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

(جوشؔ)

دراصل یہ نظریہ قدیم فلاسفہ نے پیش کیا تھا اور ان ہی سے آج کے لوگوں نے یہ مستعار لیا ہے اور اس ذریعے سے لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہماری عقل کافی ہے اور ہمیں کسی آسمانی ہادی (نبی) کی ضرورت نہیں ہے۔

اس غلط نظریے کے جواب میں ہر دور میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس کا جتنا بہترین جواب قرآن مجید نے دیا ہے وہ کسی سے نہیں بن سکا۔ قرآن کہتا ہے: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ۝ یعنی انہوں نے یہ کہہ کر کہ خدا نے انسان پر کچھ نازل نہیں کیا خدا کی ناقدری کی ہے۔ (سورۂ انعام: آیت۹۱)

ان الفاظ سے قرآن مجید نے اس نظریے کے حامل افراد کو جھنجھوڑ کر کہا: ”تم لوگ پیغمبر اور آسمانی کتاب کا انکار کر کے خدا کو ظالم ثابت کرنا چاہتے ہو کیونکہ

خدا کو یہ بات ہرگز زیب نہیں دیتی کہ وہ انسان کو پیدا کر کے اسے گمراہیوں میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دے اور اس کی ہدایت کے لئے کسی نبی، امام اور آسمانی کتاب کو نازل نہ کرے جبکہ خدا نے انسان کو بھٹکنے کے لئے پیدا نہیں کیا ہے۔''

مصالح اور مفاسد کی تعیین سے عقل قاصر ہے

عقلیت پسند افراد اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ انسانی عقل اپنے نفع اور نقصان کو سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ البتہ چند وجوہات کی بنا پر یہ بات صحیح نہیں ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تمام انسانوں کی عقلیں یکساں نہیں ہیں۔ چھوٹی عقل جس چیز کو بہتر سمجھتی ہے اکثر بڑی عقل اسی چیز کو نقصان دہ سمجھتی ہے۔

علاوہ ازیں اعلیٰ سے اعلیٰ عقل بھی زندگی کے تمام مصالح و مفاسد کی تعیین سے قاصر ہے۔ اگر دنیا جہان کے عقلمند جمع ہو جائیں تب بھی وہ امر واقعی کے ادراک سے قاصر رہیں گے۔ ہمارے پاس عقل کی نارسائی کی دلیل یہ ہے کہ ہر ملک کے ''منتخب ذہن'' اپنے ملک کے لئے ایک دستور بناتے ہیں لیکن چند ہی سال بعد وہ اس دستور کو ناکافی محسوس کرنے لگتے ہیں اور نتیجتاً یا تو اسے منسوخ کردیا جاتا ہے یا پھر اس میں ترامیم کرکے اسے بہتر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر انسانی عقل مصالح و مفاسد کے مکمل ادراک کی صلاحیت رکھتی تو دستور منسوخ نہ ہوتے اور ان میں ترامیم نہ کی جاتیں۔

ہمارے خیال میں انسانوں کو قانون سازی کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ انسان فطرتاً ناقص العقل ہے چنانچہ اس کا بنایا ہوا قانون بھی ناقص ہوگا۔ قانون سازی کا حق صرف — ذات واجب کو ہے کیونکہ وہ انسان کے تمام مستقل اور معروضی مصالح و مفاسد کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ انسان اپنی معلومات یا کسی دوسرے کی مصلحت جاننے سے قاصر ہے اور اس کی عقل کمزور اور اس کا ادراک محدود ہے۔

دیکھتا ہے تو وہ خوش ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ عالم برزخ میں میرے والد کی حالت اچھی ہے۔

عزیزان محترم! اس طرح کا خواب کوئی میزان نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کے لاشعور نے آپ کے والد کو نیا لباس پہنا دیا ہو اور اس کا عالم برزخ کی حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اگر بالفرض اس خواب کو رحمانی خواب کہا جائے تب بھی یہ مرنے والے کی مغفرت کی قطعی دلیل نہیں ہے کیونکہ جس طرح دنیا میں حالات بدلتے رہتے ہیں اسی طرح سے مرنے کے بعد بھی حالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

انسان کی پوری زندگی یکساں نہیں ہوتی۔ کبھی وہ نیکی کرتا ہے اور کبھی برائی کرتا ہے۔ کبھی ایک گھنٹہ اللہ کے گھر (مسجد) میں جاتا ہے اور کبھی تین گھنٹے شیطان کے گھر (سینما) میں جاتا ہے۔ کبھی قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہوتا ہے اور کبھی کسی کو گالیاں بک رہا ہوتا ہے۔ غرضیکہ انسانی کیفیات تغیر پذیر ہیں اور ہمیشہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ آپ نے جس عزیز کو نیا لباس پہنے ہوئے دیکھا وہ اس کی کسی نیکی کا نتیجہ ہو اور اس کے بعد اس کو کسی برائی کا خمیازہ اٹھانا پڑا ہو۔

اس سے بڑھ کر میں آپ کو واضح الفاظ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جب تک آپ یہاں موجود ہیں اس وقت تک عالم بالا کے متعلق کچھ بھی جاننے کے قابل نہیں ہیں اور آپ یہاں رہ کر یہ کبھی نہیں جان سکتے کہ مرنے والوں پر وہاں کیا گزرتی ہے اور ان پر کیا کیفیات طاری ہوتی ہیں؟

جان لیجئے کہ خواب اور حاضرات روح کی کوئی حیثیت اور حقیقت نہیں ہے۔ عالم آخرت کی اطلاعات کا ذریعہ صرف وحی الٰہی اور انبیاءؑ و ائمہؑ ہیں اور وہی خدا سے علم پانے کے بعد انسان کو بتا سکتے ہیں کہ فلاں عمل موت کے وقت تلخی پیدا کرتا ہے اور فلاں عمل مرنے کے بعد نقصان دہ ہوتا ہے۔

چشم نبوت وامامت ہی اعمال کے اثرات کو دیکھ سکتی ہے

مروی ہے کہ بصرہ میں ایک مومنہ رہتی تھی جسے شدید درد دل کی شکایت پیدا ہوئی۔ اس نے اطباء سے رجوع کیا تو انہوں نے کہا کہ تیری بیماری کا علاج پرانی شراب ہے۔ اس کے استعمال سے تیری تکلیف دور ہو جائے گی۔

مومنہ نے شراب نہ پی بلکہ بصرے سے مدینے آئی اور کشاف حقائق امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: ''مولا! میں شدید درد دل میں مبتلا ہوں اور اطباء نے میرے لئے پرانی شراب تجویز کی ہے۔ میں آپ کو اپنے اور اپنے خدا کے درمیان حجت سمجھتی ہوں۔ اگر آپ مجھے شراب پینے کی اجازت دیتے ہیں تو میں پی لوں گی اور اگر خدا نے قیامت کے دن مجھ سے پوچھا تو میں کہوں گی کہ امام جعفر صادقؑ نے مجھے پینے کا حکم دیا تھا اور اگر آپ منع کرتے ہیں تو میں شراب کو ہاتھ تک نہیں لگاؤں گی۔''

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں شراب پینے کی اجازت نہیں دے سکتا اور اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں نزع کے وقت سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مقصد یہ ہے کہ شراب نوشی نزع کے وقت برا اثر مرتب کرتی ہے اگرچہ علاج کی غرض سے ہی کیوں نہ ہو۔

ایک روایت کے مطابق مرنے والے پر سخت پیاس مسلط کر دی جاتی ہے۔

الغرض عالم ملکوت، عالم برزخ کے باطنی حالات اور قیامت کے واقعات کو نبی اور امام کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا۔

کیا خدا نے انسان کے لئے اس راستے کو بند کر دیا ہے؟ ہرگز نہیں! خدا منکرین قرآن پر لعنت کرے۔ یہ سب کچھ قرآن اور صاحب قرآن پیغمبرؐ کا فیض ہے۔ اگر قرآن اور صاحب قرآن دنیا میں نہ ہوتے تو انسان بالکل سرگردان اور پریشان دکھائی دیتا اور اسے اپنی نجات کا راستا سجھائی نہ دیتا۔

بعض اوقات لوگ بدگمانی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ مثلاً جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں حق و باطل کے اکثر معرکوں میں ظاہراً حق مغلوب اور باطل غالب آیا ہے تو ان میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر اسلام سے آج تک اکثر اہل حق ظلم کا نشانہ بنتے رہے اور ظالم موج و مستی کرتے رہے اور اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کیلئے مخلوق خدا پر ہر طرح کا ظلم توڑنے کیلئے آزاد رہے مگر آج تک قدرت کی طرف سے ان پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوا۔ چنانچہ جو شخص بھی حضرت علیؑ اور معاویہ کی داستان پڑھتا یا سنتا ہے وہ حیران رہ جاتا ہے کہ خدایا آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟

علیؑ تو شہید ہوں اور معاویہ و عمرو بن عاص بچ جائیں

خارجیوں میں سے عبدالرحمٰن بن ملجم، حجاج بن عبداللہ المعروف برک اور عمرو بن بکر تمیمی جمع ہوئے اور انہوں نے حضرت علیؑ، معاویہ اور عمرو بن العاص کو قتل کرنے کی قسم اٹھائی اور اس کام کے لئے ماہ رمضان کی فجر کا وقت مقرر کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت فتنہ و فساد کی بنیاد یہی تین افراد ہیں اور جب یہ تینوں ایک ہی وقت قتل ہو جائیں گے تو ہر قسم کا فتنہ ختم ہو جائے گا۔ طے یہ پایا کہ ۱۹ر رمضان کو اذان صبح کے وقت ابن ملجم حضرت علیؑ کو، برک مسجد اموی میں معاویہ کو اور عمرو بن بکر مصر میں عمرو بن العاص کو قتل کرے گا۔

اس منصوبہ بندی کے بعد تینوں الگ الگ ہوگئے۔ ابن ملجم کوفہ آیا جہاں اس کی نظر قطامہ پر پڑی اور اس نے اسے نکاح کا پیغام بھیجا۔ قطامہ نے کہا کہ میں تجھ سے اس شرط پر شادی کروں گی کہ تو علی بن ابیطالبؑ کو قتل کرے گا۔

بہرحال قطامہ کے عشق نے اس کے ارادے کو مزید پختہ کردیا۔ اس نے ایک ہزار درہم میں ایک تلوار خریدی اور اسے زہر میں بجھاتا رہا۔ اذان صبح کے وقت

اس نے حضرت علیؑ پر حملہ کیا اور ۲۱ رمضان کو حضرت علیؑ نے شہادت پائی۔

برک بھی اسی ارادے سے شام آیا اور نماز صبح کے وقت وہ معاویہ کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ جیسے ہی معاویہ سجدے میں گیا تو اس نے تلوار سے وار کیا مگر اس کا وار معاویہ کے سر کی بجائے اس کی ران پر لگا جس سے معاویہ معمولی زخمی ہوا۔ برک گرفتار ہوگیا اور معاویہ کو لوگ اٹھا کر اس کے گھر لے گئے۔ طبیب آئے اور انہوں نے کہا کہ اس زخم کا علاج دو طرح سے ممکن ہے یا تو ران کے ایک حصے کو داغ دیا جائے یا پھر شربت آلات استعمال کیا جائے۔

معاویہ نے کہا: مجھ میں داغ سہنے کی سکت نہیں تم شربت آلات سے میرا علاج کرو۔

اطباء نے کہا: اگر داغ نہ دیا گیا تو آئندہ تمہیں اولاد نہیں ہوگی۔

معاویہ نے کہا: میرے لئے یزید اور خالد ہی کافی ہیں۔

قاتل کو معاویہ کے پاس لایا گیا۔ معاویہ نے اس کے قتل کا ارادہ کیا تو اس نے کہا: میں تمہیں خوش خبری سناتا ہوں۔

معاویہ نے کہا: کیسی خوش خبری؟

اس نے کہا: آج رات علیؑ قتل ہوچکا ہے۔ تم مجھے اپنے پاس زندان میں قید رکھو، اگر میری بات سچ ثابت ہو تو تمہارا دشمن قتل ہوچکا ہے۔ اگر تمہارا دل چاہے تو اس خوش خبری سنانے کی وجہ سے مجھے معاف کردینا اور اگر علیؑ نہ مرا ہو تو مجھے کوفہ روانہ کردینا جہاں میں جا کر علیؑ کا کام تمام کردوں گا۔

اس کے بعد روایت میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض مورخین نے لکھا کہ حضرت علیؑ کی خبر شہادت پہنچنے تک اسے زندان میں رکھا گیا اور جب معاویہ نے حضرت علیؑ کی خبر شہادت سنی تو اس نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر آزاد کردیا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ معاویہ نے اسے قتل کرادیا تھا۔

عمرو بن بکر تمیمی مصر پہنچا اور وعدے کی شب مصر کی جامع مسجد میں گزاری۔ اتفاق سے عمرو بن العاص کو درد قولنج ہوا چنانچہ اس نے خارجہ بن ابی حبیبہ قاضی کو امامت نماز کے لئے بھیجا۔ اس نے جماعت کرائی اور جیسے ہی وہ سجدے میں گیا تو عمرو نے اس پر تلوار کا وار کیا اور اس کا کام تمام کردیا۔ عمرو موقع پر گرفتار ہوگیا اور عمرو بن العاص کے حکم پر اسے اسی دن یا دوسرے دن قتل کردیا گیا۔

انسان کو انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ ابن ملجم کی تلوار نے اپنا اثر دکھایا جس کی وجہ سے حضرت علیؑ جو کہ عدل الٰہی کی مجسم تصویر تھے شہید ہوگئے۔ قضا و قدر کا فیصلہ حضرت علیؑ کے متعلق تو جاری ہوگیا لیکن معاویہ اور عمرو بن العاص کے متعلق تقدیر کا کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ آخر یہ کیسی تقدیر ہے؟

آپ چاہتے ہیں کہ ظالم جلد اپنے کیفر کردار کو پہنچے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ دنیا انتقام الٰہی کا مقام نہیں ہے کیونکہ دنیا بہت چھوٹی اور تنگ ہے۔ یہاں اگر خدا کسی کے جرم کی سزا دینا بھی چاہے تو بعض اوقات اس کا جرم اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس کی سزا یہاں مکمل ہو ہی نہیں سکتی اور سزا کے ذریعے سے گناہ کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور جہان مقرر کیا ہے جہاں ہر شخص کو اپنے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزا ہے۔ یا یوں سمجھیں کہ یہ دنیا تخم پاشی کی جگہ ہے اور عالم آخرت اس کی فصل کو سمیٹنے کی جگہ ہے۔ اب یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے کہ چاہیں تو شیریں تربوز کاشت کریں اور چاہیں تو کڑوے حنظل کی تخم پاشی کریں۔

بہرحال آپ جو بوئیں گے وہی کاٹیں گے۔ الدنیا مزرعة الآخرة دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اعمال کا اچھا یا برا بدلہ موت کے بعد دیا جائے گا۔ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو عدل کرے گا اس کی عمر طویل ہوگی اور اس کے اقتدار میں اضافہ ہوگا؟ ایسا ہرگز نہیں یہ دنیا علل و معلول کی دنیا ہے، یہ عالم جزا نہیں ہے۔

اس مسئلے کو قرآن مجید کی اس آیت سے سمجھئے جس میں کہا گیا ہے کہ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ... اگر خدا لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑنے لگ جائے تو زمین پر ایک بھی جاندار باقی نہ رہے۔ (سورۂ ہود، آیت ۱۱۹)

اس آیت کی رو سے اگر خدا اس زمین کو ظالموں سے انتقام کا مقام بنادے اور یہیں پر اعمال کی تلافی کرنے کا فیصلہ کرلے تو کوئی بھی جاندار باقی نہیں بچے گا۔ کون ہے جو ظالم نہیں ہے؟ اور ایسا ہمارا کون سا دن گزرتا ہے جس میں ہم ظلم نہیں کرتے؟ کیا آپ کی نظر میں ظالم صرف وہی ہے جو تلوار لے کر کسی کو ناحق قتل کرتا ہے۔ کیا اس کے علاوہ کوئی اور ظالم نہیں ہے؟

اور اگر آپ ظلم کو صرف یہاں تک محدود رکھتے ہیں تو آپ غلطی پر ہیں۔ دنیا میں صرف قاتل ہی ظالم نہیں ہے۔ ذرا عدالتوں کے اندر کرسئ عدالت پر براجمان ججوں کو دیکھیں کہ وہ کتنے غلط فیصلے کر رہے ہیں اور ناحق فیصلوں کی وجہ سے کتنے حشر بپا کئے ہوئے ہیں؟ ذرا تاجروں اور دکانداروں کو ہی دیکھ لیں کہ وہ کس طرح لوگوں کو لوٹنے میں مصروف ہیں؟ ذرا معمار اور مزدور کو ہی دیکھ لیں کہ وہ کتنی دیانتداری سے کام کرتے ہیں؟ ذرا دفتروں میں کام کرنے والوں کو ہی دیکھ لیں کہ کیا وہ اپنی اجرت کے مطابق کام کرتے ہیں؟

غرضیکہ آپ جہاں بھی نظر اٹھائیں گے وہاں لوگوں کو اپنے فرائض منصبی میں کوتاہی کرتے ہوئے پائیں گے اور ہر کوتاہی ظلم ہے۔ باہر کی باتوں کو رہنے دیں اپنی گھریلو زندگی پر ہی نظر ڈالیں۔ شوہر اور بیوی کے باہمی تعلقات میں کس حد تک عدل کارفرما دکھائی دیتا ہے؟ ذرا بتایئے تو سہی کہ ایسا کون سا شوہر ہے جس نے اپنی زندگی میں بیوی پر ظلم نہیں کیا؟ یاد رکھیں ظلم صرف مار پیٹ کا ہی نام نہیں ہے بلکہ ناحق تنقید بھی ظلم کے زمرے میں شامل ہے اور ایسی کون سی بیوی آپ کو دکھائی دیتی

ہے جس نے اپنے شوہر پر ظلم نہ کیا ہو؟ کیا شوہر اپنی بیوی کے جملہ حقوق ادا کر رہا ہے اور کیا بیوی اپنے شوہر کے مکمل حقوق ادا کر رہی ہے؟ اسی طرح سے کیا والدین اولاد کے اور کیا اولاد والدین کے سارے حقوق کا پاس کر رہی ہے؟

ان تمام سوالات کے جوابات نفی میں ہیں اور یہی کچھ خدا نے فرمایا ہے کہ اگر ہم ہر ظلم کو دیکھ کر ظالم کو پکڑنے لگ جائیں تو پھر زمین پر ایک بھی حرکت کرنے والا زندہ نہیں بچے گا۔

اس دنیا میں خدا کی طرف سے گناہگاروں کو ڈھیل دی جاتی ہے تاکہ وہ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں۔ یہ دنیا سرے سے انتقام کی جگہ ہی نہیں ہے۔ انتقام کے لئے خدا نے ایک اور جہان پیدا کیا ہے۔

کیا آپ قضا و قدر سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ ابن ملجم نے جیسے ہی ضربت کے لئے تلوار بلند کی تھی تو وہی تلوار حضرت علیؑ کے بجائے اس کی گردن پر پڑتی اور معاویہ اور عمرو بن العاص پر وار کارگر ہوتا اور وہ دونوں ہلاک ہو جاتے؟ یقیناً آپ کے دل کی خواہش تو یہی ہے لیکن اس دنیا کا یہ اصول نہیں ہے۔ یہ دنیا تلافی کی جگہ نہیں ہے۔ یہ دنیا جزا کا گھر نہیں ہے اور آپ کا کیا خیال ہے کہ عدل علیؑ کی جزا کا یہ تقاضا ہے کہ تلوار اس پر اثر انداز نہ ہو اور وہ قتل سے بچ جائے؟

شہادت زندگی ہے

قتل ہونا بھی دو طرح سے ہے۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے قتل ہونے کو ہلاکت کہا جاتا ہے اور ایسا شخص خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق قرار پاتا ہے اور وہ شخص بڑا بدبخت ہے جو اپنی ادنیٰ خواہشات کے لئے قتل ہو اور ایسا قتل حقیقی ہلاکت ہے۔ خدا اور حق و حقیقت کی راہ میں قتل ہونا ہلاکت نہیں بلکہ شہادت ہے۔ یہ موت نہیں بلکہ حیات ہے۔

صاحب حدائق لکھتے ہیں کہ بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ جب اللہ فرماتا ہے

کہ وَلاَ تُلْقُوْا بِاَ یْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاک نہ کرو تو حضرت علیؑ یہ جانتے ہوئے کہ اگر وہ باہر جائیں گے تو قتل ہوجائیں گے ۱۹ر رمضان کو گھر سے باہر کیوں آئے اور انہوں نے جان بوجھ کر موت کو کیوں گلے لگایا؟

ان لوگوں کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاکت سے منع کیا ہے۔ ہلاکت اور ہے اور موت اور ہے۔ ہلاکت معصیت ہے۔ ہلاکت یہ ہے کہ انسان ایسا کام کرے جس کی وجہ سے وہ خدا کا مبغوض قرار پائے اور عذاب خداوندی کا مستحق بن جائے اور جہاں تک ظاہری موت کا تعلق ہے اگر موت خدا کی راہ میں ہو تو ایسی موت باعث نجات، حیات اور سعادت ہے۔

حضرت علیؑ کی مدت سے آرزو تھی کہ وہ اللہ کی راہ میں قتل ہوں اور اس سے بڑھ کر کسی کے لئے اور اعزاز کیا ہوسکتا ہے کہ وہ دین کے نام پر جان دیدے اور خدا کی راہ میں قتل ہو جائے۔ حضرت علیؑ جب بھی کسی جنگ سے مظفر و منصور ہوکر واپس آتے تو آپ غمگین ہوتے اور روتے تھے۔

ایک مرتبہ رسول خداؐ نے ان سے فرمایا: یاعلیؑ! تم نے جنگ فتح کی ہے اس کے باوجود مغموم کیوں ہو اور رو کیوں رہے ہو؟

حضرت نے عرض کی: یارسول اللہؐ! میں کیوں نہ روؤں کیونکہ میں جنگ سے صحیح سالم واپس آ گیا ہوں جبکہ میں خدا کی راہ میں شہید ہونا چاہتا ہوں۔

رسول خداؐ نے انہیں تسلی دی تھی اور فرمایا تھا تمہیں شہادت کی بشارت ہو۔ آخری امت کے بدبخت ترین شخص کے ہاتھوں تمہاری داڑھی تمہارے سر کے خون سے رنگین ہوگی۔(بحارالانوار، جلد۹)

حضرت علیؑ کی شہادت کی آرزو اور تیاری

حضرت علیؑ کو قدرت کی جانب سے الہام ہوا تھا اور رسول خداؐ نے خواب میں آپ سے فرمایا تھا: اے علیؑ! تم رمضان کے آخری عشرے میں ہمارے مہمان ہوگے۔

آپ انیسویں رمضان کو اپنی چھوٹی بیٹی حضرت ام کلثومؑ کے مہمان تھے۔ انہوں نے آپ کے افطار کا انتظام کیا ہوا تھا؟ روایت کے مطابق آپ افطار کے وقت صرف تین لقمے تناول کرتے تھے۔

بحارالانوار میں مرقوم ہے: **لما دخل شهر رمضان كان اميرالمؤمنين يتعشى عندالحسن و ليلة عند الحسين و ليلة عند عبدالله بن عباس و كان لا يزيد على ثلاث لقم فقيل له فى ذلك فقال عليه السلام ياتينى امرالله وانا خميص انما هى ليلة او ليلتان فاصيب اخر الليل.** یعنی جب ماہ رمضان شروع ہوتا تو حضرت علیؑ ایک رات امام حسنؑ کے ہاں، ایک رات امام حسینؑ کے ہاں اور ایک رات عبداللہ بن عباسؓ کے ہاں افطار کرتے مگر آپ تین لقموں سے زیادہ تناول نہیں فرماتے تھے۔ آپ سے کہا جاتا کہ کچھ زیادہ کھائیں تو آپ فرماتے کہ میں خدا کے حضور بھوکے پیٹ حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ خدا کے فیصلے سے بس ایک یا دو راتیں رہ گئی ہیں۔ اسی رات کے پچھلے پہر آپ کو ضرب لگی۔ (بحارالانوار، جلد۹، صفحہ۶۵۵)

بہرحال ۱۹ر رمضان کی شب امیرالمؤمنینؑ اپنی بیٹی کے ہاں مہمان تھے۔ آپ نے تین لقمے نمک کے ساتھ تناول فرمائے۔ بیٹی نے عرض کی: باباجان! آپ نے سارا دن روزہ رکھا ہے۔ تین لقموں کی بھلا کیا حیثیت ہے؟

آپ نے فرمایا: میری روانگی قریب ہے۔ میں اسی ماہ مبارک کے عشرے میں تم سے رخصت ہو جاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ موت کے وقت میرا معدہ خالی ہو۔ میں بھوکے پیٹ دنیا سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔ آپ خود ہی شہادت کے آرزومند تھے۔ میں بتا چکا ہوں کہ آپ کو زندہ رہنے اور شہید ہونے کے متعلق اختیار دیا گیا تھا، آپ نے شہادت کو زندگی پر ترجیح دی تھی۔

ابن ملجم سے بچنا آپ کے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ ملعون ایک اشارے سے بھی گر سکتا تھا۔ لیکن حضرت علیؑ امر الٰہی کے سامنے سر جھکا چکے تھے۔ حضرت نے

آخرکار ایک نہ ایک دن اس دنیا سے جانا ہی تھا اور کسی نہ کسی بہانے اس جہان کو چھوڑنا ہی تھا تو اس کے لئے عین محراب مسجد سے بڑھ کر اور کون سی جگہ ہوسکتی تھی؟ اور ایک زہر آلود تلوار سے بہتر اور کون سا سبب ہوسکتا تھا؟ آپ کو ضرب اس وقت لگی جب آپ اپنے خدا کے ساتھ محو راز و نیاز تھے اور آپ کا دل مکمل طور پر خدا کی طرف متوجہ تھا۔

دنیا کے تمام دیندار افراد یہ خواہش کرتے ہیں کہ جب انہیں موت آئے تو اس وقت وہ دنیاوی خیالات میں مصروف نہ ہوں اور اس لحاظ سے حضرت علیؑ بڑے خوش نصیب تھے کہ آپ کو سجدے میں ضرب لگی۔ یہی وجہ تھی جب ظالم نے وار کیا تو آپ نے فرمایا: فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَةِ رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔ یعنی جو کچھ میں چاہتا تھا وہ مجھے مل گیا۔

الغرض شہادت خود حضرت علیؑ کی آرزو تھی۔ آپ موت کو کوئی ڈراؤنی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ جی ہاں! اگر موت ڈراؤنی تھی تو معاویہ کے لئے تھی کیونکہ وہ اس کی خوشیوں میں رکاوٹ تھی لیکن حضرت علیؑ کے لئے موت کوئی ڈراؤنی چیز نہیں تھی۔ آپ اسے دنیا کے مصائب سے چھٹکارے کا ذریعہ سمجھتے تھے اور آپ کی نظر میں موت وصالِ حق کا ذریعہ تھی۔

خوشی اور تکلیف نسبی ہیں

مروی ہے کہ ایک دن امام حسن مجتبٰی علیہ السلام نے نہا دھو کر لباس فاخرہ زیب تن کیا اور ایک عمدہ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ ایک غلام آپ کے ہمراہ تھا۔ الغرض فرزند رسولؐ بڑے پُروقار انداز سے جا رہے تھے اور سر راہ ایک مفلوک الحال یہودی گزر رہا تھا۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو بولا کہ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔

اس کی بات سن کر امام حسنؑ رک گئے اور فرمایا: کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

یہودی نے کہا: آپ کے نانا کا فرمان ہے کہ **الدنیا سجن المؤمن و جنة الکافر** یعنی دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔

اور جب مومن مرتا ہے تو اس کے لئے قید خانے کا دروازہ وا ہوتا ہے اور جب کافر مرتا ہے تو اس کے لئے جنت کا دروازہ بند ہوتا ہے۔ اب آپ ہی بتائیں اگر یہ حدیث صحیح ہے تو معاملہ الٹ کیوں ہے؟ یعنی آپ فارغ البال اور خوشحال کیوں ہیں اور میں مفلوک اور بدحال کیوں ہوں؟

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''جو کچھ میرے نانا جانؐ نے فرمایا ہے اس کا تعلق موت کے بعد کے حالات سے ہے۔''

مومن اس دنیا میں جتنی بھی آرام وہ زندگی بسر کرے جب اس کے دنیاوی آرام کی نسبت اخروی زندگی کی طرف کی جائے تو دنیاوی زندگی کا آرام اسے یوں دکھائی دے گا جیسے وہ اب تک زندان میں رہا ہو۔

مومن خواہ سو روپے میٹر والا لباس کیوں نہ پہنے پھر بھی وہ آخرت کے حریرو استبرق کے مقابلے میں انتہائی کم قیمت ہے۔ مومن خواہ دنیا جہان کی نعمتیں تناول کرے تب بھی یہ نعمتیں جنت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ مومن جتنی بھی قیمتی شیرینی استعمال کیوں نہ کرے پھر بھی آب کوثر کی شیرینی کے مقابلے میں اسکی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مومن کا کاٹیج قصر جنت کے مقابلے میں بے قیمت ہے۔

جب مومن آخرت کی نعمتیں دیکھے گا تو اسے دنیاوی نعمتیں حقیر معلوم ہوں گی اور وہ اپنی دنیاوی زندگی کو یوں محسوس کرے گا جیسے اب تک وہ قید خانے میں رہا ہو اور جہاں تک کافر کا معاملہ ہے تو کافر نے خواہ اس دنیا میں جتنی بھی مشکلات بھری زندگی بسر کی ہو جیسے ہی وہ مرے گا اور قبر کی ہولناکی کو دیکھے گا تو اسے اپنی مشکلات بھری زندگی بھی جنت محسوس ہونے لگے گی۔ اگر کسی کافر کو زندان میں سخت اذیت بھی دی جاتی رہی ہو لیکن مرنے کے بعد اسے وہی زندان جنت کا ٹکڑا محسوس

ہوگا۔ (بحارالانوار، جلد۳)

نسبت کو مدنظر رکھیں اور یہاں اور وہاں کے حالات کا موازنہ کریں۔ کافر دنیا میں خواہ جتنی بھی سختیاں جھیلے پھر بھی قبر، برزخ، حشر اور دوزخ کی سختیوں کے مقابلے میں دنیاوی سختیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور کافر کو اپنی دنیاوی سختیاں بھی جنت محسوس ہوں گی۔

رسول خداؐ نے فرمایا: کافر کو دوزخ کی آگ میں یوں جکڑا جائے گا جیسے دیوار میں میخ ٹھونکی ہوئی ہوتی ہے۔ کالوتدفی الجدار جس طرح سے دیوار میں میخ ادھر ادھر ہل نہیں سکتی اسی طرح سے کافر بھی دوزخ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوگا۔

امام علیہ السلام سے پوچھا گیا: بھلا جن لوگوں کو صلیب پر چڑھایا جاتا ہے (اور ان میں سے بعض افراد کئی ماہ تک صلیب پر چڑھے رہتے ہیں) تو کیا ان کے لئے فشار قبر نہیں ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جو زمین کا خدا ہے وہی ہوا کا خدا ہے۔ یعنی خدا کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مردے کا جسم قبر میں جائے تو ہی وہ عذاب دے بلکہ وہ تو اس بات پر قادر ہے کہ اس کی روح کو فضا اور ہوا میں فشار دیدے اور جو لوگ عذاب کے حقدار ہیں ان کا بدن خواہ کہیں بھی کیوں نہ ہو ان کی روح کو عذاب دیا جاتا ہے اور اسے تاریکی میں قید کردیا جاتا ہے۔ مقصد گفتگو یہ ہے کہ برزخ کے زندان کو دیکھ کر کافر کو دنیا کا زندان جنت محسوس ہوگا۔

اہل دوزخ کے لئے دنیا کا تنور بھی آرام گاہ ہے

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی کافر کو دوزخ سے نکال کر دنیا کے تنور میں ڈال دیا جائے تو وہ اس بھڑکتے ہوئے تنور کو بھی اپنے لئے آرام گاہ سمجھے گا اور اسے اس میں نیند آنے لگے گی۔

خداجانے دوزخ کی آگ کتنی سخت ہوگی جس کے مقابلے میں دنیا کی آگ آرام دہ محسوس ہوگی۔ قرآن نے دوزخ کی آگ کو نارٌحامیة بھڑکتی ہوئی آگ کہا ہے۔

آخرت کی آگ کے مقابلے میں دنیا کی آگ سرد ہے۔ یاد رکھیں اس دنیا میں بھی آگ کی تپش یکساں نہیں ہے۔ تنور اور بھٹی کی آگ میں بھی فرق ہے۔ آسمانی بجلی کی تپش اتنی سخت ہوتی ہے کہ پہاڑوں تک کو جلا کر راکھ کردیتی ہے اور اگر سرسبز جنگلات پر گرے تو جنگل کا جنگل تباہ ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی آسمانی بجلی اتنی تیز ہوتی ہے کہ سمندر کے کسی حصے پر گرے تو پانی سے گزر کر مچھلیوں تک کو بھون ڈالتی ہے۔ خدایا یہ کیسی آگ ہے جسے سمندر کا پانی بھی نہیں بجھا سکتا۔

قطرۂ اشک کی تاثیر

دوزخ بھی خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ کا نام ہے اور وہ اتنی تیز آگ ہے جسے دنیا کے سات سمندر بھی نہیں بجھا سکتے۔ میں نے اس کے متعلق بڑی جستجو کی کہ کیا کوئی ایسی چیز بھی دنیا میں موجود ہے جو آتش دوزخ کو بجھا سکتی ہو؟ اسے خوش قسمتی کہئے کہ مجھے وہ چیز مل گئی ہے جو آتش دوزخ کو بھی بجھا سکتی ہے اور وہ چیز ہم سب کی دسترس میں ہے لہٰذا ہمیں اس کی خوب قدر کرنی چاہئے۔

دنیا میں پانی کا ایک ایسا قطرہ موجود ہے جو آتش دوزخ کے شدید ترین الاؤ کو آن واحد میں بجھا سکتا ہے۔ یاد رکھیں وہ قطرہ خوف خدا میں گرنے والا آنسو کا قطرہ ہے۔

جب بھی مومن اپنے گناہوں کو دیکھ کر عذاب خدا کا تصور کرتا ہے تو عذاب کے تصور سے اس کے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور خوف کی وجہ سے دل میں درد پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے آنکھ سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور ان آنسوؤں میں اتنی زیادہ قوت ہے کہ آتش دوزخ کو بھی ختم کر سکتے ہیں۔

حدیث میں ہے: ان بین الجنة والنار عقبة لا یجوزها الا البکاؤن من خشیة اللّٰہ. یعنی جنت و دوزخ کے درمیان ایک گھاٹی ہے جسے خوف خدا میں رونے والوں کے علاوہ کوئی پار نہیں کرسکے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: "ما ایسر اللیلتین" دو راتیں تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ ۲۱/اور ۲۳/ رمضان کی راتیں اپنی آخرت کے لئے وقف کردو۔ ان راتوں میں بیدار رہ کر خدا کو یاد کرو۔ البتہ یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ خدا کو دیدۂ بیدار نہیں، دل بیدار چاہیے۔ ان راتوں میں اپنی تمام کوتاہیوں، غلطیوں، لغزشوں اور دانستہ و نادانستہ گناہوں کو سامنے رکھو اور خداوند عالم سے گڑگڑا کر معافی مانگو۔

تفسیر برہان میں اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ (سوائے اس کے جس پر تیرے رب نے رحم کیا اور رحم کے لئے تو خدا نے انہیں پیدا کیا ہے) کے ضمن میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ میرے بندے آئیں اور اپنا عذر بیان کریں اور مجھ سے باتیں کریں تاکہ میں ان پر رحم کروں۔

خلقت کے اعضاء و جوارح کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان اپنی زبان سے معذرت کرے، اپنے دل سوختہ اور چشم گریاں سے خدا کو پکارے اور اس طرح سے اس کے دریائے رحمت میں تلاطم پیدا کردے۔ اے پروردگار! ہمارے اندر دعا کی کیفیت پیدا فرما۔ ہمارے اندر دعا کا شوق پیدا تو ہوتا ہے لیکن حقیقی جذب و ذوق پیدا نہیں ہوتا۔ اسی نکتے کو امام سجادؑ نے یوں بیان فرمایا ہے من این لی البر یارب ولا یوجد الامن عندک ومن این لی النجاۃ ولاتستطاع الابک اے خدا! میں اچھائی اپنی کوشش سے بھلا کیسے حاصل کرسکتا ہوں جبکہ وہ تو تیری طرف سے عطا ہوتی ہے اور میں نجات کیسے حاصل کرسکتا ہوں جبکہ وہ تیرے بغیر ممکن نہیں ہے۔ (دعائے ابوحمزہ ثمالی)

خدایا! ہم سب کو حالت دعا نصیب فرما اور ہمیں حالت توبہ عنایت فرما۔ آمین یارب العالمین۔

ذاتِ علیؑ

حضرت علی علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری ایام تک وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ کبھی بازار میں میثم تمارؒ کی دکان پر اور کبھی کسی اور جگہ پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں قرآن مجید ہوتا تھا اور آپ لوگوں کو آیات الٰہی سنایا کرتے تھے مثلاً: تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۝ یعنی آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے قرار دیں گے جو زمین میں برتری اور فساد کے طلبگار نہ ہوں گے اور آخری انجام تو پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ (سورۂ قصص: آیت ۸۳)

اس آیت مبارکہ سے آپ دکانداروں اور کاریگروں کو یہ باور کراتے تھے کہ خبردار برتری کی کوشش نہ کرنا۔ اپنی دکان کو زرق برق بنا کر دوسرے کا حق نہ مارنا۔ الغرض آپ کا کام لوگوں کو وعظ و نصیحت ہوتا تھا۔

علیؑ کو صرف خدا اور پیغمبر اکرمؐ نے پہچانا

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یا علیؑ! تجھے خدا اور میرے علاوہ کسی نے نہیں پہچانا اور خدا کو میرے اور تیرے علاوہ کسی نے نہیں پہچانا اور مجھے خدا اور تیرے علاوہ کسی نہیں پہچانا۔''

حضرت علیؑ کی حقیقی قدر و منزلت کو خدا اور رسول خداؐ کے سوا کوئی نہیں

جاننا۔ خدا اور رسول خداؐ کے سوا باقی جتنا کچھ کسی نے بھی علیؑ کو پہچانا ہے وہ صرف اپنے ادراک کی حد تک ہی پہچانا ہے۔ کوئی بھی حضرت علیؑ کی حقیقی سرحد فضیلت کو نہیں پہچان سکتا۔ کائنات کے تمام اہل عقل و دانش نے آج تک جو کچھ بھی حضرت علیؑ کے متعلق کہا ہے وہ صرف ان کے معیار فہم کے مطابق ہے۔

اسم لفظی وتکوینی، آیت وکلمہ

اس عالم ہست و بود کے تمام اجزا خداوند عالم کا ''اسم'' ہیں البتہ وہ اسم لفظی نہیں بلکہ اسم تکوینی ہیں۔

اسم لفظی وہ اسم ہیں جن کو لفظوں سے ادا کیا جاتا ہے جیسے اللہ، رحمٰن، رحیم اور اسم تکوینی سے مراد کائنات کی تمام وہ چیزیں ہیں جو ذات خداوندی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ کبھی کبھی ''خارجی وجود'' بھی کسی مخصوص شخص کی یاد دلانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ ایسا خارجی وجود اسم تکوینی کے زمرے میں آتا ہے مثلاً ایک شخص شکل وصورت رفتار و گفتار کے لحاظ سے اگر اپنے والد کی ہو بہو شبیہ ہو کہ اسے دیکھ کر ہی لوگ کہنے لگیں کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے۔ یقیناً ایسا بیٹا اپنی شکل وصورت اور انداز و اطوار کے لحاظ سے اپنے والد کی یاد دہانی کا ذریعہ ہے۔

کبھی لفظ کسی کے تعارف کا ذریعہ بنتے ہیں اور کبھی مجسم شخصیت کسی کے تعارف کا ذریعہ بنتی ہے تو ہر وہ چیز جو کسی کے وجود کے لئے برہان کا کام دے اسے آیت کہتے ہیں۔ آیت کے لفظی معنی ہیں نشانی۔

''اسم'' اس علامت کو کہا جاتا ہے جو کسی کو یاد کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہو اور ''کلمہ'' اس لفظ کو کہا جاتا ہے جس سے مافی الضمیر کا اظہار کیا جائے۔ کبھی کلمہ لفظ کی شکل میں ہوتا ہے اور اگر کبھی خارجی وجود کسی مخفی امر کو ظاہر کرنے کا ذریعہ بن جائے تو وہ وجود بھی کلمہ کہلاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلمہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ لفظی کلمہ جو الفاظ سے ادا ہو اور تکوینی کلمہ جو کسی مخفی چیز پر دلالت کرے۔

تمام موجودات آیات خدا ہیں

تمام اجزائے ہستی، تمام ذرات عالم، تمام درختوں کے پتے، بارش کے تمام قطرے الغرض کائنات کی ہر چیز خدا کا اسم اور خدا کی آیت اور خدا کا کلمہ ہے۔ عالم ہستی کے تمام ذرات کلمات اللہ ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے کیا ہی خوب کہا تھا:

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار   ہر ورقش دفتری است معرفت کردگار

ایک سمجھدار شخص کے لئے درختوں کے پتے معرفت پروردگار کی کتاب کے اوراق ہیں۔

ہر پتہ اور ہر پھول پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میرا بنانے والا لطیف، قوی اور حکیم ہے۔ آپ دیکھیں کہ ایک درخت کے ہزاروں پتے ہیں اور ہر پتے کو پانی کی ضرورت ہے۔ مگر ہم ہر پتے تک پانی پہنچانے سے عاجز ہیں۔ ہم ایک ڈول پانی بھر کر درخت کی جڑوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہمارا کام ختم ہو جاتا ہے۔ پھر وہ جڑیں پانی جذب کر کے تنے تک پہنچاتی ہیں اور تنے سے وہ پانی ایک ایک پتے تک پہنچتا ہے اور کوئی بھی پتہ پانی سے محروم نہیں رہتا اور ہر پتہ پانی پی کر تروتازہ ہو جاتا ہے۔

ہر گیاہی کہ از زمین روید   وحدہٗ لاشریک لہ گوید

زمین سے اگنے والی روئیدگی پکار پکار کر زبان حال سے وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ کہتی ہے۔

لہٰذا اگر ہم یہ کہیں کہ تمام اجزائے عالم خدا کی آیات ہیں، ہر جزو ایک ایک آیت ہے، خدا کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی بولتی نشانی ہے تو ہماری یہ بات مکمل طور پر صحیح ہوگی۔ اگر ہم یہ کہیں کہ تمام اجزائے عالم ''اسمائے الٰہی'' ہیں جیسا کہ

حضرت علی علیہ السلام نے دعائے کمیل میں ارشاد فرمایا ہے. وباسمائک التی ملات ارکان کل شیی‌ء. یعنی اے پروردگار! تجھے تیرے ناموں کا واسطہ جنہوں نے عالم وجود کو پُر کیا ہوا ہے۔ یقیناً دعائے کمیل کے ان لفظوں میں اسمائے تکوینی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ کائنات کے تمام ذرات خدا کے اسم ہیں۔ خدا کے کلمات ہیں اور خدا کے یہ کلمات اتنے زیادہ ہیں کہ سمندروں کی سیاہی ختم ہوسکتی ہے لیکن کلمات الٰہی ختم نہیں ہوسکتے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ کہف میں فرماتا ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ○ کہہ دیجئے میرے رب کے کلمات کے لئے اگر سمندر سیاہی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا مگر میرے رب کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ (سورۂ کہف: آیت ۱۰۹)

اسی مفہوم کو اللہ نے سورۂ لقمان میں یوں بیان فرمایا ہے: وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ○ اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور سات سمندر سیاہی بن جائیں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ (سورۂ لقمان: آیت ۲۷)

فضائے بسیط کے لاتعداد کرات جن کے متعلق اہل تحقیق کہتے ہیں کہ خدا نے ایسے ایسے کرے پیدا کیے ہیں جن کی روشنی ابھی تک زمین پر نہیں پہنچی ہے۔ (خدا جانے وہ کتنے دور ہوں گے؟) جبکہ روشنی ایک سیکنڈ میں تین ہزار کلومیٹر کا سفر طے کرتی ہے اس کے باوجود ابھی تک ان کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ پائی۔ اسی طرح کے لاکھوں، کروڑوں کرات موجود ہیں۔ کائنات میں ایسا شخص کون ہے جو ان تمام کرات کے نام اور ان کی تفصیل لکھ سکے؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سمندر بھی سیاہی بن جائیں تو بھی کلمات اللہ ختم نہیں ہوں گے۔

حضرت علیؑ اسم اعظم ہیں

ملک وملکوت کے تمام اجزائے ہستی اسمائے الٰہی ہیں لیکن خدا کا ایک تکوینی اسم اعظم بھی ہے اور وہی اللہ کی سب سے بڑی آیت ہے۔ ویسے تو خدا کے تمام کلمات کامل ہیں لیکن وہ ذات جو تمام کلمات تامہ میں کلمۂ اتم، خدا کا تکوینی اسم اعظم اور آیت اللہ الکبریٰ ہے وہ اسداللہ الغالب علی ابن ابیطالبؑ کی ذات گرامی ہے۔

ہم دعائے سحر میں پڑھتے ہیں: اللّٰھم انی اسئلک من اسمائک باکبرھا و کل اسمائک کبیرۃ. اللّٰھم انی اسئلک من ایاتک باعظمھا و کل ایاتک عظیمۃ. اللّٰھم انی اسئلک من کلماتک باتمھا و کل کلماتک تامۃ. یعنی خدایا! میں تجھے تیرے سب سے بڑے نام کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جبکہ تیرے سارے نام ہی بڑے ہیں۔ خدایا! میں تجھے تیری سب سے بڑی آیت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جبکہ تیری ساری آیات ہی بڑی ہیں۔ خدایا! میں تجھے تیرے کلمات میں سے سب سے کامل کلمے کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جبکہ تیرے سارے کلمات ہی کامل ہیں۔

اللہ کے سارے لفظی اور تکوینی کلمات اس کی ذات پر دلالت کرتے ہیں لیکن کسی نبی، امام یا ولی نے خدا کی عظمت، علم وقدرت اور اسماء وصفات کو اس طرح سے اجاگر نہیں کیا جیسا کہ ہمارے آقا ومولا علی علیہ السلام نے کیا ہے۔ حضرت کی برکت کی وجہ سے مخلوق کو خالق کی معرفت نصیب ہوئی اور آپ کی دوستی کی برکت سے لوگوں کا غیب الغیوب اور عالم اعلیٰ سے ارتباط قائم ہوا۔ آپ حضرت علیؑ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو آپ کو پتا چلے گا کہ حضرت علیؑ، خدا کی کتنی بڑی آیت ہیں۔

بہ کعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

اولین وآخرین میں سے آج تک کسی کی ولادت اتنی اہم نہیں ہے جتنی کہ مولا علیؑ کی ہے۔ خدا کائنات کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ دیکھو علیؑ تم جیسا انسان نہیں

ہے وہ ہر جہت اور ہر انداز میں تم سے بلند و بالا ہے۔

مولا علیؑ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد چاہتی ہیں کہ ان کے مولود کی ولادت کعبۃ اللہ میں ہو۔ چنانچہ انہوں نے دعا کے لئے غلاف کعبہ کو تھاما۔ ابھی ان کے لبوں پر دعا کے الفاظ ختم ہوا ہی چاہتے تھے کہ دیوار کعبہ شگافتہ ہوئی اور فاطمہ بنت اسد کعبے میں داخل ہوئیں۔ جیسے ہی آپ اندر گئیں وہ دیوار مل گئی۔ آپ مسلسل تین دن تک خانۂ کعبہ میں قیام پذیر رہیں۔ تین دن کے بعد آپ خدا کے گھر سے خدا کے شیر علی ابن ابی طالبؑ کو ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے اس ٹوٹی ہوئی دیوار سے باہر تشریف لائیں۔ تین دن تک آپ خدا کے گھر میں خدا کی مہمان رہیں اور طعام جنت تناول کرتی رہیں۔[۱] ہر دور کے عربی و فارسی شعراء نے مولود کعبہ کے متعلق منظوم کلام کہا ہے اور علمائے اہلسنت بھی اس واقعے کی تصدیق کرتے ہیں۔

کیا عظمت ہے کہ پاک ترین ہستی پاک ترین مقام پر پیدا ہوئی اور اس کا نام نامی خود اللہ رب العزت نے رکھا۔

گہوارے میں بھی علیؑ کے ہاتھ خدا کی طرف بلند رہے

حضرت علیؑ کائنات کا دیومالائی سچ ہیں۔ ولادت کے بعد ان کی والدہ نے انہیں کپڑے میں لپیٹا تو انہوں نے ایسی انگڑائی لی کہ کپڑا دو ٹکڑے ہوگیا۔ پھر ان کی

۱۔ علامہ سید اسمٰعیل شیرازی نے کہا تھا:

ھا علیٌ بشر کیف بشر ربہ فیہ تجلی و ظھر
ھذہ فاطمۃ بنت اسد اقبلت تحمل لاھوت الابد
فاسجدوا ذلالہ فیمن سجد فلہ الا ملاک خرت سجدا
اذ تجلی نورہ فی آدمٌ

حضرت علیؑ بشر ہیں مگر ایسے بشر کہ ان کا رب ان میں متجلی ہوا اور ان کی وجہ سے ظاہر ہوا۔ یہ فاطمہ بنت اسد ہیں جو لاہوت ابد کو اٹھا کر لائیں۔ ملائکہ نے حضرت آدمؑ کو اس لئے سجدہ کیا تھا کہ ان کی صلب میں حضرت علیؑ کا نور تھا۔ (سفینۃ البحار، جلد۲، ص ۲۳۰)

والدہ نے دو کپڑوں کے ساتھ بیٹے کے جسم کو بندھن میں لپیٹا اور ان کے ہاتھ کپڑے میں بند کردیئے۔ اب کی بار بھی انہوں نے جو انگڑائی لی تو ہاتھ کپڑے کے بند سے باہر نکال لئے۔ تب ان کی والدہ نے انہیں سات مضبوط کپڑوں میں لپیٹا مگر خدا کے ولی نے اس بار بھی انگڑائی لی اور مضبوط کپڑے پھٹ گئے اور آپ نے اپنے ہاتھ بندھن سے باہر نکالے اور ماں سے فرمایا: مادر گرامی! آپ میرے ہاتھوں کو آزاد رہنے دیں کیونکہ میں نے اپنے خدا کے سامنے ہاتھ دراز کرنے ہیں۔ (غایۃ المرام، تالیف سید ہاشم بحرانی)

حضرت علیؑ نے بندھن کو پھاڑ کر عملی طور پر یہ بتادیا کہ گھوارے سے لے کر زندگی کے آخری سانس تک انسان کے ہاتھ صرف خدا کے سامنے دراز ہونے چاہئیں۔ خدا کے علاوہ انسان کو غیراللہ کے سامنے ہاتھ دراز نہیں کرنے چاہئیں۔

آپ کو اس پر کبھی تعجب نہ ہونا چاہئے کہ حضرت علیؑ نے بچپن میں اپنی ماں کا باندھا ہوا مضبوط بندھن کیسے پھاڑا؟

عزیزان محترم! یہ علیؑ کے ہاتھ ہیں جو یداللہ ہے، یہ وہ ہاتھ ہے جس نے درخیبر کو اکھاڑا تھا جسے چالیس آدمی کھولتے اور بند کرتے تھے۔ قوت یداللٰہی کے قربان جایئے کہ آپ نے درخیبر کو اکھاڑ کر چالیس ہاتھ دور پھینک دیا اور پھر وہی دروازہ خندق پر رکھ دیا اور لشکر اسلام سے کہا کہ اس پر سے خندق عبور کرے۔

حضرت علیؑ دیومالائی قوت کے مالک تھے

عمرو بن عبدود عرب کا مانا ہوا سورما اور بہادر شخص تھا۔ وہ اتنا طاقتور تھا کہ اونٹ کو اٹھا کر اپنی سپر بنالیتا تھا اور ایک ہزار افراد سے تن تنہا جنگ کرتا تھا۔ اس کی بہادری کے سبب عرب کا کوئی بہادر مقابلے پر آنے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔ یہی عمرو بن عبدود جنگ احزاب میں خندق پار کر کے رسول مقبولؐ کے خیمے کے بالمقابل آ کر

مبارزطلبی کرنے لگا۔ مگر کوئی بھی صحابی اس کے مقابلے پر جانے کے لئے تیار نہ ہوا۔
حضرت علی علیہ السلام اس کے مقابلے کے لئے آگے بڑھے۔

عمرو نے آپ سے کہا: اے نوجوان! تو کون ہے؟

آپ نے فرمایا: میں علی ابن ابی طالبؑ ہوں۔

عمرو نے کسی نجومی سے بچپن میں یہ سن رکھا تھا کہ اس کے قاتل کا نام علیؑ ہوگا۔ جب اس نے لفظ علی سنا تو دل میں گھبرا گیا اور سوچنے لگا کہ کسی نہ کسی طرح سے علیؑ کو مرعوب کر کے واپس کردے تو وہ بچ جائے گا۔ چنانچہ اس نے حضرت علیؑ کو نفسیاتی طور پر مرعوب کرنے کی کوشش کی اور کہا تو ابھی نوخیز جوان ہے، ابھی تو تیرے منہ سے دودھ کی خوشبو آتی ہے، تو مجھ سے بھلا کیسے جنگ کرے گا؟ معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ کو صحیح اندازہ نہیں تھا، اسی لئے اس نے تجھے میرے مقابلے پر بھیج دیا، اس وقت تیری کیا حالت ہوگی جب میں تجھے اپنے نیزے پر بلند کر کے اٹھاؤں گا اور تو آسمان و زمین کے درمیان چکر لگا رہا ہوگا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اس لاف گزاف کو رہنے دے، تو اگر مجھ سے نہیں لڑنا چاہتا تو تیری مرضی لیکن میں تجھ سے جنگ کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تو یہ کہتا ہے کہ جو شخص بھی تجھ سے تین مطالبے کرے گا تو تو اس کا ایک مطالبہ مانے گا۔

عمرو بن عبدود نے کہا: ہاں! یہ صحیح ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اچھا سن! میرا تجھ سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ تو اسلام قبول کرلے۔

اس نے کہا: یہ ناممکن ہے، کوہ ابوقبیس کو اٹھانا آسان ہے لیکن لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کہنا مشکل ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: پھر میرا تجھ سے دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ واپس چلا جا۔

اس نے کہا: ایسا نہیں ہوسکتا، میں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کی منت

مانی ہوئی ہے اور جنگ بدر کا بدلہ لینے کا عہد کیا ہوا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اچھا اگر یہ بات ہے تو پھر مجھ سے جنگ کر لیکن تو سوار ہے اور میں پیادہ ہوں، تجھے گھوڑے سے اتر کر جنگ کرنی چاہئے۔

عمرو بن عبدود نے کہا: تمہارا یہ مطالبہ انصاف پر مبنی ہے۔

یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے نیچے اترا اور اس نے حملے میں پہل کی۔ اس کی تلوار حضرت علیؑ کے سر پر لگی جس سے آپ کو ہلکا سا زخم آیا اور اسی زخم پر انیس ماہ رمضان کی شب ابن ملجم نے ضرب لگائی تھی۔

پھر حضرت علیؑ نے اس پر حملہ کیا اس سلسلے میں مورخین کے دو اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ حضرت نے اس کی گردن پر وار کیا اور اس کا سر جدا کر دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت نے اس کے پاؤں پر حملہ کیا جس سے اس کے دونوں پاؤں کٹ کر دور جا گرے اور پاؤں کے کٹنے کی وجہ سے وہ زمین پر گرا۔ پھر آپ نے اس کا نجس سر اس کے تن سے جدا کر دیا۔

رسول خداؐ نے اپنے بھائی کے زبردست وار کی فضیلت بتاتے ہوئے فرمایا: **ضربة علی یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین.** یعنی خندق کے دن علیؑ کا ایک وار تمام جنوں اور انسانوں کی عبادت سے افضل ہے۔

اس سلسلے میں روایات متواترہ مروی ہیں۔ (بحارالانوار، جلد۹)

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علیؑ دیومالائی قوت کے حامل تھے۔ دنیا کے ہر سورما کی شجاعت کی ایک حد ہے لیکن حضرت علیؑ کی شجاعت کی کوئی حد نہیں ہے۔

حاملہ لڑکی کے متعلق حضرت علیؑ کا فیصلہ

مورخین لکھتے ہیں کہ ایک دن ایک لڑکی کو حضرت علیؑ کے پاس لایا گیا جو زار و قطار رو رہی تھی۔ وہ اپنے باپ اور بھائی کے ہمراہ آئی تھی۔

لڑکی کے باپ نے کہا: امیرالمومنینؑ! یہ میری بیٹی ہے اور بہت سے عرب سرداروں نے مجھ سے اس کا رشتہ طلب کیا تھا لیکن بعد میں حالات کچھ ایسے ہوئے کہ ہمارا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ اب یہ لڑکی حاملہ ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس کے باوجود ابھی تک باکرہ ہے۔ ہم نے دائی کو بلا کر اس کا معائنہ کرایا ہے تو اس نے تفصیلی معائنے کے بعد کہا ہے کہ یہ باکرہ ہے مگر اس کے باوجود حاملہ بھی ہے۔ ہم نے ایک طویل سفر کیا ہے اور آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہماری مشکل حل فرمائیں۔

امیرالمومنینؑ کے حکم سے ایک پردہ لٹکایا گیا اور آپ نے ایک دائی کو بلا کر لڑکی کے طبی معائنے کا حکم دیا۔

دائی نے معائنہ کیا تو اس نے کہا کہ امیرالمومنینؑ! میں گواہی دیتی ہوں کہ یہ لڑکی بیک وقت باکرہ بھی ہے اور حاملہ بھی۔

پھر آپ نے لڑکی سے فرمایا: اس معاملے میں تیرا موقف کیا ہے؟

لڑکی نے رو رو کر کہا: امیرالمومنینؑ! میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے خیانت نہیں کی اور مجھے نہیں معلوم کہ یہ حمل کیسے ہوگیا ہے؟

آپ نے فرمایا: کوئی بات نہیں۔ ابھی معلوم ہو جائے گا۔

یہ روایت دو طرح سے آئی ہے۔ ممکن ہے کہ دو واقعات الگ الگ ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں جو سبز کائی پیدا ہوتی ہے وہ لائی جائے۔ جب سبز کائی آ گئی تو آپ نے دائی سے فرمایا: اس لڑکی کو پردے میں لے جاؤ اور کائی بھرے تھال پر بٹھاؤ۔ پھر جو کچھ تمہیں دکھائی دے اس سے مجھے مطلع کرو۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ نے لڑکی کے باپ سے فرمایا: یہ بتاؤ تمہارے علاقے میں برف بھی ہوتی ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں! ہمارے پہاڑوں پر برف گرتی ہے۔

آپ نے فرمایا: کیا تم وہاں سے برف لا سکتے ہو؟

اس نے کہا: امیرالمومنینؑ! یہ ناممکن ہے کیونکہ ہمارا وطن کوفہ سے دو سو پچاس فرسخ دور ہے اور یہاں سے وہاں جانا اور پھر وہاں سے برف لے کر یہاں آنا بہت ہی مشکل ہے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: مگر مسئلہ ہی ایسا ہے جس کے لئے برف کی ضرورت ہے۔

یہ سن کر لڑکی کا باپ سخت پریشان ہوگیا۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خدا اپنی قدرت کو ابھی ظاہر کرے گا۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ دراز کیا اور جب آپ کا ہاتھ واپس آیا تو اس میں کوہ شام کی برف کے ٹکڑے موجود تھے۔ پھر آپ نے وہ برف تھال میں رکھی اور لڑکی سے فرمایا کہ تم پردے میں چلی جاؤ اور اس برف کے اوپر بیٹھ جاؤ۔ کچھ دیر بعد تمہارے شکم سے ایک کیڑا برآمد ہوگا جس کا وزن سات سو پچاس مثقال ہوگا۔

لڑکی پردے کے پیچھے گئی اور برف کے تھال پر جا کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد اس کے رحم سے بڑا سا کیڑا برآمد ہوا۔ اس کے بعد لڑکی کپڑے پہن کر مولا کے پاس آئی اور کہا: امیرالمومنینؑ! یہ کیڑا میرے پیٹ سے برآمد ہوا ہے۔

آپ نے لڑکی سے فرمایا: کبھی تو ٹھہرے ہوئے پانی میں نہانے کے لئے بھی گئی تھی؟

لڑکی نے کہا: جی ہاں! ہمارے محلے کے قریب ایک تالاب ہے جہاں میں کئی بار نہانے کے لئے گئی تھی۔

آپ نے فرمایا: جب تو نہا رہی تھی تو وہاں ایک چھوٹا سا کیڑا تیرے بدن

میں داخل ہوگیا تھا اور پھر تیرے پیٹ میں وہ پرورش پاتا رہا اور آج جب اسے کائی کی خوشبو محسوس ہوئی تو وہ خود بخود تیرے شکم سے نکل آیا ہے۔

حضرت کا یہ فیصلہ سن کر حاضرین نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی۔

(بحارالانوار، جلد۹)

اس واقعے سے یہ بتانا مقصود تھا کہ علیؑ صرف عالم ہی نہیں تھے بلکہ خدا نے انہیں قوت ولایت سے سرفراز کیا تھا۔ جب انہوں نے کوفے سے ہاتھ بلند کیا تو ان کا ہاتھ کوہ شام تک پہنچا اور وہاں سے برف اٹھا کر دوبارہ کوفہ آ گیا۔ آخر ایسا کیوں نہ ہو؟ کیونکہ علیؑ آیت اللہ الکبریٰ ہیں۔ علیؑ، خدا کا اسم اعظم ہیں اور آپ رب العالمین کا تعارف کرانے والے ہیں۔

جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

دنیا میں ہر طاقتور شخص کی طاقت کا راز اس کی غذا میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ آج کل خوراک کے طاقت دینے والے اجزاء کو وٹامن کہا جاتا ہے۔ وٹامن جزو بدن بنتے ہیں اور انسان طاقتور بنتا ہے۔ ہر شخص مادی خوراک سے قوت حاصل کرتا ہے۔ لیکن حضرت علیؑ کی قوت خوراک کی مرہون منت نہیں تھی۔ ان کی قوت کا تعلق مادہ سے نہیں تھا۔

حضرت علیؑ کی خوراک کیا تھی؟

سوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ میں امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت علیؑ کے لئے دسترخوان بچھایا گیا۔ اس پر آپ کے لئے کھٹی لسی اور جو کی ایک خشک روٹی رکھی گئی۔ وہ روٹی اتنی سخت تھی کہ آپ نے زانو کے ساتھ اس کے چار ٹکڑے کئے اور ان کو لسی میں بھگو کر نرم کیا اور وہ روٹی تناول فرمائی۔

حضرت کی یہ غذا دیکھ کر مجھے بہت رحم آیا اور میں نے حضرت کے اہل

خانہ سے کہا کہ حضرت اس وقت بوڑھے ہو چکے ہیں انہیں مقوی غذا کی ضرورت ہے۔ آپ حضرات کم از کم اتنا تو کریں کہ ان کی روٹی پر زیتون کا تیل ہی لگا دیا کریں تا کہ روٹی چبانے کے قابل ہو سکے۔

حضرت کے اہل خانہ نے جواب دیا: ہم کیا کریں، حضرت خود ہی اس پر راضی نہیں ہوتے۔ آپ کپڑے میں جو کی خشک روٹی رکھ کر خود ہی گرہ دے دیتے ہیں اور کسی میں یہ جرأت نہیں ہے کہ اس گرہ کو کھول کر اس میں کچھ ملا دے۔ آپ خود ہی ایسی غذا کو پسند کرتے ہیں۔ (بحارلانوار، جلد۹)

حضرت علیؑ کی غذا کے متعلق یہ واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

ایک دفعہ سفیر روم کوفے آیا۔ امام حسنؑ مہمانداری کے نگران تھے۔ چند دن سفیر امام حسنؑ کا مہمان رہا۔ رات اس نے مسجد میں ایک شخص کو انتہائی غریبانہ کھانا کھاتے ہوئے دیکھ لیا۔ جب کھانے کا وقت ہوا اور اس کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔

امام حسنؑ نے اس سے انکار کی وجہ پوچھی تو سفیر نے بڑی حسرت سے کہا: آج میں نے ایک شخص کو انتہائی غریبانہ کھانا کھاتے ہوئے دیکھا ہے اس لئے میرا دل کھانا کھانے کو نہیں چاہ رہا۔ البتہ اگر آپ کچھ کھانا اس غریب کے لئے بھی بھیج دیں تو پھر میں مطمئن ہو جاؤں گا اور کھانا کھاؤں گا۔

امام حسنؑ نے پوچھا: تم نے اسے کہاں دیکھا تھا اور اس کا حلیہ کیا تھا؟

سفیر نے کہا: کل رات نماز ختم ہونے کے بعد میں مسجد میں گیا تو وہاں ایک عربی کو دیکھا (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خصوصی لباس نہیں پہنتے تھے اور ایک عام آدمی آپ کو دیکھ کر پہچان نہیں سکتا تھا کہ آپ ہی خلیفۃ المسلمین ہیں) اس نے افطار کے وقت دسترخوان کی گرہ کھولی اور اس میں سے جو کے آٹے کی ایک چٹکی منہ میں ڈالی اور پانی کا ایک گھونٹ پیا۔ اس نے مجھے بھی شریک ہونے کی دعوت دی

مگر میں اس کی خوراک نہیں کھاسکا۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا لہٰذا اگر آپ اس عربی کے لئے بھی یہاں سے کچھ کھانا بھجوائیں تو میں کھانا کھاؤں گا ورنہ نہیں۔

جب سفیر روم نے یہ داستان سنائی تو امام حسنؑ کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ آپ نے فرمایا: تم جس کی بات کررہے ہو وہ میرے والد علیؑ ہیں۔ وہی امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین ہیں اور یہی ان کی خوراک ہے۔

یہ واقعہ احقاق الحق جلد ہشتم صفحہ۲۸۲ اور ینابیع المودۃ صفحہ ۱۴۷ میں یوں مرقوم ہے کہ اشراف عرب میں سے ایک شخص نماز عشاء کے بعد مسجد میں داخل ہوا۔ اس وقت لوگ نماز پڑھ کر وہاں سے جاچکے تھے۔ وہاں حضرت علیؑ موجود تھے اور آپ کھانا کھارہے تھے۔ وہ شخص جب نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو حضرت علیؑ نے اسے بلوایا اور اپنا کھانا اس کے سامنے رکھا اور اسے کھانے کے لئے کہا۔

وہ شخص حضرت کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ مسجد سے اٹھا اور امام حسن مجتبیٰؑ کے پاس آیا اور عرض کیا: میں نے ایک غریب شخص کو جو کی خشک روٹی کھاتے ہوئے مسجد میں دیکھا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے دسترخوان سے کچھ طعام اٹھا کر اس کے لئے لے جاؤں گا؟

اس شخص کی یہ بات سن کر حضرت حسنؑ رو دیئے اور فرمایا: وہ میرے والد محترم امیرالمومنین ہیں۔ انہوں نے اپنے لئے نان جویں پسند کررکھا ہے۔

الغرض حضرت کی قوت کسی مادہ اور وٹامن کی مرہون منت نہیں تھی۔ آپ کے پاس روحانی، غیبی اور ماوراء الطبیعیاتی قوت تھی۔ آپ آیت اللہ اور خداوند عالم کا اسم اعظم تھے۔ میں نے پہلے عرض کیا زندگی کے آخری ایام میں آپ افطار کے وقت صرف تین لقمے تناول کیا کرتے تھے۔ آپ کی سادگی کی انتہا یہ تھی کہ جب آپ کے سامنے دودھ اور نمک رکھا گیا تو فرمایا: دودھ اٹھالو میرے لئے نمک ہی بطور سالن کافی ہے۔ آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میں خلیفۃ المسلمین ہوں اسی لئے مجھے

امت کے غریب ترین فرد کی سی زندگی بسر کرنی چاہیے۔

خدارا آپ خود بتائیں کہ حضرت علیؑ کی یہ قوت، طاقت، شجاعت مادہ کی مرہون منت تھی؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کو اپنی سب سے بڑی نشانی بنا کر بھیجا تاکہ لوگ آپ کو دیکھ کر خدا کی دوسری نشانیوں کو سمجھ سکیں اور اسداللہ الغالب کی طاقت کو دیکھ کر قدرت غیبی پر یقین پیدا کرسکیں۔ ہاں ہاں! علیؑ کی قوت کو دیکھ کر اس کے پیدا کرنے والے خدا کی قوت کا اندازہ کرو۔ علیؑ خدا کی مخلوق ہیں۔ علیؑ کے ہاتھ میں اتنی طاقت تھی کہ آپ نے درخیبر کو اکھاڑ پھینکا تھا اور علیؑ کا خدا وہ ہے جو تمام ارضی سماوی کرات کی نگہبانی کر رہا ہے۔ علیؑ کی قدرت کو دیکھ کر اس کے پیدا کرنے والے کو پہچانو۔

علیؑ کا علم، علم خداوندی کی دلیل ہے

علیؑ کے علم کو دیکھ کر خدا کے علم کا اندازہ کریں۔ آج کے انسان کے پاس جتنا بھی علم ہے وہ سب کا سب کسبی ہے۔ انسان جو کچھ جانتا اور سمجھتا ہے وہ کسی نہ کسی استاد کا مرہون منت ہے۔ ہر شخص کا علم کسی استاد سے حاصل کردہ ہے اور بعض ذہین افراد استاد کے نظریات سن کر اپنی طرف سے ان میں کچھ اضافہ بھی کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ کے معلم صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور خاتم الانبیاء کا دنیا میں خدا کے علاوہ کوئی معلم نہیں تھا۔ علوم کسبی کجا اور علم علیؑ کجا؟

کیا آج تک کسی کسبی علم والے نے سلونی قبل ان تفقدونی کا دعویٰ کیا ہے؟ حضرت علیؑ ہمیشہ لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ پوچھو جو کچھ تم پوچھنا چاہتے ہو، میں تمہیں اس کے متعلق خبر دوں گا۔ تاریخ یہ نہیں بتا سکتی کہ آج تک علیؑ کسی سوال کے جواب سے عاجز ہوئے ہوں۔

آج کا انسان حضرت علیؑ کے محیر العقول فیصلے دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ خدایا علیؑ کتنے بڑے عالم تھے۔ علم نحو سے لے کر علم توحید و معارف تک اور فلسفہ سے لے کر ملک و ملکوت تک کے تمام لاینحل مسائل آپ نے حل کیئے۔

سترہ اونٹوں کی تقسیم

ایک دفعہ تین دوستوں نے مل کر سترہ اونٹ خریدے۔ ان کے حصے داری کی کیفیت یوں تھی کہ ایک شخص کا حصہ ۱/۲ تھا، دوسرے شخص کا ۱/۳ اور تیسرے شخص کا ۱/۹ تھا۔ پھر ان میں ناچاقی ہوگئی اور فیصلہ یہ ہوا کہ اونٹ تقسیم کردیئے جائیں۔

چنانچہ جب وہ تقسیم کرنے بیٹھے تو انہیں سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اونٹوں کی تعداد سترہ تھی اور سترہ کا عدد دو پر تقسیم نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے یہ عدد تین اور نو پر بھی تقسیم نہیں ہوتا۔ کسی طرح سے اونٹ تقسیم نہیں ہوتے تھے اور وہ تینوں افراد اونٹوں کو بیچنا بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ بیچنے کی صورت میں انہیں سخت نقصان اٹھانا پڑتا اسی لئے وہ پہلے تو ایک بزرگ کے پاس گئے اور ان سے اونٹ تقسیم کرنے کی درخواست کی لیکن ان سے تقسیم نہ ہوسکی۔

آخرکار مقدمہ حضرت علیؑ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے ان سے فرمایا: اپنے اونٹ مسجد کے سامنے باندھ دو۔

آپ کے فرمان پر سترہ اونٹ باندھ دیئے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: اگر تم اجازت دو تو میں اپنا ایک اونٹ تمہارے اونٹوں کے ساتھ باندھ کر اسے بھی تقسیم میں شامل کردوں۔

انہوں نے کہا: یہ تو اور بھی خوشی کی بات ہے۔

آپ نے اپنا اونٹ بھی ان اونٹوں کے ساتھ بندھوا دیا اور ان سے فرمایا: اب بتاؤ اونٹ کتنے ہیں؟

انہوں نے کہا: اونٹ اٹھارہ ہیں۔

آپ نے فرمایا: اب تقسیم بڑی آسان ہے۔ جس کا نصف حصہ ہے وہ اٹھارہ میں سے نو اونٹ علیحدہ کرے، جس کا تہائی حصہ ہے وہ اٹھارہ میں سے چھ اونٹ علیحدہ کرے اور جس کا نواں حصہ ہے وہ اٹھارہ میں سے دو اونٹ علیحدہ کرے۔

اب تقسیم کچھ اس طرح سے ہوئی: ۱/۲ والے کو نو، ۱/۳ والے کو چھ اور ۱/۹ والے کو دو اونٹ ملے اور صورت کچھ یوں ہوئی: ۹+ ۶+۲= ۱۷۔ اس طرح سے سترہ اونٹ برابر تقسیم ہوگئے اور آپ نے غلام سے فرمایا کہ میرا اونٹ واپس لے جا کر باندھ دو۔

آٹھ درہم کی تقسیم

دو آدمی حضرت علیؑ کے پاس آئے اور عرض کی: امیرالمومنینؑ! جب ہم گھر سے سفر پر نکلے تھے تو اس کے پاس پانچ اور میرے پاس تین روٹیاں تھیں۔ ہم ایک جگہ کھانا کھانے بیٹھے اور ابھی ہم نے کھانا شروع نہیں کیا تھا کہ اتنے میں ایک مسافر آیا ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوگیا۔ جب وہ کھانا کھا کر اٹھا تو اس نے آٹھ درہم ہمارے حوالے کئے اور کہا کہ اسے آپس میں تقسیم کر لینا۔

اب ہمارے درمیان جھگڑا چل رہا ہے۔ یہ پانچ درہم کا مطالبہ کرتا ہے کیونکہ اس کی پانچ روٹیاں تھیں اور مجھے تین درہم دینا چاہتا ہے کیونکہ میری تین روٹیاں تھیں۔ مگر میرا مطالبہ یہ ہے کہ جب دونوں کی روٹیاں ایک ہی جگہ پر تھیں تو آٹھ درہم کو برابر برابر تقسیم ہونا چاہئے اور ہم میں سے ہر ایک کو چار چار درہم ملنے چاہئیں لیکن یہ نہیں مانتا۔ اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں۔

جس شخص کی تین روٹیاں تھیں حضرت نے اس سے فرمایا: اگر تیرا ساتھی تجھے تین درہم دیتا ہے تو لے لے۔ اسی میں تیرا فائدہ ہے۔ مگر وہ شخص تین درہم لینے پر راضی نہیں ہوا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اگر تم انصاف کے طلبگار ہو تو تمہارے ساتھی کو سات اور تمہیں صرف ایک درہم ملے گا۔

اس نے کہا: بھلا وہ کیسے؟

آپ نے فرمایا: تیرے ساتھی کی پانچ روٹیاں تھیں اور تیرے پاس تین روٹیاں تھیں۔ یوں کل روٹیاں آٹھ بنتی ہیں اور کھانے والے افراد تین تھے۔ لہٰذا ہم آٹھ کو تین سے ضرب دیں گے تو حاصل چوبیس بنے گا یعنی ۸×۳=۲۴۔

اور روٹیوں کے کل ٹکڑے ۲۴ بنتے ہیں اور تین افراد نے انہیں برابر برابر کھایا ہے تو ہر شخص کے حصے میں آٹھ آٹھ ٹکڑے آئیں گے یعنی ۲۴÷۳ = ۸۔

پانچ روٹیوں کے ٹکڑے پندرہ بنتے ہیں یعنی ۵×۳ = ۱۵ اور تین روٹیوں کے ٹکڑے نو بنتے ہیں یعنی ۳×۳ = ۹۔

پانچ روٹیوں والے نے پندرہ میں سے آٹھ ٹکڑے خود کھائے اور اس کے حصے میں سے سات ٹکڑے مہمان نے کھائے لہٰذا اسے سات درہم ملیں گے جبکہ تمہارے پاس کل تین روٹیاں تھیں جن کے نو ٹکڑوں میں سے آٹھ ٹکڑے تم نے خود کھائے اور صرف ایک ٹکڑا مہمان نے کھایا ہے لہٰذا تمہیں صرف ایک درہم ملے گا۔

(بحارالانوار، جلد ۹ ص ۴۸۶)

عالمِ ملکوت پر نظر

عالمِ غیب کے متعلق حضرت کے علم کو ملاحظہ فرمائیں:

ایک مرتبہ آپ نے منبر پر بیٹھ کر سلونی قبل ان تفقدونی کا دعویٰ کیا اور فرمایا: جس کسی نے جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لے۔

مجلس کے درمیان میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: بتائیں کہ اس وقت جبرئیلؑ کہاں ہیں؟

آپ نے عالم ملک و ملکوت پر نگاہ ڈالی اور فرمایا: انت جبرئیل آپ ہی جبرئیلؑ ہیں کیونکہ میں نے فرش تا عرش سارے ملک و ملکوت کا مشاہدہ کیا مگر مجھے کہیں پر جبرئیلؑ دکھائی نہیں دیئے اسی لئے آپ ہی جبرئیلؑ ہیں۔

اس جواب کے فوراً بعد حضرت جبرئیلؑ وسط مجلس میں سے اچانک غائب ہوگئے۔ (انوار نعمانیہ، سید جزائری)

حضرت علیؑ نے علم و قدرت کے یہ مظاہرے کیوں کئے؟

ان مظاہروں سے حضرت کا مقصد یہ تھا کہ لوگ ان کے علم و قدرت کو دیکھ کر خدا کے علم و قدرت کو جان لیں۔ آپ نے لوگوں کو بتایا کہ کائنات میں صرف مادہ ہی نہیں ہے بلکہ مادہ کا خالق بھی ہے اور جہان میں صرف اسباب ہی کارفرما نہیں بلکہ مسبب الاسباب کی حکومت ہے۔

قدرت کے باوجود معافی دینا

اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ میں سے ایک صفت یہ ہے کہ وہ قدرت رکھتے ہوئے بھی حلیم ہے جیسا کہ دعائے افتتاح میں ہے: **الحمدللّٰہ علی حلمہ بعد علمہ و علی عفوہ بعد قدرتہ** یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو علم کے ہوتے ہوئے حلم رکھتا ہے اور قدرت کے ہوتے ہوئے معافی دیتا ہے۔

اگر کسی نے خدا کی اس صفت کو دیکھنا ہو تو وہ حضرت علیؑ کی زندگی کو دیکھے کہ کس طرح آپ نے جنگ جمل میں اعلان کیا تھا کہ زبیر میدان چھوڑ کر واپس چلا گیا ہے لہٰذا کوئی اس کا پیچھا نہ کرے۔ پھر آپ نے فتح کے بعد عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: کوئی کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرے اور فوج مخالف کو نہ لوٹے اور نہ ہی کسی کو گرفتار کرے یا غلام بنائے۔

حضرت عائشہ اس جنگ کی کمان کر رہی تھیں مگر قربان جایئے حضرت علیؑ

کے حلم کے کہ آپ نے جنگ کے بعد ان کو ایک باپردہ مکان میں ٹھہرایا اور پھر باعزت طور پر مدینہ بھجوایا اور ان کی حفاظت کے لئے مختلف قبائل کی بیس عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کر ان کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے قبیلہ عبد قیس کی چالیس خواتین کو مردانہ جنگی لباس پہنا کر بی بی عائشہ کے محمل کی حفاظت کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ مروان بن الحکم، عبداللہ بن زبیر اور سعد بن عاص جیسے سخت ترین دشمنوں کو بھی معافی دیتے ہوئے آزاد کردیا۔ (بحارالانوار، جلد ہشتم، صفحہ ۴۵۲)

علی کا یہ حلم وعفو، عفو خداوندی کا نمونہ تھا اور آپ نے اپنے حلم سے ثابت کیا جب میں خدا کا ایک بندہ ہو کر اتنا حلیم ہوں تو میرا خدا کتنا حلیم ہوگا؟

آپ حضرت علیؑ کی حیاء، مروت، جوانمردی اور ان کے عفو و درگزر کا مطالعہ کریں تو آپ حضرت علیؑ کو صفات خداوندی کا مظہر پائیں گے۔

جب انسان گناہ کر رہا ہوتا ہے تو خدا اسے دیکھ رہا ہوتا ہے اور اگر چاہے تو گناہ کی پاداش میں اسے سزا دے سکتا ہے مگر اس کے باوجود خدا حلم سے کام لیتا ہے، مہلت دیتا ہے اور معاف کردیتا ہے۔

حضرت علیؑ شجاعت کے باوجود مہربان تھے

اللہ تعالیٰ صفات متضادہ کمالیہ کا مالک ہے مثلاً وہ بلند ہوتے ہوئے بھی انتہائی قریب ہے جیسا کہ دعائے جوشن کبیر میں ہے: یامن ھو فی علوہ قریب یعنی اے وہ ذات جو بلند ہوتے ہوئے بھی قریب ہے۔

حضرت علیؑ صفات خداوندی کے مظہر تھے اور آپ میں بھی متضاد صفات بیک وقت پائی جاتی تھیں۔ آپ انتہائی دلیر، بہادر اور شجاع تھے اور اس شجاعت کے باوجود انتہائی رحم دل تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کہیں جارہے تھے۔ آپ نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جو پانی کی مشک اٹھائے ہوئے تھی اور بڑی مشکل سے چل رہی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر آپ کو اس پر ترس آیا۔ آپ نے عورت سے مشک لے کر خود اٹھائی اور اس سے گھر کا پتا پوچھا۔ عورت نے گھر کا پتا بتایا اور آپ عورت کے ساتھ اس کے گھر کی طرف چل پڑے۔ راستے میں اس سے باتیں کرنے لگے۔ باتوں باتوں میں اس نے بتایا کہ اس کا شوہر جنگ صفین میں شہید ہوگیا ہے لیکن علیؑ نے ہماری خبر گیری تک نہیں کی۔

آپ نے عورت سے پوچھا: تمہارے کتنے بچے ہیں؟

عورت نے کہا: میرے دو تین یتیم بچے ہیں۔

اتنے میں اس کا گھر آ گیا۔ آپ نے مشک اس کے گھر رکھی اور اپنے گھر سے آٹے کی بوری اور کھجوریں لیکر دوبارہ اس کے گھر پہنچے اور دستک دی۔

عورت نے پوچھا: کون ہے؟

حضرت نے فرمایا: میں وہی ہوں جس نے تمہاری مشک اٹھائی تھی۔ اب میں کچھ آٹا اور کھجوریں لایا ہوں۔

عورت نے دروازہ کھولا۔ آپ نے آٹے کی بوری اور کھجوروں کی تھیلی رکھی اور اس سے فرمایا: یا تو میں آٹا گوندھتا ہوں اور تم بچوں کو بہلاؤ یا پھر میں بچوں کو بہلاتا ہوں اور تم روٹی پکاؤ۔

عورت نے کہا: ایک ماں اپنے بچوں کو بہتر طور پر سنبھال سکتی ہے۔

اس کے بعد حضرت نے آٹا گوندھا اور تنور روشن کیا۔ جب تنور سے آگ کے شعلے بلند ہوئے تو آپ آگ کے قریب آئے اور اپنے آپ سے کہا: تو نے اس عورت کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھا لہٰذا آگ کی تپش کو برداشت کر اور تو آج تک یتیموں سے غافل رہا۔

ابھی تنور جل رہا تھا کہ ایک ہمسائی گھر میں داخل ہوئی جو اتفاق حضرت کو پہچانتی تھی چنانچہ اس نے عورت سے کہا: تو امیرالمومنینؑ سے خدمت لے رہی ہے۔

جیسے ہی اس عورت نے سنا تو وہ دوڑتی ہوئی حضرت کے قدموں میں گر پڑی اور بولی: امیرالمومنینؑ! میں آپ سے گستاخی کی معافی چاہتی ہوں۔ آپ نے بہت زیادہ تکلیف کی۔

حضرت نے فرمایا: نہیں، میں تم سے معذرت خواہی کرتا ہوں کہ میں دیر سے پہنچا اور اب تک تیرے بچوں سے غافل رہا۔ (بحارالانوار، جلد ۹)

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علیؑ اتنے بڑے بہادر و شجاع ہونے کے باوجود اتنے رحم دل تھے۔ حضرت دلیر اتنے تھے کہ در خیبر کو اکھاڑ پھینکا اور نرم دل اتنے تھے کہ کسی یتیم کے آنکھوں سے آنسو گرتا ہوا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت علیؑ نے اپنی صفات کمالیہ سے خداوند عالم کی صفات کمالیہ کا تعارف کرایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے: اگر ہم نہ ہوتے تو خدا کی پہچان نہ ہوتی۔

آپ نے خدا کی پہچان کرائی، آپ نے قیامت کی پہچان کرائی اور لوگوں کو قیامت کے محاسبے سے خبردار کیا۔

حضرت علیؑ جن کے دریائے خیر کا کوئی کنارا نہیں تھا، جن کا تقویٰ حد سے بڑھا ہوا تھا، جن کا ایک وار جن و انس کی عبادت سے افضل تھا، رات کی تاریکی میں اپنی داڑھی کو ہاتھ میں پکڑ کر تڑپتے تھے اور کہتے تھے: **آہ! من قلة الزاد و طول السفر و بعد الطریق و عظیم المورد.** آہ! زاد راہ انتہائی کم اور سفر بڑا طویل ہے۔ آہ! راستا بہت لمبا اور منزل انتہائی سخت ہے۔ (عدۃ الداعی)

انسان کو عالم آخرت و برزخ کے لئے عمل صالح کی شدید ضرورت ہے اس لئے یہ کبھی نہ کہیں کہ میں زندگی میں بہت سے نیک عمل کر چکا ہوں لہٰذا اب میں اپنی آخرت سے مطمئن ہوں۔ کیا آپ کے اعمال حضرت علیؑ کے اعمال سے بھی

زیادہ ہیں؟ حضرت علیؑ کی یہ کیفیت تھی کہ اتنے اعمال صالحہ کے باوجود بھی آپ گریہ و بکا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: اے خدایا! مجھے ایک دور دراز کا سفر درپیش ہے۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ زاد کی کمی پر روؤں یا راستے کی لمبائی کو مدنظر رکھ کر گریہ کروں۔ (للزاد ابکی ام لطول مسافتی۔ مناجات حضرت سجّاد)

آپ کہا کرتے تھے: خدایا! میرے ہاتھ خالی ہیں۔ میرے پاس ایسا عمل نہیں ہے جو مجھے منزل پر پہنچائے اور خوف خدا کی یہ حالت تھی کہ آپ روتے روتے غش کھا جاتے تھے۔

جب معاویہ جیسے دشمن کے سامنے ضرار نے حضرت کے معمولات کا ذکر کیا تو وہ بھی سن کر بے ساختہ رو دیا تھا۔

حالات علیؑ، معاویہ کے دربار میں

امیرالمومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ایک مرتبہ حضرت ضرار کو کسی کام کے سلسلے میں دربار شام جانا پڑا۔ معاویہ بخوبی جانتا تھا کہ ضرار کا شمار حضرت علیؑ کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ چنانچہ معاویہ نے ضرار سے کہا: میرے سامنے علیؑ کے حالات بیان کرو۔

حضرت ضرار نے کہا: بہتر تو یہی ہے کہ تم مجھے اس سے معاف رکھو۔

معاویہ نے کہا: نہیں! تجھے علیؑ کے حالات بیان کرنے ہوں گے کیونکہ تو ان کے قریب رہتا تھا اور تو ان کے حالات و صفات کو زیادہ جانتا ہے۔

جب ضرار حالات امیرالمومنینؑ بیان کرنے پر مجبور ہو گئے تو انہوں نے کہا: اچھا سن! علیؑ دور اندیش تھے، وہ انجام پر نظر رکھتے تھے، جب بات کرتے تو ان کی زبان سے علم و حکمت کے چشمے جاری ہوتے تھے اور تمام اہل محفل ان کی دانش مندی سے مستفید ہوتے تھے۔

علیؑ دنیاوی خوشیوں سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔ وہ تاریکی شب سے مانوس تھے اور تاریکی شب میں اپنے خدا سے مناجات کرتے تھے۔ بدمزہ خوراک انہیں پسند تھی۔ کم قیمت کا لباس زیب تن کیا کرتے تھے۔ ان کی موجودگی میں کسی بھی بڑے سے بڑے عہدہ دار کو خیانت کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ کسی سرکاری عہدہ دار کو کسی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ رعیت کا کمزور ترین شخص بھی مایوس نہیں تھا کیونکہ اسے علم ہوتا تھا کہ مظلوموں کا مددگار علیؑ اس کی مدد کو موجود ہے۔

حضرت کے حالات بیان کرتے ہوئے پھر ضرار نے کہا: **و لقد رأیته فی بعض مواقفه و قدار فی اللیل سراوله وهو یتململ تململ السلیم و یبکی بکاء الوالده الحزین**.... یعنی میں نے کئی بار آپ کو اس حال میں دیکھا کہ رات اپنی زلفیں پھیلا چکی تھی اور علیؑ تاریکی شب میں کسی مارگزیدہ کی طرح سے تڑپ رہے ہوتے تھے اور پسر مردہ ماں کی طرح سے دھاڑیں مار مار کر رو رہے ہوتے تھے اور کہتے تھے: اے دنیا! تو مجھے کس طرح سے دھوکہ دے سکتی ہے اور میرے دل کو اپنی جانب کیسے لبھا سکتی ہے۔ تو اس سے بہت پست ہے کہ تو علیؑ کو فریب دے سکے۔ علیؑ کو دنیا کی خوشیوں سے کیا واسطہ ہے؟ علیؑ کا فناپذیر اور زائل ہونے والی خوشیوں سے کیا تعلق ہے؟ دنیا کی خوشیاں اس کو زیب دیتی ہیں جسے آخرت کی خبر نہ ہو۔

دنیاوی لذات ان افراد کو اپنی جانب متوجہ کرسکتی ہیں جنہیں عالم اعلیٰ کی کوئی خبر نہ ہو۔ دنیا کے متعلق ہادیان دین نے کیا ہی اچھا کہا ہے: **الدنیا دار من لا دار له ومال من لا مال له ولها یجمع من لا عقل له**. یعنی دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو اور دنیا اس کا مال ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو اور دنیا وہ شخص جمع کرتا ہے جس میں عقل نہ ہو۔ (سفینۃ البحار، جلد اول، صفحہ ۵۷۲)

عاقل روزگار حیدر کرارؑ حقائق امور سے واقف تھے اور آپ جانتے تھے کہ معاویہ اور اس کے ساتھی بچگانہ ذہنیت رکھتے ہیں اسی لئے وہ دنیا کے طلبگار ہیں۔

عقل مند اور انجام بین افراد خدا و آخرت کے لئے علیؑ کی پیروی کرتے ہیں اور وہ غیر فانی نعمات کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ رو رو کر مناجات میں کہا کرتے تھے: آه! **من قلة الزاد وطول السفر و عظيم المورد** آہ! زادِ راہ کم ہے اور سفر طویل ہے اور منزل سخت ہے۔

جب حضرت ضرار یہاں تک پہنچے تو معاویہ اور اس کے ساتھی بے ساختہ رونے لگے۔

اس کے بعد معاویہ نے کہا: ضرار! تو نے علیؑ کی مصیبت کو کیسا محسوس کیا؟

ضرار نے کہا: میری کیفیت وہی ہے جیسے کسی شخص کے سینے پر اس کے عزیز ترین شخص کی موت واقع ہو جائے اور جب سے علیؑ رخصت ہوئے ہیں اس دن سے میرا آرام و قرار ختم ہو گیا ہے اور میں ان کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ کہا اور معاویہ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔

ضرار کے جانے کے بعد معاویہ نے عمرو بن العاص سے کہا: تم نے سنا! علیؑ کا ساتھی ان کے جانے کے بعد ان کا کیسے تذکرہ کر رہا تھا؟ کیا تم بھی میرے بعد مجھے اس طرح کے کلمات سے یاد کرو گے؟

عمرو بن العاص نے کہا: انسان جو کچھ دیکھتا ہے وہی بیان کرتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ضرار نے تو علیؑ کے یہ حالات دیکھے ہیں اسی لئے وہ ان کے حالات بیان کرنے میں حق بجانب ہے اور ہم نے جو کچھ تیرا کردار دیکھا ہے لوگوں کو وہی کچھ بتائیں گے۔ (عدۃ الداعی)

دنیا کی خوش گزرانی قیامت کی تکلیف کا سبب ہے

علیؑ شناس اور علیؑ دوست افراد بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت علیؑ ہمیشہ عذاب خداوندی سے خائف رہتے تھے لہٰذا محبان علیؑ کو بھی چاہئے کہ وہ بھی عذاب خداوندی سے ڈریں اور جان لیں کہ آخرت بڑی سخت ہے۔ حضرت علیؑ اس قدر

پاکدامنی کے باوجود بھی اتنے استغاثے کرتے تھے اور آخرت کے حساب کو مدنظر رکھ کر آپ بیک وقت دو غذائیں استعمال نہیں کرتے تھے اور جب شب ضربت آپ کے سامنے دودھ اور نمک پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''دودھ اٹھالو، میرے لئے نمک ہی کافی ہے'' کیونکہ آپ یہ جانتے تھے کہ دنیا کی خوش گزرانی آخرت کے لئے مشکلات پیدا کرتی ہے کیونکہ دنیا کے حلال میں حساب اور حرام میں عذاب ہے۔

بچہ فرار پدر سے حقیقت دریافت کرسکتا ہے

دو تین سال کا ایک معصوم بچہ جسے سانپ کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو وہ بے خطر ہو کر سانپ کے ساتھ کھیلتا رہے گا اور یہ بھی ممکن ہے وہ اس کے منہ میں انگلی دیدے لیکن وہی بچہ اپنے باپ کے ساتھ ہو اور باپ کو راستے میں زہریلا سانپ دکھائی دے تو باپ سانپ کو مارنے کی کوشش کرے گا یا اسے دیکھ کر بھاگنے لگے گا۔

بچہ پہلے تو سانپ سے نہیں ڈرتا تھا کیونکہ اسے اس کے زہر کا اندازہ نہیں تھا اور جب وہ اپنے والد کو بھاگتا ہوا دیکھے گا تو بچہ بھی سمجھ لے گا کہ یہ جانور موذی ہے اور مجھے بھی اپنے باپ کی طرح اس سے بچنا چاہئے۔ بس جان لیجئے کہ آپ حضرت علیؑ کے شیعہ ہیں، وہ آپ کے روحانی باپ ہیں اور آپ ان کی روحانی اولاد ہیں۔

ہمیں دوزخ کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں تھا اور جب لوگ ہمارے سامنے دوزخ یا آخرت کا نام لیتے تھے تو ہم سمجھتے تھے کہ یہ سب کچھ قصہ گوئی کا حصہ ہے لیکن جب ہم نے اپنے روحانی باپ کو دیکھا تو ہمیں یہ دکھائی دیا کہ وہ اس سے کس قدر ڈرتے تھے۔ وہ عظیم المرتبت ہونے کے باوجود اس کے ذکر سے غش کھا جاتے تھے۔ اسی سے اندازہ کریں کہ وہ کتنا پرآشوب دن ہے جسے یاد کر کے علیؑ روتے ہیں۔ واقعی آخرت قصہ کہانی نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے۔ مناجات امیرالمومنینؑ میں دیکھیں کہ علیؑ عذاب خدا سے کس قدر خوفزدہ نظر آتے ہیں اور بار بار خدا سے رحم

طلب کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ بھی حضرت علیؑ کے روحانی بیٹے ہیں۔ آئیں اپنے روحانی باپ کا ساتھ دیں اور پورے سوز و گداز سے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں۔

معصوم اور گناہ؟

ہم معصومین کی دعاؤں میں جابجا دیکھتے ہیں کہ وہ خدا کے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضرت علیؑ بھی خدا کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگا کرتے تھے جبکہ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ائمہ ہدیٰ معصوم ہیں، پھر ان کے اعتراف گناہ کا کیا مقصد ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہر شخص کی حیثیت کے مطابق گناہ اور ثواب کا تصور مختلف ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے **حسنات الابرار سیئات المقربین** نیک افراد کی نیکیاں مقربین کے گناہ شمار ہوتی ہیں۔

ائمہ ہدیٰؑ اپنی تھوڑی سی استغراق کی کمی کو بھی گناہ تصور کرتے تھے اور حضرت علیؑ بھی اسی کمی استغراق کو گناہ سمجھ کر خدا سے معافی مانگا کرتے تھے۔ ان کے گناہوں کی نوعیت ہمارے اور آپ کے گناہان صغیرہ و کبیرہ کی سی ہرگز نہیں تھی جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ گناہوں نے چاروں طرف سے ہمارا گھیرا کیا ہوا ہے۔

خدایا! میرے گناہ زیادہ ہیں تو تیری بخشش اس سے کہیں زیادہ ہے۔ میں کیا ہوں اور میری حیثیت کیا ہے جبکہ تیرے عفو و کرم کی کوئی حد نہیں ہے۔

اے کریم و رحیم! اے علیؑ کے خدا! ہم سے آج تک جتنے گناہ سرزد ہوئے ہیں تجھے حضرت علیؑ کا واسطہ ہمارے تمام گناہ معاف فرما۔ ہم آج تجھ سے عہد کرتے ہیں کہ آئندہ گناہ نہیں کریں گے۔ اے پروردگار! ہمیں اپنے عہد پر قائم رہنے کی توفیق عنایت فرما۔

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: ولا وفاء لی بالتوبۃ الا بعصمتک ولا استمساک بی عن الخطایا الاعن قوتک. یعنی تیری نگہبانی کے بغیر میں توبہ کے عہد کو پورا نہیں کرسکوں گا اور تیری قوت کے بغیر میں خطاؤں سے محفوظ نہیں رہ سکوں گا۔ (صحیفہ سجادیہ)

امیرالمومنینؑ کے آخری جملے

حضرت امیرالمومنینؑ نے زندگی کے آخری لمحات میں آنکھیں کھولیں اور فرمایا: ھذا اخی رسول اللّٰہ، ھذاعمی حمزۃ، ھذا اخی جعفر، ھذا اصحاب رسول اللّٰہ یہ میرے بھائی جناب رسول اللہؐ تشریف لائے ہیں، یہ میرے چچا حمزہؑ تشریف لائے ہیں، یہ میرے بھائی جعفرؑ تشریف لائے ہیں اور یہ رسول خداؐ کے اصحاب آئے ہیں۔ پھر آپ نے ان سب کو باری باری سلام کیا۔

حضرت علیؑ کے یہ بزرگ آپ سے قبل دنیا سے رخصت ہوئے تھے اور حضرت علیؑ کی شہادت کے وقت ان کے استقبال کے لئے آئے تھے۔

دنیا سے جب بھی کوئی باصلاحیت مومن رخصت ہوتا ہے تو اس کی روح کے استقبال کے لئے ذوات طاہرہ تشریف لاتی ہیں۔

پھر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: لِمِثْلِ ھٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَo عمل کرنے والوں کو ایسا ہی عمل کرنا چاہئے اور اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَo یقیناً اللہ متقین اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔ اس طرح آپ نے یہ واضح کیا کہ میں نے جو فصل بوئی تھی اس کی کٹائی کا وقت آچکا ہے۔ دوسری آیت میں آپ نے اپنے شیعوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ ایسے عمل کرو کہ موت کے وقت تمہیں خوشی نصیب ہو، امن و راحت محسوس ہو اور دنیا میں ایسے دوست بناؤ کہ موت کے وقت ان کے تقویٰ کے نور سے تمہیں فائدہ پہنچے۔

آیاتِ انفس و آفاق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ سَنُرِيْهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ○ ہم عنقریب آفاق و انفس میں انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے اور کیا تیرے پروردگار کے لئے یہ کافی نہیں کہ وہ ہر شے کا گواہ ہے۔

خدائے بزرگ و برتر کی قدرت و عظمت کے دلائل بہت زیادہ ہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ اس کی آیات آفاق میں پھیلی ہوئی ہیں اور خود انسانی نفوس میں بھی موجود ہیں۔ آیات انفس میں سے نیند بھی خدا کی نشانی ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: وَمِنْ اٰيَاتِهٖ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ. خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تمہاری رات کی نیند ہے۔

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں نیند کو خدا کی ایک نشانی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ نیند بھی خدا کی قدرت کے تحت ہے۔ آپ اتنے عاجز ہیں کہ آپ کو اپنی نیند پر بھی اختیار نہیں۔ کوئی بھی انسان اپنے آپ کو نیند سے بچا نہیں سکتا۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کا نیند پر کوئی زور چلتا ہے تو مسلسل چند دن جاگ کر دیکھیں۔ آپ کو مجبوراً کہنا پڑے گا کہ میں عاجز ہوں۔ میرا نیند پر کوئی بس نہیں چلتا۔

انسان کی عاجزی کو دعا کے پیرائے میں یوں بیان کیا گیا ہے: لا یملک لنفسه نفعا ولا ضرا ولا موتا ولا حیاة ولا نشورا. انسان اپنے لئے کسی نفع ونقصان، موت وحیات اور دوبارہ اٹھنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

آپ کی عاجزی اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی ہستی آپ سے بلند و بالا ہے اور وہی آپ کا خدا ہے۔ آپ بالکل عاجز و ناتوان ہیں لہٰذا یہ کبھی نہ کہیں کہ میں ہی سب کام انجام دیتا ہوں۔ کیا آپ جیسی کسی مخلوق نے آپ کو پیدا کیا ہے؟ کیا آپ کو خود اپنے متعلق معلوم ہے کہ آپ کے جسم میں کتنی رگیں اور ہڈیاں ہیں؟ اور کیا آپ اپنے متعلق یہ جانتے ہیں کہ آپ کی کتنی رگیں ساکن اور کتنی متحرک ہیں؟ اور کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ آپ کے اندر کونسی دھات کس مقدار میں ہے؟

وہ خالق جو مخلوق سے بے خبر تھا

امام جعفر صادقؑ کے زمانے میں ایک شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ تم مسلمان کہتے ہو کہ خدا خالق ہے جبکہ میں بھی خالق ہوں۔ البتہ یہ بات دیگر ہے کہ بڑی بڑی چیزیں خدا نے بنائی ہیں لیکن چھوٹی چیزوں کو میں بھی خلق کرسکتا ہوں۔

پھر اس نے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ایک شیشی لی اور اس میں کچھ مٹی اور گوبر ڈال کر اسے کھلی ہوا میں رکھ دیا۔ چند ہی دنوں میں شیشی میں کیڑے پیدا ہوگئے تب اس نے بڑی ڈھٹائی سے کہا کہ شیشی کے تمام کیڑے میں نے پیدا کئے ہیں اور یہ میری مخلوق ہیں۔ پھر اس نے لوگوں سے کہا کہ اگر تم مجھے شیشی دو تو میں تمہارے لئے بھی یہ کام کرسکتا ہوں۔ لوگ اسے شیشیاں دیتے تھے اور وہ ان میں اسی طرح کیڑے پیدا کر دیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ دیکھو خدا اپنی مخلوق کو چھ ماہ میں پیدا کرتا ہے جبکہ میں ایک ہفتے کے اندر مخلوق پیدا کرلیتا ہوں۔

چند لوگ اس کے ہتھے چڑھ گئے اور اس کی باتوں کو سچ ماننے لگے۔ کسی

نے امام جعفر صادق علیہ السلامؑ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: اس شخص سے بھلا یہ تو پوچھو کہ اگر تم خالق ہو اور یہ کیڑے تمہاری مخلوق ہیں تو پھر ایک ایک شیشی میں تمہاری مخلوق کی تعداد کیا ہے؟ جب لوگوں نے اس سے کہا کہ اگر تو خالق ہے اور یہ مخلوق ہیں تو پھر اپنی مخلوق کی تعداد بتاؤ۔ یہ سن کر وہ نہایت شرمندہ ہوا اور اس سے کوئی جواب نہ بن سکا۔

امامؑ نے فرمایا: تم اس سے یہ کہو کہ وہ شیشی کو الٹ دے اور جب کیڑے اِدھر اُدھر رینگنے لگیں تو اس سے کہو کہ اگر تو ان کا خالق ہے اور یہ کیڑے تیری مخلوق ہیں تو خالق کو مخلوق پر غلبہ حاصل ہوتا ہے لہٰذا ان کیڑوں سے کہو کہ وہ اپنی سمت تبدیل کر کے دوسری سمت میں چلیں۔ کیا کیڑے اس کا کہا مانتے ہیں؟

جب لوگوں نے اس سے یہی سوال کیا تو وہ حیران رہ گیا۔ کہنے لگا کہ میں نے صرف انہیں پیدا کیا ہے۔ البتہ یہ چلتے پھرتے اپنی مرضی سے ہیں۔ یہ میری مرضی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

اپنی مرضی کے مطابق بیدار ہونا

عزیزان گرامی! کیا آپ کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ نیند پر آپ کا بس نہیں چلتا۔ اس بے بسی کا مقصد یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی اور بدن کے مالک خود نہیں ہیں، ہماری نیند اور بیداری ہمارے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے، ہمارا اور آپ کا ایک مالک ہے اور ہماری نیند اور بیداری اسی کے دست تصرف میں ہے۔ کیا ہم اپنی مرضی سے بیدار ہوسکتے ہیں؟ فرض کریں کہ ایک شخص یہ ارادہ کر کے سوتا ہے کہ وہ رات کے ایک بجے اٹھے گا لیکن اس خواہش کے باوجود اس کی آنکھ نہیں کھلتی اور خواہش کے باوجود آنکھ کا نہ کھلنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اپنے بدن کے مالک نہیں ہیں اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے آپ بالکل بے بس ہیں۔ پھر اس کے باوجود آپ خدائے غالب سے غافل کیوں ہیں؟

اپنے آپ پر کچھ اختیار نہ رکھتے ہوئے بھی آپ اپنے آپ پر اور اپنے جیسے بے بس و لاچار افراد پر انحصار کر رہے ہیں اور آپ اپنے اس خدا کو بھلائے ہوئے ہیں جس کے ہاتھ میں آپ کی نیند اور بیداری ہے۔ دنیا میں کئی ایسے افراد بھی گزرے ہیں جو سوئے تو بس سوتے ہی رہ گئے اور نیند میں ہی ان کی موت واقع ہوگئی اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی روح نیند کے بعد ان کے جسم میں لوٹ آتی ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے: **اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ** ٥ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحوں کو اپنی طرف بلا لیتا ہے اور ان کی روحوں کو بھی نیند کے وقت اپنے پاس بلا لیتا ہے۔ پھر جس کی موت کا فیصلہ کر لیتا ہے اس کی روح کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقررہ مدت کے لئے آزاد کر دیتا ہے۔ اس بات میں صاحبان فکر و نظر کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (سورۂ زمر: آیت ۴۲)

جی ہاں! اگر مومنین کسی خاص وقت پر بیدار ہونا چاہیں، مثلاً انہوں نے کوئی کام کرنے کے لئے جانا ہو یا انہیں نماز شب پڑھنی ہو یا روزہ کے لئے سحری کا انتظام کرنا ہو تو انہیں چاہئے کہ سونے سے پہلے سورۂ کہف کی آخری آیت کی تلاوت کر کے سوئیں انشاء اللہ وہ مقررہ وقت پر بیدار ہوں گے۔ یہ ایک مجرب قرآنی نسخہ ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے یہ آیت پڑھی تھی مگر بیدار نہیں ہوسکا تو اسے مغالطہ ہوا ہے۔ یقین فرمائیں کہ وہ لازماً بیدار ہوا ہوگا البتہ تھکان کی وجہ سے دوبارہ نیند کی آغوش میں چلا گیا ہوگا۔

نیند استراحت اور دوام زندگی کا سبب ہے

انسان کو اپنی نیند کے متعلق بھی سوچنا چاہئے۔ آخر نیند انسان پر کیوں طاری ہوتی ہے؟ آپ چاہیں یا نہ چاہیں پھر بھی آپ کو چوبیس گھنٹوں میں کچھ وقت

لازماً سونا پڑتا ہے۔ اگر بالفرض آپ نہ بھی سونا چاہیں تو بھی آپ کو زبردستی سلا دیا جائے گا۔ آپ کی آنکھیں خود بخود بند ہو جائیں گی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نیند کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ہم نے تمہاری نیند کو سبات بنایا۔ (سورۂ نباء آیت ۹)

سبات، سبت سے مشتق ہے جس کے معنی کاٹنے اور استراحت کے ہیں۔ لہٰذا اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ خدا نے نیند کو ہمارے آرام اور دوام زندگی کا ذریعہ بنایا ہے۔

انسان جب بیدار ہوتا ہے تو اس کے اعضاء کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں انسانی جسم میں کچھ مخفی قوتیں بھی کام کرتی ہیں مثلاً نظام انہضام، نظام نشوونما وغیرہ۔ انسان جب سارا دن کام کاج کرتا ہے تو اس کے اعضاء مسلسل کام کی وجہ سے تھک جاتے ہیں اسی لئے اسے آرام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تاکہ اس کی پژمردہ قوتیں ازسرنو بیدار ہوں اور وہ پوری دلجمعی سے کام کر سکے۔

اس حقیقت سے ہم سب آگاہ ہیں اور یہ بات ہمارے تجربات میں شامل ہے۔ اسی لئے جب آدمی نیند سے اٹھے تو مستحب ہے کہ سجدۂ شکر بجالائے اور یہ دعا پڑھے: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِی اَحْیَانِی بَعْدَ مَا اَمَاتَنِی وَاِلَیْهِ النُّشُوْر اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِی رَدَّ عَلَیَّ رُوْحِیْ لِاَحْمَدَهٗ وَاَعْبُدَهٗ. ہر طرح کی حمد اس خدا کے لئے ہے جس نے موت کے بعد مجھے زندگی عطا کی اور اس کی طرف ہماری بازگشت ہے۔ تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے میری روح مجھے لوٹائی تاکہ میں اس کی حمد اور عبادت کر سکوں۔ (حاشیہ مفاتیح الجنان)

نیند سے بیدار ہو کر خدا کا شکر بجالائیں کیونکہ نیند بھی ایک طرح کی موت ہے اور عربی زبان کا محاورہ ہے النوم اخ الموت نیند موت کا بھائی ہے۔

جب انسان سو جاتا ہے تو اس کے اختیاری افعال منقطع ہو جاتے ہیں مگر

اس کے طبعی افعال جاری رہتے ہیں مثلاً معدہ اپنا کام کرتا رہتا ہے اور نظام نشوونما بھی جاری رہتا ہے۔ نیند میں انسان ہوش و حواس سے بیگانہ ہو جاتا ہے اسی لئے سوئے ہوئے شخص کو مردہ کے برابر تصور کیا جاتا ہے۔ نیند میں روح بدن سے کچھ دیر کے لئے جدا ہوجاتی ہے مگر اس کا ربط بدن کے ساتھ برقرار رہتا ہے۔ اسی لئے مستحب ہے کہ مومن سونے سے پہلے اپنا کفن تیار کر کے اپنے سرہانے رکھے کیا خبر اسے بیداری نصیب ہوتی بھی ہے یا نہیں۔ ممکن ہے کہ یہی نیند اس کی زندگی کا نقطۂ اختتام ہو۔ اسی طرح سے سونے سے پہلے وصیت بھی تیار کر کے رکھنی چاہئے۔

خواب عالمِ برزخ کے ثواب و عقاب کا نمونہ ہیں

اصول کافی میں ہے کہ انسان کو ابتدا میں خواب نہیں آیا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو مبعوث فرمایا۔ اس نبی نے اپنی امت کو برزخ، سوالات قبر اور ثواب و عذاب کے متعلق جتنی بھی تبلیغ کی اسے کسی نے تسلیم نہ کیا اور نبی سے کہنے لگے: ایک مردہ سے سوال و جواب کے کیا معنی جبکہ انسان مرنے کے بعد مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراضات کو دور کرنے کے لئے خوابوں کا سلسلہ شروع کیا اور جونہی وہ نیند کی آغوش میں گئے تو سب نے مختلف قسم کے خواب دیکھے۔ صبح اٹھ کر ان میں سے ایک نے کہا: میں نے رات کو خواب میں فلاں فلاں چیز دیکھی لیکن جب بیدار ہوا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

دوسرے نے کہا: میں نے رات اس سے بھی زیادہ چیزیں دیکھیں لیکن جب بیدار ہوا تو کچھ بھی نہیں تھا۔

پھر انہوں نے اپنے خوابوں کے متعلق نبی سے گفتگو کی۔

نبی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں خواب دکھا کر یہ سمجھایا ہے کہ مرنے کے

بعد اور بدن کے مٹی میں مل جانے کے بعد بھی ثواب و عذاب ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بدن زیرِ خاک خوابیدہ ہو اور اس کے باوجود اس کی چیخیں نکل رہی ہوں۔ (بحارالانوار، جلد سوم)

معانی الاخبار میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ بعثت سے قبل میں اپنے چچا ابوطالبؑ کی بھیڑیں چرایا کرتا تھا اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بھیڑیں چرتے چرتے رک جاتی تھیں اور بلاوجہ دوڑنے لگ جاتی تھیں۔ بعثت کے بعد میں نے جبرئیل امینؑ سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ جب عالمِ برزخ میں کسی مُردے کو عذاب دیا جاتا ہے تو جنات اور انسانوں کے علاوہ اس کے رونے کی آوازوں کو تمام جانور سنتے ہیں اور وہ اس کی چیخوں سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت مُردوں کی آوازوں کو انسانوں اور جنات سے مخفی رکھا ہے تاکہ لوگوں کی زندگی بے قرار نہ ہو۔

مرنے والے، زندوں سے التجا کرتے ہیں

اگر انسان مرنے والوں کی صدائیں سن سکتا تو وہ زندگی بسر کرنے کے قابل نہ رہتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت لوگوں کو مُردوں کی کیفیت سے لاعلم رکھا۔ یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مرنے والے کتنی چیخیں بلند کرتے ہیں اور کس قدر گڑگڑا کر سے ہم سے درخواست کرتے ہیں۔

آج شب قدر ہے لہٰذا مرحومین کو آپ سے بڑی امیدیں وابستہ ہوں گی۔ کچھ توقعات تو ہم زندہ افراد ایک دوسرے سے رکھتے ہیں لیکن ہماری توقعات کی نوعیت مادی ہوتی ہے جبکہ مرحومین آپ سے دعائے خیر کے امیدوار ہوتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق رسول رحمتؐ نے فرمایا ہے کہ اپنے مرحومین پر رحم کرو خاص کر ماہ رمضان میں کیونکہ تمہارے مرحومین تم سے یہ کہتے ہیں: ''ہمیں بھی کئی ماہ رمضان نصیب ہوئے تھے اور کئی قدر کی راتیں ملی تھیں مگر ہم نے ان کی قدر نہیں کی

تھی۔ اب وہ وقت ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور عنقریب تم بھی ہمارے پاس آنے والے ہو۔ ابھی تمہیں ماہ رمضان نصیب ہو رہا ہے، تم ہمارے لئے بھی سوچو۔''

مردوں کی اس حسرتناک کیفیت کو بیان کرتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آبدیدہ ہوگئے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ **کان الموتٰی یاتون فی کل جمعة من شهر رمضان فیقفون و ینادی کل واحد منهم بصوت حزین باکیًا یا اهلاه و یا ولداه و یا قرابتاه اعطفوا علینا بشیء یرحمکم اللّٰه وادکرونا ولا تنسونا بالدعاء وارحموا علینا....** ارواح مرحومین رمضان میں ہر شب جمعہ اپنے گھروں میں آتے ہیں اور رو رو کر اپنے خاندان والوں کو پکارتے ہیں کہ اے میرے اہل خاندان! اے میری اولاد! اے میرے رشتہ دارو! کچھ ہم پر بھی شفقت کرو خدا تم پر رحم کرے گا۔ اپنی دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھو۔ ہمیں مت بھلاؤ اور ہم پر رحم کرو۔ (سفینۃ البحار، جلد دوم، صفحہ ۵۵۶)

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان نیند میں کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر نیند میں روتا ہے اور ساتھ بیٹھے ہوئے یا لیٹے ہوئے شخص کو اس کا رونا سنائی نہیں دیتا اور بعض اوقات انسان خواب میں کوئی اچھا منظر دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور ہنستا ہے جبکہ اس کے ہنسنے کی آواز کسی کے کانوں تک نہیں پہنچتی۔

بس اسی مثال سے یہ سمجھ لیں کہ آپ جب اپنے مرحوم والد کی قبر پر جاتے ہیں تو آپ کو قبر کی اندرونی کیفیت معلوم نہیں ہوتی۔ اس کے متعلق خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں پر کیا گزر رہی ہے۔ آیا ان کی قبر تکالیف کی آماجگاہ ہے یا باغ ارم۔ اس کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتے۔ خوابوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عالم برزخ کے متعلق کچھ نمونہ پیش کیا ہے تاکہ انسان اس کے ذریعے سے عالم برزخ کے حقائق سمجھ سکے۔

جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا

احاطۂ نفس کا تعلق ان آیات الٰہی سے ہے جس سے اہل عقل کو خدا شناسی میں مدد مل سکتی ہے۔ اگر ہم سَر سے لے کر پاؤں تک اپنے تمام اجزائے بدن گننا چاہیں تو اس کی تعداد لاکھوں میں ہوگی اور عجیب بات یہ ہے کہ ایک جسم میں جہاں لاکھوں خلیے پائے جاتے ہیں وہاں ہر خلیے میں روح بھی پائی جاتی ہے۔ اللہ اکبر۔

کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ روح صرف آپ کے سَر یا آپ کے دل میں پائی جاتی ہے۔ نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ آپ اپنے جسم کے جس مقام پر بھی ہاتھ رکھیں گے تو وہاں روح محسوس ہوگی۔

اب اگر کوئی پوچھے کہ روح کہاں ہے تو وہ ہمیں کہیں بھی دکھائی نہیں دے گی مگر اس کے باوجود بھی روح موجود ہے۔ ہماری روح اتنی حساس ہے کہ اگر ہمارے کسی لقمے میں ہلکا سا بال بھی ہو تو بھی وہ اسے محسوس کر لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وجود کو ایک نشانی بنایا ہے۔ جس طرح آپ کی روح سارے بدن پر محیط ہے اسی طرح خدا پوری کائنات پر محیط ہے: اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۝ اللہ تعالیٰ کا علم ہر شے پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (سورۂ طلاق: آیت ۱۲)

چونکہ روح سارے بدن کا احاطہ کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ایک چیونٹی بھی آپ کے پاؤں کو کاٹے تو روح کو اس کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ روح کے علمی احاطے سے ایک ہلکا سا بال بھی باہر نہیں ہے۔ روح اس کا بھی ادراک رکھتی ہے۔ اگر آپ قوت حافظہ کو دیکھیں تو لاکھوں کروڑوں چھوٹی بڑی معلومات آپ کے حافظے میں موجود ہیں اور روح ان سب اطلاعات کو محفوظ رکھتی ہے۔ جب روح اپنے احاطے کی وجہ سے ہر چیز کا ادراک رکھتی ہے تو خداوند عالم جو کہ تمام کائنات پر محیط ہے وہ بھی پوری کائنات کے ذرے ذرے کی حرکت سے آگاہ ہے۔

روح بیک وقت کئی کام کرتی ہے

اللہ تعالیٰ کی ایک شان یہ ہے کہ ایک کام کی مصروفیت اسے دوسرے کام سے باز نہیں رکھتی لایشغله شانٌ عن شانٍ خدا کی اس شان کو اگر آپ نے حسّی طور پر سمجھنا ہو تو پھر آپ اپنے ہی کارخانۂ بدن پر غور فرمائیں۔ ایک شخص جو بول رہا ہوتا ہے اس کی زبان کے ساتھ اس کا دماغ بھی کام کر رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے دماغ میں موجود مطالب کو لفظوں میں بیان کر رہا ہوتا ہے۔ زبان اور دماغ کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھیں بھی کام کر رہی ہوتی ہیں اور وہ لوگوں کو دیکھ بھی رہا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے کان اور دیگر اعضاء بھی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص کی روح اتنی مصروفیات کو کنٹرول کرنے کے باوجود اس کے کارخانۂ بدن کے ایک ایک جزو کی ضرورت سے اسے باخبر کرتی ہے۔

یہ تو ادراکی جہات ہیں جو بیک وقت اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ اس کے علاوہ مخفی قوتیں مثلاً معدہ، گردے اور جگر وغیرہ بھی مصروف عمل ہیں۔ جدید طب کہتی ہے کہ جگر ایک ہی وقت میں بارہ قسم کے افعال سرانجام دیتا ہے۔ ان میں ایک کام خون کی صفائی کرنا بھی ہے۔

دل ہر وقت دھڑکنے اور خون کو پمپ کرنے میں مصروف ہے۔ دل کے چار خانے ہوتے ہیں۔ دو خانوں میں کثیف خون داخل ہوتا ہے اور دل اس کو فلٹر کر کے دوسرے دو خانوں سے نکال دیتا ہے۔ یہ تمام کارخانۂ بدن جس میں بیک وقت بہت سی مشینیں کام کر رہی ہیں چلتا رہتا ہے اور روح ان تمام کاموں میں شریک رہتی ہے۔ ایک کام اسے دوسرے کام سے باز نہیں رکھتا۔

جس طرح ہمارے جسم میں یہ نظام قائم ہے کہ ایک کام دوسرے کام سے نہیں روکتا اسی طرح سے خداوند عالم کی بھی یہی شان ہے کہ اسے ایک کام دوسرے

کام سے نہیں روک سکتا۔ ایک آواز اسے دوسری آوازوں کے سننے سے منع نہیں کرسکتی۔ وہ بیک وقت تمام کائنات کو رزق فراہم کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جب وہ ایک کو رزق دے رہا ہو تو اس مصروفیت کی وجہ سے دوسرے کو رزق نہ دے پائے۔ ایک کرے کی حرکت اسے دوسرے کرات کی حرکت وانتظام سے غافل نہیں کرسکتی۔

دعائے جوشن کبیر میں ہے کہ **لا یمنعه فعل عن فعل، لا یشغله شأن عن شأن ولا یغلطه سوال عن سوال.** یعنی ایک فعل اسے دوسرے فعل سے منع نہیں کرتا، ایک کام اسے دوسرے کاموں سے نہیں روکتا اور سائلین کے سوال اس کے ہاں گڈمڈ نہیں ہوتے۔

یعنی کروڑوں اربوں انسان اللہ تعالیٰ سے بیک وقت سوال کرتے ہیں، وہ ان کی آرزوؤں کو خلط ملط نہیں کرتا۔ مثلاً ایک شخص نے خدا سے کہا کہ خدایا! میں بھوکا ہوں مجھے روٹی عطا کر اور دوسرے نے کہا خدایا! میں پیاسا ہوں مجھے پانی عطا کر۔ اب ایسا ہرگز نہیں ہے کہ خدا پانی مانگنے والے کو روٹی اور روٹی مانگنے والے کو پانی دیدے۔ جب آپ کے کارخانۂ نفس میں یہ غلطی نہیں ہوتی تو احکم الحاکمین سے اس طرح کی غلطی کیسے ہوسکتی ہے؟

حضرت علیؑ عظیم ترین آیات انفسی ہیں

جس طرح حضرت علیؑ تکوین میں اللہ تعالیٰ کی آیت کبریٰ ہیں اسی طرح سے انفس میں بھی وہ اللہ کی آیت عظمیٰ ہیں۔ جس طرح روح پورے اقلیم بدن کا احاطہ رکھتی ہے اسی طرح حضرت علیؑ بھی تمام نفوس کا احاطہ رکھتے ہیں۔ تمام نفوسِ بشر ایک طرف اور نفس علیؑ ایک طرف۔ آپ **لا یشغله شأن عن شأن** کی شان کے مظہر اتم ہیں۔ اگر ہم ان کے متعلق یہ کہیں کہ آپ نفس کلی الٰہی ہیں تو ہماری یہ بات کسی مبالغے پر مبنی نہیں ہوگی۔

تمام نفوس جزو کی اور نفس علیؑ کُل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ نے خدا کے احاطے کو سمجھنا ہے تو پہلے مظہر خدا حضرت علیؑ کے احاطے کو سمجھیں۔

جس مجلس میں حضرت علیؑ کی فضیلت بیان کی جائے وہ مجلس اس قدر محترم بن جاتی ہے کہ ملائکہ اسے گھیر لیتے ہیں۔ جب مجلس ختم ہوتی ہے اور فرشتے واپس جاتے ہیں تو وہاں دوسرے فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیسی عمدہ خوشبو ہے جسے تم اپنے ساتھ لائے ہو ہمیں بھی اس خوشبو کے متعلق کچھ بتاؤ تو وہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ہم ایک مجلس میں شریک ہوئے تھے جہاں علی ابن ابی طالبؑ کے فضائل بیان ہو رہے تھے۔ ہم یہ خوشبو وہیں سے لائے ہیں۔

دوسرے فرشتے کہتے ہیں: ہم بھی وہاں جاتے ہیں تاکہ ہمیں بھی یہ خوشبو حاصل ہو سکے۔

پہلے فرشتے کہتے ہیں: افسوس! اب تو مجلس ختم ہو چکی ہے لیکن تم ضرور جاؤ اور مجلس کے درو دیوار کو جا کر مس کرو۔ ابھی تک ان درو دیوار سے نام علیؑ کی خوشبو آ رہی ہے۔ خدا نے چاہا تو آپ حضرات بھی نام علیؑ کی یہی خوشبو اپنے ساتھ قبر میں لے کر جائیں گے۔

ہزاروں کے مقابلے میں اکیلے علیؑ

سید بحرانی مدینۃ المعاجز میں لکھتے ہیں کہ جنگ صفین کم و بیش اٹھارہ مہینے جاری رہی۔ ایک دفعہ معاویہ بن ابی سفیان نے جنگ کا پانسہ پلٹنے کے لئے پچیس ہزار کا ایک خصوصی لشکر تیار کیا جس کا ہر شخص سر سے لے کر پاؤں تک لوہے میں ملبوس تھا۔ دو آنکھوں کے علاوہ ان کے بدن غرق آہن تھے۔

جب پچیس ہزار مسلح افراد اس ہیئت میں نمودار ہوئے تو حضرت علیؑ کی فوج حوصلہ ہارنے لگی اور ان کے مقابلے میں جانے سے بزدلی کا مظاہرہ کرنے لگی۔

حضرت علیؑ نے اپنی فوج کے سامنے خطبہ دیا جس میں انہیں جنگ پر ترغیب دی مگر آپ کے لشکر کا خوف دور نہ ہوا۔ پھر آپ نے اپنے لشکر سے فرمایا تمہیں ڈرنے، بھاگنے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں اکیلا ان سے نمٹ لوں گا۔

پچیس ہزار کا لشکر تھا اور ایک ایک ہزار کی صف تھی اور یوں معاویہ کے خصوصی لشکر جس کا نام اس نے کتیبہ رکھا تھا کی پچیس صفیں تھیں۔

صاحب ذوالفقار نے ان پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ کچھ ہی دیر بعد لشکر کتیبہ کے سپاہی کٹ کٹ کر زمین پر آرہے۔ یہ دیکھ کر لشکر شام نے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی۔ چنانچہ وہ لشکر جس تیزی سے آگے بڑھا تھا اسی تیزی کے ساتھ واپس دوڑا اور معاویہ کے خیمے کے سامنے پہنچا۔

جب معاویہ نے اپنے لشکر کی یہ حالت دیکھی تو کہا: تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ تمہاری یہ درگت کس نے بنائی ہے؟ کیا علیؑ کا لشکر تم سے زیادہ تھا؟

معاویہ کے فوجیوں نے کہا: اے معاویہ! ہم نے تو کسی لشکر کو نہیں دیکھا۔ علیؑ کے لشکر میں سے ایک بھی فوجی ہمارے مقابلے پر نہیں آیا۔ ہم پر صرف علیؑ نے ہی حملہ کیا تھا۔ ہم جب بھی اپنے پیچھے دیکھتے تھے ہمیں علیؑ اپنے تعاقب میں دکھائی دیتا تھا اور وہ ذوالفقار سے ہم پر حملے کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ اے معاویہ! بس یہی سمجھ لے کہ ہم میں سے جتنے افراد بھی قتل ہوئے ہیں وہ سب علیؑ کی تلوار کے مقتول ہیں، جسے بھی نیزہ لگا ہے وہ بھی علیؑ نے ہی اس کے جسم میں اتارا ہے اور اگر ہم میں سے کسی کو تیر لگا ہے تو وہ بھی علیؑ کا ہی ہے۔

معاویہ نے کہا: تم بے وقوف ہو اور تمہیں یہ پتا ہی نہیں ہے کہ علیؑ کے پاس تیر سرے سے ہوتے ہی نہیں ہیں۔

فوجیوں نے کہا: معاویہ! ہمیں اور کچھ پتا نہیں ہے۔ علیؑ کبھی تیر سے ہم پر حملہ آور ہوتے تھے، کبھی نیزے سے اور کبھی تلوار سے۔ کبھی کسی کے پیچھے دکھائی

دیتے تھے، کبھی کسی کے تعاقب میں دکھائی دیتے تھے۔ الغرض ہمیں پورے میدان جنگ پر علیؑ چھائے ہوئے دکھائی دیئے۔

حضرت علیؑ ہر مرنے والے کے پاس آتے ہیں

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ پچیس ہزار کے لشکر کو اپنے پیچھے صرف حضرت علیؑ ہی نظر آئے مگر اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ آپ نے اپنی روح کا یہ کرشمہ دیکھا کہ وہ آپ کے تمام اجزائے بدن پر احاطہ رکھتی ہے اسی طرح حضرت علیؑ بھی نفس کلی الٰہی ہیں لہٰذا اگر آپ پچیس ہزار افراد پر احاطہ کریں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔

اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ آپ ہر مرنے والے کی بالین پر پہنچ جاتے ہیں جبکہ آن واحد میں ہزاروں افراد مرتے ہیں اور مختلف مقامات پر اموات واقع ہوتی ہیں۔ کوئی شمال میں مرتا ہے تو کوئی جنوب میں۔ کوئی مشرق میں مرتا ہے تو کوئی مغرب میں۔ مگر حضرت علیؑ نفس کلی الٰہی ہیں جبکہ باقی تمام نفوس نفس جزوی ہیں اسی لئے حضرت علیؑ ان سب پر احاطہ رکھتے ہیں۔ یہ احاطہ و قدرت آپ کو خدا نے عطا کی ہے اور آپ اپنے ''بدن مثالی'' سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی لئے ایک صف آپ کو دوسری صف سے مانع نہیں ہوتی اور آپ کو شمشیر زنی، نیزہ بازی سے اور نیزہ بازی تیراندازی سے نہیں روکتی۔ حضرت علیؑ کے تصرف ولایت میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آپ مظہر العجائب و مظہر الغرائب ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک رات حضرت علیؑ چالیس مقامات پر بیک وقت مہمان ہوئے۔ تمام میزبان ایک دوسرے سے کہتے کہ کل رات علیؑ ہمارے مہمان تھے۔ دوسرا کہتا تھا کہ نہیں! کل رات علیؑ ہمارے مہمان تھے۔ پھر تیسرا کہتا کہ کل رات علیؑ ہمارے مہمان تھے۔ الغرض چالیس افراد نے یہ دعویٰ کیا کہ کل رات علیؑ ان کے مہمان تھے۔ اتنے میں جبرئیل امینؑ، رسول خداؐ پر نازل ہوئے اور عرض کی:

یارسول اللہؐ! کل رات علیؑ ہمارے ساتھ تھے۔

حضرت علیؑ کی اولاد نے اذان صبح سے پہلے ان کے جنازۂ اطہر کو اٹھایا۔

علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں کتاب مشارق الانوار کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اذان صبح سے پہلے امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے اپنے والد کا جنازہ اٹھایا۔ انہوں نے چارپائی کے پچھلے دو پائے پکڑے ہوئے تھے جبکہ اگلے پائے خودبخود اٹھے ہوئے تھے۔ جبرئیلؑ اور میکائیلؑ نے انہیں تھام رکھا تھا اور یوں جبرئیلؑ اور میکائیلؑ آگے آگے اور حسنین کریمینؑ پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ حضرت زینبؑ، ام کلثومؑ اور دوسری خواتین نے بھی جنازے کے ساتھ آنے کا ارادہ کیا مگر امام حسینؑ نے سب سے فرمایا: تم دروازے سے چلی جاؤ باہر نہ آؤ۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا جب ہم نجف کے قریب پہنچے تو ایک سوار کی بوئے مشک نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا لیکن اس نے نقاب پہنا ہوا تھا اور اس نے مجھ سے کہا: کیا تو ہی حسنؑ ہے، تو ہی سبط اکبر اور علیؑ کا وصی ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں! میں ہی حسنؑ ہوں۔

پھر سوار نے کہا: یہ ابوالائمہ حسینؑ ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں! یہ حسینؑ ہے، یہ حکمت کا تربیت یافتہ ہے۔

سوار نے کہا: یہ جنازہ میرے سپرد کردو۔

امام حسنؑ نے کہا: ہمیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہمارے والد وصیت کر گئے تھے کہ ان کا جنازہ حضرت جبرئیلؑ اور حضرت خضرؑ کے علاوہ اور کسی کے حوالے نہ کرنا۔ مگر آپ کون ہیں؟

جب میں نے اس سے یہ پوچھا تو اس نے اپنا نقاب الٹا۔ ہم نے دیکھا تو ہمارے والد اسداللہ الغالب علی ابن ابیطالب علیہ السلام خود تھے۔ اس وقت آپ نے مجھ سے فرمایا: اے ابومحمد! جب میں ہر جنازے کے سرہانے حاضر ہوتا ہوں تو کیا اپنے جنازے پر حاضر نہ ہوں گا؟

حارث ہمدانی سے گفتگو

حارث ہمدانی حضرت علیؑ کے صحابی تھے۔ وہ اتنے بوڑھے ہوگئے تھے کہ ان کی کمر جھک گئی تھی۔ وہ بیماری کے عالم میں بڑی مشکل سے چلتے ہوئے حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے امیرالمومنینؑ! میں بوڑھا ہوگیا ہوں، میرا گھر بھی کافی دور ہے اس لئے آپ کے دیدار سے محروم رہتا ہوں۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: یا حارث! من یمت یرنی یعنی اے حارث! جب بھی کوئی مرتا ہے تو وہ مجھے دیکھ کر مرتا ہے، میں تجھے صراط پر نظر آؤں گا، تو مجھے جنت و دوزخ تقسیم کرتے ہوئے دیکھے گا، میں اہل جنت کو جنت اور اہل نار کو دوزخ میں ٹھہراؤں گا، اگر میرا کوئی چاہنے والا دوزخ میں ہوگا تو میں اسے دوزخ سے باہر نکال لوں گا، قیامت کے دن میں دوزخ سے کہوں گا کہ یہ میرا ہے اسے چھوڑ دے اور وہ میرا دشمن ہے اسے پکڑ لے۔ (سفینۃ البحار، جلد اول، صفحہ ۲۴۰)

سید حمیری نے حضرت علیؑ کے فرمان کو نظم میں یوں ادا کیا:

یا حار همدان من یمت یرنی   من مؤمن او منافق قبلا
یعرفنی طرفه و اعرفه   بعینه و اسمه وما عملا
و انت عند الصراط تعرفنی   فلا تخف عثرة ولا زللا
اسقیک من بارد علی ظما   تخاله . فی الحلاوة عسلا
اقول للنار حین توقف للعرض   دعیه لا تقبلی الرجلا
دعیه لا تقربیه ان له   حبلا بحبلی الوصی متصلا

اے حارث ہمدانی! ہر مرنے والا مجھے دیکھتا ہے خواہ وہ مومن ہو یا منافق۔ اس کی آنکھ مجھے پہچان رہی ہوتی ہے اور میں خود بھی اسے اس کے نام اور اس کے اعمال سے پہچان لیتا ہوں۔ جب تو صراط پر مجھے پہچانے گا تو اس وقت کسی ٹھوکر اور

گرنے کا اندیشہ نہ کرنا۔ تجھے پیاس کے وقت میں ٹھنڈا جامِ کوثر پلاؤں گا جس کی مٹھاس کی وجہ سے تو اسے شہد سمجھے گا جب تو دوزخ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو میں دوزخ سے کہوں گا کہ اسے چھوڑ دے اور اِس شخص کو قبول نہ کر۔ اسے چھوڑ دے، اِس کے قریب نہ جا کیونکہ اِس کی رسی وصی کی رسی سے متصل ہے۔

علیؑ کی تدفین میں ارواحِ طیبہ کی شرکت

حضرت کی وصیت کے تحت چند بیلچے زمین پر مارے گئے تو ایک بنی بنائی قبر ظاہر ہوئی جس پر ایک تختی نصب تھی اور تختی پر یہ عبارت تحریر تھی: ''اس قبر کو نوحؑ پیغمبر نے عبد صالح طاہر و مطہر وصی محمدؐ کے لئے تیار کیا ہے۔''

امام حسن مجتبیٰؑ نے آپ کی لاش کو قبر میں اتارا۔

مشارق الانوار میں مرقوم ہے کہ امیر المومنینؑ نے امام حسنؑ سے فرمایا تھا: میری قبر میں دو رکعت نماز ادا کرنا، پھر میری قبر میں دیکھنا کہ کیا چیز دکھائی دیتی ہے؟

امام حسنؑ نے دو رکعت نماز ادا کی اور قبر سے باہر آئے تو آپ نے دیکھا کہ حضرت رسول اکرمؐ، حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ، حضرت علیؑ کے استقبال کے لئے آئے ہوئے ہیں اور جب آپ نے قدموں کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ حضرت فاطمہ زہراؑ، حضرت حواؑ، حضرت مریمؑ بنت عمران اور حضرت آسیہؑ آئی ہوئی ہیں۔

الغرض یہ سب نفوس قدسیہ جنت کے مالک کے استقبال کے لئے ان کی قبر پر آئے تھے۔ جب تدفین مکمل ہوگئی تو امام حسنؑ نے حسب وصیت نشان قبر کو مٹا دیا۔ حضرت علیؑ نے یہ وصیت اس لئے کی تھی کہ آپ کو معلوم تھا کہ آپ کے بعد اقتدار مکمل طور پر بنی امیہ کے ظالم حکام کے پاس چلا جائے گا اور اگر ان اشقیاء کو قبر علیؑ کے نشان کا پتا چل گیا تو آپ کی قبر کی بے حرمتی کریں گے اور قبر کھودنے اور لاش کی بے ادبی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

اور جب امام حسنؑ نجف سے واپس آئے تو آپ نے تین فرضی تابوت

تیار کئے اور روایت میں ہے کہ امام حسنؑ نے ایک تابوت پر نماز جنازہ پڑھی اور جنازہ کے بعد اس تابوت کو گھر میں بھیج دیا گیا تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ حضرت کو گھر میں دفن کیا گیا ہے۔ دوسرا تابوت جعدہ بن ہبیرہ کے گھر روانہ کیا گیا اور تیسرا تابوت مسجد کوفہ کی طرف لایا گیا۔ اس سے امام حسنؑ یہ چاہتے تھے کہ لوگوں کو حضرت کے مقام دفن کا صحیح اندازہ نہ ہو سکے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ان تابوتوں کے علاوہ امام حسنؑ نے تین اور تابوت تیار کرائے۔ ایک تابوت بیت المقدس کی طرف بھیجا گیا، ایک تابوت مدینہ طیبہ اور ایک تابوت کو مکہ بھیجا گیا تا کہ لوگوں کو حضرت کے مقام دفن کے متعلق صحیح علم نہ ہو سکے۔ (ارشاد القلوب، دیلمی)

امام حسنؑ نے چھ فرضی تابوت تیار کرا کے لوگوں کے اذہان کو نجف کی طرف منتقل نہ ہونے دیا اسی لئے حضرتؑ کی قبر مطہر ایک عرصے تک ہر دوست و دشمن سے مخفی رہی جبکہ خانوادہ طہارت کے افراد کو آپ کی قبر مطہر کا مکمل علم تھا۔

امام سجادؑ واقعہ کربلا کے بعد کئی بار خفیہ طور پر نجف آئے اور اپنے جد نامدار کی قبر مطہر کی زیارت کی اور آپ نے اپنے خواص کو بھی قبر مطہر سے مطلع فرمایا جن میں ابوحمزہ ثمالی (جن کی طرف مشہور دعا منسوب ہے) بھی شامل تھے۔

امام محمد باقر علیہ السلام بھی کئی بار مدینہ سے نجف تشریف لائے اور آپ کی قبر مطہر کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور قبر مطہر کے کنارے نماز اور دعائیں پڑھیں اور انہوں نے بھی اپنے خاص اصحاب کو قبر مطہر سے مطلع کیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے زمانہ امامت میں صفوان کو کچھ رقم دے کر فرمایا کہ تم پتھروں سے نشان قبر کو واضح کرو۔ صفوان نے وہاں پر پتھروں کا ڈھیر لگا دیا اور وہ جگہ ایک ٹیلہ کی طرح سے اونچی محسوس ہونے لگی۔ امام جعفر صادقؑ اپنے اصحاب کے ساتھ کئی بار نجف تشریف لائے جہاں انہوں نے حضرت علیؑ کی قبر مطہر کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔

قبرِ علیؑ اور شکاری جانور

الغرض حضرت علی علیہ السلام کی قبر مطہر ایک عرصے تک گمنام رہی اور ائمہ اہلبیتؑ اور ان کے اصحاب خاص کے سوا کسی کو اس کے بارے میں علم نہیں تھا۔ آپ کی قبر مطہر کا انکشاف ہارون رشید کے دور میں ہوا۔

اس واقعے کو علماء نے یوں نقل کیا کہ ہارون رشید شکار کے لئے بغداد سے نکلا تو اس کے ساتھ شکاری کتے اور باز بھی تھے۔ شکار کرتے کرتے وہ کوفے کے قریب پہنچا اور کوفے سے باہر صحرا میں انہیں کچھ ہرن دکھائی دیئے۔ کتوں نے ہرنوں کا تعاقب کیا یہاں تک کہ ہرن وادی نجف میں پہنچ گئے اور ہارون کے کتے ٹیلے سے نیچے رک گئے اور باز بھی ان پر نہ جھپٹے۔ ہارون رشید نے اپنے کتوں کو ٹیلے پر چڑھانے کے لئے بڑے جتن کئے لیکن کتے ٹیلے پر نہ چڑھے۔ ہارون یہ دیکھ کر حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ آخر کیا ماجرا ہے کہ اس جگہ کتے اوپر کیوں نہیں چڑھتے؟

پھر اس نے سوچا کہ ممکن ہے کہ یہ کوئی اتفاق ہو۔ کافی دیر تک ہرن ٹیلے پر بیٹھے رہے۔ پھر وہ خود ہی نیچے اترے۔ جیسے ہی وہ ٹیلے سے نیچے اترے تو کتوں نے ان کا دوبارہ تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ جب ہرنوں نے دیکھا کہ وہ شکاری کتوں سے مزید نہیں سکتے تو وہ دوڑتے ہوئے دوبارہ اسی ٹیلے پر چڑھ گئے۔ جیسے ہی ہرن ٹیلے پر چڑھے تو کتے نیچے بیٹھ گئے اور کوئی بھی کتا ٹیلے پر نہ چڑھا۔ الغرض ہارون نے تین بار یہ منظر دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ یہاں قدرت کا کوئی راز پوشیدہ ہے۔

اس واقعے کو صرف شیعہ علماء نے ہی بیان نہیں کیا بلکہ اہلسنت مورخین نے بھی اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے۔ مشہور مورخ ابن خلکان نے اس واقعے کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب تین بار ہرنوں نے ٹیلے پر پناہ لی تو ہارون نے کہا کہ ہو نہ ہو اس ٹیلے میں خدا کا کوئی عظیم راز پوشیدہ ہے۔ یہ ایسی پناہ گاہ لگتی ہے

کہ جہاں جانوروں تک کو پناہ ملتی ہے۔

پھر ہارون نے کہا کہ اس علاقے میں چل پھر کر کسی بوڑھے کو ڈھونڈو ہم اس سے اس جگہ کا راز پوچھیں گے۔ ہارون کے آدمی صحرا میں گئے اور بالآخر ایک بوڑھے کو ڈھونڈ لائے۔ ہارون نے اس سے پوچھا کہ اس ٹیلے کا کیا راز ہے؟

بوڑھا بولا: میں اس راز کو جانتا ہوں مگر بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہوں۔

ہارون نے کہا: تجھے امان ہے، میں اس ٹیلے کا راز جاننا چاہتا ہوں۔

بوڑھا بولا: میں صادق آل محمدؑ کے ساتھ یہاں کئی بار آچکا ہوں۔ یہ امیرالمومنین علی ابن ابیطالبؑ کی قبر مطہر ہے۔

ہارون نے وضو کیا، پھر وہاں نماز پڑھی اور ایک چوبی صندوق بنوا کر قبر مطہر پر نصب کیا اور قبر مطہر پر ایک روضہ بنوایا جس کے چار دروازے تھے۔ فرحۃ الغری میں ہے کہ ہارون وہ پہلا شخص ہے جس نے امیرالمومنینؑ کے روضے کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد ۳۰۰ھ میں سلطان عضدالدولہ دیلمی نجف آیا تو اس نے وہاں شاندار روضہ بنوایا۔ پھر مختلف سلاطین اپنے اپنے دور میں روضۂ مبارک میں توسیع کرتے رہے یہاں تک کہ نادرشاہ نے امیرالمومنینؑ کا عظیم الشان روضہ تعمیر کرایا۔

احمٰی من مجیر الجراد

مثل مشہور ہے کہ احمی من مجیر الجراد یعنی فلاں شخص ٹڈی دل کو پناہ دینے والے سے بھی زیادہ پناہ دینے والا ہے۔ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ کسی قبیلے کے رئیس نے بدوؤں کا ایک جتھہ دیکھا جو ٹڈیوں کو پکڑنے کے لئے بورے وغیرہ لے کر اس کے خیمے کے پاس آ پہنچا تھا کیونکہ وہ ٹڈی کو بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ اس نے پوچھا تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ ٹڈیاں جو تمہارے خیمے کے پاس بیٹھی ہیں ہم سورج نکلنے سے پہلے ان کو پکڑنا چاہتے ہیں۔

اس نے کہا: ٹڈیاں میری پناہ میں آئی ہیں اور میں تمہیں ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ تم انہیں کوئی تکلیف پہنچاؤ۔ یہ کہہ کر اس نے نیزہ اٹھایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر ان لوگوں کے بالمقابل کھڑا ہوگیا حتیٰ کہ سورج نکل آیا اور ٹڈیاں اُڑ گئیں۔ پھر اس نے کہا: ٹڈیاں میرے احاطے سے اُڑ گئی ہیں اب جو تمہارا جی چاہے کرو۔

اسی دن سے **مجیر الجراد** کی مثل مشہور ہوگئی۔ جس شخص کو عرب اُس رئیس قبیلہ سے بھی زیادہ غیرت مند کہنا چاہتے ہیں اسے **احمٰی من مجیر الجراد** کہہ کر پکارتے ہیں کہ فلاں شخص ٹڈی دل کو پناہ دینے والے سے بھی زیادہ غیور ہے۔ پناہ لینے والوں کا خیال رکھتا ہے اور اپنی پناہ میں آئے ہوئے لوگوں کے خلاف کسی کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔

چنانچہ شیخ عباس قمیؒ نے حضرت امیرالمومنینؑ کو **اَحْمٰی مِنْ مُّجِیْرِ الْجَرَادِ** کہہ کر خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یا علیؑ! ہم ٹڈی دل سے کمتر تو نہیں ہیں اور آپ اس رئیس قبیلہ سے کہیں زیادہ غیرت مند ہیں چنانچہ آپ بھی ہمیں اپنے در پر آنے والا ٹڈی دل تصور کر کے ہماری نگہبانی فرمائیں۔

قبر علیؑ سے انوار کا فیضان

مرحوم آخوند ملا فتح علی نے مکاشفہ میں دیکھا کہ امیرالمومنینؑ کی قبر مطہر سے نور نکل کر حرم مطہر کی تمام قبروں کو منور کر رہا ہے اور نور اس قدر زیادہ ہے کہ نجف کے تمام گھر اور مسافر خانے چمک اٹھے ہیں۔

نجف میں قبریں بہت زیادہ ہیں۔ نجف کا کوئی گھر اور کوئی کوچہ ایسا نہیں ہے جہاں قبریں نہ ہوں۔ قبر مطہر سے چمکنے والا نور ہر قبر کو روشن کر رہا تھا یہاں تک کہ اس نور سے وادی السلام کی تمام قبریں چمکنے لگیں اور یوں دکھائی دیتا تھا کہ تمام

قبریں ایک رسی کے ذریعے سے امیرالمومنینؑ کی قبر سے متصل ہیں۔

جب مرحوم نے یہ مکاشفہ دیکھا تو انہیں یقین ہوگیا کہ یہاں دفن ہونے والے تمام محبانِ علیؑ کو امیرالمومنین کا خصوصی فیض حاصل ہوتا ہے اور وہ سب کے سب عذاب الٰہی سے امان میں ہیں۔

آج شب قدر ہے۔ پروردگارا! اس رات ہماری حاجات میں سے ایک حاجت یہ ہے کہ ہمیں حضرت امیرالمومنینؑ کی قبر مطہر کی زیارت نصیب فرما اور ہمیں ان کے جوار میں دفن ہونے کی سعادت عنایت فرما۔

یقین فرمائیں کہ اگر کوئی شخص خلوص دل سے دعا مانگے گا تو اس کی دعا ضرور قبول ہوگی اور جو شخص مولائے کائنات سے گہری عقیدت رکھتا ہو تو یہ بات حضرت کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اپنے محب کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں۔

اگر کوئی حضرت علیؑ سے پناہ مانگے تو کیا وہ اسے چھوڑ دیں گے؟ **ماھکذا الظن بک** حضرت کے متعلق ایسا گمان بھی غلط ہے۔ آپ خداوند عالم کی عظیم آیت اور اس کے اسماء و صفات کا بہترین مظہر ہیں۔ اگر کوئی گناہگار خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اسے محروم نہیں رکھتا اور جو ہاتھ خدا کی طرف اٹھتا ہے خدا اسے خالی نہیں لوٹاتا۔ یہ خدا کی صفت کمالیہ ہے اور چہاردہ معصومینؑ اس صفت کمالیہ کے مظہر اتم ہیں۔ جو مومن آل محمدؐ سے جس قدر وابستگی رکھتا ہے اسی قدر وہ اس صفت کمالیہ کا مظہر ہوتا ہے۔ خدا کی صفات کمالیہ میں سے ایک صفت حیا ہے۔

اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ''دعا کے لئے ہاتھ بلند کرنے کے بعد جب تم دعا ختم کرتے ہو تو اپنے ہاتھ اپنے چہرے اور سینے سے کیوں مَس کرتے ہو؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کو اس بات سے حیا محسوس ہوتی ہے کہ وہ اپنی طرف اٹھنے والے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے۔''

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ہاتھ دراز کر کے خدا سے کچھ مانگیں اور وہ نہ دے؟

ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ آپ کی دعا میں خلوص نہ ہو۔ اگر دعا خلوص اور نیاز و عاجزی کے ساتھ مانگی جائے تو یہ بات محال ہے کہ خدا خالی ہاتھ لوٹا دے۔ یقین کریں کہ وہ آپ کی جھولی کو ثمر مراد سے پُر کر کے لوٹائے گا۔

ہم امید رکھتے ہیں کہ موت کے وقت حضرت علیؑ کی نظر کرم ہم پر ہوگی کیونکہ حضرت علیؑ خداوند کریم کے کریم نمائندے ہیں۔ پس دعا ہے کہ خدایا! ہم سب کی مدد کے لئے حضرت علیؑ کو بھیج۔ قبر کی تاریک وادی میں ان کے نور کو ہماری مدد کے لئے روانہ فرما۔ **اسئلک الأمن والایمان بک والتصدیق بنبیک**

میں نے عرض کیا کہ جب حضرت علیؑ کا جنازہ گھر سے باہر آیا تو اس وقت پردہ دار بیبیوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں اور انہوں نے جنازے کے ساتھ آنے کا ارادہ کیا تو امام حسینؑ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا صبر کرو۔

اور یہی حسینؑ تھے جو روز عاشورا رخصت آخر کے بعد خیمے سے باہر آنے لگے تو بیبیوں نے انہیں گھیر لیا اور وہ آپ کو باہر نہ نکلنے دیتی تھیں۔ آپ نے اس وقت بھی انہیں صبر کی تلقین کی اور فرمایا: **علیکن بالصبر' ان البکاء امامکن** صبر کرو! کیونکہ آگے تمہیں بہت رونا ہے۔ ابھی نہ رو! کیونکہ تمہارے رونے سے دشمن خوش ہوتے ہیں۔

بدگمانی سے پرہیز کریں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ... فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ○ اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو۔ یقیناً بعض گمان گناہ کا درجہ رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ یقیناً تم اسے برا سمجھو گے۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اس سورے کی آخری آیات چند فقہی احکام پر مشتمل ہیں۔ ان آیات کے مفہوم کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ ان آیات میں صرف اخلاقی ذمہ داریوں کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ نہ تو انہیں ایک موعظہ سمجھ کر ٹالا جاسکتا ہے اور نہ ہی استحسان اخلاقی کا نام دے کر صرف نظر کیا جاسکتا ہے۔ یہ خدائی احکام ہیں لہٰذا ہم سب پر ان کی معرفت حاصل کرنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے ان احکامات کا علم نہیں تھا تو اس کا یہ بہانہ قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس سے کہا جائے گا **ھلا تعلمت** اگر تجھے علم نہیں تھا تو تو نے علم حاصل کیوں نہیں کیا؟ احکام سے ناواقفیت کوئی عذر شرعی نہیں ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: **لوددت ان اصحابی ضربت رؤسھم بالسیاط حتی یتفقھوا** میں چاہتا ہوں کہ اپنے اصحاب کے سروں پر تازیانہ ماروں یہاں تک کہ وہ فقیہ ہو جائیں۔ (اصول کافی، باب فرض العلم، صفحہ ۳۱)

آل محمدؐ کا شیعہ حلال و حرام کو جاننے والا ہوتا ہے۔ اسے جن امور سے سابقہ پڑتا ہے ان کے متعلق اسے شرعی احکام معلوم ہونے چاہئیں۔ میری گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ آپ احکام دین کو اہمیت دیں کیونکہ احکام دین کا جاننا اور سمجھنا اور ان پر عمل کرنا واجب ہے۔

لوگوں کے عمل کو فساد پر محمول نہ کریں

سوئے ظن یہ ہے کہ مثلاً آپ کسی مومن کے قول و فعل کو دیکھیں اور اسے غلط معانی پہنائیں۔ ایک شخص اگر دوسرے کی کوئی بات سنے اور اچھی طرح سمجھ نہ پائے کہ اس نے کیا کہا ہے برا یا بھلا اور اسے مثبت کی بجائے منفی رنگ دے تو اسے سوئے ظن کہا جاتا ہے۔

جب تک کسی شخص کے قول و فعل کے متعلق یقین پیدا نہ ہو جائے اور ہر طرح کے ''شاید'' کی گنجائش ختم نہ ہوجائے تو اس وقت تک کسی کے قول و فعل کو غلط معانی پہنانا جائز نہیں ہے۔

امام علیہ السلام اس مسئلے کے متعلق اتنے حساس تھے کہ آپ نے فرمایا:

کذب سمعک و بصرک یعنی اپنے بھائی کے متعلق اپنے کان اور آنکھ کی تکذیب کرو۔ (سفینۃ البحار، جلد دوم، صفحہ۱۱)

امام علیہ السلام کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ اگر تو نے اپنے مومن بھائی کا ایک عمل اپنی آنکھوں سے دیکھا اور تو نے اپنے کانوں سے کوئی ناگوار جملہ سنا اور مومن یہ کہہ دے کہ میں نے یہ بات نہیں کی تھی، تو تم یہ کہو کہ شاید میرے کانوں نے اچھی طرح سے نہ سنا ہوگا۔ آدمی کو کبھی مغالطہ بھی ہو جاتا ہے جبکہ میرے خیال کے مطابق تو نے یہی کہا تھا۔

کبھی کبھی انسان کو دیکھنے میں بھی اشتباہ ہوجاتا ہے اس لئے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں نے یہ چیز اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے لہذا یہ حرف آخر ہے۔

فرض کریں کہ ایک شخص صحرا میں سفر کر رہا ہے اور سورج بھی چمک رہا ہے۔ اسے اپنے سامنے کی ریت پانی کی مانند دکھائی دیتی ہے جبکہ وہ پانی نہیں بلکہ ریت ہوتی ہے جسے سراب یا فریب نظر کہا جاتا ہے۔

اسی طرح جب آپ ریل گاڑی میں سفر کرتے ہیں اور کھڑکی سے باہر دیکھتے ہیں تو آپ محسوس کرتے ہیں کہ گاڑی ایک ہی جگہ کھڑی ہوئی ہے اور اردگرد کے درخت پوری قوت سے دوڑ رہے ہیں جبکہ آپ کا یہ مشاہدہ صحیح نہیں ہوتا۔ درخت نہیں دوڑتے بلکہ آپ کی گاڑی دوڑ رہی ہوتی ہے۔ یہ بھی فریب نظر کی مثال ہے۔

ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ ہر جگہ پر مشاہدہ صحیح نہیں ہوتا بلکہ کبھی آنکھ بھی دھوکہ کھا جاتی ہے۔ چنانچہ اگر آپ اپنی آنکھوں سے بھی کسی مومن کی غلطی دیکھیں تب بھی یہ نہ کہیں کہ میں نے یہ چیز اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ یاد رکھیں جب تک کسی مومن کے قول وفعل کے متعلق ''شاید'' کی گنجائش ہوتی ہو اس وقت تک اس کے متعلق بدگمانی نہ کریں۔ بعض دفعہ انسان کسی کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن جب حقیقت عیاں ہوتی ہے تو اسے شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔

ایک بہرا جو سلام کا جواب نہیں دیتا تھا

آج سے تیں پینتیس سال پرانی بات ہے کہ ایک محترم بزرگ ہوا کرتے تھے جنہیں میں دیکھ کر ہمیشہ سلام میں پہل کیا کرتا تھا لیکن وہ مجھے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے۔ کچھ دن تک تو میں نے اپنے معمول کو جاری رکھا۔ پھر میں نے سلام کرنا چھوڑ دیا اور مجھے ان کی اس روش سے تکلیف ہوئی۔

بہرطور دن گزرتے رہے اور ان کی وفات ہوگئی۔ ان کی وفات کے کچھ عرصے بعد میں ایک محفل میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان بزرگوار کا ذکر چل نکلا۔ ایک دوست نے کہا کہ مرحوم زندگی کے آخری سالوں میں قوت سماعت کھو بیٹھے تھے۔ جب میں

نے یہ بات سنی تو مجھے اپنے رویے پر سخت افسوس ہوا کیونکہ میں نے ان کے متعلق یہ فرض کرلیا تھا کہ وہ مجھے ازراہ تکبر سلام کا جواب دینا پسند نہیں کرتے جبکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ بیچارے بہرے تھے اسی لئے انہیں میرا سلام سنائی ہی نہیں دیتا تھا اور جب وہ سنتے ہی نہیں تھے تو جواب کیسے دیتے؟

لہٰذا میری آپ حضرات سے گزارش ہے کہ کسی کے متعلق سوئے ظن سے کام نہ لیں اور کسی پر تہمت نہ تراشیں۔ بدگمان ہونا اور غیبت کرنا انتہائی برا عمل ہے اور اس سے ہرصورت بچنا چاہئے۔

کسی ولی کے متعلق بدگمانی انتہائی خطرناک ہے

بیان کیا جاتا ہے کہ مشہد مقدس میں ایک متدین تاجر رہتا تھا۔ اس نے حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ آپ لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ پرانے زمانے میں سفر حج پر کئی مہینے لگ جاتے تھے۔

اس تاجر نے سوچا کہ اپنی دکان اور مکان اور بیوی بچے کسی کے سپرد کردوں۔ بالآخر وہ ایک تاجر کے پاس گیا جو کہ زہد وتقویٰ میں بڑا مشہور تھا۔ اس کے تقدس کا عالم یہ تھا کہ اگر اس دور میں اہل مشہد سے پوچھا جاتا کہ یہاں سب سے بڑا دیانتدار شخص کون ہے تو وہ سب اسی کا نام لیتے۔

بہرحال حج کا خواہش مند تاجر اسی دیانتدار تاجر کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ آپ میری مدد کریں۔ اس تاجر نے پوچھا: بتائیں میں آپ کی کیا مدد کروں؟

پہلے تاجر نے کہا: میں حج پر جانا چاہتا ہوں اور اپنی دکان اور مکان آپ کو سونپنا چاہتا ہوں۔ اور یہ کہ آپ گاہے بگاہے میرے گھر کا چکر لگالیا کریں اور اگر میرے اہل خانہ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے پورا کردیا کریں۔ الغرض دوسرے تاجر نے اس کی بات قبول کرلی اور پہلا تاجر سفر حج پر روانہ ہوگیا۔

ایک دن دیانتدار تاجر دوسرے تاجر کے گھر گیا تاکہ اس کے اہل خانہ کی احوال پرسی کرے۔ جب وہ اس کے گھر پہنچا تو اتفاق سے دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس کی بیوی اسے دکھائی دی۔ وہ اتنی حسین وجمیل تھی کہ تاجر اپنا دل ہار بیٹھا۔

پھر وہ اپنے گھر آیا اور سوچنے لگا کہ خدایا! میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔

اگر اس عورت سے راہ و رسم بڑھاتا ہوں تو یہ خیانت ہے اور میری پوری زندگی کی نیک نامی پر دھبہ ہے اور دوسری طرف سے دل اس کے لئے بے چین ہے۔

الغرض اس نے خدا سے معافی طلب کی مگر دل کو کسی طرح سے قرار نہ آیا۔ آخرکار وہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے آستانہ اقدس پر گیا اور وہاں رو رو کر خدا سے اپنے لئے معافی طلب کی اور اپنے آپ کو امامؑ کی پناہ میں دیا۔ اسی رات تاجر کو خواب میں بتایا گیا کہ تم اپنی تکلیف کے ازالے کے لئے فلاں شہر جاؤ۔ اس شہر کے فلاں محلے میں فلاں نام کا ایک شخص رہتا ہے تم اس سے جاکر ملو وہ تمہارے درد کا درمان کرے گا۔ میرے خیال میں اسے شہرِ رے کے متعلق بتایا گیا تھا۔

اس خواب کے بعد وہ مشہد سے رَے پہنچا اور لوگوں سے اس شخص کا پتا معلوم کیا۔ لوگوں نے اس کی وضع قطع دیکھ کر اس سے کہا کہ آپ شکل وصورت سے نیک انسان معلوم ہوتے ہیں یہ آپ کس کا پوچھ رہے ہیں؟ جس شخص کے متعلق آپ سوال کر رہے ہیں وہ تو ارمنی ہے، مسلمان ہی نہیں ہے، وہ شرابی ہے، ہر وقت شراب کی بوتل اس کے پاس رہتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ اغلام باز ہے۔

وہ تاجر یہ سن کر بڑا پریشان ہوا کیونکہ وہ تو اپنے درد کے علاج کے لئے اس کے پاس جانا چاہتا تھا مگر اس کی بری شہرت نے تاجر کو اور پریشان کردیا۔ پھر تاجر نے دل میں سوچا کہ کچھ بھی ہو مجھے اس سے ضرور ملنا چاہئے کیونکہ مجھے خواب میں اسی سے ملنے کا حکم دیا گیا ہے ضرور اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی۔

اس کے بعد وہ ہر ملامت سے بے نیاز ہوکر اس بدنام شخص کے پاس گیا۔

اس نے دیکھا کہ اس کے سر پر عمامہ تھا۔ ایک خوبصورت لڑکا اس کے پہلو میں بیٹھا تھا اور اس کے سامنے ایک بوتل رکھی تھی جس سے لگتا تھا کہ اس میں شراب ہوگی۔

تاجر نے جیسے ہی یہ منظر دیکھا تو پوچھا: جناب! میں اپنا مقصد تو بعد میں بتاؤں گا پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ کا مذہب کیا ہے؟

شیخ نے کہا: الحمدللہ میں مسلمان ہوں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں میں سے ہوں۔

تاجر نے کہا: اچھا ہوا کہ آپ مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے عالم ہیں۔ مجھے ایک مشکل درپیش تھی لیکن یہاں آ کر کچھ نئی مشکلات پیدا ہوگئیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ پہلے آپ ان مشکلات کو حل فرمائیں۔ آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ آپ نے ارمن محلے[1] میں رہائش کیوں رکھی ہوئی ہے اور آپ کے سامنے شراب کی بوتل کیوں ہے اور آپ نے اس لڑکے کو اپنے پہلو میں کیوں بٹھا رکھا ہے؟

شیخ نے کہا: میرے محترم مہمان! پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ مکان میرے آباؤ اجداد کا مکان ہے۔ یہ مسلمانوں کا محلہ تھا اور میرے دادا نے یہ مکان خریدا تھا۔ پھر یہاں آہستہ آہستہ ارمن آباد ہونے لگے اور انہوں نے ہمارے اطراف کے مکانات خرید کر یہاں رہائش اختیار کرلی۔ میں نے اپنا مکان نہ بیچا اور اپنے مکان میں رہائش رکھے ہوئے ہوں۔ اب آپ ہی بتائیں کیا میں ارمن ہوگیا ہوں؟

مشہد کے تاجر نے جب یہ سنا تو کہنے لگا: یہاں کے لوگ پرلے درجے کے بے حیا ہیں اور وہ ایک مسلمان پر بدگمانی کرتے ہیں کہ وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں ہے۔

پھر شیخ نے تاجر سے کہا: یہ بوتل جو میرے سامنے رکھی ہوئی ہے آپ اس میں سے خود چکھ کر بتائیں کہ یہ کیا ہے؟ پھر اس نے گلاس میں کچھ شربت انڈیلا اور

---

[1] ارمن ایک مشہور قوم ہے اور وہ عیسائی مذہب کے پیروکار ہیں۔

تاجر کو پینے کے لئے دیا۔ تاجر نے جب اسے پیا تو کہنے لگا: یہ تو شربت لیموں ہے۔

پھر اس نے لڑکے کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہ میرا سگا بھتیجا ہے۔ میرا بھائی فوت ہو چکا ہے اور میں اپنے بھتیجے کی پرورش کر رہا ہوں۔ کیا اپنے بھتیجے کو اپنے پاس بٹھانا حرام ہے؟

تاجر نے کہا: جناب شیخ! آپ بالکل سچے انسان ہیں اور آپ کا کردار بھی بے داغ ہے لیکن میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے ظاہر کو درست کریں تا کہ لوگ آپ کے متعلق بدگمانی میں مبتلا نہ ہوں۔ آپ اس محلے کو چھوڑ دیں اور اپنی وضع قطع بدلیں تا کہ لوگ بدگمان نہ ہوں۔

شیخ نے کہا: میں اسی حالت میں بہتر ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ لوگ مجھے متقی اور پرہیزگار سمجھیں۔ اگر لوگوں نے مجھے متقی سمجھنا شروع کر دیا تو وہ اپنی عورتوں کی نگہبانی بھی میرے سپرد کر دیں گے اور میں لوگوں کی عصمت و ناموس کے متعلق خیانت کرنے پر آمادہ ہو جاؤں گا۔ پھر مجھے بھی اپنے دردِ دل کے علاج کے لئے دور دراز کا سفر کرنا پڑے گا۔

جب تاجر نے شیخ کی یہ بات سنی تو اسے اس کی بات اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی اور اس کے دل کی حالت متغیر ہو گئی اور اس نے توبہ کی اور وہاں سے پاک و پاکیزہ ہو کر واپس آیا۔

غیبت کے متعلق حیلے بہانے

غیبت کی تعریف یہ ہے: ذکرک اخاک بما یسوئہ یعنی کسی کے پس پشت اس کے متعلق ایسی بات کہنا جو اسے بری محسوس ہو۔

یاد رکھیں غیبت اور چیز ہے اور تہمت اور چیز ہے۔

اگر کسی میں کوئی عیب ہو اور پس پشت اس عیب کو بیان کیا جائے تو یہ

غیبت ہے اور اگر کسی میں عیب نہ ہو اور وہ بیان کیا جائے تو یہ تہمت اور بہتان ہے۔ بہتان کا گناہ غیبت سے کہیں زیادہ ہے۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی کی غیبت کرنے لگتے ہیں تو اپنی بات کا آغاز کچھ اس طرح سے کرتے ہیں: ''اس میں غیبت کی کوئی بات نہیں ہے میں تو اس کے متعلق بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔''

جی ہاں! اگر آپ سچ نہ کہیں گے تو وہ تہمت بن جائے گی اور چونکہ آپ سچ کہہ رہے ہیں اسی لئے آپ غیبت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ تہمت تو بہت بڑی برائی ہے اور تہمت تراشنے والا ملعون ہے۔

کچھ لوگ اس طرح کہتے ہیں: ''یہ بات صرف میں ہی نہیں کہتا بلکہ تمام لوگ کہتے ہیں۔''

بھائی! باقی لوگ بھی آپ کی طرح سے غلط کار ہیں۔

غیبت اتنی بڑی برائی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **الغیبة اشد من الزنا**. یعنی غیبت زنا سے بھی بڑا جرم ہے۔

ممکن ہے یہ حدیث سن کر چند لمحات کے لئے آپ بھی پریشان ہو جائیں کہ یہ کیا معاملہ ہوا کیونکہ زنا میں نفسانی لذت پائی جاتی ہے جبکہ غیبت میں کوئی لذت نہیں ہوتی اور اس کے باوجود وہ زنا سے بدتر جرم کیسے بن گئی؟

یہی سوال صحابہ کرامؓ نے بھی رسول خداؐ سے کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا: **لان الرجل یزنی و یتوب ثم یتوب اللّٰه علیه و المغتاب یتوب ولا یغفر اللّٰه له حتیٰ یغفر له صاحبه**. یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ جب زناکار اپنے فعل بد سے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے اور جب غیبت کرنے والا توبہ کرتا ہے تو اللہ اس وقت تک اسے معاف نہیں کرتا جب تک اسے غیبت کیا جانے والا شخص معاف نہ کرے۔ (بحارالانوار، جلد ۱۶، صفحہ ۱۸۷)

اسی لئے غیبت اگرچہ بے لذت جرم ہے پھر بھی وہ زنا سے بدتر ہے۔

غیبت میں دوطرفہ معاملہ ہوتا ہے جبکہ زنا میں یکطرفہ معاملہ ہوتا ہے اور اس کا تعلق صرف خدا سے ہوتا ہے۔ جب تک غیبت کیا جانے والا شخص غیبت کرنے والے کو معاف نہ کرے اور اس سے راضی نہ ہو جائے اس وقت تک غیبت کا گناہ معاف نہیں کیا جاتا۔

جب کسی شخص کو اپنے متعلق غیبت کئے جانے کا پتا چل گیا اور وہ اس پر رنجیدہ ہوا تو غیبت کی توبہ کا صرف یہی راستا ہے کہ غیبت کرنے والا متاثرہ فریق کے پاس جائے اور اسے راضی کرے۔

غیبت کے کفارے کے متعلق گزارش یہ ہے کہ متاثرہ فریق کو علم ہو چکا ہے کہ فلاں نے اس کی غیبت کی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ متاثرہ فریق کے پاس جا کر اس سے معافی مانگنی چاہئے۔

اگر دوسرے شخص کو اس بات کا علم نہ ہو کہ اس کی غیبت کی گئی ہے اور اس کے پاس جا کر معافی مانگنے سے نیا فتنہ کھڑا ہونے کا اندیشہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ غیبت کرنے والا شخص متاثرہ فریق کے پاس نہ جائے اور اس سے اپنی غیبت کرنے کا احوال بیان نہ کرے اور اس معاملے کو اپنے اور اپنے خدا کے درمیان محدود رکھے اور خدا سے اپنی غلطی کی معافی طلب کرے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس نے جس محفل میں اپنے مومن بھائی کی غیبت کی ہو اس محفل میں اپنے بھائی کی خوبیاں بیان کرے اور کہے کہ مجھے اس کے متعلق مغالطہ ہوگیا تھا اسی لئے میں نے اس کی غیبت کی تھی اور جتنے افراد کے سامنے اس نے غیبت کی ہو ان سب سے ملاقات کرے اور ان سے کہے کہ مجھے اپنے مومن بھائی کے متعلق مغالطہ ہوا تھا جبکہ اس میں بہت سی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

غیبت کی توبہ، تعریف کرنا ہے اور پس پشت برائی کرنے کی توبہ یہ ہے کہ

پس پشت اس شخص کی خوبیاں بیان کی جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ خدا کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کیا جائے۔

بہرحال غیبت بدترین اخلاقی برائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ایک اور آیت میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ۝ یعنی یقیناً وہ لوگ جو اہل ایمان میں برائی عام کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔(سورۂ نور: آیت ۱۹)

جس طرح سے ان احکام کا بیان کرنا واجب ہے اسی طرح سے سننے والے پر بھی واجب ہے کہ سنے اور حکم خدا کو سمجھے۔ اس شخص پر افسوس جو برائی کو ظاہر کرے اور حالت یہ بنتی ہے کہ پہلا شخص دوسرے سے کہتا ہے اور دوسرا تیسرے سے کہتا ہے اور تیسرا بھری محفل میں کہتا ہے اور پھر یوں بات کوٹھوں چڑھ جاتی ہے اور پورے محلے یا شہر میں ڈھنڈورا پٹنے لگ جاتا ہے۔ پھر لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات تو پورا شہر کہہ رہا ہے۔ حالانکہ دیکھا جائے تو پورا شہر نہیں کہہ رہا ہوتا، محلے کی دس بوڑھی عورتیں کہہ رہی ہوتی ہیں۔ اگر ان دس بوڑھی عورتوں سے اس خبر کے ذرائع معلوم کئے جائیں تو آخر میں بات ایک جاہل عورت پر آ کر موقوف ہو جاتی ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ یہ بات پورا شہر کہہ رہا ہے۔

قرآن کہہ رہا ہے کہ جو لوگ اہل ایمان کی برائی کو لوگوں میں عام کرتے ہیں اور اسے شہرت دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اگر بالفرض آپ نے اپنی آنکھوں سے بھی کسی مومن کی غلطی ملاحظہ کی ہے تو بھی آپ پر واجب ہے کہ اسے پوشیدہ رکھیں اور آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ لوگوں کو اس کی غلطی سے مطلع کرتے پھریں۔ ایسے شخص پر خدا کی لعنت ہے جو اپنی آنکھ سے کسی مومن کی غلطی دیکھ کر دوسروں سے بیان کرتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: مَن قال فی مؤمن مارأته عیناه و سمعته

اذناہ فھو من الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لھم عذاب الیم. یعنی جو شخص مومن کے متعلق وہ بات کہے جسے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہو تو وہ ان لوگوں میں شامل ہے جو اہل ایمان میں برائی عام کرنا چاہتے ہیں اور جن کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (اصول کافی، باب الغیبة، صفحہ ۳۵۷)

خدا کی سرپرستی سے خارج ہونے والا شخص

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: من روی علی مؤمن روایة یرید بھا شینه وھدم مروته یسقط من اعین الناس اخرجه الله من ولایته الی ولایة الشیطان فلا یقبله الشیطان. یعنی جو شخص کسی مومن کے متعلق ایسی بات کہے جس سے وہ اسے عیب دار اور بے آبرو کرنا چاہتا ہو تا کہ وہ لوگوں کی نظروں سے گر جائے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی سرپرستی سے نکال کر شیطان کی سرپرستی میں دیدیتا ہے اور شیطان بھی اسے قبول نہیں کرتا۔ (اصول کافی باب الروایة علی المؤمن، صفحہ ۳۵۸)

خداوند عالم ایسے شخص کو اپنی ولایت یعنی اپنی سرپرستی اور لطف و محبت سے دور کردیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے اپنی توفیقات سلب کرلیتا ہے اور اسے ابلیس کی سرپرستی میں دیدیتا ہے اور ابلیس بھی اسے ذلیل سمجھ کر قبول نہیں کرتا۔ ایسا شخص بے اصول ہوتا ہے اور شیطان کی توجہ کے بھی لائق نہیں ہے۔

انسان کو چاہئے کہ وہ کان اور آنکھ کی حفاظت کرے اور ہر دیکھی اور سنی بات کو لوگوں میں بیان نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًاo جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے مت جاؤ۔ یقیناً قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل سے سوال ہوگا۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۳۶) اور وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍo ہر طعنہ زن عیب جو کے لئے تباہی و بربادی ہے۔ (سورۂ ہمزہ: آیت ۱)

آیت میں لفظ "ویل" استعمال ہوا ہے۔ ویل دوزخ کے ایک کنوئیں کا نام ہے اور کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ کنواں کن لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے؟

اچھی طرح سے جان لیں کہ یہ کنواں ہر عیب جو اور غیبت کرنے والے کے لئے بنایا گیا ہے۔ عیب جو ایک غلیظ مکھی کی طرح سے ہوتا ہے۔ مکھی پورے جسم کو دیکھتی ہے مگر جہاں اسے زخم دکھائی دیتا ہے وہیں جا کر بیٹھتی ہے اور کاٹتی ہے۔ تندرست اعضاء پر نہیں بیٹھتی۔ اسی طرح سے عیب جو بھی کسی کی نیکیوں کی طرف نہیں دیکھتا۔ اسے جب بھی سوجھتا ہے تو کسی کا عیب ہی سوجھتا ہے۔

عیب جو کو ایک تل ہی کافی ہے

یونان اور ہندوستان قدیم الایام سے حکمت و دانش کے مرکز رہے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کے کسی شہر کے دروازے پر دو مجسمے آمنے سامنے نصب کیئے گئے تھے۔ ایک مجسمہ انتہائی خوبصورت تھا اور اس میں انسانی اعضاء و جوارح کے حسن کو دل کھول کر ظاہر کیا گیا تھا اور اس مجسمے کے گال پر ایک سیاہ تل بنایا گیا تھا جس سے اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگ گئے تھے۔ اس کے بالکل سامنے ایک بدصورت مجسمہ نصب گیا تھا۔ مجسمے کی بدصورتی کو اجاگر کرنے کے لئے مجسمہ ساز نے اس کے سر پر بے ڈھنگے سینگ بنا دیئے تھے۔ اس مجسمے نے ایک انگلی حسین مجسمے کی طرف اٹھا رکھی تھی اور اس کے نیچے یہ عبارت تحریر تھی: "واقعی تو بہت بدصورت ہے اور خاص طور پر تیرا یہ تل تو انتہائی نفرت انگیز ہے۔"

بالفاظ دیگر مجسمہ ساز نے اس ذریعے سے یہ دکھانے کی کوشش کی تھی کہ چھلنی چھاج کو طعنہ دے رہی ہے۔ پھر اس کے بعد مجسمہ ساز نے تمام لوگوں کو مخاطب کر کے دوسرے مجسمے پر یہ عبارت تحریر کی: "دوسروں کے ایک حسین تل پر اعتراض کرنے والے کیا تو نے کبھی اپنی بدصورتی بھی ملاحظہ کی ہے؟"

واقعی آج کل لوگوں کا یہی حال ہے۔ ہر شخص دوسرے کا عیب بیان کرتا ہے، دوسروں پر اعتراض کرتا ہے، اسے اپنا عیب دکھائی نہیں دیتا، اسے اپنے بدصورت سینگ نظر نہیں آتے مگر دوسروں کا سیاہ تل دکھائی دیتا ہے۔ دوسروں کی آنکھ کا تنکا دکھائی دیتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر دکھائی نہیں دیتا حالانکہ اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جاتا تو سیاہ تل بھی حسن کا ایک حصہ دکھائی دیتا۔ بقول شیخ سعدیؒ

دیدہ ز عیب دگران کن فراز　　　صورت خود بین و در او عیب ساز

دوسروں کے عیب تلاش کرنے کی کوشش مت کرو، تم خود اپنی صورت دیکھو اور اس کے عیب تلاش کرو۔

دوسروں کے عیب تلاش کرنے والوں کو نجانے اپنے سینگ کیوں دکھائی نہیں دیتے حالانکہ دوسروں میں دو تین عیب تلاش کرنے والا شخص اگر نگاہ انصاف سے اپنے گریبان میں جھانکے تو اسے اپنے اندر سیکڑوں عیب دکھائی دیں گے اور معاشرے کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ یہاں کوئی بھی شخص اپنے عیب دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ ہر شخص اپنے متعلق حسن ظن میں مبتلا ہے کیونکہ ہر شخص کو اپنی ذات کی بے تحاشا محبت نے اندھا اور بہرا بنا رکھا ہے۔

مثلاً آپ کسی پر یہ عیب لگاتے ہیں کہ فلاں شخص حق شناس نہیں ہے وہ حق رفاقت کا خیال نہیں رکھتا۔ ممکن ہے کہ آپ جس کے متعلق یہ کہہ رہے ہیں اس میں یہ عیب موجود ہو لیکن کیا کبھی آپ نے اپنے متعلق بھی سوچنے کی زحمت گوارا کی ہے کہ کیا آپ اپنے خدا کا حق نمک ادا کرتے ہیں اور اگر آپ کا جواب نفی میں ہے تو آپ خود نمک حرام ہو کر دوسروں پر اعتراض کیوں کرتے ہیں؟

خدا کا حق نمک ادا کریں

علامہ مجلسی اولؒ کے دور میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا اور اخلاقی

قدریں بھی پستی کو چھو رہی تھیں اس وقت کے حکمران عیاش اور ان کے مصاحب بدکار ہوتے تھے اور دن رات طاؤس و رباب کی محفلیں سجا کرتی تھیں۔

چنانچہ اس زمانے کی بات ہے کہ ایک تاجر ان کے پاس آیا اور کہا: شیخ میں سخت پریشان ہوں کیونکہ اصفہان کے ایک موثر شخص نے میرے پاس پیغام بھیجا ہے کہ ہم آج رات تمہارے مہمان ہوں گے جبکہ میں جانتا ہوں کہ وہ شخص خود بھی لوطی ہے اور اس کے دوست بھی لوطی ہیں لیکن میں انہیں اپنے گھر آنے سے روک بھی نہیں سکتا کیونکہ وہ دربار شاہی میں بڑا اثر رسوخ رکھتا ہے اور میرے لئے دوسرا عذاب یہ ہے کہ ان کے لہو ولعب کا سروسامان بھی مجھے ہی کرنا ہوگا۔ اب آپ ہی مشورہ دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟

حضرت مجلسی اولؒ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں تم انہیں آنے دو اور آج رات ان کے آنے سے پہلے میں خود تمہارے مہمان خانے میں آؤں گا۔

جیسے ہی شام ہوئی تو مجلسی اولؒ نے جلدی سے نماز مغربین ادا کی۔ پھر ان لوگوں کے آنے سے پہلے تاجر کے مہمان خانے پر پہنچ گئے۔

کچھ دیر بعد لواطت باز پارٹی آئی۔ جب انہوں نے حضرت مجلسیؒ کو دیکھا تو وہ بہت پریشان ہوئے کیونکہ وہ ان کی موجودگی میں کوئی ناشائستہ فعل سرانجام نہیں دے سکتے تھے اور رقص و موسیقی کی محفل منعقد نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت مجلسیؒ نے ان لوگوں سے کہا: یہ تم نے اپنے لئے کس راستے کا انتخاب کیا ہے جبکہ یہ راستا تو سراسر ہلاکت کا راستا ہے؟

لواطت بازوں کے بڑے گرو نے کہا: جناب! ہماری روش آپ لوگوں سے کہیں بہتر ہے۔

حضرت مجلسیؒ نے ان سے فرمایا: ذرا وضاحت کریں کہ آپ لوگوں میں کون سی خوبی پائی جاتی ہے؟

اس نے کہا: ہم لوگ نمک حلال ہیں اور جب کسی کا نمک چکھ لیں تو پوری زندگی اس کے ساتھ خیانت نہیں کرتے۔ ہم غیرت مند لوگ ہیں۔ (اُس نے اپنا سارا زورِ خطابت اپنے نمک حلال ہونے پر صرف کیا)۔

علامہ مجلسیؒ اس کی تقریر سنتے رہے اور جب اس کی گفتگو تمام ہوئی تو انہوں نے فرمایا: ہمیں ذرا بتاؤ تو سہی کہ تم لوگ حق نمک کس طرح ادا کرتے ہو؟ تم لوگوں نے خدا کا نمک کھا کر اس کی کتنی نمک حلالی کی ہے۔ ہمارے خیال میں تو تم صرف نمک حرام ہی نہیں بلکہ نمک دان توڑنے والے بھی ہو۔ تم اس بات کا دعویٰ کرتے ہو کہ تم احسان فراموش نہیں ہو۔ حالانکہ تم جس منعم کا چالیس پچاس سال سے نمک کھا رہے ہو اس کے نمک حرام ہو۔ کیا تم نے کبھی اس منعم کا شکر ادا کیا؟ کیا تم نے کبھی اس کی بندگی کی؟ کیا تمہاری پوری زندگی اس کی معصیت میں نہیں گزری؟

علامہ مجلسیؒ کی یہ باتیں سن کر تمام لوطی آہستہ آہستہ اٹھنے لگے اور کچھ دیر بعد وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ان کے جانے کے بعد علامہ مجلسیؒ بھی واپس چلے آئے۔ اذان صبح کے بعد کسی نے ان کے دروازے پر دستک دی۔ آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ لواطت بازوں کا گرو توبہ کرنے کی غرض سے آیا ہوا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ وہ لوطی خوش قسمت ہے جسے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی اور وہ نمازی اور پرہیزگار بدقسمت ہے جو اپنی عبادت پر غرور کرے۔ نیک انجام کے لئے توبہ کی ضرورت ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو منزہ نہ سمجھے۔

بہرحال وہ گرو بولا: جناب عالی! مجھے رات معلوم ہوا کہ ہم نمک حرام ہیں، اب میں نمک حرامی سے توبہ کرنے آیا ہوں اور نمک حلال بننا چاہتا ہوں۔

علامہ مجلسیؒ اسے بڑی شفقت سے اپنے مہمان خانے لے گئے اور اس سے توبہ کرائی۔ آپ نے اسے نصیحت کی کہ آئندہ خدا کی نافرمانی نہیں کرنا اور نماز روزہ کو نہیں چھوڑنا اور خدا کا نمک حلال بن کر زندگی بسر کرنا اور جن چیزوں سے خدا نے منع کیا ہے ان سے پرہیز کرنا۔

عزیزانِ محترم! ہاتھ خدا کی عطا کردہ نعمت ہیں اور جب آپ اسی ہاتھ کے ساتھ کسی مظلوم کو طمانچہ مارتے ہیں تو بتائیں آپ نے نعمت کا شکر ادا کیا ہے یا نمک حرامی کی ہے؟ خدا نے آپ کو ہاتھ کام کاج کے لئے دیئے ہیں اور اس کے ساتھ آپ سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ان ہاتھوں سے کسی مظلوم کی دادرسی کرو لیکن آپ نے انہیں غلط استعمال کر کے اپنی بدبختی کا ثبوت دیا ہے۔

زبان بھی خدا کی ایک عظیم نعمت ہے۔ خدا کا شکر بجالائیں کہ اس نے آپ کو زبان دی ہے گونگا نہیں بنایا۔ ایک گونگا شخص زندگی میں بہت سی مشکلات سے دوچار رہتا ہے۔ اگر اسے پانی پینا ہو تو بھی کسی سے کہہ نہیں سکتا۔ جس شخص کے پاس زبان نہ ہو تو اس کی حالت بڑی ابتر ہوتی ہے کیونکہ ہزاروں مطالب و مفاہیم ایسے ہیں جنہیں سمجھانے کے لئے اشارہ ناکافی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ لوگ خدا سے زبان جیسی نعمت حاصل کر کے بھی اسے خدا کی نافرمانی میں استعمال کرتے ہیں اور اس زبان سے غیبت کر کے نمک حرامی کا ثبوت دیتے ہیں۔

اگر آپ نے اپنی زبان سے کسی کی آبرو کو تباہ کیا تو آپ نے کفرانِ نعمت کا ثبوت دیا اور اگر آپ نے زبان سے گالیاں دیں، لغو اور بے ہودہ باتیں کیں یا جھوٹ بولا تو آپ نے کفرانِ نعمت کا ارتکاب کیا۔

آیئے! اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور اس کا شکر ادا کرتے ہوئے کہیں:
پروردگارا! تیرا احسان ہے کہ تو نے توبہ کا دروازہ ہم گناہگاروں کے لئے کھلا رکھا ہے۔

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: **الحمدللّٰه الذی دلنا علی التوبة التی لم نفدها الامن فضله.** خدایا! اگر تیری طرف سے بابِ توبہ کھولنے کے علاوہ ہم پر اور کوئی نعمت نہ بھی ہوتی تو بھی تیری وہی نعمت ہمارے لئے کافی ہوتی۔ (صحیفہ سجادیہ دعائے اول فی التحمید)

لوگو! توبہ کے دروازے کی اہمیت کو سمجھو۔ بابِ توبہ بڑا ہی قیمتی ہے۔

انسان کو اس دروازے سے استفادہ کرنا چاہئے اور اگر ہم نے اس دروازے سے فیض حاصل نہ کیا تو یہ ہماری بدنصیبی ہوگی۔ توبہ کا دروازہ بڑا وسیع ہے لہٰذا آؤ اور اپنی اصلاح کرو توبہ و زاری کرو اور کبھی یہ نہ سوچو کہ میرے گناہ بہت زیادہ ہیں۔ اگر بالفرض آپ کے گناہ زیادہ ہیں تو یقین کریں کہ احکم الحاکمین کی معافی اس سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ کبھی خدا کے حضور گڑگڑائیں تو پھر دیکھیں کہ خدا کتنا اجر عطا کرتا ہے۔

غیبت کرنے والے پر جنت حرام ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **تحرم الجنة علی مدمن الخمر و اکل الربو والمغتاب.** جنت شراب خور، سود خور اور غیبت کرنے والے پر حرام ہے۔ (سفینۃ البحار، جلد اول، صفحہ ۱۲۴)

اے پروردگارا ہمیں ان تین گروہوں میں سے قرار نہ دینا۔

گدھیں جنت میں نہیں جائیں گی۔ گدھوں کا کام مردار خوری ہے۔ اسی طرح سے کتے بھی مردار پر اکٹھے ہوتے ہیں اور جو مومن کی غیبت کرتے ہیں وہ بھی مردار خور ہیں۔

غیبت کے متعلق بہت زیادہ روایات مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت ایک خطرناک گناہ ہے۔ لہٰذا میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اگر آپ کسی محفل میں موجود ہوں اور اس محفل میں کوئی شخص کسی مومن کا نام لے کر غیبت کرنے کا ارادہ کرے تو فوراً اس مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں اور اگر روک سکتے ہیں تو انہیں روک دیں۔ اگر آپ کسی کو مومن کی غیبت سے روکیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے ایک ہزار شر کے دروازے بند کرے گا۔

ایک حدیث ہے کہ **من تطول علی اخیه فی مجلس فردها عنه رد الله عنه الف باب من الشر فی الدنیا والاخرة وان هو لم یرده عنه وهو**

قادر علی ردھا کان علیہ کوزر من اغتابہ سبعین مرۃ. جو شخص اپنے کسی بھائی سے غیبت کو روکے تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں ایک ہزار شر کے دروازے بند کرے گا اور جو روکنے پر قادر ہو اور پھر نہ روکے تو ایسے غیبت سننے والے کو غیبت کرنے والے کی بہ نسبت ستر گنا زیادہ گناہ ہوگا۔ (لئالی الاخبار، صفحہ ۵۹۷)

روزِ عاشورا امام حسینؑ کو زبان سے بھی زخم پہنچائے گئے

آیئے! رحمت و مغفرت کے لئے امام حسینؑ کے دامن پاک سے تمسک حاصل کریں۔ کبھی زبان سے ایسے الفاظ نکلتے ہیں کہ آگ بھڑک اٹھتی ہے اور ایک جملہ بھی دلوں کو جلا دیتا ہے۔ روز عاشورا امام حسینؑ پر تیر و تلوار کے وار ہی نہیں کئے گئے بلکہ آپ کو زبان کے تیروں سے بھی زخم لگائے گئے۔ بعض لعینوں نے ایسے جملے کہے جن کی چبھن آپ کے لئے تیر سے زیادہ تھی۔

ایک لعین نے کہا: حسینؑ! کیا تم یہ نہیں کہتے کہ تمہارے والد ساقی کوثر ہیں، اب اپنے والد سے کہو کہ وہ آ کر تمہیں کوثر پلائیں۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے خیموں کو دشمنوں کی یلغار سے بچانے کے لئے ان کے گرد خندق کھدوا کر آگ روشن کرا دی تا کہ دشمن تین اطراف سے خیموں پر حملہ نہ کر سکے۔ خیام کے گرد جلتی ہوئی آگ کو دیکھ کر ایک لعین نے کہا: عجلت بالنار اے حسینؑ! تو نے آگ کے لئے بڑی جلدی کی۔

حرمت غیبت کے مزید دلائل

غیبت کی حرمت ادلۂ اربعہ یعنی کتاب، سنت، اجماع اور عقل سے ثابت ہے اور اس کی حرمت مسلم ہے۔ تمام علماء اور اسلام کے تمام فرقے غیبت کی حرمت پر متفق ہیں۔ عقلی تقاضوں کے تحت بھی غیبت حرام ہے کیونکہ ہر وہ چیز جو مسلمانوں کے تفرقہ اور رشتۂ اتحاد کو ختم کرنے کا سبب ہو وہ حرام ہے۔

علمائے اسلام نے حدیث کی مختلف کتابوں میں غیبت کی مذمت میں وارد ہونے والی پچاس احادیث کو یکجا کیا ہے۔ ہم ان میں سے دو تین احادیث بیان کرنے کی سعادت حاصل کریں گے تاکہ اس گناہ کی برائی واضح کر سکیں۔

غیبت جذام کی طرح دین کو کھا جاتی ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ الغیبۃ اسرع فی دین الرجل من الاکلۃ فی جوفہ اتنی تیزی سے جذام انسانی جسم کو نہیں کھاتا جتنی تیزی سے غیبت انسان کے دین کو کھاتی ہے۔ (اصول کافی باب الغیبۃ، جلد۲، صفحہ ۳۵۷)

حضرت رسول اکرمؐ نے غیبت کو جذام سے تشبیہ دی ہے۔ جذام ایک جلدی بیماری ہے۔ وہ جلد کے نیچے پیدا ہوتی ہے اور گوشت کو تحلیل کر دیتی ہے جس سے ہڈیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ جذام ایسی سخت بیماری ہے کہ آپ اس کے مریض کو دیکھیں گے تو وہ آپ کو تندرست دکھائی دے گا لیکن جب آپ اسی مریض کو ایک

ہفتہ کے بعد دیکھیں گے تو اس کے جسم کے کسی نہ کسی حصے کا گوشت گل کر جھڑ چکا ہوگا۔ کبھی ناک کا گوشت اور کبھی ہاتھوں کا گوشت گل سڑ کر نیچے گر جائے گا۔ بہرحال یہ ایک خطرناک بیماری ہے۔ پہلے پہل تو مریض کو اس کا پتا نہیں چلتا لیکن جب یہ ظاہر ہوتی ہے تو انسان کا جسم گلنے سڑنے لگ جاتا ہے۔

حضرت رسول اکرمؐ نے بھی غیبت کو اس بیماری سے تشبیہ دے کر اپنی امت کو یہ سمجھایا ہے کہ جو شخص غیبت کرے گا اس کا دین گلنے سڑنے لگ جائے گا اور پھر اچانک اسے پتا چلے گا کہ اس کے دل میں ایمان کی ذرا بھی رمق باقی نہیں رہی اور اگر وہ اسی حال میں مر گیا تو بے ایمان ہو کر مرے گا۔

دونوں جہان کی بھلائی غیبت کو چھوڑنے میں ہے

حضرت امیرالمومنینؑ سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: واللّٰہ الذی لا الہ الا ھو ما اعطی عبد قط خیر الدنیا والاخرۃ الا بحسن ظنہ باللّٰہ و رجائہ لہ و حسن خلقہ و الکف عن اغتیاب المؤمنین

یعنی اس ذات کی قسم! جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے کسی شخص کو دنیا اور آخرت کی بھلائی نہیں ملی مگر خدا کے متعلق اچھا گمان رکھنے اور اس سے امیدیں وابستہ کرنے سے۔ نیز حسن اخلاق اور مومن کی غیبت سے اجتناب کرنے سے۔ (اصول کافی، جلد۲، صفحہ۷۱۔ باب حسن الظن باللّٰہ)

اس روایت میں بشارت بھی ہے اور تہدید بھی ہے۔ رسول خداؐ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ دنیا و آخرت کی بھلائی تین وجوہات کی بنا پر ملتی ہے:

پہلی چیز خدا کے متعلق حسن ظن رکھنا اور اس سے امیدیں وابستہ کرنا اور اس کے فرمان پر ثواب کی امید کے تحت عمل کرنا اور یہ یقین رکھنا کہ خدا اسے نیکی کا بدلہ ضرور دے گا۔

عزیزان گرامی! یہ نکتہ بھی ذہن میں محفوظ رکھیں کہ بعض گناہ ایسے ہوتے

ہیں جن کی وجہ سے انسان کی خدا سے امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ جیسا کہ دعائے کمیل میں مولا فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی الذُّنُوبَ الَّتِیْ تَقْطَعُ الرَّجَآءَ یعنی خدایا! میرے وہ گناہ معاف فرما جس سے امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں۔

اگر خدانخواستہ کسی کی خدا سے امید ٹوٹ جائے تو وہ خدا کے فرمان پر عمل نہیں کرے گا۔ امید نہ رکھنے کی وجہ سے نہ تو نماز پڑھے گا اور نہ ہی روزے رکھے گا اور نہ ہی خدا کی راہ میں کچھ خرچ کرے گا۔ مقصد یہ ہے کہ آج تک جس کسی کو بھی دونوں جہانوں کی سرفرازی نصیب ہوئی ہے تو اس کا پہلا سبب خدا کے متعلق نیک گمان رکھنا اور اس سے امیدوں کو وابستہ کرنا ہے۔

جس شخص کو خدا سے امید ہوگی وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرے گا۔ جو شخص آپ کو نیکیوں میں سبقت کرتا ہوا دکھائی دے تو سمجھ لیں کہ اسے خدا سے زیادہ امیدیں وابستہ ہیں اور جو شخص نیک کاموں میں سست دکھائی دے تو سمجھ لیں کہ اسے خدا سے کم امیدیں وابستہ ہیں۔

دوسری چیز حسن خلق ہے جو سعادت کا باعث ہے اور یہ وہ جنس ہے جو بازار میں فروخت نہیں ہوتی۔ حسن خلق کی دولت صرف دعا سے ہی حاصل نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر میں یہ دعا کروں کہ خدایا میرے اخلاق کو اچھا بنادے تو اس دعا کے ساتھ ہی میرے اخلاق اچھے نہیں ہوجائیں گے بلکہ اس کے حصول کے لئے مجھے کچھ محنت بھی کرنا پڑے گی۔ اخلاق کوئی کپڑا نہیں کہ رنگریز اسے دیگ میں ڈال کر اس کا رنگ تبدیل کردے گا۔ عادات کو تبدیل کرنا بڑا مشکل ہے۔

کشاف حقائق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پہاڑ کا اپنے مقام سے ہٹ جانا قابل قبول ہوسکتا ہے لیکن کسی شخص کا اپنی عادت کو چھوڑ دینا قابل قبول نہیں ہے۔

اگر چالیس سال کی عمر تک کوئی شخص اپنے اخلاق کو سنوار لے تو بہت اچھا

ہے ورنہ بعد میں برے اخلاق کو چھوڑنا اور عمدہ اخلاق اپنانا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ ہاں البتہ خدا کی طرف سے توفیق شامل حال ہو اور ساتھ ہی وہ سخت محنت بھی کرے تو یہ علیحدہ بات ہے۔

رسول اکرمؐ کا فرمان ہے: ما یوضع فی میزان امرء یوم القیامة افضل من حسن الخلق. میزان عمل میں کوئی بھی عمل حسن اخلاق سے زیادہ وزنی نہیں ہوگا۔ (اصول کافی، جلد۲، صفحہ ۹۹)

حسن خلق کیا ہے؟

اجمالی طور پر حسن خلق کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے اندر ایک ملکہ پیدا ہوجائے جس کی وجہ سے وہ تمام لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ بیوی بچوں، ہمسایوں اور تمام ملنے جلنے والوں سے اچھا سلوک کرے، کسی کو رنجیدہ خاطر نہ کرے۔ محفل میں حسن خلق کا اظہار تواضع اور انکساری سے ہوتا ہے اور ملاقات کے وقت حسن خلق کا اظہار کشادہ روئی اور مسکراتے ہوئے چہرے سے ہوتا ہے۔ جبکہ ترش روئی سے پیش آنا بداخلاقی ہے۔ کسی سے تند و تیز اور تلخ لہجے میں باتیں کرنا اور کسی کی بات کو درمیان میں سے کاٹنا بداخلاقی میں شامل ہے۔

یہ بھی حسن خلق ہے کہ انسان طاقت رکھنے کے باوجود اپنے دشمن کو معاف کردے یا اگر انتقام لے بھی تو انتہائی ہلکا اور معمولی قسم کا انتقام لے۔

خرید و فروخت کے وقت گاہک کا حسن خلق یہ ہے کہ وہ زیادہ مول تول نہ کرے اور دکاندار کا حسن خلق یہ ہے کہ وہ سختی نہ کرے۔

شادی بیاہ کے متعلق حسن خلق یہ ہے کہ اگر کوئی جوان کسی لڑکی کے لئے خواستگاری کرے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ نماز روزے کا پابند ہو بدکار اور شرابی نہ ہو۔ حدیث پاک میں ہے: وایاک ان تزوج شارب الخمر فان تزوجته فکانما

زوجته الی الزنا. خبردار! شرابی کو رشتہ نہ دینا اور اگر تم نے شرابی کو رشتہ دیا تو گویا زنا کے لئے رشتہ دیا۔ (فقہ الرضا علیہ السلام، باب شرب الخمر)

حسن خلق میں مہمان دوستی اور مہمان نوازی بھی شامل ہے۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت بھی حسن خلق کا حصہ ہے۔ عاجزانہ انداز سے چلنا بھی حسن خلق میں شامل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: **ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الارض مرحا** .. خبردار! لوگوں کے سامنے اکڑ کر منہ نہ پھلا لینا اور زمین میں غرور کے ساتھ نہ چلنا۔ (سورۂ لقمان: آیت ۱۸)

حضرت سعد بن معاذ اور فشار قبر

حضرت سعد بن معاذ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ وہ پیغمبر اکرمؐ کے جاں نثار اور وفادار ساتھی تھے۔ وہ مستجاب الدعوات تھے۔ انہیں جنگ خندق میں ایک تیر رگ گردن پر لگا اور خون بہنا شروع ہوگیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی: اے پروردگار! مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک میں بنی قریظہ پر مسلمانوں کا غلبہ نہ دیکھ لوں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور خون بہنا فوراً بند ہوگیا۔ پھر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ مسلمان بنی قریظہ پر غالب آگئے اور ان کا خاتمہ کر دیا گیا۔

اس واقعے کے فوراً بعد حضرت سعدؓ کی گردن سے دوبارہ خون جاری ہوگیا اور وہ شہید ہوگئے۔ ان کی وفات کے بعد رسول اکرمؐ نے جنازے کی مشایعت کی۔ عجیب بات یہ ہے کہ آپؐ پابرہنہ ہو کر جنازے کی مشایعت فرما رہے تھے اور کبھی جنازے کے دائیں جانب چلتے اور کبھی بائیں جانب۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: جبرئیل امینؑ ستر ہزار فرشتوں کو لیکر ان کے جنازے کی مشایعت میں شریک تھے، میرا ہاتھ جبرئیل امینؑ کے ہاتھ میں تھا، جب وہ دائیں

جانب جاتے تو میں بھی دائیں جانب جاتا اور جب وہ بائیں جانب جاتے تو میں بھی بائیں جانب جاتا تھا۔

رسول اکرمؐ نے انہیں قبر میں لٹایا اور ان کی لحد کو مضبوطی سے بند کرایا۔

حضرت سعد کی والدہ نے جب رحمۃ اللعالمین کی یہ شفقت دیکھی تو کہا:
یاسعدا ھنیئا لک بالجنۃ یعنی سعد تجھے جنت مبارک ہو۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: تمہیں کیسے پتا چلا کہ سعد جنتی ہے؟

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں کہ اس وقت رسول اکرمؐ کے بدن اطہر پر لرزہ طاری ہوگیا اور جب آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: سعد اس وقت فشار قبر میں مبتلا ہے۔

جب امامؑ سے پوچھا گیا کہ حضرت سعدؓ تو اسلام کے جاں نثار تھے، انہوں نے اشاعت اسلام کے لئے بڑی خدمات سرانجام دی تھیں اور واجبات کے عامل اور محرمات کے تارک تھے اس کے باوجود انہیں فشار قبر کیوں ہوا تو امامؑ نے فرمایا: وہ اپنے بیوی بچوں سے بداخلاقی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ (سفینۃ البحار، جلد اول، صفحہ ۶۲۱۔ بحارالانوار، جلد سوم، صفحہ ۱۴۳ چاپ قدیم)

اس روایت سے پتا چلتا ہے کہ بدخلقی کی سزا کتنی سنگین ہے۔ جو شخص اپنے اہل و عیال سے بداخلاقی سے پیش آئے خواہ وہ عادل روزگار، مجتہد، سید اور شیخ ہی کیوں نہ ہو اسے خدائی محاسبے کا سامنا کرنا پڑے گا۔

رسول اکرمؐ کے ارشاد کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ خدا کی قسم! خدا کسی شخص کو توبہ و استغفار اور ایمان کے بعد عذاب نہیں دے گا مگر یہ کہ وہ خدا کے متعلق سوئے ظن رکھتا ہو اور بداخلاقی پیش آتا ہو۔ بداخلاقی حضرت سعد بن معاذ کی طرح خواہ اپنے اہل خانہ سے ہو یا دوسرے لوگوں سے ہو۔

تیسری چیز ہے والکف عن اغتیاب الناس لوگوں کی غیبت سے پرہیز کرنا۔ یہی تمام بھلائیوں کی بنیاد ہے۔

غیبت سے پرہیز کرنے کو حدیث میں کف نفس سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس استعارے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات نفس امارہ انسان کو غیبت پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اس حالت میں اگر انسان نفس امارہ کے تقاضوں پر عمل نہ کرے اور عقل و شریعت کے تقاضوں کو مدنظر رکھے تو اس میں بلند ہمتی پیدا ہوگی، اس کا ایمان محکم ہوگا، اس کی روح قوی ہوگی، اس کے دل کو سکون میسر ہوگا اور اس سے عقلی بلوغت کی تکمیل ہوگی۔

ایک چھوٹے بچے کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ دیکھتا یا سنتا ہے فوراً اس کے متعلق اپنے ماں باپ یا بہن بھائیوں کو خبر دیتا ہے۔ اب اگر ایک بالغ شخص بھی یہی کچھ کرنے لگے تو اس میں اور چھوٹے بچے میں کوئی فرق نہیں رہے گا اور اس کی یہ حرکت اس بات کی دلیل ہوگی کہ ابھی اس کی عقل پختہ نہیں ہے۔

حدیث پاک کا دوسرا جملہ ہے: واللّٰہ الذی لا الہ الا ھو لا یعذب اللّٰہ مؤمنا بعد التوبۃ والاستغفار الا بسوء ظنہ باللّٰہ و تقصیرہ من رجائہ و سوء خلقہ و اغتیابہ للمؤمنین مجھے خدائے لاشریک کی قسم! اللہ توبہ اور استغفار کے بعد کسی مؤمن کو عذاب نہیں دے گا مگر یہ کہ اس کا خدا سے بدگمان ہونا، اس کی رحمت سے ناامید ہونا، اس کا بدخلق ہونا اور مومنوں کی غیبت کرنا عذاب کا سبب ہوگا۔ (اصول کافی، جلد۲، صفحہ۷۲)

غیبت کرنے والے کی نیکیاں کہاں جائیں گی؟

اس مفہوم کی بہت سی احادیث مروی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قیامت کے دن بعض اشخاص کو نامۂ اعمال دیا جائے گا تو ان میں ان کی نیکیاں

موجود نہیں ہوں گی۔ وہ عرض کرے گا: خدایا! میں نے زندگی میں بہت سی نمازیں پڑھیں، روزے رکھے اور تیری راہ میں اپنی دولت خرچ کی اور قرآن مجید کی تلاوت کی مگر میرے نامۂ اعمال میں بہت سی نیکیاں دکھائی نہیں دیتیں؟

اسے ندائے قدرت سنائی دے گی: خدا بھولنے والا نہیں ہے، تیری وہ نیکیاں ان لوگوں کے نامۂ اعمال میں لکھ دی گئی ہیں جن کی تو نے غیبت کی تھی۔

اور بعض مومنین کو جب نامۂ اعمال ملے گا تو وہ اس میں ایسی نیکیاں بھی دیکھیں گے جو انہوں نے نہیں کی ہوں گی۔ مثلاً دیکھیں گے کہ ان کے نامۂ اعمال میں خیرات ہے اور ماہ رمضان میں قرآن مجید کے کئی ختم ہیں۔ وہ حیران ہو کر کہیں گے: خدایا! ہم نے تو یہ نیکیاں اپنی زندگی میں نہیں کی تھیں، بھلا یہ نیکیاں ہمارے نامۂ اعمال میں کہاں سے آ گئیں؟

اس وقت انہیں ندائے قدرت سنائی دے گی: یہ ان لوگوں کی نیکیاں ہیں جنہوں نے تمہاری غیبت کی تھی۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **من کانت لاخیه عنده مظلمة فی عرض او مال فلیستحللها من قبل ان یاتی یوم لیس هناک درهم ولا دینار فیؤخذ من حسناته فان لم یکن له حسنات اخذ من سیئات صاحبه فیتز اید علی سیئاته** جس سے اپنے کسی بھائی کی عزت و مال میں کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو تو وہ اس سے معافی طلب کرے کیونکہ جب قیامت کا دن آئے گا تو اس دن درہم و دینار نہیں ہوں گے۔ (سرائر و کشف الریبہ شہید ثانی۔ مکاسب شیخ انصاری)

اس کی نیکیاں لے کر دوسرے کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی اور اگر اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں نہ ہوئیں تو متاثرہ فریق کی برائیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی اور یوں اس کی برائیوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

عزیزانِ گرامی! ذرا سوچیے! آپ سردیوں میں نمازیں پڑھیں، گرمیوں کے روزے رکھیں، انفاق فی سبیل اللہ کریں اور آپ کے تمام نیک اعمال کی جزا صرف غیبت کرنے کی وجہ سے دوسرے کو ملے گی تو آپ کو کتنا دکھ ہوگا؟ بھلا اس سے بڑھ کر کوئی اور بھی نقصان ہوسکتا ہے؟

عجیب بات ہے کہ آپ نے اپنے دشمن کی غیبت کی اور آپ کے نیک عمل اس دشمن کے نامۂ اعمال میں جمع کر دیئے گئے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے دشمن کی مدد کر رہے ہیں اور اپنا نقصان کر کے اس کی نجات کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔

غیبت کے عوض تحفے

اہل علم دوسروں کی بہ نسبت غیبت میں کچھ زیادہ ہی گرفتار رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی لوگوں کی بہ نسبت اہل علم میں حسد زیادہ ہوتا ہے۔ البتہ پانچوں انگلیاں برابر بھی نہیں ہیں۔ بہت سے اہل علم ایسے بھی ہیں جن کے قلب و نظر کی اللہ نے تطہیر کی ہے۔

حسد، غیبت اور تہمت کا سبب ہے۔

ایک بزرگ عالم دین کے حالات میں مذکور ہے کہ وہ ایک حاسد کے حسد میں مبتلا ہوئے۔ حاسد روزانہ ان کی غیبت کیا کرتا تھا لیکن وہ روزانہ اس کے پاس کوئی نہ کوئی تحفہ بھیجتے تھے۔ عموماً وہ تازہ کھجوریں، تازہ لیموں اور پھل بھیجا کرتے تھے۔ ایک طرف سے غیبت جاری رہی اور دوسری طرف سے تحفوں کا سلسلہ جاری رہے۔ غیبت کرنے والا تحفے ملنے کے باوجود بھی غیبت کرتا رہا۔ پھر چند دنوں بعد اسے خجالت محسوس ہوئی اور اس نے غیبت کو حرام سمجھتے ہوئے اس فعل بد کو چھوڑ دیا۔ جب اس نے غیبت ترک کی تو عالم دین نے اس کے پاس تحفے بھیجنے بند کر دیئے۔

آخر چند روز بعد اس نے مذکورہ عالم دین سے کہا: جب تک میں آپ کا مخالف تھا اس وقت تک آپ روزانہ مجھے ہدیے بھیجا کرتے تھے اور جب آپ سے میری صلح صفائی ہوگئی ہے تو آپ نے تحفے بھیجنا بند کردیے۔

عالم دین نے کہا: اب تک تم میری بھلائی کرتے تھے اور غیبت کے ذریعے سے اپنی نیکیاں میرے نامۂ اعمال میں منتقل کرتے تھے، تمہارے اسی احسان کی وجہ سے میں آپ کو ہدیہ بھیجا کرتا تھا اور اب آپ نے اپنی نیکیاں میرے نامۂ اعمال میں لکھوانا چھوڑ دی ہیں اسی لئے میں نے تم کو تحفے بھیجنا بند کردیا ہے۔ (لئالی الاخبار)

اس مفہوم کی بہت سی روایات مروی ہیں کہ قیامت کے روز غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کے نامۂ اعمال سے نکال کر متاثرہ فریق کے نامہ عمل میں لکھ دی جائیں گی۔ (کشف الریبہ)

اسی لئے ضروری ہے کہ متاثرہ فریق سے انسان اپنا یہ گناہ معاف کروائے۔ اگر متاثرہ فریق زندہ ہو اور اسے معلوم ہو چکا ہو کہ فلاں نے میری غیبت کی ہے تو اس کے پاس جاکر معذرت کرے اور اپنے جرم کی معافی طلب کرے۔ اگر متاثرہ فریق کو اپنے غیبت کئے جانے کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو تو پھر اس کی لوگوں میں تعریف و توصیف کرے اور اس کے حق میں دعائے خیر کرے اور اس کے گناہوں کے لئے استغفار کرے۔ اگر غیبت سے متاثر ہونے والا شخص مرگیا ہو تو اس کے لئے نیکیاں بجالائے اور خدا سے معافی طلب کرے۔

اظہار حقیقت غیبت نہیں ہے

جب کوئی شخص کسی سے مشورہ طلب کرے تو اسے اصل حقیقت بیان کرنی چاہئے تاکہ کسی مسلمان کو دھوکا نہ ہو اور اس میں بھی احتیاط کا پہلو مدنظر رکھنا چاہئے۔

مثلاً ایک شخص آپ کے پاس آکر کہے کہ میں اپنے بیٹے کا آپ کے فلاں ہمسائے کی لڑکی سے رشتہ کرنا چاہتا ہوں اور آپ سے مشورہ چاہتا ہوں۔ اگر لڑکی با کردار ہے تو ہم رشتہ کریں گے اور اگر خدانخواستہ بدکردار ہے تو پھر ہم رشتہ نہیں کریں گے۔

اگر آپ کو اس لڑکی کے عیوب یقینی طور پر معلوم ہیں تو بھی اس لڑکی کو رسوا کرنے سے پرہیز کریں اور اس کے ساتھ مشورہ طلب کرنے والوں کو بھی کسی دھوکے میں مبتلا نہ کریں۔ ایسی صورت میں آپ یہی کہیں کہ میں آپ کے لئے اس رشتے کو مناسب نہیں سمجھتا۔ اب اگر وہ کہیں کہ آپ مناسب کیوں نہیں سمجھتے تو آپ جواب میں کہیں کہ میں کچھ کہنے سے معذرت کرتا ہوں۔

جب آپ نے اپنی زبان سے یہ کہہ دیا ہے کہ یہ رشتہ آپ کے لئے مناسب نہیں ہے تو آپ غیبت سے بھی بچ گئے اور لڑکی کو سرِعام رسوا نہ کیا اور مشورہ طلب کرنے والوں کو بھی اندھیرے میں نہیں رکھا۔

اس سلسلے میں فقہائے کرام فرماتے ہیں: اگر مشورہ طلب کرنے والے آپ کے ایک جملے پر اکتفا نہ کریں اور وہ خواہ مخواہ آپ سے زیادہ تفصیل طلب کریں تو اگر بالفرض آپ کو مذکورہ لڑکی کی دس برائیوں کا علم ہے تو ان کے سامنے صرف ایک آدھ عیب بیان کرنے پر اکتفا کریں اور اسے مزید رسوا نہ کریں۔

علانیہ فاسق کی غیبت جائز ہے

شیخ انصاری مکاسب میں فرماتے ہیں: من القی جلباب الحیاء فلا غیبة له جو شخص حیا کی چادر اتار پھینکے اس کی غیبت جائز ہے۔

جو شخص ڈنکے کی چوٹ پر گناہ کرتا ہو اس کی غیبت حرام نہیں ہے۔ مثلاً جو شخص کلب میں شراب پیتا ہے اور بے حیا عورتوں کے ساتھ رقص بھی کرتا ہے اس کی غیبت جائز ہے کیونکہ ایسا شخص جب اپنے گناہ کو خود ہی نہیں چھپاتا تو لوگوں پر بھی

اس کے گناہوں کی پردہ پوشی واجب نہیں ہے۔ البتہ جو شخص شراب زہر مار کرتا ہے لیکن چھپ کر پیتا ہے تو اس کا علیحدہ حکم ہے۔

انصاف طلب کرنا غیبت نہیں ہے

وہ مقامات جہاں غیبت حلال ہو جاتی ہے ان میں ایک انصاف طلبی بھی ہے۔ اگر کسی نے آپ کا مال ہڑپ کیا ہو یا دبالیا ہو اور آپ قاضی کے پاس فریاد لے کر جائیں تو آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کے خلاف مقدمہ دائر کریں اور ظالم کے ظلم کو بیان کریں لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ آپ اپنے دعویٰ تک ہی محدود رہیں۔ اگر آپ کو فریق ثانی کے متعلق اور بہت سی معلومات ہوں جن کا تعلق آپ کے مقدمے سے نہ ہو تو آپ اس کی دوسری غلطیوں کو بیان کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ اگر آپ اس کے دوسرے عیوب بیان کریں گے تو یہ معاملہ آپ کی دادطلبی تک محدود نہیں رہے گا بلکہ اسے دشمنی پر محمول کیا جائے گا اور آپ کے عمل سے یہ سمجھا جائے گا کہ آپ خود کو پاکدامن اور دوسرے کو آلودہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

بعض افراد ایک عجیب طریقے سے غیبت کرتے ہیں۔ ان کا طریقۂ واردات یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو پارسا اور دوسروں کو خائن بتلاتے ہیں۔ مثلاً آپ کسی دکان پر جائیں اور وہاں رکھی کسی چیز کو چکھیں تو دکاندار آپ سے کچھ اس طرح کہے گا: جناب! آپ مطمئن ہو کر یہاں سے خریداری کریں، یہ میری دکان ہے، یہاں ہر چیز خالص ملتی ہے، میرے ہمسائے کو ہی دیکھیں وہ دو نمبر گھی فروخت کرتا رہتا ہے جبکہ میں کبھی ایسا نہیں کرتا یا مثلاً آپ کسی دکان پر چائے کی پتی خریدنے گئے تو دکاندار آپ سے یہ کہے گا: جناب! آپ پورے بھروسے سے ہماری چائے خریدیں، ہم ہمیشہ صحیح مال بیچتے ہیں، میرا ہمسایہ دو نمبر چائے فروخت کرتا ہے جبکہ میں نے اپنے خدا سے دیانتداری کا عہد کیا ہوا ہے۔

اس طرح کی گفتگو یقیناً غیبت ہے اور حرام ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ اپنے آپ کو دیانتدار اور دوسروں کو بددیانت قرار دیں۔

بعض لوگ اپنے گناہ کو چھپانے کے لئے دوسرے مسلمان کے عیب کو ظاہر کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے۔ مثلاً اگر ایک شخص نے غلط کام کیا اور آپ نے اسے ٹوکا تو وہ جواب میں کہے: جناب! اس سے کیا فرق پڑتا ہے، فلاں شخص نے بھی تو یہی کام کیا تھا۔ اس طرح سے اس شخص نے اپنے گناہ کو ہلکا ثابت کرنے کے لئے دوسرے مسلمان کی غیبت کا ارتکاب کیا ہے۔

احمد یتیم اور ابن طولون کی کنیز کا واقعہ

کتاب مستطرف میں ہے کہ احمد بن طولون مصر کا مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ ایک دفعہ وہ کہیں جا رہا تھا کہ اس نے ایک بچے کو دیکھا جو راستے کے کنارے پر کھڑا رو رہا تھا۔ بادشاہ کو اس میں بزرگی کے آثار نظر آئے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اس بچے کو اٹھا لیا جائے۔ بچے کو اٹھا کر محل میں لایا گیا جہاں اس کے لئے دایہ کا بندوبست کیا گیا۔ بچہ بڑا ہوگیا اور بادشاہ نے اس کا نام احمد رکھا۔

احمد بچپن سے ہی بڑا ہونہار اور ہوشیار تھا۔ بادشاہ کو اس کی عادات پسند تھیں۔ جب بادشاہ کی وفات کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹے ابوالجیش کو اس کے متعلق وصیت کی اور کہا کہ میں نے اس کی تربیت کی ہے، میں نے اس میں آج تک اچھائی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں دیکھی، میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اس پر شفقت کرتے رہنا، یہ تمہارا مددگار ثابت ہوگا۔

اس کے بعد ابن طولون کی وفات ہوگئی۔ باپ کی وصیت کے تحت ابوالجیش نے بھی احمد یتیم پر بڑی شفقت کی۔ جب وہ جوان ہوا تو ابوالجیش نے اسے کئی بار متعدد عہدوں پر فائز کیا اور اس نے ہر بار اپنی صلاحیت کا لوہا منوایا۔

ابوالجیش اس سے بہت محبت کرتا تھا اور اسے اپنا چھوٹا بھائی تصور کرتا تھا۔

ایک دن ابوالجیش نے اپنے دربار میں اپنی جیب میں ہاتھ مارا۔ وہ اپنی جیب سے مروارید کی تسبیح نکالنا چاہتا تھا لیکن اسے اپنی جیب خالی محسوس ہوئی۔ پھر اسے خیال آیا کہ رات اس نے وہ تسبیح اپنے بستر کے سرہانے رکھی تھی اور وہاں سے صبح کے وقت تسبیح اٹھانا بھول گیا تھا۔

اس نے احمد کو آواز دی۔ احمد حاضر ہوا تو ابوالجیش نے اس سے کہا کہ تم میرے کمرے میں جاؤ اور میری مروارید کی تسبیح اٹھا لاؤ۔

احمد دربار سے نکل کر محل میں آیا اور بادشاہ کے کمرے میں گیا تو اس نے دیکھا کہ ایک کنیز بادشاہ کے قالین بچھانے والے نوکر کے ساتھ گناہ میں مصروف تھی۔ جیسے ہی ان دونوں کی نظر احمد پر پڑی تو نوکر بھاگ گیا لیکن کنیز وہیں کھڑی رہی۔ اس نے احمد کی منت سماجت کی کہ وہ بادشاہ کو اس بابت کچھ نہ بتائے۔ پھر اس نے احمد کو بھی گناہ کی پیشکش کی مگر احمد غیور انسان تھا اور وہ بادشاہ کے متعلق خیانت کا سوچ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے کنیز کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے بادشاہ کی نادر روزگار تسبیح اٹھائی اور دربار میں حاضر ہوا لیکن اس نے بادشاہ کے سامنے کنیز اور نوکر کو رسوا کرنا پسند نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی کیا جزا دی یہ ایک دلچسپ داستان ہے۔

ابوالجیش کے حرم میں ایک نئی کنیز داخل ہوئی جو کہ حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھی اور اس نے آتے ہی بادشاہ کے دل کو اپنی مٹھی میں لے لیا۔ بادشاہ نے دوسری کنیزوں سے بے اعتنائی برتنی شروع کردی جن میں خیانت کار کنیز بھی شامل تھی۔ اس کنیز نے جب بادشاہ کو اپنے سے کھنچا کھنچا سا محسوس کیا تو اس نے سوچا کہ ہو نہ ہو احمد نے اسے میرے اور نوکر کے تعلقات سے آگاہ کر دیا ہے اسی لئے میں بادشاہ کی نظروں سے گر گئی ہوں۔ اس نے سوچا کہ اس پاداش میں کیوں نہ احمد کا پتا کاٹ دیا جائے۔

یہ سوچ کر وہ ابوالجیش کے پاس آئی اور اس سے کہا: بادشاہ سلامت! مجھے آپ سے خلوت میں کچھ کہنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ احمد پر اس قدر اعتماد نہ کیا کریں کیونکہ چند دن قبل وہ آپ کی تسبیح لینے کے لئے آپ کی خوابگاہ میں آیا اور اس نے وہاں میرے ساتھ زبردستی کی۔ میں نے دفاع میں بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن میں کمزور عورت تھی اور اپنا دفاع نہ کر سکی۔

ابوالجیش نے کنیز کی بات کو سچ سمجھ لیا حالانکہ اگر وہ ان جآء کم فاسق بنبأ فتبینوا پر عمل کرتا تو وہ اس کے لئے بہتر ہوتا۔ اسے تحقیق کرنی چاہئے تھی مگر اس نے اس امر کی کوئی تحقیق نہ کی اور اپنے دل میں احمد کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

بادشاہ نے اپنے ندیم سے کہا: کل میں ایک شخص کے ہاتھ تیرے نام رقعہ بھیجوں گا اور اس کے ہاتھ میں ایک تھال ہوگا اور میں رقعہ میں لکھوں گا کہ اس تھال کو کستوری سے بھر کر میرے پاس بھیج دو۔ جیسے ہی تجھے میرا یہ رقعہ ملے تو فوراً رقعہ لانے والے کی گردن مار دینا اور اس کا سر اسی تھال میں رکھ کر میرے پاس بھیج دینا۔

جب دوسرا دن ہوا تو ابوالجیش نے احمد سے کہا کہ تم میرا یہ رقعہ لو اور اس کے ساتھ ایک تھال ندیم کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ بادشاہ نے کہا ہے کہ اسے کستوری سے بھر دو۔

احمد نے تھال لیا اور بادشاہ کا رقعہ لے کر ندیم کے پاس جانے لگا۔ راستے میں بادشاہ کے مصاحبین شطرنج کی بساط بچھائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے احمد کو آواز دی کہ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ شطرنج کھیلو۔

احمد نے کہا: میں بعد میں آؤں گا، فی الحال میں بادشاہ کا رقعہ لے کر ندیم کے پاس جا رہا ہوں اور اس سے کستوری لے کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

بادشاہ کے مصاحب نے کہا: تم یہاں آؤ اور ہمارے ساتھ شطرنج کھیلو ہم کسی دوسرے کو یہ تھال دے کر ندیم کے پاس بھیج دیتے ہیں۔

سے قمیص کے پھٹنے کا مطلب یہ ہے کہ یوسفؑ نے اس پر حملہ کیا ہوگا اور زلیخا نے دفاع کیا ہوگا اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہو تو سمجھو کہ یوسفؑ بے گناہ ہے اور زلیخا گنہگار ہے۔ قمیص کا پیچھے سے پھٹنا اس بات کی دلیل ہے کہ زلیخا نے اسے گناہ کی پیشکش کی لیکن یوسفؑ دوڑ پڑا۔ زلیخا اس کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے لپکی جس کی وجہ سے قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔

عزیز مصر کو حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی کا یقین ہوگیا اور اس نے اپنی بیوی سے کہا: تو اپنے گناہ کی معافی طلب کر تو خطاکاروں میں سے ہے۔

ان دونوں واقعات کی روشنی میں ہم آپ سے صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خدارا اپنے گناہ کو چھپانے کے لئے کسی بے گناہ پر تہمت نہ لگائیں۔ اس کا سخت حساب ہوگا اور یقین فرمائیں کہ اگر دنیا میں اس کی سزا سے کوئی بچ بھی جائے تو آخرت میں اس کی سزا سے ہرگز نہیں بچ سکے گا۔ قیامت کے دن ہر شخص کو کھڑا کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اگر کسی کا اس شخص پر کوئی حق ہے تو وہ اٹھ کر اس سے اپنا حق وصول کرلے۔ (لئالی الاخبار، صفحہ ۵۴۸)

جیسے ہی یہ ندا بلند ہوگی تو تمام صاحبان حقوق اٹھیں گے اور جن کی آپ نے غیبت کی ہوگی وہ بھی اٹھیں گے اور جن کے مال و ناموس میں آپ نے خیانت کی ہوگی وہ بھی اٹھیں گے۔ اس وقت آپ کو سخت پریشانی اٹھانی پڑے گی۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے شیعو! اس حالت میں مرو کہ تمہارے ہاتھ کسی مسلمان کے خون اور مال سے آلودہ نہ ہوں اور تمہاری زبان کسی کی آبروریزی میں ملوث نہ ہو۔

شیعیان آل محمدؐ! حضرت علی علیہ السلام آپ سے یہی توقع رکھتے ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند متعال ہمیں ان کی توقعات پر پورا اترنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

غیبت مُردار خوری کے مترادف ہے

غیبت کے متعلق کافی بحث ہوچکی ہے۔ اب ہم اس آیت کی تشریح اور سابقہ مطالب پر اس کی تطبیق کے متعلق کچھ معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں۔

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا نہی کا صیغہ ہے یعنی تم میں سے کوئی شخص دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے بَعْضُكُمْ کہہ کر مسلمانوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ تم علیحدہ نہیں ہو بلکہ ایک امت ہو اس لئے تمہیں ایک دوسرے کی غیبت نہیں کرنی چاہئے۔ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا یعنی کیا تم میں سے کوئی اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ کے الفاظ سے غیبت کی برائی کو واضح کیا گیا ہے تاکہ اس تشبیہ بلیغ کے ذریعے لوگ غیبت سے نفرت محسوس کریں۔

اس بات کو ذرا چشم تصور میں لائیں کہ ایک بھائی کی لاش سامنے پڑی ہو اور دوسرا بھائی اس کا گوشت نوچ رہا ہو۔ یقیناً اس تصور سے آپ کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں گے اور آپ اسے برا سمجھیں گے جیسا کہ قرآن مجید خود ہی فَكَرِهْتُمُوْهُ کہہ کر جتایا ہے کہ تم یقیناً اپنے مُردہ بھائی کا گوشت نوچنے سے نفرت کروگے کیونکہ مُردار خوری گدھوں یا کتوں کا کام ہے۔ انسانی لاشوں کو دفن کیا جاتا ہے تاکہ ان کی بدبو سے زمین پر رہنے والوں کی زندگی اجیرن نہ ہو۔ خداوند عالم نے اس تمثیل کے ذریعے سے لوگوں کو غیبت سے نفرت دلائی ہے۔

غیبت کی مُردار خوری سے تشبیہ

خداوند عالم نے غیبت کو اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر بتایا ہے۔ روایت میں ہے کہ اگر کوئی کسی کی بات سن کر کسی کو ذلیل کرتا ہے اور اسے اپنی صفائی میں بولنے کا موقع تک نہیں دیتا تو وہ شخص ایسا ہے گویا اس نے اپنے خونی پنجوں سے اپنے مومن بھائی کا گوشت کھالیا ہو۔ آپ نے اگر کسی کی عزت و آبرو کو ختم کیا تو یوں سمجھیں کہ گویا آپ نے اس کا خون بہایا اور اس کا گوشت کھایا۔

مَیْتًا یعنی غیبت مُردہ بھائی کے گوشت کھانے کے مساوی ہے۔

اس میں وجہ تشبیہ یہ ہے کہ غیبت سے متاثرہ فریق بے چارہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوتا ہے اور اسے اپنے متعلق کوئی علم نہیں ہوتا کہ کوئی اس کا پس پشت گلہ کر رہا ہے۔ وہ کسی مُردہ کی طرح سے لاعلم ہوتا ہے اور اپنا دفاع نہیں کرسکتا۔

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

اللہ تعالیٰ نے اس آیۂ وافی ہدایہ میں جذبات ترحم کو برانگیختہ کرتے ہوئے فرمایا: لَحْمَ اَخِیْهِ یعنی غیبت کرنے والا کسی غیر کا نہیں بلکہ اپنے ہی مُردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔

ہم اس سے قبل بتاچکے ہیں کہ برہان عقلی کے تحت بھی غیبت حرام اور قابل نفرت چیز ہے اور اس برہان عقلی کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت ہر شخص کو فائدہ پہنچانے والا اور فائدہ اٹھانے والا بنایا ہے اور اسی پر نظام عالم قائم ہے۔ ہر شخص اپنے وجود سے معاشرے پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور مرتب کرتا ہے اور ہر شخص کو اپنا مثبت اثر مرتب کرنے کی اجازت ہونی چاہئے تاکہ اس کے مثبت اثرات سے دوسرے لوگ فائدہ حاصل کرسکیں۔ مثلاً اگر ایک شخص نانبائی ہے تو اسے روٹی پکانا چاہئے اور وہ اس طرح معاشرے کی خدمت کرسکتا ہے اور معاشرہ اس

سے فائدہ اٹھا سکتا ہے یا ایک شخص کریانہ کی دکان چلانے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اسے اس کی اجازت ہونی چاہئے تاکہ وہ معاشرے کو کچھ دے سکے اور معاشرہ بھی اس سے نفع حاصل کر سکے۔

الغرض پورے جہان کا نظام ایک دوسرے سے مربوط ہے اور قدرت کے کارخانے میں کوئی بھی چیز بیکار نہیں ہے۔ ہر ایک کی اپنی اپنی جگہ ہے۔

معاشرے کے تمام طبقات ایک دوسرے کو فائدہ بھی پہنچاتے ہیں اور ایک دوسرے سے فائدہ حاصل بھی کرتے ہیں۔ دوسرے طبقات کی طرح روحانی علماء بھی ایک طبقے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک عالم معاشرے کو فائدہ بھی پہنچاتا ہے اور معاشرے سے فائدہ حاصل بھی کرتا ہے۔ ایک عالم لوگوں کے دینی عقائد و اعمال کی اصلاح کرتا ہے اور لوگ اس کی معاشی کفالت کرتے ہیں۔ یہ افادہ و استفادہ اس وقت ممکن ہے جب علماء کا لوگوں کے ساتھ اور لوگوں کا علماء کے ساتھ رابطہ ہو۔ اگر ان کے مابین رابطہ نہیں ہوگا تو لوگ علماء کے فیض سے محروم ہو جائیں گے۔

غیبت کرنے والا شخص دراصل ایک فرد کو معاشرے سے جدا کرتا ہے۔ وہ دوسرے فریق کی عزت و شہرت کا قاتل ہوتا ہے اور اسے معاشرے سے کاٹ کر علیحدہ کرنے کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی عالم کی غیبت کرتا ہے تو وہ دراصل طبقۂ علماء کو معاشرے سے جدا کر رہا ہوتا ہے۔ غیبت کا مقصدِ آخر وحدت کی جگہ تفرقہ پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اسلام میں اسی لئے تجسس اور غیبت کو حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان سے جدائی پیدا ہوتی ہے اور اتفاق کی بجائے انتشار پیدا ہوتا ہے۔

تجسس جدائی کا پیش خیمہ ہے اور جدائی افادہ و استفادہ کے ختم کرنے کا سبب ہے۔ اگر کسی کی غیبت کی وجہ سے لوگ ایک عالم سے دور ہو جائیں تو اس سے معاشرے کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے اور لوگ ایک عالم کے فیوض سے محروم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی عالم کی غیبت کرتا ہے تو وہ دراصل اسے قتل کر کے اسلامی اجتماع سے دور کرتا ہے۔

آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے شیراز میں ایک عالم دین رہتے تھے جن کے پیچھے کوئی نماز نہیں پڑھتا تھا اور ان کے متعلق یہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ وہ طہارت نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کے متعلق تمام لوگ یہ گواہی دیتے تھے کہ وہ جید عالم ہیں مگر اس کے باوجود ان پر بے طہارتی کا ٹھپہ لگا دیا گیا جس کی وجہ سے کوئی بھی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تھا۔

ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ پہلے ان کے بڑے عقیدت مند تھے اور ان کے پیچھے نماز ادا کرنے کو اپنے لئے سعادت تصور کرتے تھے۔ پھر ایک بار وہی عالم دین امام علی رضا علیہ السلام کی زیارت کے قصد سے اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ مشہد مقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت یہ بسیں وغیرہ نہیں تھیں لہٰذا وہ گدھوں پر سوار ہو کر مشہد کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں انہیں کہیں پیشاب کی حاجت ہوئی اور وہاں دور دراز تک پانی موجود نہیں تھا اور ویسے بھی شرعی حکم ہے کہ اگر نقصان کا اندیشہ ہو تو پیشاب کا روکنا حرام ہے۔

بہرحال وہ عالم دین اپنے گدھے سے اترے اور دور جا کر ایک جگہ پیشاب کیا۔ اپنے آپ کو خشک کیا اور وہ چاہتے تھے کہ جب کہیں پانی پر پہنچیں گے تو اپنے آپ کو پاک کریں گے لیکن اتفاق یہ ہوا کہ انہیں تمام عقیدت مندوں نے پیشاب کرتے ہوئے تو دیکھا تھا لیکن کسی نے انہیں پانی سے طہارت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ ان کے مقتدی کم ہونے لگے۔

وہ بے چارے سوچتے کہ خدایا! یہ کیا ہو گیا ہے؟ آخر مجھ سے ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا ہے کہ لوگ میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتے؟ مقتدی روز بروز کم ہوتے گئے اور آخر میں نتیجہ یہ نکلا کہ اگر وہ جماعت کرانا چاہتے تو ایک بھی مقتدی ان کے پیچھے موجود نہ ہوتا اور یوں پورے شیراز میں ان کی شہرت کو سخت دھچکا لگا اور یہ ساری مہربانی ان کے ہم سفر ساتھیوں کی تھی جنہوں نے یہاں آ کر یہ مشہور کر دیا تھا کہ شیخ طہارت نہیں کرتا۔

عوام الناس کو تحقیق سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ وہ تو ایک دوسرے کی بات پر اعتماد کر لیتے ہیں۔ اگر کسی نے کسی کے متعلق کہہ دیا کہ وہ اچھا ہے تو سب لوگ کہنے لگ جاتے ہیں کہ وہ اچھا ہے۔ اگر کسی نے کسی کے متعلق کوئی ہوائی اڑادی تو سب لوگ اسے برا کہنے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس غیبت کا یہ اثر ہوا کہ پورا شہر ایک عالم فاضل شخص کے مواعظ اور علوم سے محروم ہوگیا۔

غیبت کسی کی بھی ہو گناہ ہے۔ غیبت خواہ کسی سبزی فروش کی ہو یا عالم دین کی گناہ کبیرہ ہے لیکن افادہ واستفادہ میں بڑا فرق ہے۔

غیبت کی بجائے مجرم کو سمجھائیں

شریعت طاہرہ کا فرمان ہے کہ اگر آپ کو کسی مسلمان میں کوئی عیب دکھائی دے تو سب سے پہلے اس کی اچھی تاویل کریں اور اگر بالفرض آپ کو یقین ہو جائے کہ فلاں مسلمان نے کوئی گناہ کیا ہے تو اس کی غیبت نہ کریں بلکہ نہی عن المنکر کے الٰہی فریضے پر عمل کرتے ہوئے سیدھے اس کے پاس جائیں اسے برائی سے روکیں۔

مفہوم کو مزید قریب کرنے کے لئے میں مثال دینا چاہتا ہوں کہ آپ نے بالفرض کسی شخص کو ایک عورت کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا۔ تو اس کے متعلق آپ کو خواہ مخواہ بدگمانی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عورت اس کی محرم ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ عورت اس کی بیوی ہو۔

اگر بالفرض آپ کو یہ یقین ہو کہ وہ عورت اس کی کچھ بھی نہیں لگتی تو آپ پر اس کی اصلاح واجب ہے مگر آپ اس کی اصلاح غیبت سے نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے آپ کو اس کے پاس جانا ہوگا اور اسے اس فعل بد کے نقصانات سے آگاہ کرنا ہوگا۔ آپ اسے ضرور سمجھائیں کیونکہ یہ آپ پر فرض ہے لیکن آپ کو شریعت یہ حق نہیں دیتی کہ آپ اس کی غیبت کر کے اسے رسوا کریں۔

اجمالی طور پر یہ سمجھ لیں کہ شریعت آنکھوں سے دیکھی ہوئی ہر بات بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور شریعت کے اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کا اجتماع قائم رہے اور کوئی شخص اجتماع سے کٹنے نہ پائے تاکہ افادہ و استفادہ کا سلسلہ جاری رہے اور اگر غیبت عام ہو جائے تو پھر فساد اور بے ایمانی کا دروازہ کھل جائے گا۔

مسلمانوں کی اکثر خرابیوں کی جڑ علماء سے دوری ہے اور علماء سے دوری غیبت اور تہمت کا ثمر ہے۔ آپ حضرات کو چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مسجد میں لے آئیں اور انہیں علماء کے وعظ میں شریک کریں تاکہ لوگوں میں دین کا شعور پیدا ہو اور انہیں حلال وحرام سے آگاہی حاصل ہو۔

اس کے برعکس لوگوں کا رویہ یہ ہے کہ کسی کو مسجد میں لانا تو درکنار مسجد میں آنے والوں کو مسجد سے بھگانے میں لگے ہوئے ہیں۔ یاد رکھیں کہ یہ ابلیسی فعل ہے اور یہ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے زمرے میں شامل ہے۔ اگر آپ عقل مند ہیں تو کسی اور ساتھی کو بھی مسجد میں لائیں تاکہ وہ بھی ہدایت حاصل کرے اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم کسی ہدایت یافتہ شخص کو تو مسجد سے مت نکالیں۔

آج کل لوگ کچھ اس طرح کی گفتگو کرتے ہیں:

پہلا: آپ کون سی مسجد میں نماز پڑھنے جاتے ہیں؟

دوسرا: میں فلاں مسجد میں نماز پڑھنے جاتا ہوں۔

پہلا: اس مسجد کے امام صاحب کون ہیں؟

دوسرا: اس مسجد کے امام صاحب فلاں عالم دین ہیں۔

پہلا: مگر اس کے متعلق تو بڑی باتیں مشہور ہیں۔ تو کیا تم نے اب تک اس کے متعلق کچھ نہیں سنا؟

دوسرا: اب تک تو کچھ نہیں سنا تھا مگر اب چونکہ آپ نے سب کچھ بتا دیا ہے تو آئندہ اس مسجد میں قدم نہیں رکھوں گا۔

اب اس گفتگو کے نتیجے میں وہ ایک شیطان کے جال میں پھنس کر قریبی مسجد کو چھوڑ دے گا اور اس کے بجائے دوسری کسی مسجد میں بھی نہیں جائے گا۔

آج کل جسے غیبت سے روکا جائے تو وہ بڑی بے حیائی سے کہتا ہے: جناب! میں جھوٹ تھوڑا ہی بول رہا ہوں، میں تو بالکل سچی بات کہہ رہا ہوں۔

عزیزان گرامی! ایسے شخص سے کہیں کہ اگر تم نے جھوٹ کہا ہے تو یہ صریحاً بہتان ہے اور اگر سچ کہا ہے تو یہ غیبت کی ہے۔

اسی لئے بزرگوں نے یوں کہا ہے کہ "ہر جانی ہوئی بات کو کہنا نہیں چاہیے۔" نہ یہ کہ "جس چیز کو نہیں جانتے اس کے متعلق کچھ نہ کہو۔"

بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جو بھی کام کرتا ہے اس کام کی ایک ظاہری شکل ہوتی ہے اور ایک باطنی شکل ہوتی ہے جسے ملکوت کہا جاتا ہے۔

مثلاً جب ایک شخص کسی دوسرے شخص کی غیبت کرتا ہے تو اس کا ظاہر زبان، منہ اور جبڑے ہوتے ہیں لیکن اس کا ملکوت اور باطن مردار خوری ہوتا ہے۔

اسامہؓ اور سلمانؓ کی غیبت

ایک دفعہ شیخین نے سلمانؓ کو رسول خداؐ کے پاس بھیجا کہ تم جاؤ اور ہمارے لئے کوئی کھانا لے آؤ۔ سلمانؓ، رسول خداؐ کے پاس گئے۔ آپؐ نے انہیں اسامہؓ کے پاس بھیجا کیونکہ اسامہؓ آپؐ کے خزانچی تھے۔

اسامہؓ نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے تو سلمانؓ وہاں سے خالی ہاتھ شیخین کے پاس واپس آئے۔ ان دونوں نے کہا کہ اسامہؓ نے بخل سے کام لیا ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اگر سلمانؓ کو پانی سے لبریز کنوئیں سے پانی لانے کے لئے بھیجا جائے تو وہ کنواں بھی خشک ہو جائے گا۔

بعدازاں شیخین، رسول خداؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا: مجھے تمہارے منہ سے گوشت کی بو آرہی ہے۔

انہوں نے کہا: ہم نے تو آج گوشت نہیں کھایا۔
رسول خداؐ نے فرمایا: کیا تم نے سلمانؓ اور اسامہؓ کا گوشت نہیں کھایا؟ (یعنی تم نے ان دونوں کی غیبت کی ہے)۔ (نور الثقلین، جلد۵، صفحہ۹۵)
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نگاہ رسالت نے ان کے عمل کی باطنی کیفیت یعنی ملکوت کو دیکھا تھا اور اس کا ملکوت مُردار خوری تھا۔
ایک اور موقع کے لئے روایات میں ہے کہ رسول خداؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ مجھے تمہارے دانتوں میں سلمانؓ کے گوشت کے ریزے نظر آ رہے ہیں۔
اس دنیا میں رہ کر تو انسان ملکوت کو نہیں سمجھتا لیکن جب مر جائے گا اور ایک وسیع تر عالم کا مشاہدہ کرے گا تو وہاں اسے اپنی غیبت مُردار کی شکل میں دکھائی دے گی اور اسے مُردار کی بدبو سونگھنی پڑے گی۔
ایک مرتبہ پیغمبر اکرمؐ کی مجلس مبارک میں اچانک شدید ترین بدبو کا بھپکا سا اٹھا جبکہ اس کا کوئی ظاہری سبب بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس بدبو سے رسالت مآبؐ کو تکلیف محسوس ہوئی۔ آپ نے فرمایا: یہ غیبت کی بدبو ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ منافقین نے مومنین کی غیبت کی ہے۔ (لئالی الاخبار، صفحہ۱۸۴)

پانچ افعال کے تعجب خیز ملکوت

ہم نے عرض کیا ہے کہ ہر گفتار اور کردار کا ایک باطنی وجود ہے جسے ملکوت کہا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ کسی نبی کو خدا نے پانچ چیزوں کے ملکوت کا مشاہدہ کرایا۔
مستدرک الوسائل کی روایت کے مطابق حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:
ایک نبی کو خدا کا حکم ہوا کہ کل صبح جب اٹھو تو جو چیز سب سے پہلے دیکھو اسے کھا لینا، جو دوسری چیز نظر آئے اسے چھپا دینا، جو تیسری چیز دیکھو اسے پناہ دینا اور چوتھی چیز کو بھی مایوس نہ کرنا اور پانچویں چیز پر جب نگاہ پڑے تو اس سے بھاگ جانا۔

رات گزری اور صبح ہوئی۔ جب نبی بیدار ہوئے تو پہلی چیز جو اُنہوں نے دیکھی وہ ایک بہت بڑا پہاڑ تھا۔ انہوں نے دل میں سوچا کہ مجھے تو حکم ہوا تھا کہ جو چیز سب سے پہلے دیکھو اسے کھا لینا، بھلا میں اس پہاڑ کو کیسے کھا سکتا ہوں؟

پھر انہوں نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ قدرت کا فرمان عبث نہیں ہوسکتا میں جتنا کھا سکتا ہوں کھالوں گا باقی کو رہنے دوں گا۔ یہ سوچ کر وہ پہاڑ کی طرف چلے اور جوں جوں وہ پہاڑ کے قریب ہوتے گئے پہاڑ سمٹتا گیا اور جب وہ اس کے پاس پہنچے تو صرف ایک لقمہ جتنا بچ رہا۔ نبی نے اس لقمے کو اٹھا کر کھا لیا اور ان کو وہ لقمہ حلوے سے بھی زیادہ شیریں لگا۔ پہاڑ جو مضبوط پتھر دکھائی دے رہا تھا وہ اپنی ہیئت بدل کر لقمہ بن چکا تھا اور وہ لقمہ نبی کی غذا بن گیا اور نبی کو انتہائی لذیذ معلوم ہوا کیونکہ لذت ملکوتی، مادی لذت سے ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے۔

اس کے بعد نبی آگے گئے تو انہیں ایک سونے کا تھال پڑا ہوا دکھائی دیا۔ اللہ کا حکم تھا کہ دوسری چیز کو چھپا دینا لہٰذا انہوں نے اسے مٹی ڈال کر چھپا دیا۔ چند قدم چلنے کے بعد انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ سونے کا تھال ویسے ہی باہر پڑا تھا۔ انہوں نے دل میں کہا کہ میں نے خدا کے حکم پر عمل کر دیا ہے۔ اس کے بعد خدا جانے اور اس کی حکمت۔

پھر انہوں نے دیکھا کہ ایک باز ایک کبوتر کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے اڑ رہا ہے۔ کبوتر بے چارہ پناہ کی تلاش میں نبی کے قریب ہوا۔ نبی نے سوچا کہ اللہ نے مجھے یہ حکم دیا تھا کہ تیسری چیز کو پناہ دینا لہٰذا انہوں نے باز کے آنے سے پہلے کبوتر کو پکڑ کر اپنی آستین میں چھپا لیا۔ پھر باز ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں اس کبوتر کی تاک میں تھا مگر آپ نے اسے چھپا لیا ہے اب میں کس کا گوشت کھاؤں گا؟ نبی نے دل میں سوچا کہ مجھے خدا نے حکم دیا تھا کہ چوتھی چیز کو مایوس نہ کرنا لہٰذا انہوں نے اُسے گوشت کا ٹکڑا دیا اور وہ ٹکڑا لے کر چلا گیا۔

اس خواب سے وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور سارا دن اس شخص کا انتظار کرتا رہا۔

اگر نیت نیک ہو اور طلب صادق ہو تو گوہر مراد ہاتھ آ ہی جاتا ہے۔ پورے ایک سال کے بعد اسے وہ شخص دکھائی دیا اور وہ معافی مانگنے کے لئے اس کی طرف لپکا۔

دوسرے شخص نے جیسے ہی اسے اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا تو کہا: "اب توبہ پر آمادہ ہو چکے ہو؟"

اس شخص کے الفاظ اسے تیر کی طرح اپنے دل میں پیوست ہوتے محسوس ہوئے۔ اس نے اس کے الفاظ سنے تو اسے یقین ہوگیا کہ جسے میں نے نگاہ حقارت سے دیکھا تھا وہ تو اللہ کا ولی ہے۔

آپ نے روزہ رکھا اور دن بھر کھانے پینے اور دیگر محرمات سے پرہیز کیا۔ ظاہر میں تو آپ کا عمل پرہیز کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ اس کی ایک ملکوتی شکل بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس عمل کو اخروی نعمات کی شکل میں مجسم کر کے آپ کے سامنے پیش کرے گا اور قیامت کے دن آپ کو قدرت کی طرف سے یہ ندا سنائی دے گی: میرے حکم کی تعمیل میں بھوکے پیاسے رہنے والے! یہ جنت کی اعلیٰ ترین خوراکیں تمہارے سامنے رکھی ہوئی ہیں، اب تم مزے سے کھاؤ پیو، یہ تمہارے بھوکے پیاسے رہنے کا ثمر ہے۔

اسی طرح سے خوف خدا میں رونا اور امام حسینؑ کی مظلومیت پر رونا آنسوؤں اور دل کے حزن و ملال کی شکل میں دکھائی دیتا ہے لیکن اس کی ملکوتی صورت خوشی اور خوش حالی اور حوض کوثر سے سیرابی کی شکل میں نمودار ہوگی۔

عزاداروں کو غمی کی بہ نسبت خوشی زیادہ نصیب ہوگی

نفس المہموم میں سند متصل کے ساتھ منقول ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: مولا! اس وقت آپ کے دادا حسینؑ کہاں ہیں؟

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: تیرا وجود بہت چھوٹا ہے اور تیرا سوال بہت وزنی ہے۔ سن! ان کا بدن مطہر ان کی قبر میں ہے اور ان کی روح عرش خدا کے دائیں جانب اپنے نانا، والد اور والدہ کے پاس موجود ہے اور حسینؑ کی روح عرش پر بیٹھ کر اپنی قبر اطہر کے زائرین کو اور اپنی مجالس عزا کو دیکھتی ہے۔ امام حسینؑ اپنے نانا، والد اور والدہ اور بھائی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کے عزاداروں کے لئے استغفار کریں تا کہ خدا ان کے گناہ معاف کردے۔

نفس المہموم میں ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: **لو یعلم الباکی علی مالہ من الاجر عنداللّٰہ لکان فرحہ اکثر من حزنہ.** یعنی اگر مجھ پر رونے والے کو علم ہو جائے کہ خدا کے نزدیک اس کے رونے کا کیا اجر ہے تو اس کے غم سے اس کی خوشی بڑھ جائے گی۔

ملک اور ہے ملکوت اور ہے۔ ملک آپ کی ظاہری صورت کا نام ہے۔ آپ کے گریہ و بکا کی۔ یہ گریہ و بکا آپ کا ملک ہے اور اس کے بدلے میں اللہ جو خوشی، شادمانی، اجر عظیم اور احسان عظیم فرمائے گا وہ اس کا ملکوت ہوگا۔ جیسے ہی آپ دنیا سے رخصت ہو کر اللہ کے حضور میں جائیں گے تو اللہ کی یہ عظیم نعمات آپ کے لئے موجود ہوں گی۔

انسان اللہ کی نافرمانی سے ڈرتا ہے اور خوف خدا سے گریہ کرتا ہے، یہ عمل ظاہر میں خوف دکھائی دیتا ہے لیکن ملکوتی شکل میں امن ہے۔

آپ نے بارہا تجربہ کیا ہوگا کہ دعاؤں میں رونے کے بعد آپ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرتے ہیں اور اس رونے میں ایک لذت ملتی ہے۔ جب آپ خدا کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں تو آپ کے سر پر عزت کا تاج رکھ دیا جاتا ہے اور جب آپ اپنے آپ کو بارگاہ خداوندی میں حقیر سمجھیں گے تو اس بارگاہ سے آپ کو عزت نصیب ہوگی۔

فَتَبَیَّنُوْا کی آیت پر عمل کریں اور ہر ایرے غیرے کی بات پر کان دھرنا چھوڑ دیں یا سن کر اچھی طرح سے تحقیق کرلیں تو وہ بہت سے نقصانات سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور یوں ان کی دنیاوی زندگی اچھی گزر سکتی ہے۔

اسی طرح سے مسلمان قرآن کے فرمان کے تحت اگر بدگمانی ترک کردیں تو ان کی زندگی میں سکون و قرار پیدا ہو جائے گا کیونکہ بدگمانی کرنے والا شخص اپنی بدگمانی کو صرف ایک دو افراد تک محدود نہیں رکھتا، اس کی نظر میں تمام افراد مشکوک ہوتے ہیں۔ ایسا شخص اپنے بیوی بچوں پر بھی شک کرتا ہے۔ ہمیں یہ بتانے کی ہرگز ضرورت نہیں کہ جو شخص اپنے بیوی بچوں کو بھی شک کی نظر سے دیکھتا ہو اس کی زندگی کتنی تلخ ہوتی ہے۔ تجسس اسی لئے حرام ہے کہ اس سے دنیاوی زندگی تاریک ہوجاتی ہے۔ فتنہ انگیزی اور خبر رسانی میں فائدے کی بجائے نقصان ہے۔

ایک فتنہ پرور کی حوصلہ شکنی

کتاب لئالی الاخبار میں ہے کہ ایک شخص امام سجّادؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص نے آپ کے متعلق یہ اور یہ کہا تو امامؑ نے فرمایا: **واللّٰہ ما حفظت حق اخیک اذ خنته وقد استا منک ولا حفظت حرمتنا اذا سمعتنا مالم یکن لنا حاجة بسماعه اما علمت ان نقلة النمیمة هم کلاب النار قل لاخیک الموت یعمنا و القبر یضمنا و ایقامة موعدنا واللّٰہ یحکم بیننا.**

تو نے یہ بات کر کے اپنے بھائی کے حق کی حفاظت نہیں کی کیونکہ اس نے تجھے امین سمجھ کر بات کی تھی اور تو نے اس سے خیانت کی اور تو نے ہمیں یہ دل آزار باتیں سنا کر ہماری حرمت کا لحاظ بھی نہیں رکھا جبکہ ہمیں ایسی باتیں سننے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ چغل خور دوزخ کے کتے ہیں۔ اپنے ساتھی سے جا کر کہنا کہ ہم نے بالآخر موت کا مزہ چکھنا ہے، قبر ہمارا ٹھکانہ ہے، قیامت ہماری وعدہ گاہ ہے اور اس دن اللہ ہی ہمارے درمیان فیصلہ کرے گا۔

غیبت رائج ہونے کی وجہ

غیبت کے رائج ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب ایک شخص کسی کی غیبت کرتا ہے تو متاثرہ فریق کو جب اپنی غیبت کے متعلق علم ہوتا ہے تو وہ مزید دل کھول کر پہلے شخص کی غیبت کرتا ہے۔ بعدازاں دونوں کے طرفدار اس کارِبد میں شریک ہو جاتے ہیں اور آج کل ہمارا معاشرہ اتنا پست ہو چکا ہے کہ غیبت کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتا۔ حد یہ ہے کہ بہت سے دیندار افراد زنا سے تو دور رہتے ہیں لیکن غیبت کو حلوہ سمجھ کر تناول فرماتے ہیں۔

اگر آپ اپنی اولاد کی صحیح نہج پر تربیت کرنا چاہتے ہیں تو ان کے سامنے عملی نمونہ پیش کریں۔ ماں باپ کو چاہئے کہ بچوں کی موجودگی میں بدزبانی نہ کریں تاکہ بچوں کے ذہن میں ان کا رعب قائم رہے۔ بچوں کے سامنے جھوٹ نہ بولیں اور بچوں سے وعدہ کر کے وعدہ خلافی نہ کریں۔ اگر آپ نے بچوں سے کہا ہے کہ میں بازار جارہا ہوں وہاں سے واپسی پر تمہارے لئے ٹافیاں لاؤں گا تو آپ ٹافیاں ضرور لے کر جائیں۔ اگر آپ ٹافیاں لے کر نہ گئے تو بچے آپ کو جھوٹا سمجھیں گے اور وہ بھی آپ کی طرح وعدہ خلافی کے عادی بن جائیں گے۔ غیبت کے عام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی اسے روکنے والا نہیں ہے۔ جہاں جائیں ہر کوئی غیبت کے مرض میں مبتلا نظر آتا ہے۔ پھر خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی میں یہ بیماری عام ہو چکی ہے۔

عالمانہ غیبت

جی ہاں! زاہد اور پارسا علماء بھی غیبت کرتے ہیں مگر وہ بڑے انوکھے انداز سے غیبت کرتے ہیں۔ انہیں جس کسی کی غیبت کرنی ہو تو پہلے وہ اس کی دل کھول کر

تعریف کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہیں اور ان کا طریقۂ واردات کچھ اس طرح سے ہوتا ہے۔ مثلاً ''تقدس مآب'' کے سامنے کسی شخص کا نام لیا گیا تو آپ یوں گویا ہوں گے:

''واہ واہ! اس کے کیا ہی کہنے، وہ انتہائی نفیس انسان ہے، بہت خوبیاں ہیں اس میں لیکن مجھے اس بیچارے پر بڑا رحم آتا ہے کہ اتنی خوبیاں رکھنے والا شخص اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتا ہے۔''

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کس شاندار طریقے سے غیبت کی گئی۔ پہلے تو ایک تمہید باندھی گئی، پھر اپنی ہمدردی کے جذبات کا ملمع چڑھایا گیا، پھر اس بیچارے کی غیبت کردی گئی۔

یاد رکھیں! اس طرح کی غیبت دوہرا جرم ہے کیونکہ ایک تو اس میں ریاکاری پائی جاتی ہے جو کہ بہت بڑا جرم ہے اور دوسرا غیبت بھی بذات خود بڑا جرم ہے۔ اس طرح کی غیبت کرنے والا اپنے آپ کو دیندار ظاہر کرتا ہے اور زبان حال سے دینداری کے درد کا مظاہرہ کرتا ہے اور یہ باور کراتا ہے کہ دین کے درد نے اسے غیبت کی ترغیب دی ہے۔ شہید ثانی نے کشف الریبہ میں ایسی غیبت کو شدید گناہ قرار دیا ہے جس میں ریا کا عنصر بھی شامل ہو۔ ان کے بعد آنے والے علماء نے بھی غیبت کی بحث میں لکھا ہے کہ اس طرح کی غیبت خطرناک ترین اور اس کا گناہ بھی شدید ترین ہے۔

دعائے مکارم الاخلاق میں امام سجاد علیہ السلام کے یہ جملے کتنے حسین ہیں:

وما اجری علی لسانی من لفظة فحش او هجر او شتم عرض او غراقافی الثناء علیک و ذهابانی تمجیدک و شکر انعمتک و اعترافا باحسانک و احصاء لمننک.... یعنی اے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میری زبان پر کوئی فحش کلمہ یا آبروریزی کی بات، یا باطل کی گواہی، یا غائب مومن کی بدگوئی یا کسی

موجود کے لئے گالی اور اس کی مثل دوسری باتیں جاری نہ ہوں اور ان کے بدلے میری زبان سے تیری حمد اور تیری بہت زیادہ ثنا اور بزرگی کا بیان اور تیری نعمت کا شکر اور تیرے احسان کا اقرار جاری ہو۔ (صحیفہ سجادیہ)

حدیث میں ہے جب کوئی مومن لاالہ الااللہ کہتا ہے تو جنت میں اس کے لئے ایک پودا لگا دیا جاتا ہے اور جب کوئی غیبت کرتا ہے تو جنت کا پودا جل جاتا ہے۔ لہٰذا میں تمام لاالہ الااللہ پڑھنے والوں سے کہوں گا کہ اپنے لئے جنت میں زیادہ سے زیادہ پودے کاشت کرائیں اور غیبت کے ذریعے سے انہیں جلانے سے پرہیز کریں۔

حضرت رسول خداؐ اور حضرت امیرالمومنینؑ دونوں بزرگوں نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا یستقیم ایمان عبدٍ حتٰی یستقیم قلبہ و لا یستقیم قلبہٗ حتٰی یستقیم لسانہ. یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل صحیح نہ ہو اور دل اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا جب تک اس کی زبان صحیح نہ ہو۔ (سفینۃ البحار، جلد دوم، صفحہ ۵۱۰)

یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے سے مربوط ہیں، ایمان دل سے مربوط ہے اوردل زبان سے مربوط ہے۔ اگرزبان صحیح ہوگی تو دل بھی صحیح ہوگا اور دل صحیح ہوگا تو ایمان بھی مستحکم ہوگا۔

ایک دوسرے پرفخرمت جتاؤ

زبان کے بڑے نقصانات میں سے ایک بڑا نقصان فخر جتانا ہے کیونکہ اس سے بہت سی معاشرتی قباحتیں جنم لیتی ہیں۔ اپنی بڑائی کا اظہار دراصل دوسروں کی تذلیل کا سامان ہوتا ہے۔ یاد رکھیں کہ جو شخص جتنا جاہل ہوگا وہ اتنا ہی فخر جتلائے گا۔

بہت سے لوگ علم پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''میرا مطالعہ بڑا وسیع ہے، میں نے اتنی کتابیں پڑھی ہیں۔ میں دانشور اور فلسفی ہوں، میں فلسفہ اور تاریخ کا ماہر ہوں، میری جتنی معلومات بھلا کس کے پاس ہیں؟''

یقین جانیں جب کوئی فاضل شخص اس طرح کی گفتگو کرتا ہے تو وہ ایک جاہل سے بھی پست ہو جاتا ہے اور یہ فخر اسے اسفل السافلین میں دھکیل دیتا ہے۔ اسی فخر نے تو بلعم باعور کو برباد کیا تھا۔

میں نے اس کے متعلق بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ وہ اپنے دور کا جید عالم تھا اور اس نے بارہ ہزار شاگردوں کو تعلیم دی تھی بلکہ ان تمام چیزوں سے بڑھ کر اس کے متعلق کچھ مورخین نے لکھا ہے: **هو اول من صنف في التوحيد** یعنی بلعم باعور وہ پہلا انسان ہے جس نے توحید کے موضوع پر کتاب لکھی تھی۔

لیکن جب اس کی بدبختی شروع ہوئی تو اس نے فخر کرنا شروع کیا اور یہ سمجھ لیا کہ اس نے جو چند حرف پڑھے ہیں ان کی وجہ سے وہ محترم بن چکا ہے۔

عزیزان گرامی! صرف پڑھنے پڑھانے سے انسان بزرگ نہیں ہو جاتا۔ خدا کے تقرب کے لئے عبودیت و بندگی، تواضع اور انکساری کی شدید ضرورت ہے۔ اگر آپ دنیا کا سارا فلسفہ پڑھ لیں اور اس کے باوجود اپنے آپ کو خدا کا محتاج نہ سمجھیں تو یہ فلسفہ کس کام کا۔ اگر اتنا کچھ پڑھ لکھ لینے کے بعد بھی آپ اپنی ذات کی نارسائی سے واقف نہیں ہو سکے تو بتائیں اس علم نے آپ کو کیا فائدہ پہنچایا؟

اسی فخر و تکبر کی وجہ سے بلعم باعور میں انا پرستی پیدا ہوئی اور اس نے حضرت موسٰی کے وصی برحق حضرت یوشع بن نونؑ کی مخالفت کی اور اپنے علم کے گھمنڈ میں مارا گیا۔ اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں اسے کتے سے تشبیہ دی ہے: **فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ** اس کی مثال ایک کتے جیسی ہے کہ اسے مارو تو بھی زبان نکالے رہے اور چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۷۶)

نسب پر فخر کرنا جہالت کی دلیل ہے

اس آیت میں نام ونسب اور قوم وقبیلہ پر فخر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔
عرب میں قومیت پر فخر کرنے کا بڑا رواج تھا اور آج بھی اس کے اثرات عربوں میں دکھائی دیتے ہیں لیکن جو عجم ہیں الحمدللہ ان میں یہ جذبہ افتخار نہیں پایا جاتا۔ پھر بھی میں کہونگا کہ آپ قرآن سے برکت و رہنمائی حاصل کریں اور نام ونسب پر کبھی فخر نہ کریں اور قومی یا قبائلی افتخار یا پدرم سلطان بود جیسی خرافات کے قریب نہ جائیں۔

نام ونسب اور قوم و قبیلے پر فخر کرنا زبان کی آفت اور مسلمانوں کی اذیت اور فساد کا سبب ہے۔ ایک جملے کے ذریعے سے آپ دوسروں کو ناراض کر کے اپنی قبر کے لئے انگارے کیوں خریدنا چاہتے ہیں؟ اب جبکہ بحث اس مقام پر پہنچ گئی ہے تو میں اس ضمن میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بعض لوگ مذاق برداشت کرنے کے عادی نہیں ہوتے اور مذاق سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر وہ بات حرام ہے جس سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہو۔ ایسے مذاق سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

بعض لوگ اچانک کچھ اس انداز سے گھر میں داخل ہوتے ہیں کہ افراد خانہ ڈر جاتے ہیں اس طرح سے اپنے گھر میں داخل ہونا صحیح نہیں ہے۔ اگر آپ اپنے گھر جانا چاہتے ہیں تو بھی اس انداز سے جائیں کہ آپ کو دیکھ کر کوئی خوفزدہ نہ ہو۔ قرآن مجید کہتا ہے حتٰی تستأنسوا مانوسیت پیدا کر کے گھروں میں جاؤ۔

اگر مزاح میں جھوٹ یا غیبت کا عنصر شامل ہو جائے تو وہ بطریق اولیٰ حرام ہے۔ اولاً جھوٹ یا غیبت اور ثانیاً دوسرے فریق کی اذیت۔

جان لیوا مذاق جرم ہے

ایک شخص نے کسی کے گھر ٹیلی فون کیا۔ جیسے ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو بوڑھی ماں نے رسیور اٹھایا اور پوچھا کون؟

جواب میں اس نے کہا: میں آپ کے بیٹے کا دوست ہوں اور آپ کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ آپ کا بیٹا حادثے میں اللہ کو پیارا ہوگیا ہے۔ اس وقت اس کا جنازہ فلاں جگہ ہے اور فلاں وقت ہم اس کا جنازہ لیکر گھر میں پہنچیں گے۔

جیسے ہی بوڑھی ماں نے اپنے جوان بیٹے کی موت کی اطلاع سنی تو وہ برداشت نہ کرسکی اور وہیں فرش پر گری اور مرگئی۔ یقیناً اس قسم کا جان لیوا مذاق حرام ہے۔ اگرچہ اس میں مذاق کی نیت ہے لیکن پھر بھی یہ حرام ہے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ دو جوان ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ سالانہ امتحانات ہوئے، دونوں امتحانات میں شریک ہوئے اور دونوں کو نتیجہ کا انتظار تھا۔ نتیجہ آنے سے ایک دن قبل ایک نوجوان نے دوسرے نوجوان سے کہا کہ میں نتیجہ معلوم کراچکا ہوں اور تم فیل ہوگئے ہو۔

یہ سن کر دوسرا نوجوان اتنا دلبرداشتہ ہوا کہ گھر پہنچ کر خواب آور گولیاں کھا کر سوگیا۔ پھر اسے دوبارہ اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ چند روز بعد جب نتیجے کا اعلان ہوا تو وہ نوجوان تمام مضامین میں اچھے نمبروں سے پاس ہوا تھا۔

یقیناً اس طرح کا جان لیوا جھوٹ انتہائی برا ہے اور ایسا شخص شرعی طور پر جوان کے خون کا ضامن ہے۔ مذاق کر کے کسی کی جان لینے کی ہرگز غلطی نہ کریں۔ الغرض غلط قسم کے مذاق سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور یہ مسائل حاسۂ زبان کے ساختہ پرداختہ ہوتے ہیں۔

سب کا باپ آدمؑ اور ماں حواؑ ہے

ارشاد خداوندی ہے: يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى یعنی اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔

اس حکم کا تعلق انسان شناسی کے لوازم سے ہے۔ یہ آیت صرف اہل ایمان

کے لئے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام بنی نوع انسان اس آیت کے مخاطب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ تم سب کا باپ آدمؑ اور سب کی ماں حواؑ ہے۔ نسل انسانی بڑھنے کی وجہ سے کچھ ممیزات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جس شہر میں دس پندرہ لاکھ انسان رہتے ہوں تو ہر ایک کی جداگانہ پہچان ہوگی جس سے وہ پہچانا جائے گا اور اگر اس کے ممیزات اور پہچان کے ذرائع ختم کر دیئے جائیں تو اس کی پہچان نہیں ہوگی۔

فرض کریں کہ ایک شخص ہے جس کا نام زید ہے۔ اب اگر اسے ہم نے ملنا ہو تو کیسے ملیں گے؟ سیدھی سی بات ہے کہ دیکھیں گے کہ وہ عرب ہے یا غیر عرب، شہری ہے یا دیہاتی۔ اگر وہ شہری ہے تو اس کا تعلق کس خاندان اور کس محلے سے ہے؟ جب ہم اتنی باتوں سے آگاہ ہوں گے تب جا کر ہم زید سے مل سکیں گے۔ تمام انسانوں کی اصلیت ایک ہے اور قوم قبیلہ انسان کی پہچان کا ذریعہ ہیں۔

وَجَعَلْنَا كُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَائِلَ. یعنی ہم نے تمہارے قوم اور قبیلے بنائے۔ تمہارے قوم قبیلے بہت بعد میں بنائے گئے۔ ابتدا میں تم سب کے سب نسل آدم ہو۔ لِتَعَارَفُوْا. یعنی تمہارے قوم قبیلے اس لئے بنائے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

قوم قبیلے تعارف کا ذریعہ ہیں، تعریف کا ذریعہ نہیں ہیں۔ قدرت زبانِ حال سے سب کو پکار کر کہہ رہی ہے "اے عرب، اے عجم، اے ترک اور تمام اقوام عالم! یہ عنوان تمہاری پہچان کے لے ہیں افتخار کے لئے نہیں ہیں۔ لیکن کسی عرب کو یہ حق نہیں کہ وہ کہے کہ ہم عرب ہیں اور عرب کجا اور عجم کجا؟ ترک کہے کہ ترک کجا اور عرب کجا؟ اسلام قوم قبیلے کو فخر کی بنیاد تسلیم نہیں کرتا، اسے صرف شناختی علامت کی حیثیت دیتا ہے۔

بعض اوقات نسلی تفاخر کے ساتھ باقی اقوام پر جذبہ حکومت بھی کارفرما ہوتا ہے اور یہی تفاخر اور تمام اقوام عالم پر سیادت کا دعویٰ اسرائیلی کرتے ہیں۔ وہ بدبخت

یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اسرائیلی ہیں اور ہم نسل یعقوبؑ ہیں اور اسحاقؑ و ابراہیمؑ کی اولاد ہیں اسی لئے ہم باقی تمام دنیا کے سردار ہیں اور دنیا کی باقی اقوام ہماری غلام ہیں۔ شاید ان کے اسی تصور کی وجہ سے خداوند عالم نے انہیں ہزاروں سال سے ذلیل و خوار کر رکھا ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ان کی اس مختصر سی موجودہ ریاست کو تباہ و برباد کرے گا۔

قرآن مجید نژاد پرستی کا مخالف ہے اور وہ کسی کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ قوم قبیلے کی بنیاد پر کسی پر فخر کرے۔ اسلام کی نظر میں تمام انسان بلحاظ نسب بھائی ہیں، ان کا باپ آدمؑ اور ماں حواؑ ہے۔ اسلام میں نسب کو نہیں بلکہ کردار کو احترام حاصل ہے اور اسلام کا پیغام یہ ہے کہ قوم قبیلے صرف تعارف کا ذریعہ ہیں، خدا کے ہاں صاحب عزت وہ ہے جو صاحب تقویٰ ہے جو زیادہ سے زیادہ گناہ سے بچتا ہے۔

حضرت بلالؓ کے متعلق کفار کی جسارت

حضرت بلالؓ سیاہ فام اور حبشی تھے۔ وہ خاندانی طور پر غلام تھے۔ ان کا جسم دبلا پتلا اور کمزور تھا۔ ان کی زبان میں لکنت تھی اور وہ شین کو سین پڑھتے تھے مگر وہ سچے مسلمان تھے اسی لئے رسول خداؐ نے انہیں اپنا مؤذن مقرر فرمایا تھا۔

جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہؐ نے کعبہ شریف میں نصب تمام بتوں کو توڑ دیا اور ابولہب اور ابوسفیان جیسی سوچ رکھنے والوں کا دماغ درست کرنے کے لئے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کی چھت پر چڑھ جائیں اور اذان دیں۔

حضرت بلالؓ بیت اللہ کی چھت پر چڑھے اور اذان کہنی شروع کی۔ آپ کی آواز کچھ زیادہ اچھی اور سریلی نہیں تھی۔ آپ کی آواز سن کر عتبہ ملعون نے کہا:

اس کالے کوے کے علاوہ محمدؐ کو اذان کہنے کے لئے کوئی اور شخص نہیں ملتا تھا؟

ایک اور متکبر نے کہا: خدا کا شکر ہے کہ میرا باپ پچھلے سال مر گیا اور اس

نے اُس کالے کوے کی کائیں کائیں نہیں سنی۔

ابوسفیان نے کہا: میں کچھ نہیں کہتا، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں خدا، محمدؐ کو ان باتوں کی اطلاع نہ کردے اور پھر ہماری باتیں ہمارے لئے مصیبت نہ بن جائیں۔

جبرئیل امینؑ نے ان باتوں کی اطلاع اللہ کے حکم سے رسول خداؐ کو دیدی۔

آپ نے ان کو بلا کر فرمایا: تم نے یہ کہا تھا اور دوسرے سے فرمایا کہ تم نے یہ کہا تھا۔

اس وقت آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۝ یعنی اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ پھر تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ محترم وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

عزیزان گرامی! یاد رکھیں کبھی قوم قبیلے کا تفاخر نہ جتائیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ جس پر فخر کر رہے ہوں وہ آپ سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو۔ خدا کے ہاں قوم قبیلہ معیار نہیں بلکہ ترک گناہ اور اخلاص عمل معیار فضیلت ہے۔

حضرت علیؑ کے سامنے عباس اور شیبہ کا فخر جتانا

قبل اسلام اور صدر اسلام میں حاجیوں کے لئے فراہمی آب ایک بڑا مسئلہ تھا۔ مکے میں پانی کی قلت تھی اور فراہمی آب کا واحد ذریعہ چاہ زمزم تھا۔ ایام حج میں جو لوگ طائف کے کچھ قریب سے آتے تھے وہ تو مکے سے چار فرسخ دور وادیٔ لیمو سے مشکوں کے ذریعے پانی بھر کر لاتے تھے لیکن دوسرے حاجیوں کے لئے مکہ میں اور خاص کر عرفات ومنیٰ میں پانی فراہم کرنا بڑا مشکل کام تھا۔

اسلام سے قبل حاجیوں کو پانی پلانے کا شعبہ رسول خداؐ کے چچا عباس کے پاس تھا اور وہ حاجیوں کے لئے پانی فراہم کرتے تھے۔ شیبہ خانۂ کعبہ کا کلید بردار تھا۔

چنانچہ عباس اور شیبہ نے ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے سامنے فخر ومباہات کیا۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ ایسا فخر خدا کے ہاں معیار فضیلت نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں صاحب منبر ہوں، میں مبلغ ہوں، میں قاری قرآن ہوں، میں تہجد گزار ہوں، یہ "میں میں" کی گردان اچھی نہیں ہے اور خدا کی بارگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ما درون را بنگریم و حال را ‌ ‌ ‌ نی برون را بنگریم و قال را

یعنی ہم انسان کی اندرونی کیفیت اور دل کی حالت کو دیکھتے ہیں۔ ہم اس کی بیرونی حالت اور ظاہری باتوں کو نہیں دیکھتے۔

مولانا رومؔ کا یہ شعر دراصل پیغمبر اکرمؐ کی ایک حدیث کا منظوم ترجمہ ہے۔

ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم و لکن ینظر الی قلوبکم یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ (اسرار الصلاۃ۔ صفحہ ۱۱۰)

اسی لئے صاحبان منبر کو چاہئے کہ وہ اپنی خطابت کو معیار نہ بنائیں بلکہ اپنے اخلاص عمل پر نظر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کی لچھے دار گفتگو سے متاثر نہیں ہوتا۔ وہ میری خطابت سے ہرگز متاثر نہیں ہوتا جبکہ لوگ ظاہر کو دیکھتے ہیں اور خدا باطن کو دیکھتا ہے کیونکہ وہ عالم السر والخفیات ہے۔ وہ دلوں پر نظر رکھتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ خطیب کا مقصد صرف تقریر کے جوہر دکھا کر داد تحسین وصول کرنا ہے یا وہ گناہگاروں کو خدا کے دروازے پر لانے کی جدوجہد کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ○ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اس شخص کے اعمال جیسا خیال کیا ہے

جو خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو اور خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہو۔ یہ لوگ خدا کے نزدیک برابر نہیں ہیں اور خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرتے رہے خدا کے ہاں ان کے درجے بہت بڑے ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔ (سورۂ توبہ: ۱۹۔۲۰)

عباس! تو کہتا ہے کہ میں حاجیوں کے لئے پانی فراہم کرتا ہوں جبکہ علیؑ پانی فراہم نہیں کرتے۔ شیبہ! تو کہتا ہے کہ بیت اللہ کی تولیت اور چابی میرے پاس ہے اور علیؑ اس سے محروم ہیں۔ اگرچہ ایسا ہی ہے پھر بھی کیا ہوا؟ ان مناصب کے باوجود عباس اور شیبہ کو علیؑ پر کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ علیؑ صاحب ایمان ہیں، علیؑ جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے ہیں، علیؑ اپنی جان کو اپنی جان نہیں سمجھتے وہ اپنی جان کو خدا کی راہ میں بیچ چکے ہیں۔ لہٰذا سقایۃ الحاج اور بیت اللہ کی تولیت کے مناصب سے تم علیؑ پر فخر نہیں کر سکتے۔

آپ کا اپنے خدا سے جتنا زیادہ رابطہ ہوگا اتنا ہی آپ کو شرف اور مقام ملے گا اور اس مرحلے کی سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ صاحب تقویٰ اگرچہ صاحب شرف ہوتا ہے مگر وہ کبھی فخر و مباہات نہیں کرتا۔ البتہ اگر کہیں احقاق حق اور ابطال باطل مقصود ہو تو وہ اپنے فضائل و مناقب کو دل کھول کر بیان کرتا ہے۔

امام حسن مجتبیٰؑ کا خطبہ مباہات پر مبنی نہ تھا

آپ سنا کرتے ہیں کہ معاویہ اپنی حیلہ بازیوں کی وجہ سے عراق پر غالب آ گیا اور امام حسن مجتبیٰؑ کو چند وجوہات کی بنا پر صلح کرنی پڑی۔ مصالحت کے نتیجے میں امام حسنؑ نے حکومت معاویہ کے حوالے کر دی۔

اس کے بعد معاویہ طاقت و اقتدار کے نشے میں مدہوش ہو کر مسجد کوفہ کے منبر پر آیا اور اس نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے متعلق نازیبا گفتگو کی۔

تب امام حسنؑ کھڑے ہوئے اور آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: علیؑ پر سبّ کرنے والے اور مجھے برا کہنے والے سن لے کہ میں حسنؑ ہوں اور میرے والد علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔ تو معاویہ ہے اور تیرا باپ صخر ہے۔ تو اس کا بیٹا ہے جو پیغمبر اکرمؐ کی زندگی کے آخر تک ان سے لڑتا رہا اور کافروں کا پرچم دار تھا۔

میری ماں فاطمہؑ ہے اور تیری ماں ہند ہے۔ تو اس ماں کا بیٹا ہے جس نے عم رسول حمزہؓ کا جگر چبایا تھا اور ان کے ناک اور عضو تناسل کو کاٹ کر ہار بنایا تھا۔

میرے نانا رسول خداؐ ہیں اور تیرے دادا کا نام حرب ہے۔ میری نانی امّ المومنین خدیجۃ الکبریٰؑ ہیں اور تیری دادی کا نام فتیلہ ہے۔ (زمانہ جاہلیت میں اس کے گھر پر بدکاری کا جھنڈا لہرایا کرتا تھا)۔

اور ہم دونوں میں سے جو بھی گمنام ہو خدا اس پر لعنت کرے اور جس کا حسب پست اور جس کا کفر قدیم ہو اس پر بھی لعنت کرے اور ہم دونوں میں سے جو بھی گمنام ہے اس کا حق اسلام اور اہل اسلام پر بھی کم ہے۔

اہل مجلس نے اس وقت زور سے آمین کہی۔ (منتہی الآمال، جلد۱، صفحہ۱۶۷۔ حالات امام حسنؑ مجتبیٰ)

آپ بھی آمین کہیں۔ خدایا تمام دشمنان علیؑ پر دوہرا عذاب نازل فرما۔

امام حسنؑ کا یہ خطبہ احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے تھا۔ آپ خواہ مخواہ فخر و مباہات کرنا نہیں چاہتے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ امام حسنؑ نے اپنے اس خطبے سے معاویہ کو سخت رسوا کیا جس کی وجہ سے معاویہ کو سخت نادم ہو کر منبر سے اترنا پڑا۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ. یعنی خدا کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

قوم قبیلہ کی خدا کے ہاں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ خدا کے ہاں میزان تقویٰ ہے اور جس میں جتنا زیادہ تقویٰ ہوگا وہ اتنا ہی قابل احترام ہوگا۔

امام سجادؑ کی اصمعی سے گفتگو

بحارالانوار میں اصمعی یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک رات مسجد الحرام سے مجھے کسی کا نالۂ جاں گداز سنائی دیا جس میں اتنا درد تھا کہ میں اپنے گھر میں ٹھہر نہ سکا اور سیدھا بیت اللہ کی طرف گیا۔ جبؒ میں حجر اسماعیلؑ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک بزرگوار غلاف کعبہ کو تھام کر کہہ رہے ہیں:

یا من یجیب المضطر فی الظلم　　یا کاشف الکرب والبلویٰ مع السقم
قد نام و فدک حول البیت قاطبة　　و انت وَ حدک یا قیوم لم تنم

اے رات کی تاریکی میں پریشاں حال لوگوں کی پکار پر لبیک کہنے والے! پریشانیوں اور مشکلوں کو دور کرنے والے! تیرے مہمان تیرے گھر کے گرد سو چکے ہیں، مگر جہان ہستی کو تھامنے والا تو اس وقت بھی بیدار ہے۔

اصمعی کہتے ہیں کہ ان اشعار کے بعد وہ بزرگوار اور شدت سے روئے اور جب ان کا رونا کچھ موقوف ہوا تو انہوں نے کہا:

اتیت باعمال قباح ردیة　　فما فی الوریٰ خلق جنی کجنایتی
اتحرقنی بالنار یا غایة المنیٰ　　فاین رجائی ثم این مخافتی

خدایا! مجھ سے بڑا گناہگار کون ہوگا اور مجھ جتنے گناہ کس نے کیے ہوں گے؟ میری تمام امیدوں کا مرکز تُو ہے تو کیا پھر بھی تُو مجھے آگ میں جلائے گا؟ میری امید کہاں جائے گی اور میرا خوف کہاں جائے گا جبکہ تو نے وعدہ کیا ہے کہ جو تجھ سے امید رکھے گا تو اسے عذاب نہیں دے گا۔ خدایا! میری امیدیں تجھ سے وابستہ ہیں۔ میں اس حال میں بھی تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔

اصمعی بیان کرتے ہیں کہ پھر وہ بزرگوار اتنا روئے کہ روتے روتے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ میں ان کے قریب گیا اور غور سے دیکھا تو وہ زین العابدین

علی ابن الحسینؑ تھے۔ میں نے ان کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھا اور ان کی حالت دیکھ کر رونے لگا۔ جب میرے گرم آنسو ان کے چہرۂ اقدس پر پڑے تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا: کون ہے؟

میں نے عرض کیا: میں آپ کا غلام اصمعی ہوں۔ مولا! آپ معصوم ہیں، آپ طیب و طاہر ہیں، آپ کے نانا شفیع المذنبین ہیں، شفاعت آپ کے گھر کی ہے، آپ اس گھرانے سے ہیں جس کے لئے آیت تطہیر نازل ہوئی ہے پھر اس کے باوجود آپ اتنا کیوں روتے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: اصمعی! ان باتوں کو رہنے دو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جنت متقین کے لئے بنائی گئی ہے اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اور دوزخ گناہگار کے لئے بنائی گئی ہے اگرچہ وہ روئے زمین کے محترم خاندان کا فرد ہی کیوں نہ ہو۔

عزیزان گرامی! قریش روئے زمین کا محترم قبیلہ ہے کیونکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔ لہٰذا میں سادات کرام کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے سید ہونے پر فخر نہ کریں اور اپنی سیادت کی وجہ سے دوسروں کو غلام نہ سمجھیں اور اپنے آپ کو احکام الٰہی سے آزاد نہ جانیں۔

البتہ سادات بنی فاطمہ کے لئے یہ بشارت ضرور ہے کہ اگر ان کا نسب صحیح ہوگا تو انہیں مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق ضرور نصیب ہوگی اور قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت سادات کی ہی کی جائے گی لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ سادات کو ہر قسم کے غلط کام کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔ شریعت کے احکام سادات اور غیر سادات سب کے لئے یکساں ہیں۔ اگر غیر سادات پر زکوٰۃ وخمس واجب ہے تو سادات پر بھی واجب ہے۔ اگر خدانخواستہ ایک سید زنا کرے تو اسے بھی دوسروں کی طرح سے ایک سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ اس میں سید اور غیر سید کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

امام سجادؑ کے فرمان کا بھی یہی مقصد ہے کہ اللہ نے تمام نافرمانوں کے لئے دوزخ پیدا کی ہے۔ خواہ وہ قریشی ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلاَ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ وَلاَ هُمْ یَتَسَائَلُوْنَ۔ جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن تمام نسب ختم ہوجائیں گے اور لوگ ایک دوسرے سے کچھ نہیں پوچھیں گے۔ (سورۂ مومنون: آیت ۱۰۱)

قیامت کے دن یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تو کس کا بیٹا ہے؟ اللہ تعالیٰ کسی سے یہ نہیں پوچھے گا کہ تیرے ماں باپ کا تعلق کسی محترم خاندان سے تھا یا عام خاندان سے؟ یہ تمام باتیں دنیا تک ہی محدود ہیں۔ یہ سب کچھ وہم ہے۔ وہاں یہ پوچھا جائے گا: تیرا خدا کون ہے؟ تیرا معبود کون ہے؟ تو کس کی عبادت کیا کرتا تھا؟ تو کس کی پیروی کرتا تھا؟ تیرا دین کیا تھا اور تیرا امام کون تھا؟

لہٰذا آج سے آپ بارہ اماموں کے نام یاد کرلیں کہ کل حشر میں یہی نام کام آئیں گے اور خاص طور پر نام حسینؑ آپ کے بہت کام آئے گا۔ آج آپ حسینؑ کا نام لیتے ہیں کل یہی حسینؑ آپ کی مدد کریں گے۔

سب ایک ہی والدین کی اولاد ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○ قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَلَمَّا یَدۡخُلِ الۡاِیۡمَانُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَاِنۡ تُطِیۡعُوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَا یَلِتۡکُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِکُمۡ شَیۡئًا اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ○ یعنی یہ بدو عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مرحوم حاجی نوریؒ نے اپنی کتاب دارالسلام کی جلد اول میں نیند کے سولہ فائدے بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ نیند کے فوائد میں سے ایک فائدہ احتلام ہے۔

احتلام میں بھی کئی فوائد ہیں۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس سے جسم انسانی سے اضافی مواد خارج ہو جاتا ہے اور اضافی مواد کا بہہ جانا صحت کے لئے مفید ہے اور اگر وہ اضافی مواد خارج نہ ہوتا تو بدن کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔

اس کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ جب انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اسے منی کی بو محسوس ہوتی ہے اس ذریعے سے اسے اس کی اصلیت یاد دلائی گئی ہے اور وہ بدبودار مادہ کو دیکھ کر یہ سوچنے لگتا ہے کہ کیا میں بھی آغاز میں یہی کچھ تھا؟

اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام نہیں رکھا کہ مادہ تولید براہ راست رحم میں ہی جا کر گرے اور رحم کے علاوہ کسی اور جگہ نہ گرے۔ مادہ تولید بغیر کسی ارادے کے خواب میں بھی احتلام کی صورت میں باہر آ جاتا ہے۔ اس کے ذریعے سے زبان حال کے ساتھ انسان کو اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ یہ بدبودار مادہ دیکھ رہے ہو اور اس کی بدبو سونگھ رہے ہو، تمہاری اصلیت بس یہی کچھ ہے۔ تمہارا آغاز ایک نجس نطفہ ہے اور تمہارا انجام کیا ہے۔ کسی سو سالہ مُردے کی قبر میں جھانک کر تو دیکھو وہاں تمہیں مشت خاک کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دے گا۔ تمہارا آغاز خاک ہے اور تمہارا انجام بھی خاک ہے اور تمہیں قبر میں اس لئے دفن کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو تمہاری بدبو کے بھبھوکے دوسروں کو بیمار کر دیں گے۔ تمہارے آغاز و انجام کو دیکھ کر امام علیہ السلام نے فرمایا تھا: جس کا آغاز نطفہ اور جس کا انجام مُردار ہو تو اسے فخر کرنے کا کیا حق ہے؟

اے مسلمانو! ہوش میں آؤ اور مال و دولت پر فخر نہ کرو۔ مال و منال پر ناز کرنا حقیقت سے بے خبر ہونے کی دلیل ہے اور جسے حقیقت شناسی نصیب ہوتی ہے وہ مال و منال پر فخر نہیں کرتا۔ جس طرح مال و منال پر فخر کرنا غلط ہے اسی طرح سے حسن و جمال پر بھی فخر کرنا غلط ہے۔

بسکہ در این خاک مغرق شدہ　　صورت خوبان عدیم المثال

لو کشف التربة عن وجوههم　　لم ترا لاكدقيق الهلال

کئی حسین و جمیل چہرے اس مٹی میں مل گئے۔ اگر ان کے چہروں سے مٹی ہٹا دی جائے تو ان کی ہڈیاں پہلی کے چاند کی طرح سے باریک دکھائی دیں گی۔

آہ بے چاری عورت! تجھے اپنی صورت پر ناز کرنے سے فراغت نہیں ملتی، کبھی غور بھی کیا تیرا یہ حسن و جمال ملیریا کے چند جراثیم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر تجھے چند دن ملیریا ہو جائے تو تو ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جاتی ہے، تیرا تمام حسن و جمال

رخصت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس عارضی حسن پر ناز نہ کر، اس کے انجام پر بھی نظر کر، سورج کو دوپہر کے وقت ہی نہ دیکھو، کبھی ڈوبتے سورج کو بھی دیکھ لیا کرو۔

انسان کو دولت پر فخر نہیں کرنا چاہئے، دولت ایک ڈھلتی چھاؤں ہے۔ تم جتنے بھی امیر بن جاؤ پھر بھی قارون جتنے دولت مند نہیں بن سکتے۔ قارون کی دولت کے کوٹھوں کی چابیاں کئی اونٹوں پر لادی جاتی تھیں۔ کبھی تم نے غور کیا کہ اس قارون کا انجام کیا ہوا؟ وہ بدبخت خود بھی زمین میں دھنس گیا اور اس کے خزانے بھی زمین برد ہو گئے اور اس کے آثار میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

قارون کے برے انجام کے بعد بھی کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ تم کہو کہ میرا مال، میرے باغات، اور میرے کارخانے۔

بندے کی عظمت بندگی میں ہے اور خدا کے تقویٰ میں اس کی سعادت کا راز پوشیدہ ہے۔ اگر کوئی شخص مقام عبدیت پر فائز ہو جائے اور صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن جائے تو وہ ابدی سعادت کا حقدار بن جاتا ہے۔

اگر آپ حضرات کو عزت و شرف کی ضرورت ہے تو پھر آئیں ہم آپ کو عزت و شرف کا سرچشمہ بتاتے ہیں۔ دعائے جوشن کبیر میں آپ یہ جملے پڑھتے ہیں: يَا مَنْ ذِكْرُهُ شَرَفٌ لِلذَّاكِرِيْنَ یعنی اے وہ ذات جس کا ذکر، ذکر کرنے والوں کے لئے باعث شرف ہے۔

خدا کی بندگی انسانیت کا فخر ہے۔ خدا کی عبادت انسانیت کے ماتھے کا جھومر ہے۔ حضرت علیؑ نے کیا خوب فرمایا ہے: كَفٰى بِيْ عِزًّا اَنْ اَكُوْنَ لَكَ عَبْدًا وَ كَفٰى بِيْ فَخْرًا اَنْ تَكُوْنَ لِيْ رَبًّا میری عزت کے لئے یہی کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میرے فخر کے لئے یہی کافی ہے کہ تو میرا رب ہے۔ (مفاتیح الجنان)

خدا کی عبدیت سے بڑھ کر انسانیت کا اور کوئی شرف نہیں ہوسکتا اور جس کی بندگی جتنا زیادہ ہوگی اتنا ہی اس کے شرف میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

خدا نے عزت وعظمت کو بندگی میں رکھا ہے جبکہ آپ اسے دولت میں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ دولت فانی ہے۔ چند روز بعد رخصت ہو جائے گی اس کا نام ونشان تک مٹ جائے گا۔ دولت لہو ولعب ہے۔ انسانیت کے لئے مایۂ افتخار ہرگز نہیں ہے۔ ہاں! اگر کائنات میں مایۂ افتخار ہے تو وہ صرف خدا کا تقویٰ ہے۔

عزیزان گرامی! ان تمام باتوں کو رہنے دیں اور دنیا میں رہ کر ایسے کام کریں جن کی وجہ سے آپ کا شمار اہل تقویٰ میں ہو سکے۔ خدارا ایسے عمل بجالائیں جن کی وجہ سے آپ کو قرب خداوندی نصیب ہو۔

ایک غلام جو خدا کا ولی تھا

اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں مفسرین نے ایک خوبصورت داستان رقم فرمائی ہے۔ لکھا ہے کہ بازار مدینہ میں ایک غلام بک رہا تھا۔ چاروں طرف سے خریدار بولی لگا رہے تھے۔ اس دوران غلام نے بلند آواز سے کہا: لوگو! یاد رکھو جو بھی مجھے خریدے گا اسے میری ایک شرط ماننی ہوگی۔ اگر وہ شرط اسے منظور ہو تو مجھے خریدے ورنہ مجھے نہ خریدے۔

تمام خریدار رک گئے اور غلام سے پوچھا: تیری شرط کیا ہے؟

غلام نے کہا: میری شرط یہ ہے کہ نماز کے اوقات کے دوران مجھے آزادی ہو تا کہ میں پانچوں نمازیں خاتم الانبیاءؐ کی اقتدا میں پڑھ سکوں۔

بولی لگانے والے یہ شرط سن کر پیچھے ہٹ گئے۔ ایک شخص نے اسے خرید لیا اور کہا: میں تجھے تیری شرط پر خریدتا ہوں۔

اس کے بعد غلام پانچوں نمازیں رحمۃ اللعالمین کی اقتدا میں پڑھنے لگا۔ وہ ایک عرصے تک آنحضرتؐ کی اقتدا میں نمازیں ادا کرتا رہا۔ پھر اتفاق یہ ہوا کہ وہ مسجد میں دکھائی نہ دیا۔ آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔

لوگوں نے بتایا کہ وہ بیمار ہے۔

رحمۃ للعالمین نے فرمایا: میں اس کی عیادت کو جانا چاہتا ہوں۔

آپ اُس دور کے عرب معاشرے کا تصور کریں جہاں غلام کی کوئی حیثیت نہیں تھی مگر خاتم الانبیاءؐ کے اخلاق عالیہ پہ ہماری جانیں نثار، آنحضرتؐ ایک غلام کی عیادت کے لئے چل پڑے۔ لوگ ظاہر کو دیکھتے ہیں اور خاتم الانبیاءؐ اس کے باطن کو دیکھ رہے تھے۔ ظاہر میں وہ ایک غلام تھا لیکن حقیقت میں خدا کا ولی تھا۔

بہرحال رسول اکرمؐ اس کے پاس تشریف لائے اور اس کے پہلو میں بیٹھ گئے اور اس کی دلجوئی فرمائی اور کچھ دیر بعد آپ واپس تشریف لائے۔

دو تین دن بعد آپ نے صحابہ سے اس غلام کے متعلق پوچھا تو ایک صحابی نے کہا: یارسول اللہؐ! وہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہے۔

یہ سن کر رسول خداؐ اس کے پاس آئے اور سرہانے بیٹھے۔ غلام دنیا سے رخصت ہوگیا۔ رسول خداؐ نے اس کا جنازہ کسی کے سپرد کرنا گوارا نہ کیا۔ آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے غسل دیا، کفن پہنایا اور اس کی نماز پڑھی اور اپنے ہاتھوں سے اسے قبر میں اتارا۔

آپ کے اس طرز عمل کو دیکھ کر مہاجرین و انصار نے کہا: عجیب بات ہے کہ رسول خداؐ نے ایک غلام کے ساتھ اتنا مشفقانہ رویہ روا رکھا جبکہ ہم نے اسلام کی بہت سی خدمت کی ہے اور ہم صف اول کے لوگ ہیں۔ آج تک حبیب خداؐ نے ہمارے کسی مرنے والے پر اتنی شفقت نہیں فرمائی۔

اس کے بعد یاایھا الناس انا خلقناکم کی آیت نازل ہوئی اور پیغمبر اکرمؐ نے اپنے صحابہ کو یہ آیت پڑھ کر سنائی اور اس ذریعے سے لوگوں کو یہ درس دیا کہ خدا کے ہاں کسی آزاد اور غلام کا کوئی فرق نہیں، کالے اور گورے خدا کی نظر میں یکساں ہیں۔

رسول رحمتؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں قوم قبیلوں کے بتوں کو ہمیشہ کے لئے یہ کہہ کر پاش پاش کردیا: لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی الاحمر الا بالتقویٰ. یعنی کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔

خبردار! کسی کو سیاہ فام غلام سمجھ کر نگاہ حقارت سے مت دیکھو۔

تم غلام کے مالک ہو خالق نہیں

تم نے اپنی دولت کے بل بوتے پر غلام کو خریدا ضرور ہے مگر تم نے اسے پیدا نہیں کیا۔ خدا نے جیسے تمہیں پیدا کیا ہے اسی طرح سے غلام کو بھی پیدا کیا ہے۔ تمہاری دولت کی وجہ سے حقائق بدل نہیں جائیں گے۔ بحیثیت انسان تم میں اور تمہارے غلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔

خواہران عزیز! آپ کے گھروں میں نوکرانیاں کام کرتی ہیں، انسانیت کے لحاظ سے آپ میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ ہاں اگر فرق ہے تو لباس اور زیورات کا ہے۔ آپ نے نئے اور قیمتی کپڑے پہن رکھے ہیں جبکہ آپ کی نوکرانی بوسیدہ لباس میں ہے۔ خدا کے ہاں کپڑے کا نیا یا پرانا ہونا معیار نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی گھر کا نوکر اور نوکرانی گھر کے مالک اور مالکہ سے خدا کے ہاں بہتر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کا یہ وصف بیان کیا ہے: خافضۃ رافعۃ یعنی وہ دن کئی بلند لوگوں کو پست بنائے گا اور کئی پست افراد کو بلند کرے گا۔

بندہ کو فخر زیب نہیں دیتا

ہم سب کو چاہئے کہ ہم قرآن مجید کی اس آیت کو ہمیشہ مدنظر رکھیں اور

کبھی کسی پر فخر نہ کریں۔ کافر پر بھی ہمیں فخر نہیں کرنا چاہئے اور اگر ہم کہیں کہ ہم ایماندار ہیں تو اس کا اول و آخر مفہوم تو یہی ہے کہ ہم بندے ہیں اور بندگی عجز و لاچاری کی انتہا کا دوسرا نام ہے کوئی قابل فخر چیز تو نہیں ہے۔

صفیہؓ کا مقدادؓ سے عقد

رسول خداؐ نے امت اسلامیہ کو ہمیشہ کے لئے نژاد پرستی سے نجات دلانے کے لئے صرف زبانی جہاد ہی نہیں کیا بلکہ آپ نے اپنے عمل سے نسل پرستی کو ہمیشہ کے لئے دفن کیا۔ آپ نے اپنے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی صاحبزادی صفیہؓ کا عقد ایک سیاہ فام حبشی غلام مقداد بن اسود سے کیا جبکہ آپ تمام حضرات جانتے ہیں کہ پورے عرب میں قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو محترم سمجھا جاتا تھا۔ حضرت صفیہؓ بنی ہاشم کی نورِ نظر تھیں۔ رسول خداؐ نے ان کا مقدادؓ سے عقد کر کے دنیا کو عملی طور پر یہ درس دیا کہ خبردار اسلام میں نسل پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور قوم قبیلے پر فخر کرنا صرف ایک وہم ہے۔ خدا کے ہاں تقویٰ کو میزان کی حیثیت حاصل ہے۔

اسی لئے آپ سے بھی میری درخواست ہے کہ جب بھی آپ اپنی لڑکی کا نکاح کریں تو دولہا کے متعلق پہلے یہ تسلی ضرور کرلیں کہ وہ تقویٰ بھی رکھتا ہے یا نہیں؟ نماز بھی پڑھتا ہے یا نہیں؟ آپ لڑکے کے خاندان پر نگاہ مت کریں، سفید فام یا سیاہ فام کا مسئلہ نورِ توحید سے جہالت کا ثبوت ہے اور یورپ بالخصوص امریکہ میں سیاہ فام اور سفید فام کا اختلاف اس بات کا ثبوت ہے کہ ابھی تک مغرب کے پاس حقیقی علم پہنچا ہی نہیں ہے۔

آپ حضرات ان کی گاڑیوں کی چکاچوند اور صنعتی ترقی سے ہرگز مرعوب نہ ہوں۔ چاند کا سفر کرنے والے یہ لوگ آج تک انسان کے اندر سفر نہیں کر سکے۔

شہد کی مکھیوں کا چھتہ انجینئرنگ کا شاہکار ہے

کسی قوم کا مادی علوم میں ترقی کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ قوم انسانیت کے مدارج پر بھی فائز ہے۔ صنائی میں تو کچھ جانور بھی انسان سے چار قدم آگے دکھائی دیتے ہیں۔ البتہ ان کی صفت میں اضافہ ممکن نہیں ہے۔ آپ شہد کے چھتے کو غور سے دیکھیں، وہ انجینئرنگ کا عظیم شاہکار دکھائی دے گا۔ سوال یہ ہے کہ شہد کی مکھیوں نے کون سی انجینئرنگ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی ہے؟ اس کے چھتے کا طول وعرض برابر ہوتا ہے اور اس کے چھ اطراف ہوتے ہیں۔ خدارا! بتایئے جب یہ چھتہ بناتی ہیں تو ان کے ہاتھ میں کون سی پرکار ہوتی ہے اور ہم یقین سے کہتے ہیں کہ یونیورسٹی سے پڑھا ہوا انسان بھی پرکار کے بغیر اگر اپنی انگلیوں سے اس کے چھتے کا ڈیزائن بنانا چاہے تو وہ ہرگز نہیں بنا سکے گا۔ (چھوٹا سا Breaver بھی جس طرح لمبے لمبے درخت کے تنوں کو کاٹ کر اپنے رہنے کے لئے ڈیم نما جگہ بناتا ہے وہ بھی اسی طرح قابل غور ہے کیونکہ وہ بھی انجینئرنگ کا شاہکار ہوتا ہے۔)

ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ صنعت و حرفت انسانیت و روحانیت کا میزان نہیں ہے۔ آج کل ماہرین طبقات الارض کے پاس جدید آلات ہیں جن سے وہ یہ بتا دیتے ہیں کہ یہاں پانی کا چشمہ اور وہاں تیل کا کنواں موجود ہے۔

آپ اس سے ہرگز مرعوب نہ ہوں، یہ کام تو ہدہد بھی ان سے بہتر طور پر سرانجام دیتا ہے۔ علم حیاتیات کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بڑی تیز نگاہ عطا کی ہے۔ یہ اپنی نگاہوں سے معلوم کر لیتا ہے کہ زیر زمین پانی کی سطح کہاں نیچی ہے اور کہاں اونچی۔ انسان جدید اور قیمتی مشینوں کا محتاج ہے لیکن ہدہد کسی مشین کے بغیر یہ سب کچھ معلوم کر لیتا ہے۔

اگر کوئی قوم اپنی انجینئرنگ پر ناز کرے تو شہد کی مکھی ان کا منہ چڑاتی ہے

اور اگر کوئی قوم اپنی ارضی مہارت پر ناز کرے تو ہُد ہُد اس کا مذاق اڑاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ صنعتی ترقی کرنا اور چیز ہے اور حقائق کا علم رکھنا اور چیز ہے۔

صنعت و حرفت میں ترقی یافتہ اقوام کی جہالت کی انتہا یہ ہے کہ وہ سیاہ فام افراد کو اپنے سے ہیچ سمجھتے ہیں اور انہیں حکومت کے کلیدی عہدوں پر آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ کیا سفید فام عقل مند ہوتے ہیں اور سیاہ فام بے عقل ہوتے ہیں؟ سفید فام اقوام سے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ سیاہ فام اقوام کو اپنے سے پست سمجھتے ہیں تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا آپ کے پاس علم و معرفت زیادہ ہے؟ کیا آپ ان سے زیادہ حقیقت شناس ہیں؟ کیا آپ کو صفات الٰہی کے متعلق ان سے زیادہ معلومات حاصل ہیں؟ آخر آپ میں سرخاب کے کون سے پر لگے ہوئے ہیں جس کی بناپر آپ نسلی برتری کی بات کرتے ہیں؟

ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ. یعنی بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ محترم وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے۔

تم لوگوں کو حقائق کا علم نہیں ہے۔ تم صرف ظاہر کو دیکھتے ہو اور ظاہر بینی کی وجہ سے تمہارے اکثر فیصلے غلط ہوتے ہیں۔ خدا تمام حقائق سے خبردار ہے اور تم کو بھی حقائق سے باخبر رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے تم سے کہا ہے کہ تم سب بحیثیت انسان یکساں اور مساوی ہو اور تم میں سے صاحب عزت وہی ہے جو صاحب تقویٰ ہے اور جو فرمان خدا کی تعمیل میں سب سے آگے ہے۔

متقین قیامت کے دن شفاعت کریں گے

بحارالانوار کی جلد سوم میں ایک روایت موجود ہے جس کا ماحصل یہ ہے:

قیامت کے دن سرچشمہ جلالت و قدرت یعنی خدا کی طرف سے یہ ندا

آئے گی۔ اے لوگو! تم نے ایک نسب معیّن کیا ہوا تھا اور ہم نے بھی ایک نسب معیّن کیا تھا۔ تم دنیا میں رہ کر دولت وحسن ونسب کو مایۂ عزت قرار دیتے تھے اور ہم نے تقویٰ کو معیار قرار دیا تھا۔ تم دنیا میں رہ کر اپنے معیار پر عمل کرتے رہے اور آج ہم اپنے معیار اور میزان پر عمل کریں گے۔

پھر ندائے قدرت بلند ہوگی: اے اہلِ تقویٰ! اٹھو، خدا کی بندگی کرنے والو! اٹھو، آج ہم لوگوں کو تمہاری شان دکھانا چاہتے ہیں۔

روایت میں ہے کہ پھر ان متقین میں سے ایک ایک شخص قبیلہ ربیعہ ومضر کے افراد کے برابر گناہگار افراد کی شفاعت کرے گا۔

قیامت کے دن اہلِ تقویٰ کا شرف ظاہر کیا جائے گا۔ شفاعت کی حکمتوں میں سے ایک حکمت اظہارِ شرف بھی ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ قیامت کے دن متقین کی عظمت ظاہر کی جائے اور بالخصوص امام حسینؑ کی عظمت ظاہر کی جائے۔ شفاعت حسینؑ کو ایک عظیم مقام حاصل ہوگا۔ امام حسینؑ شفاعت کبریٰ کے مالک ہیں۔ امید ہے کہ وہ ہم سب کی شفاعت فرمائیں گے۔

بنی اسد کی مدینہ آمد

اس آیت کی شانِ نزول کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی اسد کا ایک بڑا گروہ مدینے آیا اور اپنے بیوی بچوں کو بھی ساتھ لایا۔ انہوں نے مدینے اور مدینے کے باہر اپنے خیمے نصب کیے اور اپنی جھونپڑیاں بنالیں۔ یہ لالچی قسم کے لوگ تھے، مالِ غنیمت کے خواہش مند تھے۔ یہ لوگ رسول خداؐ کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کیا۔ یہ لوگ صبح وشام مسجد نبوی میں آتے اور حضور اکرمؐ سے کہتے تھے: یارسول اللہؐ! ہم اور طرح کے عرب ہیں۔ دوسرے عربوں نے جنگ کی وجہ سے آپ کی نبوت وحکومت کو تسلیم کیا ہے جبکہ ہم نے کسی جنگ کے بغیر آپ کی نبوت ورسالت

کو تسلیم کیا ہے۔ باقی لوگوں نے اگر اسلام قبول کیا ہے تو وہ یہاں تنہا آئے لیکن ہم اپنے بیوی بچوں کو بھی ساتھ لے کر آئے۔ اسی لئے آپ ہمیں زیادہ سے زیادہ مال غنیمت میں حصہ دیں۔

بہرحال یہ لوگ پیغمبر اسلامؐ کے لئے باعث زحمت بن گئے جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ.... یعنی صحرانشین عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، آپ کہہ دیں کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یہ کہو کہ ہم اسلام لائے، ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا تعلق زبان سے ہے اور ایمان کا تعلق دل سے ہے۔ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے افراد سے لے کر قیامت تک آنے والوں کو یہ درس دیا ہے کہ صرف زبان سے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھنا اور نماز ادا کرنا یہ سب کچھ اسلام کا اظہار ہے اور اگر یہ چیز دل میں ایمان بن کر نہ اتری ہو تو آخرت میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ ظاہری اسلام کے اثرات اور فوائد زندگی تک ہی محدود ہیں۔ موت کے ساتھ ہی اس کے فوائد ختم ہو جاتے ہیں۔ جس چیز کا تعلق صرف زبان سے ہوگا وہ ختم ہو جائے گی اور جس چیز کا تعلق قلب اور روح سے ہوگا وہ باقی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسد سے فرمایا کہ تم ایمان کی منزل پر فائز نہیں ہوئے ہو۔ ایمان صرف زبان بازی اور دعویٰ کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔

ایمان دل کے خبردار ہونے کا نام ہے

ایمان حقیقی اللہ کا نور ہے جو دل میں جلوہ فگن ہوتا ہے اور پھر وہ ایمان اعضاء و جوارح کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لئے بنی اسد سے کہا گیا کہ تم ایمان

کا دعویٰ نہ کرو بلکہ اسلمنا کہو۔ یعنی یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔

جب لفظ اسلام و ایمان ایک دوسرے کے مدمقابل استعمال ہوں تو اسلام زبان سے عقائد حقہ کی قبولیت کا نام ہوتا ہے۔ یعنی جب کوئی شخص **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا زبان سے اقرار کرے، اس کے ساتھ قیامت کو تسلیم کرے، نماز پڑھے، ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اگر اسے استطاعت ہو تو حج بیت اللہ بھی کرے۔ یہ سب کچھ اسلام ہے۔ اسلام ایک چھلکا ہے، اس کا ثمر جسم کا پاک ہونا، نکاح و میراث کا صحیح ہونا، جان و مال کی حفاظت ہے، ایسے شخص کو رشتہ دینا حلال ہے، اس سے رشتہ لینا بھی جائز ہے، اگر وہ مر جائے تو اس کے وارث اس کی میراث حاصل کریں گے، اگر اس کے والدین یا اس کا کوئی قریبی رشتے دار فوت ہوجائے تو وہ میراث حاصل کرے گا۔ یہ تمام ثمرات زبانی اقرار سے اس دنیا میں حاصل ہوتے ہیں اور اگر خدانخواستہ یہ سب کچھ زبان تک محدود ہو اور دل میں کچھ نہ ہو تو آخرت میں کوئی حصہ نصیب نہیں ہوگا۔

ان لوگوں پر شدید افسوس ہے جو صرف طمع دنیا کے لئے اسلام قبول کرتے ہیں۔ آج کل اس طرح کی خبریں سنی جاتی ہیں کہ کسی غیر مسلم نوجوان کو مسلمان لڑکی سے محبت ہوگئی اور اس نے اس کے والدین سے شادی کی درخواست کی تو انہوں نے پہلی شرط یہ رکھی کہ تم اسلام قبول کرو تو ہم تمہیں رشتہ دیں گے اور بہت سے غیر مسلم رشتے کے حصول کے لئے اسلام قبول کر لیتے ہیں اور یوں ان کی شادی ہو جاتی ہے۔ ایسا اسلام شادی کے لئے تو کارآمد ہوسکتا ہے لیکن آخرت کی نجات کے لئے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ جب تک عقائد اسلام دل میں راسخ نہ ہوں اس وقت تک آدمی کو آخرت میں نجات حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح اگر ایک شخص زبان سے تو قیامت کے آنے کا اقرار کرے اور جنت و دوزخ کا اقرار کرے مگر دل میں ان پر ایمان نہ ہو تو وہ نہ تو دوزخ سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی اس کی نجات ہوسکتی ہے۔

جنت و دوزخ کا زبان سے اقرار کرنا اسلام ہے اور دل سے جنت کا مشتاق ہونا اور دوزخ سے خوفزدہ ہونا ایمان ہے۔

عزیزانِ گرامی! اگر آپ زبان سے لاکھ دفعہ کہیں کہ فلاں صحت افزا مقام پر میں اپنے لئے گھر بنانا چاہتا ہوں تو صرف آپ کے زبانی کہنے سے وہاں آپ کا گھر تعمیر نہیں ہو جائے گا۔ اس کے لئے آپ کو وہاں زمین الاٹ کرانا ہوگی اور وہاں مکان تعمیر کرانا ہوگا۔ ایک طویل محنت کے بعد آپ وہاں کے مکان کے مالک بنیں گے۔ جب آپ دنیا کے کسی صحت افزا مقام پر زبانی خواہش کے تحت مکان کے مالک نہیں بن سکتے تو آپ زبانی خواہش کے تحت جنت الفردوس کے عالی شان محلات کے مالک کیسے ہو سکتے ہیں؟

اگر ایک شخص صرف زبانی یہ کہے کہ جنت حق ہے تو کیا وہ صرف اس اقرار کی وجہ سے جنت میں چلا جائے گا اور اسی طرح سے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ دوزخ حق ہے تو کیا وہ صرف زبانی اقرار کی وجہ سے دوزخ سے بچ جائے گا؟

یاد رکھیں! صرف زبانی اقرار سے انسان دوزخ سے نہیں بچ سکتا اور صرف زبانی اقرار سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ دوزخ سے نجات اور جنت میں داخل ہونے کے لئے ایمان کی ضرورت ہے۔

دوسرے الفاظ میں صرف زبانی اقرار کو اسلام کہا جاتا ہے اور دل کے یقین اور زبان کے اقرار کے مجموعے کو ایمان کہا جاتا ہے۔

زبان سے خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر کہنا اسلام اور دل سے خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرنا ایمان ہے۔ یہ بات بڑی واضح ہے کہ جو شخص دل کی گہرائیوں سے خدا کو ہر جگہ اور ہر آن حاضر و ناظر سمجھتا ہو تو وہ گناہ نہیں کرے گا کیونکہ اسے یقین ہوگا کہ میرا خدا یہاں موجود ہے اور مجھے دیکھ رہا ہے۔

ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا

صحرا نشین عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ تم ایمان نہیں لائے۔ تمہیں یہ کہنا چاہئے کہ ہم اسلام لائے ہیں۔ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔

جب دل میں ایمان آتا ہے تو اس کے اثرات اور علامات کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ یہ بات ممکن ہی نہیں کہ ایمان موجود ہو مگر اس کے اثرات غائب ہوں۔ یہ نکتہ ذہن میں رکھیں کہ ایمان کے اثرات میں خوف اور امید سرفہرست ہیں اور یہ بات ناممکن ہے کہ انسان میں ایمان تو ہو لیکن گناہ سے کنارہ کشی اور عذاب الٰہی سے خوف محسوس نہ کرتا ہو، اسے قیامت کی ہولناکیوں کا اندیشہ نہ ہو۔ یہ بات ہرگز ماننے کے قابل نہیں ہے کہ کسی کے دل میں ایمان ہو مگر اسے جنت اور ثواب کی امید نہ ہو۔

جس شخص کو عذاب آخرت کا خوف ہو اور جسے جنت وثواب کی خواہش ہو تو ایسا شخص ہر قیمت پر ایسے اعمال بجالائے گا جو اس کے لئے دوزخ کے عذاب سے بچاؤ اور جنت میں جانے کا سبب بنیں اور اگر آپ کسی شخص کو دیکھیں جو اعمال کے ذریعے جنت حاصل کرنے کی کوشش نہ کرتا ہو تو اس کے متعلق سمجھ لیں کہ ابھی تک وہ منزل ایمان پر فائز ہی نہیں ہوا ہے۔

جو جہاد پر آمادہ نہ ہوتے تھے

یہی عرب زبان سے تو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم مومن ہیں لیکن جب غزوات کے لئے جانے کی ضرورت پڑتی تھی تو انہیں اپنی جانیں پیاری لگتی تھیں اور جہاد کے لئے جانے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔

جہاد کے لئے ایمان کی ضرورت ہے اور راہ خدا میں دولت خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر آخر میں خدا کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کرنے کی ضرورت ہے اور جب تک کسی شخص کو رضائے الٰہی کا یقین نہ ہو اس وقت تک کوئی شخص اپنی دولت کیسے خرچ کرسکتا ہے لہٰذا اگر آپ کسی ایسے شخص کو دیکھیں جو راہ خدا میں بڑی مشکل سے دولت خرچ کر رہا ہو تو سمجھ لیں کہ اس کا ایمان کمزور ہے اور جو بالکل خرچ ہی نہ کرے تو سمجھ لیں کہ ابھی تک یہ شخص ایمان کی دولت سے محروم ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

گویا قدرت ان الفاظ سے یہ کہنا چاہتی ہے کہ اے صحرا نشین لوگو! تم اس وقت ایمان کے دعویدار ہو جبکہ ہم کہتے ہیں کہ ابھی تک تم ایمان کی منزل پر نہیں پہنچے۔ اگر تمہیں ایمان کی ضرورت ہے تو پھر دل کی گہرائیوں سے خدا و رسولؐ کے احکامات کو تسلیم کرو اور ان پر عمل کرو اور اگر تم نے ایمان کے تقاضوں پر عمل کیا تو ہم تمہیں کئی گنا اجر عطا کریں گے کیونکہ ہمارے پاس اجر و ثواب کی کوئی کمی نہیں ہے۔

جو کام خالص خدا کے لئے ہو وہ کم نہیں ہوتا

اگر کوئی شخص غیر اللہ کے لئے کام کرے تو اس کی اجرت انتہائی کم ہوتی ہے کیونکہ اجرت دینے والا بھی فانی ہوتا ہے اور اجرت لینے والا بھی فانی ہوتا ہے۔ اسی لئے اجرت بھی چند روزہ ہوگی۔ آپ تجارت سے لے کر زراعت تک تمام پیشوں پر نظر کریں ان تمام پیشوں کا مقصد رزق کا حصول ہوتا ہے اور یہ غیر اللہ کے لئے سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ اسی لئے ان کی اجرت اگرچہ بظاہر زیادہ ہی ہو پھر

بھی حقیقت میں بہت کم ہے اور وہ بھی چند روزہ زندگی تک محدود ہے اور جیسے ہی موت آئے گی تو کام بھی ختم ہو جائے گا اور اس کی مزدوری بھی ختم ہو جائے گی اور جو شخص خدا کے لئے کام کرے گا تو موت کی وجہ سے اس کی مزدوری کا سلسلہ رک نہیں جائے گا بلکہ موت کے ساتھ ہی اصل مزدوری کے سلسلے کا آغاز ہوگا۔

وَ اِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ.... اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو گے....

اس میں عرب و غیر عرب کا کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ خطاب عرب اور غیر عرب سب کے لئے ہے۔ اگر تم خدا کے لئے کام کرنے لگ جاؤ، تمہارا ایمان خدا کے لئے ہو، تمہارا عمل خدا کے لئے ہو، تمہارا انفاق خدا کے لئے ہو۔

لَا یَلِتْکُمْ مِنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا....

لفظ "لت" کمی کے معنی میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تمہیں کسی کمی کے بغیر اجر دیا جائے گا، تمہارے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، تمہیں کئی گنا اجر دیا جائے گا، خدا کے ہاں کوئی کمی نہیں ہے، وہ تو باقی ہے، اس پر فنا نہیں ہے، لہذا تمہاری اجرت میں بھی کوئی انقطاع پیدا نہیں ہوگا۔

یزید کی اجرت اور امام حسینؑ کی اجرت

یزید نے شیطان اور نفس امارہ کے ساتھ سودا کیا تھا۔ دیکھیں اسے کتنے عرصے تک شیطان نے اجرت دلائی؟ وہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد صرف تین سال تک زندہ رہا۔ وہ خوشیاں اور حکومت چاہتا تھا۔ اس نے صرف تین سال تک حکومت کی لذت حاصل کی اس کے بعد ابدالآباد کے لئے جہنم چلا گیا۔

امام حسین علیہ السلام نے خدا کے ساتھ معاملہ کیا تھا اور خدا کا فرمان ہے:

لَا یَلِتْکُمْ مِنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا. خدا تمہارے اعمال میں کمی پیدا نہیں ہونے دے گا۔

خدا پر موت نہیں اسی لئے امام حسینؑ کی اجرت میں بھی کمی نہیں ہے۔ امام مظلومؑ کی اجرت میں کسی بھی دور میں کمی نہیں آئے گی۔ امام حسینؑ سلطان ہیں۔ آپ عالم برزخ اور عالم ملکوت کے سلطان ہیں۔

آج سے چالیس برس پہلے شیراز کے ایک معتبر شخص نے مجھے بتایا تھا کہ جب ہم نوجوان تھے تو ہمارا ایک گروپ ہوا کرتا تھا۔ اس گروپ میں چودہ سے لے کر اٹھارہ سال تک کی عمر کے نوجوان تھے اور ہم ایک دوسرے کو دعوت دیتے تھے۔ ہمارے گروپ میں ایک نوجوان تھا جسے نوحہ خوانی کا بہت شوق تھا اور اسے یہ شوق اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا۔ اس کا باپ بھی نوحہ خوانی کا بڑا شائق تھا۔

ایک دن ہم سب دوستوں کی دعوت اسی دوست کے گھر میں تھی۔ ہم وہاں پہنچے، اس دعوت میں ان کے والد بھی شریک ہوئے اور دعوت کے آغاز میں نوحہ خوانی بھی ہوئی۔ بہرحال دعوت خیر وخوبی سے گزر گئی۔

چند دن بعد ہمارا وہ دوست ایسا بیمار ہوا کہ اس کی وفات ہوگئی۔ اس کی موت سے ہمیں شدید صدمہ ہوا۔ اس کے مرنے کے کچھ دن بعد وہی دوست مجھے خواب میں ملا اور وہ انتہائی خوش وخرم دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: دوست! آپ ہمیں داغ مفارقت دے گئے اور آپ تو یہاں خوش وخرم دکھائی دیتے ہیں جبکہ ہم ابھی تک آپ کو رو رہے ہیں۔

میرے دوست نے کہا: میں یہاں آ کر بہت آرام وسکون سے ہوں اور دنیا کے مصائب سے آزاد ہو چکا ہوں۔ تمہیں بھی خوش رہنا چاہئے اور تم میرے مرنے کا غم کرنے کی بجائے اپنی آخرت کی فکر کرو۔

میں نے کسی سے سن رکھا تھا کہ اگر آدمی خواب میں کسی مرنے والے کو دیکھے اور مرنے والے کے بازو کو پکڑ لے تو جب تک وہ خود اس کے بازو کو نہیں چھوڑے گا اس وقت تک مرنے والا اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوگا۔

چنانچہ میں نے اس کو بازو سے پکڑ لیا اور اس سے کہا: جب تک تم اپنے مرنے سے لے کر اب تک کے تمام حالات نہیں سناؤ گے اس وقت تک میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گا۔

جب میں نے یہ بات کی تو اس کا جسم کانپنے لگا اور اس نے کہا: تم مجھے جانے دو وہاں کی باتیں ظاہر کرنے کی نہیں ہیں۔

میں نے کہا: اچھا کم از کم مجھے اتنا تو بتاؤ کہ وہ کون سی بات ہے جس پر یہاں توجہ نہیں دی جاتی اور برزخ میں اُس کی بہت زیادہ اہمیت ہے؟

اس نے کہا: جب تک ہم دنیا میں رہے اس وقت تک ہمیں مقام حسینؑ کا کوئی علم نہیں تھا اور یہاں آ کر ہمیں صحیح طور پر مقام حسینؑ کا پتا چلا اور ہمیں معلوم ہوا کہ حسینؑ کتنے بڑے اقتدار کے مالک ہیں۔

مجھے بھی یہی عرض کرنا تھا کہ خدائی اجرت اور ہے اور شیطان ونفس کی اجرت اور ہے۔ جو بھی خدا سے سودا کرے گا اسے اس کا پورا اجر ملے گا اور کسی بھی وقت اس کے اجر میں کمی نہیں ہوگی۔ جب عام لوگوں کے ساتھ خدا یہ معاملہ کرتا ہے تو نجانے وہ امام حسینؑ کو کیا اجر عنایت فرمائے گا؟

دریا کنارے بیٹھ کر عمرِ رواں کو دیکھیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا وَ جَاھَدُوۡا بِاَمۡوَالِھِمۡ وَ اَنۡفُسِھِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوۡنَ○ قُلۡ اَتُعَلِّمُوۡنَ اللّٰہَ بِدِیۡنِکُمۡ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ○ یعنی مومن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے، پھر انہوں نے شک نہ کیا اور جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ تم اللہ کو اپنا دین بتلانا چاہتے ہو جبکہ اللہ آسمانوں اور زمین کی تمام باتوں کو جانتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: مااسرع الساعات فی الیوم واسرع الایام فی الشھر و اسرع الشھور فی السنة و اسرع السنین فی العمر. یعنی ساعتیں بڑی جلدی سے دن کو ختم کردیتی ہیں (یعنی صبح ہوتی ہے پھر دوپہر ہوتی ہے، پھر عصر ہوتی ہے، شام ہوتی ہے اور رات گزرتی ہے اور یوں پورا دن جلدی سے گزر جاتا ہے) اور دن بڑی تیزی سے مہینہ کو ختم کر دیتے ہیں (چند دن قبل ہم نے کہا تھا کہ آج ماہ رمضان المبارک کی پہلی ہے اور آج ہم کہہ رہے ہیں کہ ماہ رمضان کی آخری شب جمعہ ہے) اور مہینے بڑی تیزی سے سال کو ختم کر دیتے ہیں اور سال بڑی تیزی سے عمر کو ختم کر دیتے ہیں۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۸۸)

اگر آپ اپنی عمر کو ختم ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں تو کبھی دریا کنارے بیٹھ کر عمر رواں کو دیکھیں۔ دریا کنارے بیٹھ کر گزرتے ہوئے پانی کو دیکھیں اور جس تیزی سے پانی گزر رہا ہے اسی تیزی کے ساتھ آپ کی عمر گزر رہی ہے۔

چند راتیں قبل میں نے کہا تھا کہ یہ ماہ رمضان کے پہلے جمعے کی شب ہے اور آج میں کہہ رہا ہوں کہ ماہ رمضان کے جمعۃ الوداع کی شب ہے۔ اسی طرح سے عنقریب وہ شب جمعہ بھی آنے والی ہے جو ہماری زندگی کی آخری شب جمعہ ہوگی۔ آج کی رات جمعۃ الوداع کی رات ہے اسی لئے اپنے مرحومین کو ضرور یاد رکھیں۔

شب جمعہ مرحومین کے لئے تحائف

مرحوم سبزواری نے مصباح القلوب میں ایک صالح شخص سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: ایک بار شب جمعہ مجھے خواب میں یزد کے قبرستان کا منظر دکھایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ قبرستان کے تمام مُردے ہاتھوں میں تحفے تحائف لئے ہوئے خوش خوش جا رہے ہیں۔ میں نے ایک مُردے کو دیکھا جو کہ بڑا افسردہ تھا اور اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ مجھے اس کی حالت پر بڑا ترس آیا۔ میں اس کے قریب گیا اور پوچھا کہ آج رات تیرے تمام ساتھی تحفے تحائف لئے ہوئے ہیں جبکہ تو خالی ہاتھ ہے اور پریشان دکھائی دیتا ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

اس نے کہا: یہ جتنی ارواح تم نے دیکھی ہیں یہ سب کے سب اسی شہر یزد کے رہنے والے ہیں۔ آج شب جمعہ ہے۔ ان سب کے زندہ عزیز و اقارب نے خدا کی راہ میں خیرات کی ہے اور وہ اس کا ثواب حاصل کر کے خوش ہیں جبکہ میں ایک مسافر ہوں میرا یہاں پر کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ میں فلاں شہر میں رہتا تھا۔ چند سال قبل میں اپنی بیوی کو ساتھ لے کر یہاں سے گزر رہا تھا کہ بیمار ہوگیا اور چند روزہ بیماری کے بعد مر گیا۔ لوگوں نے مجھے یہیں دفن کر دیا۔ خدا نے مجھے اولاد عطا

نہیں کی تھی۔ میری زندگی کا جتنا سرمایہ تھا وہ میری بیوی نے چند دنوں میں اڑا دیا۔

اس کے بعد میری بیوی نے ایک لوہار سے شادی کرلی اور جب سے اس نے شادی کی ہے مجھے بالکل بھلا دیا ہے۔ وہ میرے لئے کوئی خیرات نہیں کرتی۔ میں ہر شب جمعہ جاتا ہوں لیکن خالی ہاتھ لوٹ آتا ہوں۔

میں نے کہا: اگر میرے لائق کوئی کام ہو تو بتائیں۔

اس نے کہا: میری بیوی کا نیا شوہر لوہاروں کے بازار میں فلاں دکان پر کام کرتا ہے اور اس کا گھر فلاں محلے میں ہے۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مُردوں کو زندہ افراد کی مصروفیات اور ان کی رہائش کا علم ہوتا ہے)۔

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ جونہی صبح ہوئی میں اس کی بتائی ہوئی جگہ پر گیا اور دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایک عورت نے پوچھا: کون ہے؟

میں نے کہا: کیا یہ فلاں لوہار کا گھر ہے؟

اس نے کہا: ہاں! یہ اسی کا گھر ہے اور میں اس کی بیوی ہوں۔

میں نے کہا: کیا آپ اس سے پہلے فلاں شخص کی بیوی نہ تھیں؟

اس نے کہا: تجھے یہ کس نے بتایا یہاں تو یہ بات کسی کو نہیں معلوم۔

میں نے کہا: آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اور میں آپ کی گھریلو زندگی تلخ کرنے کے لئے نہیں آیا۔ میں نے رات خواب میں آپ کے شوہر کی روح سے ملاقات کی تھی، اس نے ہی مجھے آپ کے بارے میں بتایا تھا اور وہ آپ کی لاتعلقی کی وجہ سے سخت پریشان ہے۔ اگر ہو سکے تو اُس مرحوم کے لئے خدا کی راہ میں خیرات کردتا کہ اس کی روح کو سکون نصیب ہو۔

اس نے کہا: برادر! یہ سچ ہے کہ جب سے میری شادی ہوئی ہے میں نے اپنے مرحوم شوہر کو بھلا دیا ہے۔ اب میں شاید یہاں بیٹھ کر اس کے لئے کچھ نہ کرسکوں۔ آپ اس سلسلے میں میری مدد کریں۔ پھر اس نے اپنے گلے سے سونے کا

ہار اتار کر میرے حوالے کیا اور کہا کہ آپ اسے بیچ کر غریب غرباء کی مدد کریں۔ ممکن ہے کہ اس سے اس کی روح کو سکون نصیب ہو۔

میں نے وہ ہار لیا اور اسے بیچ دیا اور اس کی قیمت سے کپڑے خرید کر یتامیٰ و مساکین میں تقسیم کئے اور کچھ غریبوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔

جب اگلی شب جمعہ ہوئی تو میں نے دوبارہ خواب میں ان ہی مُردوں کو دیکھا۔ ان میں وہ شخص مجھے بڑا خوش خوش دکھائی دیا اور اس کے پاس انواع و اقسام کے تحفے تحائف موجود تھے اور اس نے مجھے دعا دی اور کہا' خدا تجھے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس سے پہلے میں ان مُردوں میں سر جھکائے رہتا تھا۔ تو نے میرا سر ان سب کے سامنے بلند کر دیا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آج جمعۃ الوداع کی شب ہے۔ آپ اس رات اپنے مرحومین کو فراموش نہ کریں، جتنا ممکن ہو اپنے والدین اور مرحوم بھائیوں کے لئے تحائف روانہ فرمائیں۔

علامات ایمان

ہماری گزشتہ بحث یہ تھی کہ اسلام زبان سے توحید و نبوت کے اقرار کا نام ہے اور ایمان دل کے یقین اور خوف و امید پیدا کرنے کا نام ہے۔ ظاہری اسلام کے نتیجے میں بدن پاک شمار کیا جاتا ہے اور نکاح و میراث کے قوانین لاگو ہوتے ہیں جبکہ نجات آخرت کے لئے ایمان کی ضرورت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایمان کی علامات کیا ہیں اور ہم لوگ جو مدت سے اسلام کے دامن سے وابستہ چلے آ رہے ہیں کیا ہم میں بھی ایمان موجود ہے یا نہیں اور جبکہ ہم موت کے قریب پہنچ چکے ہیں تو کیا ہم مومن بھی ہیں یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی علامات بیان کرتے ہوئے فرمایا: مومن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے، پھر انہوں نے شک نہ کیا اور جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔

ایک سچا اور کھرا اور خدا پسند مومن وہ ہے جس کا دل خدا سے باخبر ہو اور اس کے دل میں خدا کے لئے عجز و نیاز پایا جاتا ہو اور جب اسے خدا سے ڈرنے کے لئے کہا جائے تو خدا کا نام سنتے ہی لرز اٹھے اور خدا کے فرمان کو قبول کرے۔

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کے زمرے میں وہ لوگ شامل ہیں جو فرمان مصطفیٰؐ سنیں تو فوراً اس کے سامنے گردن جھکا دیں۔ صرف زبان سے اقرار کرنا اسلام ہے اور خدا و رسولؐ کے فرمان پر عمل کرنا ایمان ہے۔ مومن وہ ہیں جو دل کی گہرائیوں سے خدا و رسولؐ پر ایمان لائے ہوں۔ چنانچہ دعائے ابوحمزہ ثمالی میں ہمیں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں: **فان قوما امنوا بالسنتهم ليحقنوا به دمائهم فادركوا ما املوا وانا امنا بك بالسنتنا وقلوبنا**۔ یعنی اے پروردگار! کچھ لوگ صرف اپنی جان بچانے کے لئے زبان سے ایمان لائے ہیں اور جس مقصد کے لئے انہوں نے ایمان قبول کیا وہ انہوں نے حاصل کرلیا اور ہم اپنی زبانوں اور دلوں سے تجھ پر ایمان لائے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں گناہوں سے پاک کر اور ہمیں ایمان کے حصے سے بہرہ ور فرما اور ہمیں ہماری آرزو تک پہنچا۔

اے پروردگار! جب ہم **لا اله الا الله** کہتے ہیں تو ہمارا دل توحید اور تیرے ایمان کے متعلق باخبر ہوتا ہے اور اسی طرح سے ہمارا دل اطاعت محمدؐ سے بھی باخبر ہے۔ چنانچہ ہم دل کی گہرائیوں سے **محمد رسول الله** کہتے ہیں۔

مومن کو اپنے عقیدے میں شک نہیں ہوتا

ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا. یعنی ایمان کے بعد شک نہ کیا ہو۔

جب تک انسان اسلام کی پہلی سیڑھی پر کھڑا ہوا ہو تو اس وقت تک انسان شک اور تردد میں مبتلا رہتا ہے اور جب انسان منزل ایمان پر قدم رکھتا ہے تو اس کے دل سے ہر طرح کا شک و تردد اور دودلی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ کہا جائے کہ تیرا یہ فعل خدا کی رضا کے منافی ہے اور وہ اس کے جواب میں کہے کہ خدا

کی طرف سے کون ہو کر آیا ہے جس نے یہ خبر دی ہے تو ایسے شخص کے متعلق سمجھ لیں کہ یہ ابھی تک لذت ایمان سے محروم ہے۔

شک کا یہی تو مقصد ہے کہ آخرت پر اعتماد نہ ہو اور قبر کے سوال و جواب کے لئے کہا جائے کہ وہاں سے لوٹ کر کون آیا ہے اور کس نے یہ خبریں پہنچائی ہیں؟ ایسے شخص کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگرچہ اس عالم سے کوئی واپس ہمارے پاس نہیں آیا مگر ہمیں یہ سب کچھ حضرت محمد مصطفیؐ نے بتایا ہے اور ظاہر ہے کہ آقائے نامدار کی بتائی ہوئی چیز میں شک کرنا مناسب نہیں ہے۔ حضرت محمد مصطفیؐ سے سن کر ہمیں یہ خبریں علی مرتضیٰؑ نے سنائی ہیں اور حضرت علیؑ کی صداقت ہر لحاظ سے مسلم ہے۔

وہ لوگ بڑے بے ایمان تھے جو یہ کہتے تھے: اَئِذَا مِتْنَا وَ کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ○ یعنی کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جائیں گے تو ہمیں اٹھایا جائے گا اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے۔ (سورۂ واقعہ: آیات ۴۶ تا ۴۹)

جن لوگوں کو انبیاءؑ کی صداقت اور خدا کی قدرت پر ایمان نہیں تھا وہ کہتے تھے: هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ. یعنی کیا ایسا ہونا ممکن بھی ہے، کیا گلی سڑی ہڈیاں بھی دوبارہ زندہ ہوسکتی ہیں؟

ایسے ہی لوگوں نے کہا تھا: ہم کئی بار قبروں سے گزرے ہیں لیکن ہمیں آج تک کسی مردے کے رونے کی آواز سنائی نہیں دی اور نہ ہی ہمیں معلوم ہے کہ ان پر کیا گزر رہی ہے۔

اسی طرح کے شکوک و شبہات کا اظہار اس بات کی دلیل ہے کہ اس فکر کے حامل افراد کے پاس ایمان کی حقیقی دولت نہیں ہے جبکہ اہل ایمان کو کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہوتا اور وہ لوگ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الامن وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ کے مصداق ہیں۔ خدا کے ہاں وہی ایمان قابل قبول ہے جس میں کسی طرح کا شک نہ ہو اور ایسا ایمان ہی عقائد کا سچا نگہبان ہوتا ہے اور ہر طرح کی دودلی سے محفوظ رکھتا ہے۔

ایک اَن پڑھ جس کا دل نورِ علم سے منور تھا

ایک عالم دین نے ایک دیہاتی مالی سے پوچھا: بتاؤ اصول دین کتنے ہیں؟
مالی نے فوراً کہا: اصول دین پانچ ہیں جن میں سے اول توحید ہے۔
عالم دین نے پوچھا: توحید کا کیا مقصد ہے؟
مالی نے کہا: اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ ایک ہے یعنی دو نہیں ہیں۔ اسی نے ساری کائنات پیدا کی ہے اور یہی لا الہ الا اللہ کا مفہوم ہے۔
عالم دین نے کہا: تیرے پاس خدا کے ایک ہونے کی کیا دلیل ہے؟
مالی نے کہا: کیا خدا کی توحید کے لئے بھی دلیل کی ضرورت ہے؟
عالم دین نے کہا: فرض کرو کہ کوئی شخص یہ کہے کہ خدا ایک نہیں ہے تو تم اسے کیسے قائل کرو گے؟

سیدھے سادے ان پڑھ دیہاتی مالی نے کہا: میں اس کے سر پر ڈنڈا مار کر اس کے سر کے دو ٹکڑے کردوں گا۔ کیا خدا بھی دو ہو سکتے ہیں؟

میرا خیال ہے کہ فلسفی اور منطقی حضرات کا ایمان بھی اتنا پختہ نہیں ہوتا ہوگا جتنا اس سیدھے سادے مالی کا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عالم دین ایک کتاب لکھنے میں مصروف تھے۔ ان کی چھوٹی سی بیٹی نے ان سے پوچھا: اباجان! آپ کس موضوع پر کتاب لکھ رہے ہیں؟
عالم دین نے کہا: میں اثبات باری تعالیٰ پر کتاب لکھ رہا ہوں اور اس میں خدا کے وجود کے دلائل لکھ رہا ہوں۔
بیٹی اگرچہ عمر میں چھوٹی تھی مگر بڑی دانا تھی۔ اس نے کہا: اباجان! دنیا کی ہر چیز میں شک ہوسکتا ہے۔ کیا خدا کے متعلق بھی شک ممکن ہے؟
قرآن مجید نے اس نکتے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: یعنی کیا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے اللہ

کے متعلق بھی شک ہے؟ (سورۂ ابراہیم: آیت ۱۰)

ایک صاحب ایمان شخص کو جس طرح غروب آفتاب کے بعد رات کا یقین ہوتا ہے اسی طرح سے اسے مرنے کے بعد قبر کے سوالات کا یقین ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ قبر کے سوالات عالم جزا کا دیباچہ ہیں۔ مومن کو کسی طرح کا دین میں شک و شبہ نہیں ہوتا کیونکہ مومن کی ایک صفت ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا بھی ہے یعنی پھر وہ شک نہیں کرتے۔

دعائے ابوحمزہ ثمالی کے ان جملوں کی اہمیت کو فراموش نہ کریں جس میں امام سجادؑ فرماتے ہیں: **اللّٰھم انی اسئلک ایمانا تباشر بہ قلبی اسئلک ایمانا لا اجل لہ دون لقائک.** یعنی اے پروردگار! میں تجھ سے ہمیشہ رہنے والا حقیقی ایمان چاہتا ہوں جو دل میں جاگزیں ہوجائے۔

روایات میں ہے کہ رسول اکرمؐ کی روزمرہ کی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی تھی: **اللّٰھم انی اعوذبک من الشک والشرک والریآء والسمعة.** یعنی خداوندا! میں تجھ سے شک، شرک، ریا اور شہرت طلبی سے پناہ مانگتا ہوں۔

وہ غریب ریڑھی والا جس نے نجس غذا پھینک دی تھی

ایمان کی ایک اہم شرط یہ ہے: وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ یعنی مومن وہ ہیں جنہوں نے اپنے مال و جان سے خدا کی راہ میں جہاد کیا۔

''جہاد بالنفس'' یعنی اپنی جان کو راہ خدا میں فدا کرنے کی منزل آخر میں ہے اس سے پہلے ''جہاد بالمال'' کی منزل ہے۔ یعنی مومن وہ ہے جو راہ خدا میں مال خرچ کرے۔ جو شخص خدا کی راہ میں دو روپے دینے پر آمادہ نہ ہو اس میں ایمان بھلا کیا ہوگا؟

آپ کے اسی شہر میں ایک بندۂ خدا رہتا تھا جو کہ اللہ کو پیارا ہوچکا ہے۔ وہ بڑا دیانتدار تھا۔ وہ روزانہ چھولے بنا کر ایک ریڑھی پر فروخت کیا کرتا تھا۔ وہ

بے چارہ صبح سے لے کر ظہر تک چھولے بیچتا تھا اور اس سے جو کچھ کماتا اس سے اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالا کرتا تھا۔

ایک دن صبح اس نے جیسے ہی چھولوں سے بھرا پتیلا کھولا تو اسے اس میں چوہے کی مینگنیاں دکھائی دیں۔ وہ بڑا دیانتدار شخص تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ شاید نمک میں یہ کہیں سے آ گئی ہوں گی۔ پھر اس نے وہ سارا پتیلا ضائع کر دیا اور اس میں سے ایک پلیٹ بھی فروخت نہ کی کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ چھولے نجس ہو چکے ہیں اور مسلمان کے لئے نجس غذا بیچنا حرام ہے۔

اپنا سرمایہ راہ خدا میں پھینک دینا آسان کام نہیں ہے اور دین اسلام کے لئے دولت کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ جو شخص دولت قربان کرنے پر آمادہ نہ ہو وہ اپنی جان قربان کرنے پر کیسے رضامند ہو سکتا ہے؟ ایک صاحب ایمان اپنے مال و جان کو خدا کی امانت سمجھتا ہے اور وہ جان و مال قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ جان و مال کی قربانی کا سرچشمہ خدا کی ذات سے امیدوں کا وابستہ ہونا ہے جس شخص کو خدا سے امید ہوگی وہ اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دے گا اور جسے امید ہی نہ ہو تو وہ اپنا جان و مال خدا کی راہ میں ہرگز قربان نہیں کرے گا۔ اتنا سمجھ لیں کہ نجات کا دارو مدار ایمان پر ہے اور ایمان کی جگہ دل میں ہوتی ہے اور جب ایمان دل میں موجود ہوگا تو جان و مال کی قربانی آسان دکھائی دے گی۔

اگر آپ کو اپنے دل میں یہ جذبہ کارفرما دکھائی دے تو خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہیں: اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے ایمان عطا کیا ہے۔

اور جو شخص خدا کے مدمقابل اپنی ذات کو پیار کرے اور میری قوم، میرا حسب، میرا نسب وغیرہ پر فخر کرے تو وہ شخص خدا کے مقابلے میں اپنی برتری کا تصور رکھنے والا ہے اور وہ اَلاَّ تَعْلُوْا عَلَی اللّٰہِ یعنی خدا کے سامنے سرکشی نہ کرو، کے مخاطب افراد میں شامل ہے۔ جس دل میں ایمان ہوگا وہاں سرکشی اور برتری کی خواہش موجود نہیں ہوگی۔

دولت کے پجاری ہلاک ہونے والے ہیں

شیخ صدوق کی کتاب التوحید میں ایک مفصل حدیث موجود ہے جو کہ پڑھنے کے لائق ہے۔ میں اس حدیث کے درمیان میں سے صرف ایک جملہ آپ حضرات کی نذر کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خاتم الانبیاءؐ نے فرمایا: میری امت کے دولت مند افراد سب کے سب ہلاکت میں ہیں، سوائے ان کے جو چاروں اطراف سے انفاق فی سبیل اللہ کریں اور جہاں دیکھیں کہ دولت خرچ کرنے کا مقام ہے تو بخل نہ کریں اور دل کھول کر خرچ کریں اور جو دولت خرچ نہیں کریں گے ان کا ٹھکانہ سب کو معلوم ہے۔ جو لوگ دولت کے ڈھیر جمع کرتے ہیں ان کو حسرت اور دنیا و آخرت کی رسوائی کے علاوہ اور کچھ نصیب نہیں ہوگا۔

ایسے ہی افراد کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَلاَ يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍO يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَO یعنی جو لوگ سونے چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیدیں جس دن وہ سونا چاندی آتش جہنم میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور پشت کو داغا جائے گا کہ یہی وہ ذخیرہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا اب اپنے خزانوں اور ذخیروں کا مزہ چکھو۔ (سورۂ توبہ: آیات ۳۴۔۳۵)

اُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ یعنی یہی لوگ سچے ہیں۔ جی ہاں! جو لوگ دل کی گہرائیوں سے خدا و آخرت پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے عقیدہ میں کبھی شک نہ کیا اور راہ خدا میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا یہی لوگ سچے مومن ہیں اور یہی لوگ اہل نجات ہیں جبکہ صرف زبانی کلامی دعویٰ کرنے والے نجات حاصل نہیں کرینگے۔

خدا کے ساتھ ظاہر سازی اور ریا؟

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰہَ بِدِیْنِکُمْ یعنی آپ کہہ دیں کہ کیا تم لوگ اپنی دینداری خدا کو سمجھانا چاہتے ہو؟

تم لوگ جو یہ کہہ رہے ہو کہ ہم مسلمان ہیں، ہم بڑے پارسا ہیں، ہم سے نماز جماعت کبھی ترک نہیں ہوتی، آخر تم یہ باتیں کر کے کس کو ان باتوں کی خبر دینا چاہتے ہو؟ کیا خدا کو یہ خبر دینا چاہتے ہو یا خدا کی مخلوق کو اپنے اعمال سے آگاہ کرنا چاہتے ہو؟ اور اگر بالفرض تم خدا کو یہ خبر دینا چاہتے ہو تو اسے تو بتانے اور جتلانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰہَ بِدِیْنِکُمْ یعنی تم خدا کو یہ سب کچھ یاد دلانا چاہتے ہو؟

وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ یعنی اللہ ہر چیز کے جاننے والا ہے۔

اگر تم لوگ اپنے اعمال سے مخلوق خدا کو آگاہ کرنا چاہتے ہو تو پھر تم سخت غلطی کر رہے ہو کیونکہ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ تمہارے تمام اعمال مخلوق کے لئے ہیں، خالق کے لئے نہیں ہیں۔ تمہارا ایمان بھی مخلوق کے لئے ہے، تمہاری نمازیں بھی مخلوق کے لئے ہیں اور تمہارا کوئی بھی عمل خالق کے لئے نہیں ہے۔

اسلام کا احسان مت جتلاؤ

اس سے بدتر حالت ان لوگوں کی ہے: یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا یعنی یہ لوگ آپ پر احسان جتلا رہے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ بنی اسد مدینہ میں بڑی تعداد میں بیوی بچوں سمیت آئے تھے اور انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ پھر وہ رسول خداؐ کے پاس آ کر آپ سے کچھ اس طرح کی بات چیت کرتے تھے: ''یارسول اللہؐ! ہمارے علاوہ باقی جتنے قبائل مسلمان ہوئے وہ صرف تنہا آئے جبکہ ہم اپنے ساتھ اپنے اہل و عیال کو

بھی لے آئے ہیں اور ہم نے اپنے بیوی بچوں سمیت اسلام قبول کیا ہے۔ ہم لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ آپ ہمیں مال غنیمت اور زکوٰۃ میں سے زیادہ حصہ دیں۔"

قرآن مجید نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے اسلام کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور انہیں ہمارے رسولؐ پر احسان جتلانے کا کوئی حق نہیں۔ یہ کیسا دین ہے اور یہ لوگ کیسا اسلام لائے ہیں؟ یہ لوگ صرف غنیمت و زکوٰۃ کی لالچ میں مسلمان ہوئے ہیں اور اگر یہ لوگ ہمارے نبی کریمؐ کی اقتدا میں آ کر نماز پڑھتے ہیں تو ہمارے حبیب پر احسان نہیں کرتے

قُلْ لَا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ یعنی اے حبیب! آپ کہہ دیں کہ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان مت جتلاؤ۔

اگر تمہیں اسلام و ایمان کی دولت ملی ہے تو اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ اسے خدا کا فضل سمجھو اور اس کا شکر ادا کرو کہ تم جیسوں کو بھی اس نے صراط مستقیم کی ہدایت کی ہے۔

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰاكُمْ لِلْاِيْمَانِ بلکہ اللہ تم پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی۔

مطلب کو مزید واضح کرنے کے لئے میں ایک مثال دینا چاہتا ہوں۔
فرض کریں کہ ایک انتہائی شفیق اور دولت مند ڈاکٹر یہ اعلان کرے کہ میں ہر آنے والے مریض کا مفت علاج کروں گا اور اسے مفت دوائیاں دوں گا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی مالی امداد بھی کروں گا۔

اب اگر یہ اعلان سن کر کوئی احمق مریض ڈاکٹر سے کہے: ڈاکٹر صاحب! آپ نے دیکھا میں نے اس شہر کے کسی طبیب سے اپنا علاج کرانا پسند نہیں کیا اور میں نے آپریشن کے لئے صرف آپ کو ہی منتخب کیا ہے اور میں نے ایسا کر کے آپ کو سربلندی عطا کی ہے۔

ایسے مریض کے متعلق ہر شخص یہی فیصلہ کرے گا کہ وہ احمق ہے۔ حق تو یہ

تھا کہ وہ اپنے شفیق معالج کا شکریہ ادا کرتا اور اس کا احسان مند ہوتا لیکن وہ الٹا اپنے معالج پر احسان جتلانے لگ گیا۔

اسی مثال کو پیش نظر رکھیں۔ اسی لئے خدا نے فرمایا ہے کہ تمہارا ہمارے حبیبؐ پر کوئی احسان نہیں ہے بلکہ اللہ تم پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی دولت عطا کی، تمہاری جہالت دور کی، اگر تمہیں اپنی نماز، روزے پر ناز ہے تو اس کا خدا پر احسان تھوڑا ہی ہے۔ نماز، روزہ تو تمہاری اپنی نجات کا ذریعہ ہے۔ تم لوگ خدا کا احسان سمجھو کہ اس نے تمہیں جہالت کی بیماری سے شفا دی ہے اور تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی عطا کی ہے۔

انسان جو بھی نیک کام کرتا ہے اس کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہے۔ ایمان سے لے کر تمام دینی احکامات تک سب اسی کی دین ہیں۔ اس لئے کسی بھی خطیب کو یہ حق نہیں کہ وہ خدا پر احسان جتلائے کہ میں لوگوں کو صراط مستقیم دکھا رہا ہوں۔

آپ کون ہوتے ہیں کسی کو ہدایت کرنے والے؟ اگر خدا کو کسی کی فلاح مطلوب ہوگی تو وہ آپ کے الفاظ میں اثر پیدا کردے گا۔ دوسرے فریق کا دل آپ کے لئے موم کردے گا۔ اس میں آپ کی صلاحیتوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

اگر ایک شخص دس بیس لاکھ روپے سے کوئی خیراتی اسپتال یا غریبوں کے لئے کوئی ادارہ بناتا ہے تو اسے بھی خدا پر احسان جتلانے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ جس دولت کی وجہ سے وہ احسان جتلا رہا ہے آخر وہ دولت کس کی عطا کردہ ہے؟ اتنی دولت کہاں سے لائے تھے؟ تم پہلے کہاں تھے؟

ہاں ہاں! پہلے تم ماں کے شکم میں ایک بالشت ڈیڑھ بالشت کی جگہ میں رہائش پذیر تھے۔ وہاں تمہارے لئے روشنی نہ تھی اور تمہارے پہننے کے لئے کپڑے نہ تھے۔ جہاں تمہیں منہ کی بجائے ناف سے غذا ملا کرتی تھی اور وہ بھی نجس خون تھا جو تمہارا جزو بدن بنتا رہا۔

دنیا میں آنے کے بعد تمہیں یہ ساری دولت کس نے عطا کی۔ تمام زمین

اور جملہ کائنات خدا کی ملکیت ہے۔ لِلّٰہِ مَا فِیُ السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِیُ الْاَرْضِ زمین و آسمان کی تمام چیزیں خدا کی ہیں۔ خدا نے عارضی طور پر تمہیں کچھ نہ کچھ دولت عطا کی ہے۔ علاوہ ازیں اگر تم نے کسی نیک کام میں اپنی دولت خرچ کی ہے تو بھی اسے اللہ کا فضل سمجھو۔ خدا نے تمہیں اس طرف متوجہ کیا اور اگر وہ تمہیں متوجہ نہ کرتا تو تم اس کار خیر میں کوئی حصہ شامل نہ کرتے۔

اگر تم اپنی دولت کے ادھار والے اجر پر راضی ہوئے تو یہ بھی خدا کی مہربانی سمجھو اور اگر کبھی تم سے کوئی نیک کام سرزد ہو جائے تو خدا کا شکر بجالاؤ اور کہو کہ خدایا تیری خصوصی توفیق کی وجہ سے میں اس کار خیر میں شریک ہوسکا۔ اگر تیری مدد شامل حال نہ ہوتی تو میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

امام حسینؑ کی سخاوت دوسروں کے لئے نمونہ عمل ہے

ایک اعرابی کو خون بہا دینا پڑا جس کی مقدار کم از کم ایک ہزار مثقال سونا ہوتی ہے مگر وہ اس بڑی مقدار کو ادا کرنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ مدینہ آیا اور یہاں آ کر اہل مدینہ سے پوچھا کہ مدینہ کا سخی ترین شخص کون ہے؟

اہل مدینہ نے کہا: حضرت امام حسینؑ بہت بڑے سخی ہیں۔ وہ حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی درخواست پیش کی۔ امام عالی مقامؑ نے پہلے تو اس سے کچھ سوالات پوچھے جس کے اس نے مناسب جواب دیئے۔ اگر میں وہ سوالات بیان کروں تو بات لمبی ہو جائے گی۔ اس لئے میں صرف یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اس نے اپنے دانش مند ہونے کا ثبوت دیا۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میرے ساتھ آؤ۔ وہ حضرتؑ کے پیچھے گیا۔ آپ گھر میں داخل ہوئے۔ وہ دروازے پر کھڑا ہوگیا۔ اس وقت آپ کے گھر میں چار ہزار اشرفیاں تھیں۔ آپ نے وہ سب کی سب ایک چادر میں باندھیں اور دروازے پر تشریف لائے اور اعرابی سے فرمایا: یہ حقیر سی رقم لے لو اور اس کے ساتھ

میں معذرت بھی کرتا ہوں کہ میں زیادہ نہیں دے سکا۔

اعرابی نے وہ رقم آپ کے ہاتھ سے لے لی اور کہا: مولا! آپ نے سخاوت تو کی لیکن آپ دروازے کے اندر کھڑے ہوگئے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

آپ نے فرمایا: بات یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کچھ وصول کرے تو اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار آجاتے ہیں۔ میں تمہارے روبرو آ کر تمہارے چہرے کی شرمندگی کے آثار کو دیکھنا نہیں چاہتا۔

آپ نے اپنے آقا و مولا کی سخاوت ملاحظہ فرمائی کہ چار ہزار اشرفیاں دے کر بھی آپ نے سائل سے معذرت کی اور آپ چند تومان دے کر بھی گردن اکڑاتے ہیں۔

بہرحال ایک صاحب ایمان کو چاہئے کہ وہ اپنی دولت کو ذاتی دولت سمجھنے کی بجائے خدا کی عطا کردہ دولت سمجھے اور اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھے اور نیکی کے لئے خدا کی طرف سے توفیق ملنے پر اس کا شکر ادا کرے اور اگر کسی پر احسان کرے تو اپنا احسان نہ جتلائے ورنہ نیکی تباہ ہو جائے گی۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: **لَاتُبْطِلُوْ صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَا لَهٗ رِئَآ ءَ النَّاسِ.** .. احسان اور اذیت دے کر اپنی خیرات کو باطل نہ کرو اور اس شخص جیسے نہ بنو جو لوگوں کے دکھاوے کے لئے اپنی دولت خرچ کرتا ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۶۲)

آمدم برسر مطلب۔ امام حسین علیہ السلام نے اس اعرابی کو چار ہزار اشرفیاں دیئے اور معذرت طلبی کے لئے یہ شعر ارشاد فرمائے:

خذها فانى اليک معتذر
و اعلم بانى عليک ذو شفقة

یعنی یہ حقیری رقم لے لو اور میں تم سے معذرت خواہ ہوں اور تمہیں علم ہونا چاہئے کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

امام حسینؑ کی سخاوت کا یہ انداز دیکھ کر اعرابی زور زور سے رونے لگا۔ اس

پر آپ نے اس سے پوچھا: کیا ہماری عطا کو کم سمجھ کر رو رہے ہو؟

اعرابی نے کہا: نہیں مولا! آپ کی عطا بہت زیادہ ہے۔ میں تو اس لئے رو رہا ہوں کہ ایسے سخی ہاتھ خاک میں دفن کیسے ہوں گے۔ پھر اس نے آپ کی شان میں کچھ اشعار کہے۔ لوگوں نے اس وقت وہ شعر لکھ لئے تھے۔ بعد میں وہی اشعار آپ کی ضریح مطہر پر نصب کر دیئے گئے جن میں سے ایک شعر یہ تھا:

لن یخب الآن من رجاک و من حرک من دون بابک الحلق

یعنی جو آپ سے امید وابستہ کر لے وہ ہرگز نا امید نہیں ہوتا اور جو آپ کے دروازے پر دستک دے وہ کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔

ہم بھی کہتے ہیں کہ اعرابی نے سچ کہا تھا اور ہم بھی امام حسین علیہ السلام سے خطاب کر کے کہتے ہیں: آقا حسینؑ! اعرابی مقروض تھا، اس نے آپ سے پناہ طلب کی، آپ نے اسے پناہ دیدی اور اس کا قرض آپ نے ادا کر کے اسے قرض سے آزادی دلائی تھی۔

مولا! ہم گناہوں میں گرفتار ہیں مہربانی فرما کر پروردگار سے ہمارے گناہوں کی معافی کی درخواست کریں۔

پیارے حسینؑ! آپ کے دروازے پر آنے والا مایوس نہیں ہوتا، ہم آپ کے وسیلے سے خدا کی مغفرت و رحمت کے طلبگار ہیں۔

مولا حسینؑ! آج جمعۃ الوداع کی شب ہے، آج کی شب دوزخ سے رہائی کی شب ہے۔ آپ ہمیں بھی دوزخ سے رہائی دلائیں۔ ہم سب مفلس اور تہی دامن ہیں، ہمارے دامن میں کوئی ایسا عمل نہیں جو کل قیامت میں ہمارے کام آ سکے۔ آپ پر گریہ کرنے کا بڑا ثواب ہے اور آپ کے غم میں بہنے والے ایک آنسو سے گناہوں کے دفتر دھل جاتے ہیں۔ آپ ہم پر نگاہ شفقت فرمائیں۔ اعرابی تو اس لئے رویا تھا کہ ایسے سخی ہاتھ خاک میں دفن کیسے ہوں گے؟ ہائے! اگر وہ ظالموں کا ظلم دیکھتا تو نجانے اس کی کیا حالت ہوتی؟

مبدا ومعاد پر ایمان اساس دین ہے

اللہ تعالیٰ نے دین کا جو سلسلہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا اس کا اختتام حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے جس دین کی تبلیغ کے لئے انبیاء و رسل کو بھیجا اور کتب وصحائف نازل فرمائے اس تمام تر دین کا ماحصل خدا و آخرت پر ایمان رکھنا اور عمل صالح بجالانا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ سب کا یہی پیغام تھا۔ تمام انبیاءؑ کی بعثت اور تمام آسمانی کتابوں توریت، زبور، انجیل اور قرآن کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ خدا و آخرت پر ایمان لاؤ اور نیک عمل کرو۔ توحید، نبوت اور قیامت پر ایمان لانے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آدمی صرف زبان سے ان باتوں کا اقرار کرے بلکہ خدا پر ایمان لانے کا مقصد یہ ہے کہ انسان ہر وقت خدا کی رضا کے حصول کے لئے بھاگ دوڑ میں مصروف رہے مگر ہماری کیا حالت ہے۔ ہم تو دن رات دنیا اور خواہشات دنیا کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔

یہودی کہتے ہیں کہ ہم حضرت موسیٰؑ کی امت ہیں، ہم اہل توریت ہیں اور اس کے ساتھ وہ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ پوری روئے زمین کی حکومت ہمارا حق ہے اور بہشت بھی ہماری جاگیر ہے۔ نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں، جنت ہماری جاگیر ہے، حضرت مسیحؑ تین دن تک اس لئے صلیب پر لٹکے رہے کہ ان کے پیروکاروں کو نجات مل سکے۔

اور تقریباً یہی حال ہم مسلمانوں کا ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جنت ہماری جاگیر ہے اور ہم علی مولاؑ کے شیعہ ہیں۔ دوسروں کا جنت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

قرآن ایسے تمام دعووں کو مسترد کرتے ہوئے فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا والنَّصارى و الصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ولا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ بیشک جو لوگ مسلمان یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست ہیں ان میں سے جو اللہ اور قیامت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) ان کو کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ غمناک ہوں گے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۶۲)

مقصد یہ ہے کہ صرف نام بدلنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اپنے آپ کو مسلمان، یہودی اور عیسائی کہلانے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ دین کے لئے خدا اور آخرت پر ایمان لانا اور نیک عمل کرنا ضروری ہے۔ جب تک کوئی شخص خدا کی رضا مندی اور آخرت کی نجات کے لئے بھاگ دوڑ نہ کرے اس وقت تک اس کی نجات مشکل ہے اور آج حالت یہ ہے کہ اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ عذاب قبر سے ڈرو اور قیامت کے حساب سے ڈرو تو وہ جواب میں کہتا ہے "مہربانی کر کے ان باتوں کو رہنے دیں یہ باتیں بہت پرانی ہوچکی ہیں۔"

اب سوال یہ ہے کہ ایسا شخص دیندار بھی ہے؟ نام رکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، چاہے مسلمانوں کا نام رکھیں یا یہودیوں اور عیسائیوں کا سا نام رکھیں، جو شخص دن رات دولت، عورت اور خواہشات کے پیچھے بھاگ دوڑ کر رہا ہو اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسے شخص کا جنت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

آپ اپنے زیر تعمیر مکان کو تو ہر وقت دیکھتے رہتے ہیں کہ کیسا بن رہا ہے اور اس میں کوئی نقص وغیرہ تو نہیں ہے تو کیا کبھی آپ نے اپنے آخرت کے گھر کے گرد بھی چکر لگا کر یہ دیکھنے کی زحمت گوارا کی ہے کہ وہ کیسا بن رہا ہے؟

دنیا اور آخرت کی زندگی میں فرق ہے

جب آپ نے شکم مادر کو چھوڑا اور زمین پر قدم رکھا تو آپ کے لئے بنابنایا مکان پہلے سے موجود تھا۔ آپ کی روشنی کے لئے سورج اور چاند کے چراغ موجود تھے اور خوراک کے لئے ماں کا دودھ موجود تھا۔ آپ کو پہلے سے تیار شدہ چیزیں مل گئیں اور مرتے وقت تک آپ کو یہ سہولیات حاصل رہیں گی لیکن آخرت کی زندگی اس دنیاوی زندگی جیسی نہیں ہوگی۔ آخرت کی زندگی آپ کو پہلے سے تیار شدہ نہیں ملے گی۔ جب آپ اس دنیا سے جائیں گے تو وہاں آپ کے لئے سورج کی روشنی موجود نہیں ہوگی۔ قبر کی روشنی آپ یہاں سے ہی لے کر جائیں گے۔ آپ کو اپنے ساتھ نور اعمال، نور ایمان، نور توبہ اور نور اخلاص لے کر جانا ہوگا۔ وہاں آپ اپنے ایمان کے نور کی روشنی میں چلیں گے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ .. اس دن آپ مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھیں گے ان کا نور دوڑ رہا ہوگا۔ (سورۂ حدید: آیت ۱۲)

اس دن سورج اور ستاروں کی روشنی نہیں ہوگی جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ○ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ○ جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے ٹوٹ جائیں گے۔ (سورۂ تکویر: آیت ۱-۲)

قیامت کے دن روشنی دینے والا ایک ستارہ تک نہ ہوگا۔ وہاں تاریکی کا راج ہوگا۔ وہاں صرف نور محمدؐ جگمگا رہا ہوگا اور جس نے بھی نور مصطفیٰؐ سے دنیا میں کچھ روشنی حاصل کی ہوگی وہ اپنی روشنی لے کر وہاں آئے گا۔ بعض مومنین کے پاس بس اتنا نور ہوگا کہ وہ اس کی وجہ سے راستا چلنے کے قابل ہوں گے اور بعض کے پاس جو نور ہوگا وہ انتہائی کم روشنی کرے گا اور وہ کبھی مدھم ہوگا اور کبھی کچھ تیز ہوجائے گا جیسا کہ آپ لالٹین لیکر ہوا میں چلیں تو کبھی ہوا کے جھونکوں سے اس کی روشنی مدھم ہو جاتی ہے اور کبھی تیز ہو جاتی ہے۔ یہ ہمارے اعمال کی ملکوتی صورت

ہوگی۔ جب کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو اس کا نور ایمان بجھ جاتا ہے اور جب توبہ کرتا ہے تو اس کا نور ایمان دوبارہ چمک اٹھتا ہے۔ خدا سے ہمیشہ دعا کریں کہ تاریکی مکمل طور پر چھانے نہ پائے۔ دعائے ابوحمزہ ثمالی میں ہے کہ **ولم افرشه بالعمل الصالح لضجعتی ابکی لظلمة قبری** یعنی میں نے اپنی قبر میں عمل صالح کا فرش نہیں بچھایا، میں اپنی قبر کی تاریکی پر روتا ہوں۔

مرنے کے بعد تمہیں اپنے ہی بنائے ہوئے گھر میں رہنا ہوگا۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

لا دار للمرء بعد الموت یسکنها   الا التی کان قبل الموت بانیها

یعنی بعض مومن ایسے بھی ہوں گے جن کی قبر تا حد نگاہ فراخ ہوگی۔ ان کا جسم قبر میں ہوگا اور ان کی روح ملکوت میں ہوگی۔

ایمان بالآخرت کا تعلق قیامت کے متعلق بھاگ دوڑ کرنے سے ہے اور یہ ایمان اس وقت حقیقی کہلائے گا جب انسان گناہوں سے پرہیز کرے گا۔ ایک مومن اپنی خواہشات کا اسیر ہو کر کبھی ایمانی تقاضوں کو نہیں چھوڑتا۔ حدیث پاک میں ہے: **لا یزنی الزانی وهو مؤمن ولا یسرق السارق وهو مؤمن** یعنی زانی زنا کے وقت اور چور چوری کے وقت مومن نہیں ہوتا۔

پابند دین افراد کا کردار

بیان کیا جاتا ہے کہ کسی جنگ میں بارہ مسلمان مجاہد رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ رومی بادشاہ نے کہا: مسلمان قیدیوں کو میرے سامنے لایا جائے۔ میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ تھوڑی تعداد رکھنے کے باوجود اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر پر کامیاب کیسے ہو جاتے ہیں؟

جب اسلام کے ان عظیم سپاہیوں کو بادشاہ کے سامنے لایا گیا تو اس نے کہا: میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا بلکہ تم ہماری فوج کو حسنہ مانگی تنخواہ پر تربیت دو تاکہ وہ بھی

تمہاری طرح جارحانہ حملے کرنے کے قابل ہو جائے۔

مسلمان قیدیوں نے کہا: ایسا ناممکن ہے۔ ہم ایسا کر کے اپنے خدا کو ناراض نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن میں حضرت موسیٰ کا یہ قول موجود ہے: رَبِّ بِمَا اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَکُوۡنَ ظَہِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ○ خدایا! تو نے مجھ پر نعمت کی ہے، میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ (سورۂ قصص: آیت ۱۶) ہم مسلمان دشمن افواج کو تربیت دے کر مسلمان فوج کی پیٹھ میں کبھی چھرا نہیں گھونپیں گے۔

بادشاہ نے کہا: تم ان لوگوں کو کلیسا میں لے جاؤ اور انہیں وہاں کی خوبصورت لڑکیاں دکھاؤ اور ان لڑکیوں سے کہو کہ وہ ان کا دل بہلائیں۔

پھر اس نے قیدیوں سے کہا: تنخواہ کے علاوہ ہم تمہیں خوبصورت لڑکیاں بھی دینے کو تیار ہیں لیکن اس کیلئے تمہیں ہماری فوج کو تربیت دینا ہوگی۔ بہرحال جب ان قیدیوں کو کلیسا میں لایا گیا اور انہوں نے وہاں لڑکیوں کی دلربائی دیکھی تو بولے: **هذه بيت الشهوة لا بيت العبادة** یعنی یہ شہوت کا گھر ہے عبادت کا نہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی نگاہیں جھکالیں تاکہ غیر محرم عورتوں پر دوبارہ نظر نہ پڑے۔

اگر شہوت کی نظر سے دوسری نگاہ ڈالی جائے تو بلاشبہ حرام ہے۔ قیدی بیچارے سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ خدام نے بادشاہ کو خبر دی کہ انہوں نے آنکھیں جھکالی ہیں اور وہ لڑکیوں کو دیکھنا نہیں چاہتے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ حقیقی مرد تھے، بچکانہ عادات کے مالک نہیں تھے، وہ لوگ صحیح معنوں میں آزاد تھے، دولت اور ہوس کے غلام نہیں تھے۔ وہ سچے مسلمان تھے، صاحب عزت تھے، مومن خدا کی وجہ سے معزز ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: لِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ وَ لِرَسُوۡلِہٖ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یعنی عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسولؐ کے لئے ہے اور اہل ایمان کے لئے ہے۔

مومن معزز ہوتا ہے، دولت اور عورت پر ایمان کو قربان نہیں کرتا۔ مومن ہمیشہ اپنی قبر و آخرت کی فکر میں رہتا ہے۔ جو شخص جس چیز کے لئے بھاگ دوڑ کرتا

ہے وہی اس کا ایمان ہوتا ہے۔ اگر کسی کا دل مردار دنیا کے گرد گھومتا ہے تو مرنے کے بعد بھی وہ مردار کی صحبت میں ہوگا اور اگر کسی کا دل محمدؐ و آل محمدؑ اور قرآن کے گرد گھومتا ہے تو اسے مرنے کے بعد محمد و آل محمدؐ کی رفاقت نصیب ہوگی۔

حرص و ہوس کا بندہ دن رات بازار کے اتار چڑھاؤ کے بارے میں سوچتا رہتا ہے۔ اسے اس کام سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ آخرت کے طلبگار کو بھی کم از کم طالب دنیا جتنی جدوجہد تو کرنی ہی چاہئے۔ اس کے شب و روز بھی خدا کے ذکر و فکر میں صرف ہونے چاہئیں کیونکہ "برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔"

طالب دنیا کی بھی علامت ہے اور طالب آخرت کی بھی علامت ہے۔

طالب دنیا کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ نفع ملے اور اس میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔ اسی طرح سے ایک طالب آخرت بھی یہ سوچتا ہے کہ ابھی تک ماہ رمضان کا ایک دن باقی ہے میں اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرلوں۔

طالب دنیا کو جس سودے سے دس روپے ملنے کی توقع ہو تو وہ فوراً اس سودے کو قبول کر لیتا ہے۔ طالبان آخرت کو معلوم ہونا چاہئے کہ ماہ رمضان ختم ہونے والا ہے۔ اس میں اگر آپ ایک روپیہ خدا کی راہ میں خرچ کریں گے تو آپ کو ایک ہزار روپے کا ثواب ملے گا۔ اسی لئے وہ اس موقع کو غنیمت سمجھیں اور دل کھول کر اس سے استفادہ کریں۔

مومن کے بارے میں قرآن کہتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ مومن تو بس وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز اٹھیں۔ (سورۂ انفال)

مومن کے سامنے جب بھی قیامت کا نام لیا جائے تو وہ اپنے دل میں خوف محسوس کرے کہ یہ ایمان کی علامت ہے۔ اگر کسی دل میں خدا اور آخرت کا خوف نہیں ہے تو یہ دنیا پر ایمان ہوا اور ایسا شخص عالم برزخ میں حب دنیا کی وجہ سے مردار کے ساتھ ہوگا اور اس کی بدبو سے اذیت محسوس کرے گا کیونکہ ملکوت

میں دنیا کی شکل مردار کی سی ہے۔

ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد زبانی کلامی ایمان سے کام نہیں چلے گا۔ سب زبانی دعوے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ خدا تو یہ دیکھے گا کہ مرتے وقت تک اس کا دل کس بات میں اٹکا ہوا تھا۔

عزیزان گرامی! ایمان کی ایک علامت یہ ہے کہ جیسے ہی حی علی الصلاۃ کی صدا بلند ہو تو مومن ہر کام چھوڑ دے اور مسجد کی طرف چل پڑے۔ دعائے کمیل میں ہے کہ و مِطَالِیُ یَا سَیِّدِیُ یعنی خدایا! میں تجھ سے اپنی سستی اور کاہلی کا شکوہ کرتا ہوں۔

دوبارہ خواہشات میں نہ پڑیں

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ماہ رمضان کی برکات سے مستفید ہونے کی توفیق بخشی۔ آپ نے اس ماہ میں ایمان وشوق کا بہترین مظاہرہ کیا اور آپ نماز کے لئے بڑی پابندی سے مساجد میں جاتے رہے اور آپ نے تفسیر قرآن کے درس میں بھی شرکت فرمائی۔ آپ نے روزے رکھے۔ اب مجھے یہ کہتے ہوئے انتہائی دکھ ہوگا کہ وہ آنکھ جو شب قدر میں جاگتی رہی اور وہ آنکھ جو قرآن کی تلاوت میں مصروف رہی، اب وہی آنکھ ٹی وی کے بیہودہ مناظر اور شہوت انگیز فلمیں دیکھنے لگے۔

ماہ رمضان کی برکت سے آپ میں ثابت قدمی پیدا ہوئی ہے۔ خدا کرے کہ آپ آئندہ بھی اس پر قائم و دائم رہیں اور آئندہ کے لئے گناہوں کو ترک کرنے کا فیصلہ کرلیں۔ سفر آخرت کی آسانی کے لئے ایک دوسرے سے محبت کریں۔

اتفاق ومحبت سے برکت پیدا ہوتی ہے

ایک چھوٹے سے گھر سے لے کر ملکی سطح تک اگر لوگوں میں اتفاق ومحبت ہو تو وہاں برکت پیدا ہوتی ہے۔ جس گھر میں میاں بیوی محبت سے رہتے ہیں ان کی

زندگی میں خوشیوں کے رنگ دکھائی دیتے ہیں۔ جس گھر میں باپ بیٹا پیار و الفت سے رہتے ہیں وہاں بڑا سکون ہوتا ہے۔ جس معاشرے میں ہمسائے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں وہاں خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی برسات ہوتی ہے۔

خدا سب سے بڑا مہربان ہے

ایک روایت میں ہے کہ حضرت داؤدؑ کے زمانے میں ایک نوجوان ان سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ وہ روزانہ حضرت کی خدمت میں آ کر زبور سنا کرتا تھا۔ وہ زبور سننے میں اتنا محو ہو جاتا تھا کہ کسی کام کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ حضرت داؤدؑ بھی اس سے پیار کرتے تھے۔ ایک دن ملک الموت حضرت داؤدؑ کی ملاقات کے لئے آئے اور اس جوان کو بھرپور نظر سے دیکھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے ملک الموت سے پوچھا: کیوں خیریت تو تھی، تم ہمارے دوست کو یوں گھور گھور کر دیکھ رہے تھے؟

ملک الموت نے کہا: بات یہ ہے کہ آپ کا دوست صرف ایک ہفتے کا مہمان ہے۔ ٹھیک ایک ہفتے بعد میں اس کی روح قبض کرلوں گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: کیا یہ حتمی امر ہے؟

ملک الموت نے کہا: ہاں! یہ کہہ کر ملک الموت چلا گیا۔ حضرت داؤدؑ اس نوجوان کے لئے شدید فکر مند ہوئے۔

آپ نے نوجوان سے پوچھا: تمہاری شادی ہوچکی ہے؟

نوجوان نے نفی میں جواب دیا۔ حضرت نے سوچا کہ یہ بیچارہ صرف ایک ہفتے کا مہمان ہے کیوں نہ اس کی شادی کردی جائے تاکہ اس کے دل میں شادی کی حسرت باقی نہ رہے۔

حضرت نے اپنے ایک اور ارادت مند کو بلا کر فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی بیٹی کا نکاح اس نوجوان سے کردو اور میں یہ شادی آج رات دیکھنا چاہتا ہوں۔

لڑکی کے باپ نے کہا: میں آپ کے فرمان کی تعمیل کرتا ہوں۔

بہرحال اسی رات شادی ہوگئی اور میاں بیوی بڑے پیار و محبت سے رہنے لگے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کی موت کا انتظار تھا اور آپ کو یقین تھا کہ نوجوان ایک ہفتے بعد اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔

جب ایک ہفتہ پورا ہوا تو داؤد علیہ السلام اس محلے میں آئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ نوجوان فوت ہو چکا ہوگا اور میں اس کے جنازے میں جا کر شرکت کروں گا لیکن جب آپ اس محلے میں تشریف لائے تو وہاں ہر طرح کی خیریت دکھائی دی اور وہ نوجوان آپ کے سلام کے لئے آیا۔ حضرت اسے دیکھ کر خاموش رہے۔

ایک ہفتہ مزید گزرنے کے بعد دوبارہ ملک الموت حضرت داؤد علیہ السلام کی ملاقات کے لئے آئے تو آپ نے پوچھا: تم نے تو کہا تھا کہ نوجوان صرف ایک ہفتے کا مہمان ہے مگر وہ تو ابھی تک زندہ ہے۔

ملک الموت نے کہا: میں نے بالکل درست کہا تھا۔ اس کی موت کا وقت بالکل قریب آچکا تھا لیکن آپ نے اور لڑکی کے والد اور خود لڑکی نے اتنے پیار و محبت کا ثبوت دیا جس کی وجہ سے رحمت حق حرکت میں آگئی اور ندا بلند ہوئی کہ ''ہم تم سے زیادہ رحم کرنے کے حقدار ہیں ہم نے اس جوان کی زندگی بڑھا دی ہے۔'' (بحارالانوار، جلد ٦) یہ محبت کی برکت ہے اور خدانخواستہ جہاں چوری، خیانت اور دشمنی روزمرہ کا معمول بن جائے تو وہاں بدبختی ہی بدبختی چھا جاتی ہے اور جہاں قطع رحمی عام ہو جائے تو وہاں کی آبادی، ویرانی میں بدل جاتی ہے۔

ایک فرمانبردار بیوی

کتاب **محجة البیضاء** میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص سفر کے لئے روانہ ہوا اور روانگی کے وقت اس نے اپنی بیوی سے کہا: جب تک میں واپس نہ آؤں تب تک تم گھر سے باہر نہیں نکلنا۔

بیوی نے کہا: آپ مطمئن رہیں میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی۔

الغرض وہ شخص سفر پر چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد عورت کا والد سخت بیمار ہوا اور عورت کو اطلاع ملی کہ تمہارا والد سخت بیمار ہے آؤ اور اس کی عیادت کرو۔ عورت نے رسول خداؐ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میرے شوہر نے اپنی عدم موجودگی میں مجھے باہر نکلنے سے منع کیا تھا۔ اب میرا والد سخت بیمار ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں والد کی عیادت کے لئے چلی جاؤں؟ روایت کا ماحاصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: تم گھر پر رہو۔

پھر عورت کے والد کا انتقال ہوگیا۔ عورت کو اطلاع ملی کہ تمہارا والد مر چکا ہے آ کر اس کا آخری دیدار کرو۔ عورت نے پھر رسول خداؐ سے اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت نہیں دی۔

عورت اپنے گھر میں بیٹھی رہی۔ یہاں تک کہ اس کا والد دفن ہوگیا۔ اس عورت کے ایمان کے کیا ہی کہنے جس نے شوہر کی اطاعت کو مقدم رکھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ خدا کی رضا شوہر کی رضا میں مضمر ہے۔

جب عورت کا والد دفن ہوگیا تو رسول خداؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے اس عمل کی وجہ سے اسے، اس کے والد، اس کی والدہ اور اس کے شوہر کے گناہ معاف کردیئے ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک فرمانبردار عورت کتنے افراد کے لئے سعادت کی باعث بن گئی؟

ماہ رمضان کو الوداع کہیں

اگر غیب کے پردے ہٹ سکتے تو آپ خود دیکھ لیتے کہ کتنی برکتوں والا مہینہ ہم سے جدا ہو رہا ہے۔ ماہ رمضان المبارک کو الوداع کرنا مستحب ہے۔ جمعۃ الوداع کے دن الوداع کہنا مستحب ہے۔ اس دن وداع رمضان کی دعا پڑھنا مستحب

ہے۔ وداع ایک ایسے عزیز کو کیا جاتا ہے جو رخصت ہو رہا ہو اور پھر قیامت کے دن ملاقات کا وعدہ کر رہا ہو۔ ایسے عزیز کو کن الفاظ سے خدا حافظی کرنی چاہیے؟

زمان و مکان اس جہان میں بہت جلد رخصت ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ خود تو گزر جاتے ہیں لیکن ان کا ملکوتی وجود موجود رہتا ہے۔ ماہ رمضان کا ملکوتی وجود عالم اعلیٰ میں باقی ہے۔ یہ جو ماہ رمضان اب رخصت ہونے کو ہے اور اس کی راتوں میں آپ جاگے ہیں اس کا ایک ملکوتی وجود ہے اور اس کا ملکوتی وجود مرنے کے بعد آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان فراہم کرے گا۔

ساعات زندگی کا ملکوتی وجود

ابن فہد حلی نے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ زندگی کی تین قسمیں ہیں:

ان میں سے ایک قسم تو ایسی ہے جب اس کی ملکوتی صورت مومن کو دکھائی دے گی تو وہ اسے دیکھ کر اتنا خوش ہوگا کہ اگر اس کی خوشیوں کو اہل دوزخ میں بھی تقسیم کیا جائے تو وہ بھی سب کے سب خوش ہو جائیں اور یہ مومن کی زندگی کی وہ گھڑی ہوگی جب وہ ماہ رمضان میں حالت روزہ میں مسجد میں بیٹھ کر دوسرے اہل ایمان کے ساتھ بیٹھا ہوگا اور اس محفل میں بہت سے بوڑھے اور جوان شامل ہو کر ذکر خدا میں مصروف ہوں۔

انشاء اللہ آپ نے جو کام بھی خدا کی رضا کے لئے کیا ہوگا اور آپ نے جو گفتگو بھی اللہ کی رضا کے لئے کی ہوگی اور آپ نے جو بھی توبہ و استغفار کی ہوگی آپ ان تمام چیزوں کو ملکوتی صورت میں وہاں دیکھیں گے۔ آپ حضرات ماہ رمضان کو وداع کریں اب اس مہینے سے قیامت کے دن ملاقات ہوگی۔

امام زین العابدینؑ ماہ رمضان پر سلام کرتے ہوئے کہا کرتے تھے:

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکَ یَا عِیْدَ الْاَوْلِیَاءِ اے ماہ رمضان! تو اولیائے الٰہی کی عید تھا،

تواولیائے الٰہی کی شادمانی کا ذریعہ تھا اور اولیائے الٰہی کے علاوہ باقی لوگوں پر تو بڑا بھاری تھا۔ دوستان خدا کے لئے تو کتنی جلدی سے رخصت ہوگیا۔

روایت کا باقی حصہ عرض کرتا ہوں۔ دوسری گھڑی کو مومن دیکھے گا تو وہ اسے دیکھ کر اتنا غمگین ہوگا کہ اگر اس کے غم و اندوہ کو اہل جنت میں تقسیم کیا جائے تو وہ سب کے سب مغموم ہو جائیں اور وہ ایسی ساعت ہے جس میں اس نے گناہ کیا ہوگا۔ خدا کرے کہ ماہ رمضان میں ہمیں اپنا کوئی گناہ دکھائی نہ دے۔ قرآن کہہ رہا ہے: وَ تُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○ لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ (سورۂ یٰس: آیت ۶۵)

انسان کا ہر عضو قیامت کے دن گواہی دے گا۔ ہر شخص کے ہاتھ، آنکھ، کان اور زبان اپنے اپنے عمل کی گواہی دیں گے اور پھر لوگ اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی تو وہ کہیں گے کہ ہمیں غالب اور صاحب حکمت خدا نے قوت گویائی عطا کی تھی اور ہم نے اس کے حکم سے گواہی دی۔

ایک روایت میں ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: جب کوئی شخص توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کراماً کاتبین اور اس کے اعضاء و جوارح کو امر تکوینی ہوتا ہے کہ تم کل قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی نہ دینا کیونکہ ہمارے بندے نے توبہ کرلی ہے اور ہم سے معافی مانگ لی ہے۔

اگر خدانخواستہ آپ نے توبہ نہ کی تو پھر یاد رکھیں یہی زمین ہی کل آپ کے خلاف گواہی دے گی جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا○ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا○ اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی کہ تمہارے پروردگار نے اسے اشارہ کیا ہے۔ (سورۂ زلزال: آیت ۴-۵)

تیسری ساعت مومن کو جو دکھائی دے گی اس میں نہ تو خوشی ہوگی اور نہ ہی غم ہوگا اور یہ وہ گھڑی ہوگی جس میں مومن نے جائز اور مباح کام کئے ہوں گے مگر مومن اس گھڑی کو دیکھ کر افسوس کرے گا کہ کاش اس نے اس گھڑی کو اپنے لئے

کارآمد بنایا ہوتا اور اس میں خدا کی اطاعت کی ہوتی اور آج یہ گھڑی اس کے لئے فائدہ مند ثابت ہوتی۔

دعائے وداع پڑھیں

حضرت جابرؓ نے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ دو میں سے تمہارا ایک کام ضرور کرے گا۔ یا تو تمہیں اتنی زندگی دے گا کہ تم آئندہ ماہ رمضان پاسکو گے یا پھر اگر تمہاری موت حتمی ہوئی تو تمہارے تمام معاملات اسی دن سلجھا دے گا اور وہ دعا یہ ہے: اَللّٰھُمَّ لاَ تَجْعَلْهُ اٰخِرَ الْعَھْدِ مِنْ صِیَامِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ فَاِنْ جَعَلْتَهٗ فَاجْعَلْنِیْ مَرْحُوْمًا وَلاَ تَجْعَلْنِیْ مَحْرُوْمًا یعنی خدایا! اس ماہ رمضان کو میری زندگی کا آخری ماہ رمضان قرار نہ دینا۔ مجھے اتنی عمر عطا کرنا کہ میں آئندہ ماہ رمضان پاسکوں اور اس میں روزے رکھ سکوں اور قرآن مجید کی دل کھول کر تلاوت کرسکوں اور تیری بندگی بجالاسکوں اور اگر تیری قضا حتمی ہے اور آئندہ ماہ رمضان میرے مقدر میں نہیں ہے (اور دعا و صدقہ سے عمر بڑھنے کا کوئی امکان نہیں ہے) تو پھر مجھے میرے تمام گناہوں سے پاک فرما۔ اپنی طرف سے مجھے رحمت عنایت فرما اور مجھے دوزخ سے آزادی عطا فرما۔ میرے معاملات کی اصلاح فرما۔ مجھے محروم نہ رکھنا اور ماہ رمضان کی برکتوں سے مجھے خالی ہاتھ واپس نہ لوٹانا۔

خدایا! ہمیں عیدالفطر ایک کامل عید کی شکل میں عطا فرما اور ان ہاتھوں کو اپنے در پاک پر ہمیشہ بلند ہونے کی توفیق عنایت فرما۔

آیئے امام حسین علیہ السلام پر سلام کرتے ہوئے ماہ رمضان کو وداع کریں۔ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِاللّٰهِ۔

لا اله الا الله

محمد رسول الله

WORLD SHIA MUSLIM ORGANISATION

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

٧٨٦
۹۲_۱۱۰
یا صاحب الزماں ادرکنی
یا عباس
DVD
Version
NOT FOR COMMERCIAL USE
www.ziaraat.com
لبیک یا حسینؑ
خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی
اسلامی کُتب (اردو) DVD
ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔
SABEEL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.co.cc
sabeelesakina@gmail.com